ترجمانُ القرآن

قرآنِ حکیم کے مطالب اُردو زبان میں ضروری تشریحات کے ساتھ

تفسیرِ سُورۂ فاتحہ

ابوالکلام احمد

جلد اوّل

غالباً دسمبر ۱۹۱۸ء کا واقعہ ہے کہ میں رانچی میں نظر بند تھا۔ عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر مسجد سے نکلا تو مجھے محسوس ہوا، کوئی شخص پیچھے آ رہا ہے۔ مڑ کر دیکھا تو ایک شخص کمبل اوڑھے کھڑا تھا:

"آپ مجھ سے کچھ کہنا چاہتے ہیں؟"

"ہاں جناب، میں بہت دور سے آیا ہوں"

"کہاں سے؟"

"سرحد پار سے"

"یہاں کب پہنچے؟"

"آج شام کو پہنچا۔ میں بہت غریب آدمی ہوں۔ قندھار سے پیدل چل کر کوئٹہ پہنچا۔ وہاں چند ہم وطن سوداگر مل گئے تھے۔ انہوں نے نوکر رکھ لیا، اور آگرہ پہنچا دیا۔ آگرہ سے یہاں تک پیدل چل کر آیا ہوں"

"افسوس تم نے اتنی مصیبت کیوں برداشت کی؟"

"اس لیے کہ آپ سے قرآن مجید کے بعض مقامات سمجھ لوں۔ میں نے الہلال اور البلاغ کا ایک ایک حرف پڑھا ہے"

یہ شخص چند دنوں تک ٹھہرا، اور پھر یکایک واپس چلا گیا۔ وہ چلتے وقت اس لیے نہیں ملا کہ اسے اندیشہ تھا، میں اسے واپسی کے مصارف کے لیے روپیہ دوں گا، اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کا بار مجھ پر ڈالے۔ اس نے یقیناً واپسی میں بھی مسافت کا بڑا حصہ پیدل طے کیا ہوگا۔

مجھے اس کا نام یاد نہیں۔ مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ زندہ ہے یا نہیں۔ لیکن اگر میرے حافظے نے کوتاہی نہ کی ہوتی، تو آج میں یہ کتاب اس کے نام سے منسوب کرتا۔

۱۲ ستمبر ۱۹۳۱ء
کلکتہ

ابوالکلام

تفسیر سورۂ فاتحہ

سورۂ فاتحہ

(۱۷۶)

سورۂ بقرہ

(۱۷۷)

النساء ۴

(۳۲۸)

کرو، اور تم میں سے جو صاحب حکم و اختیار ہو، اُس کی اطاعت کرو۔
اگر نزاع و اختلاف ہو، تو قرآن و سنّت کی طرف رجوع کرنا
چاہیے۔

۳۴۷ منافق اپنے جھگڑے چکانے کے لئے مخالفین اسلام کے
آگے پیش کرتے تھے۔ فرمایا، جو شخص اللہ کے رسول کے حکم و فیصلہ
پر مطمئن نہیں، وہ مومن نہیں!

۳۴۸ جس کسی نے اللہ اور رسول کی اطاعت کی، تو وہ انعام
یافتہ جماعتوں کا ساتھی ہوا۔ انعام یافتہ جماعتیں چار ہیں:
انبیاء۔ صدیقین۔ شہداء۔ صالحین۔

۳۴۹ منافقوں کی یہ روش کہ جنگ سے الگ رہتے۔ پھر اگر
کوئی حادثہ پیش آجاتا تو خوش ہوتے کہ ہم بچے رہے۔ اگر کامیابی
ہوتی، تو حسد سے جل مرتے کہ کاش ہم نے بھی ساتھ دیا ہوتا!
قرآن نے جنگ کا حکم اس لئے نہیں دیا کہ دوسروں پر
چڑھ دوڑو، بلکہ اس لئے کہ ظلم کا مقابلہ کرو۔ اسی لئے وہ کہتا ہے
مومن کا لڑنا اللہ کی راہ میں ہوتا ہے۔

۳۵۰ عرب کے لوگ باہمی خونریزی میں مبتلا تھے۔ اسلام نے
اس سے روکا۔ اب جب مظلوموں کی حمایت اور ظالموں کے
دفاع میں جنگ کا حکم دیا گیا، تو منافق جی چرانے لگے۔
مسلمانوں کو جب کبھی منافقوں کی وجہ سے کوئی حادثہ
پیش آجاتا، تو منافق اُس کی ذمہ داری پیغمبر اسلام پر ڈالتے
فرمایا، جو کچھ پیش آتا ہے اللہ کے ٹھہرائے ہوئے قوانین عمل کا
فطری نتیجہ ہے۔ پیغمبر کا کام پیغام حق پہنچا دینا ہے۔ اگر تم عمل نہ
کرو، تو نتائج کے خود ذمہ دار ہو۔
امام وقائد کو چاہیے لوگوں کی کج اندیشیوں سے ملول خاطر
نہ ہو، اور اللہ پر بھروسہ رکھے۔

۳۵۱ اللہ کا رسول اس لئے نہیں آیا کہ لوگوں سے بجبر اطاعت
کرائے، اور اُن کے اعمال کا پاسبان ہو۔
منافق زبان سے اقرار اطاعت کرتے، مگر راتوں کو مجلسیں
جما کر مخالفانہ سازشیں کرتے۔

۳۵۲ ضمناً اس حقیقت کا اعلان کہ قرآن ہر انسان کو مخاطب
کرتا ہے، اُس کے مطالب میں غور و فکر کرے۔ پس جو شخص قرآن
کو سمجھ بوجھ کے نہیں پڑھتا، وہ قرآن کا مطالبہ پورا نہیں کرتا۔
جو شخص قرآن میں تدبر کرے گا، وہ معلوم کرے گا کہ یہ کلام
الٰہی ہے!
جب کبھی امن و خوف کی کوئی بات سنتے ہیں تو اسے عوام
میں پھیلا دیتے، اولوالامر کے آگے پیش کرو۔
جب کبھی کوئی سلام دعا کرے، تو چاہیے اُس سے زیادہ اچھی
بات جواب میں کہو، یا کم از کم ویسی ہی بات اُس پر لوٹا دو۔
جنگ کی حالت ہو یا امن کی، موافق ہو یا مخالف، لیکن
اخلاق و انسانیت کا مقتضیٰ یہ ہے کہ جو کوئی تم پر سلامتی بھیجے
تم بھی اُس کا ویسا ہی جواب دو۔

۳۵۳ جب جنگ چھڑی، تو مسلمانوں میں منافقین کی بابت
اختلاف رائے ہوا۔ فرمایا، اگر وہ مکہ سے ہجرت کر جائیں اور
دشمنوں کے ساتھ نہ رہیں، تو انہیں مخالف نہ سمجھو، ورنہ جو
کوئی دشمنوں کے ساتھ رہے گا، دشمن ہی سمجھا جائے گا۔
ایسے لوگوں سے رفاقت و مددگاری کا رشتہ نہ رکھو کہ
فی الحقیقت دشمنوں کے ساتھی ہیں۔ البتہ وہ قبیلے کے آدمی
اس ممانعت میں داخل نہیں۔ مثلاً جو لوگ کسی ایسے گروہ کے
پاس چلے جائیں جن کے ساتھ تمہاری صلح ہو۔ تو وہ مستثنیٰ ہوں گے
یا غیر جانبدار ہو جائیں۔

الانعام

(٤١٥)

صحیح	غلط		سطر	صفحہ
فَاِنَّ اللّٰہَ عَدُوٌّ	فَاِنَّ عَدُوٌّ		۵	۲۰۰
مِن اٰیَةٍ	مِن اٰیَةٍ		۳	۲۰۳
وَمَن اَظلَمُ	وَمَن اَظلَمُ		۲	۲۰۵
وَکَذٰلِکَ	دوکذلک		۲	۲۱۳
وَمَاکَانَ اللّٰہُ لِیُضِیعَ	وماکان نیضیع		۱	۲۱۴
اجمعینَ	اجمعینُ		۳	۲۱۹
الشیطٰنِ	الشیطٰنُ		۱	۲۲۲
کمثلِ	کمثلُ		۳	؍؍
ینعِقُ	ینعقُ		۵	؍؍
ابن السبیلِ	ابن السبیلُ		۶	۲۲۵
واَقَامَ	واقامَ		۳	؍؍
الوصیةُ	الوصیةِ		۵	۲۲۶
اثمُهُ	اثمُهُ		۱	۲۲۷
یریدُ اللّٰہُ	یریدُ اللّٰہَ		۱	۲۲۹
احِلَّ	احَلَّ		۳	؍؍
المسجدِ	المسجد		۱	۲۳۱
اشدَّ	اشدُّ		۳	۲۳۶
من یشری نفسه	من نفسه		۲	۲۳۸
غیراکا الذین	فیه الذین		۶	۲۴۰
کُرهٌ	کُرهٌ		۳	۲۴۲
تجعلوا	تجعلوا		۲	۲۴۳
آیتہ للنّاس	آیتہ		۳	؍؍
تفرضوا	تفرضوا		۳	۲۵۰

صحیح	غلط		سطر	صفحہ
تَسُوْقُوْنَ	تَسُوْقُوْنَ		۱	۲۵۱
وَاَنْ تَعْفُوْا	وَاِنْ تَعْفُوْا		۲	//
لَهُ الْمُلْكُ	لَهُ الْمُلْكِ		۴	۲۵۳
يَشَاءُ وَاللهُ	يَشَاءُ		۵	//
بَعْضَهُمْ	بَعْضُهُمْ		۹	۲۵۵
وَاعْلَمْ	وَاعْلَمُ		۳	۲۶۰
وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ	وَابِلٌ فَطَلٌّ		۵	۲۶۲
تُكَذِّبُوْهُ	تُكْتُمُوْهُ		۱	۲۹۹

تفسیر سورۂ فاتحہ کے اغلاط طباعت

صحیح	غلط		سطر	صفحہ
ٹھہرائی جانے والی چیزیں	ٹھہرائی جانے والی چیز		۹	۱
ٹھہرائی جانے والی چیزیں	ٹھہرائی جانے والی چیز		۱۰	//
نوعیت رکھتی ہے	نوعیت رکھتا ہے		۱۰	۱۹
سطح کی رفتار	سطح کی حرکت		۹	۳۰
جیا ہدل طرف دوڑی آ رہی ہو	جیا ہدل طرف دوڑی آتا ہے		۴	//
تحسین و آرائش	تحسین آرائش		۷	۴۶
ارض کی بہترین مخلوق	ارض کو بہترین مخلوق		۲	۴۷
پیدا کی گئی ہے	پیدا کیا گیا ہے		۳	//

طبیعت محتاط ہوتی ہے، وہ ہر بات میں بچار کر قدم اٹھاتے ہیں، اچھے برے، نفع نقصان، قریب و دور کا خیال رکھتے ہیں، جس بات میں برائی
پاتے ہیں چھوڑ بیٹھتے ہیں جس میں اچھائی دیکھتے ہیں اختیار کر لیتے ہیں۔ برخلاف اس کے جو لوگ بے پروا ہوتے ہیں ان کی طبیعتیں بے لگام
اور چھوٹ ہوتی ہیں۔ جو راہ دکھائی دے گی چل پڑیں گے، جس کام کا خیال آ جائے گا کر بیٹھیں گے، جو غذا سامنے آ جائے گی کھا بیٹھیں گے،
جس بات پر اکسانا چاہئے اکسا بیٹھیں گے۔ اچھائی برائی، نفع نقصان، دلیل اور توجیہ کسی بات کی بھی انہیں پروا نہیں ہوتی۔

جس حالت کو ہم نے بیداری و احتیاط سے تعبیر کیا ہے اسی کو قرآن "تقوے" سے تعبیر کرتا ہے۔ "متقی" یعنی ایسا آدمی جو اپنے
فکر و عمل میں بے پروا نہیں ہوتا، ہر بات کو دلجمعی کے ساتھ سمجھنے اور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ برائی اور نقصان سے بچنا چاہتا ہے اور
اچھائی اور فائدہ کی جستجو رکھتا ہے۔ قرآن کہتا ہے ایسے ہی لوگ تعلیم حق سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور کامیاب ہو سکتے ہیں۔

حضرت عمر نے ابی ابن کعب سے پوچھا تھا کہ تقوی کی حقیقت کیا ہے؟ انہوں نے کہا "ہل سلکت طریقا ذا شوک؟" تم کبھی
ایسے راستے میں چلے جس میں کانٹے ہوں؟ فرمایا ہاں! کہا "فما عملت؟" ایسی حالت میں تم نے کیا کیا؟ فرمایا "شمرت واجتهدت" یعنی
کوشش کی کہ کانٹوں سے بچ کر نکل جاؤں۔ کہا "فذلک التقوی" یہی تقوی کی حقیقت ہے!

(۳) انسان کے علم و ادراک کا ذریعہ حواس خمسہ ہیں۔ یعنی دیکھنے، سننے، سونگھنے، چکھنے اور چھونے کی قوتیں۔ جو کچھ ان کے ذریعے معلوم
کر سکتا ہے وہ اس کے لئے محسوس ہے، جو معلوم نہیں کر سکتا وہ غیر محسوس ہے۔ قرآن نے اس مطلب کے لئے "غیب" اور "شہادت" کے
الفاظ استعمال کئے ہیں۔ "عالم غیب" یعنی غیر محسوسات، "عالم شہادت" یعنی محسوسات۔ فرمایا، خدا پرستی کی بنیاد یہ ہے کہ ان
حقائق پر یقین رکھے جو اگرچہ اس کے لئے غیر محسوس و معلوم ہیں لیکن وجدان ان کی شہادت دیتا ہے اور وحی نے ان کی خبر دی
ہے۔ مثلاً خدا کی ذات و صفات، ملائکہ کا وجود، وحی و نبوت، مرنے کے بعد کی زندگی، عذاب و ثواب، دنیا کی ابتدائی پیدائش، عالم
آخرت کے احوال و واردات۔

سورۂ آل عمران میں مطالب قرآنی کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں "محکمات" اور "متشابہات"۔ متشابہات سے مقصود وہی بیانات
ہیں جن کا تعلق عالم غیب سے ہے۔ قرآن کہتا ہے، جو لوگ علم کے پکے اور سمجھ کے سیدھے ہیں، وہ ان امور پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کی
حقیقت معلوم کرنے کی کاوش میں نہیں پڑتے۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ امور عقل انسانی کی دسترس سے باہر ہیں۔ لیکن جو لوگ علم و
بصیرت سے محروم ہیں وہ ان باتوں کی کاوش کر کے فتنہ پیدا کرتے ہیں۔

ہم ان امور کو کیوں غیب پر رکھیں؟ کیوں نہ انہیں بے چون و چرا تسلیم کریں؟
اس لئے کہ بغیر اس کے زندگی کا مسئلہ حل نہیں ہو سکتا!

ہم وجدانی طور پر محسوس کرتے ہیں کہ ہماری محسوسات کی سرحد سے آگے بھی کچھ ہے جسے ہم اپنی عقل و ادراک کے ذریعے کوئی
یقینی بصیرت نہیں ملتی۔ اگر اس بارے میں یقین کی کوئی صدا ہے تو وہ صرف الٰہی ہدایت کی صدا ہے۔ اگر ہم اس سے انکار کر دیں
تو پھر ہمارے پاس جہل و تاریکی کے سوا کچھ باقی نہیں رہے گا۔

ہم نے اس وقت تک علم و ادراک کے ذریعہ اس بارے میں جو کچھ معلوم کیا ہے اس میں کوئی یقینی بصیرت ایسی نہیں ہے جو ان حقائق کے خلاف ہو۔

ہم نے ایمان یقینی بصیرت کا نفاذ اس لئے کہا کہ عالم غیب کے ان حقائق کے خلاف اس وقت تک جو کچھ کہا گیا ہے وہ اس سے زیادہ نہیں ہے کہ یا تو عدم علم کا اعتراف ہے جیسا کہ تمام حکماء قدیم و جدید نے کیا، یا پھر انکار ہے تو اس کی بنا محض ظن و تخمین پر ہے، کوئی ثابت شدہ حقیقت نہیں ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ ظن و شک کو جو یقین اور بصیرت کا مقابلہ نہیں کر سکتے، اس بارے میں کتنی ہی کاوش کی جائے لیکن اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا جا سکتا جو قرآن نے کہہ دیا ہے۔

سورۂ بقرہ آیت ۸ صفحہ ۱۰ کا مطالعہ کرتے ہوئے حسب ذیل نوٹ پر بھی نظر ڈال لی جائے:

قرآن کا جب ظہور ہوا تو قبولیت حق کی استعداد کے لحاظ سے تین طرح کے انسانی گروہ موجود تھے:

(۱) صاحب استعداد طالب حق گروہ۔ اس میں کچھ لوگ عرب کے مشرکین میں سے تھے۔ کچھ یہودیوں اور عیسائیوں میں سے۔ یہ بہت تھوڑے انسان تھے۔ اس گروہ نے جونہی سچائی کی صدا سنی پہچان لیا اور قبول کر لیا۔

(۲) عام مشرکین عرب جن کے پاس ایمان و خدا پرستی کی کوئی تعلیم موجود نہ تھی، محض رسوم و اوہام کے پجاری اور تقلید آبائی کی مخلوق تھے۔ ان میں سے بکثرت لوگوں کی طبیعتیں گمراہی و سرکشی کی پختگی سے اس درجہ مسخ ہو گئی تھیں کہ کیسی ہی اچھی بات کہی جائے ان کے دل سننے والے نہ تھے۔ چنانچہ وہ خود کہتے تھے "تمہاری دعوت کے لئے تو ہمارے دلوں میں جگہ ہے نہ کانوں میں سماعت۔ ہمارے اور تمہارے درمیان مخالفت کی ایک دیوار اٹھ کھڑی ہو گئی ہے۔ ہم تمہاری بات سننے والے نہیں۔" (۴۱:۴)

(۳) اہل کتاب یعنے الہامی تعلیمات کے پیرو۔ ان میں سر برآوردہ گروہ یہودیوں اور عیسائیوں کا تھا۔ یہ دونوں جماعتیں ایمان و خدا پرستی کی مدعی تھیں، اتباع شریعت کا دم بھرتی تھیں، تورات و انجیل کی کتاب الٰہی ہاتھ میں رکھتی تھیں اور اپنے سوا سب کو دین کی نعمت سے محروم سمجھتی تھیں مگر دونوں نے ایمان و خدا پرستی کی حقیقت کھو دی تھی اور اعتقاد و عمل کی تمام سچائیوں سے محروم ہو گئے تھے۔ قرآن کہتا ہے: پہلا گروہ میری تعلیم سے فیضیاب ہوگا۔ دوسرا ماننے والا نہیں۔ تیسرا اگرچہ ایمان کا مدعی ہے مگر فی الحقیقت ایمان نہیں رکھتا۔

پھر جا بجا اہل کتاب کو مخاطب کیا ہے اور ان کی اعتقادی اور عملی گمراہیاں تشریح کی ہیں جن کی بنا پر باوجود ادعائے ایمان ان کے ایمان کی نفی کی گئی۔

مسلمانوں کو غور کرنا چاہئے کہ جو حالت یہود و نصاریٰ کی قرآن نے بیان کی ہے کیا آج ٹھیک ٹھیک یہی حالت خود ان کی بھی نہیں ہو گئی ہے؟ کیا قرآن کا یہ زبردست اعلان کہ "و من الناس من یقول آمنا باللہ و بالیوم الآخر و ما ہم بمؤمنین" آج خود ان پر بھی صادق نہیں آ رہا ہے؟

چھپے ہیں انھوں نے عمداً ان کی تصحیح نہیں کی کیونکہ کثرت کے ساتھ الفاظ آگے پیچھے اور اگر ہر جگہ کو ثبت تو کو یہاں یہ غلطی ہو جاتی
اسی طرح علامات قرأت کا التزام بھی ہر جگہ قائم نہیں رہا ہے، اور یہ مسودوں کی چھپائی کا سب سے بڑا نقص ہے۔

میں نے یہ کوشش کی ہے کہ دوسری جلد کی کتابت ان تمام نقائص سے پاک ہو، چنانچہ جو خوش نویس کتابت کرتے
ہیں انھوں نے رسم خط اور طرز کتابت دونوں میں مسودہ کی پوری پابندی کی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم:

ترجمان القرآن

اور

قرآن حکیم کی تعلیم و اشاعت

اب کہ ترجمان القرآن کی پہلی جلد شائع ہو چکی ہے، اور دوسری زیرِ طبع ہے، میں یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ مسلمانوں کی مذہبی اصلاح کی راہ سے وقت کی سب سے بڑی رکاوٹ دُور ہو گئی۔

مذہبی اصلاح کے لئے سب سے پہلی چیز یہ تھی کہ وقت کی ضروریات کے مطابق قرآن کی تعلیم و اشاعت کا سروسامان ہو، لیکن بدقسمتی سے اس کا کوئی سامان موجود نہ تھا۔

قرآن کی تعلیم و اشاعت کے لیے حسبِ ذیل امور ضروری تھے:

(۱) سب سے پہلے وہ مشکلات دور ہوں جو قرآن کے فہم و تدبر کی راہ میں پیدا ہو گئی ہیں، اور جن کی وجہ سے اس کی تعلیم اپنی حقیقی شکل و نوعیت میں نمایاں نہیں ہو سکتی۔ جب تک یہ مشکلات دور نہیں ہوتیں، محض قرآن کا ترجمہ کر دینا، یا کسی نئی تفسیر کا لکھ دینا کچھ سود مند نہ تھا۔

(۲) پھر ضروری تھا کہ ایک ایسی کتاب اُردو میں طیار ہو جائے جس کی نسبت وثوق کے ساتھ کہا جا سکے کہ اس کا پڑھ لینا اور پڑھا دینا قرآن کے مقاصد و مطالب سمجھ لینے اور اسے اس کی حقیقی شکل و نوعیت میں دیکھ لینے کے لیے کافی ہے۔ وہ نہ تو اس قدر ضخیم ہو کہ ہر شخص اس کے مطالعہ کے لیے وقت نہ نکال سکے، نہ اس قدر مختصر ہو کہ مطالب کی وضاحت تشنہ رہ جائے۔ اس کی نوعیت ترجمہ ہی کی ہو لیکن ایسا ترجمہ کہ اپنی وضاحت میں کسی دوسری چیز کا محتاج نہ ہو۔

(۳) بحیثیت مجموعی اس کی نوعیت ایسی ہو کہ قرآن کے درس و مطالعہ کے لیے معیارِ تعلیم کا کام دے۔

(۴) مطالب قرآنی کی عالمگیر اشاعت کے لیے اسے تمام زبانوں میں منتقل کیا جا سکے، اور نقل و ترجمہ کے لیے ایک

بنیادی معیار قائم ہو جائے۔

بدقسمتی سے ایسی کوئی کتاب موجود نہ تھی۔

اس صورتِ حال کا نتیجہ یہ تھا کہ اصلاح کے جس گوشہ میں بھی قدم اٹھایا جاتا، راہِ عمل یک قلم مسدود دکھائی دیتی۔ اصلاح کے لیے پہلا کام یہ تھا کہ مسلمانوں کو قرآن کے براہِ راست مطالعۂ و عمل کی دعوت دی جائے، لیکن یہ دعوت کچھ سود مند نہ تھی، جبکہ قرآن کے فہم و مطالعہ کا سامان مفقود تھا۔

اصلاح کے لیے ضروری تھا کہ مدارس میں مذہبی تعلیم کا صحیح طریقہ پر اہتمام کیا جائے، لیکن مذہبی تعلیم میں اصل الاصول قرآن ہے، اور چونکہ قرآن کی تعلیم کا کوئی سامان نہ تھا، اس لیے مذہبی تعلیم کا بھی کوئی نظام قائم نہیں ہو سکتا تھا۔

اصلاح کا ایک نہایت اہم گوشہ، مدارس عربیہ کی اصلاح ہے، لیکن اس گوشہ میں بھی سب سے بڑی رکاوٹ یہی رہی ہے کہ تفسیر کی کوئی موزوں کتاب موجود نہیں۔

ہم دنیا کو بھی قرآن کے مطالعہ کی دعوت نہیں دے سکتے، کیونکہ اگر دنیا کی مختلف قومیں مطالعہ کرنا چاہیں تو ہمارے پاس کوئی کتاب موجود نہیں جو اُن کی زبانوں میں پیش کی جا سکے، اور کہا جا سکے کہ یہ مرقع ہے جس میں قرآن کی صورت دیکھی جا سکتی ہے!

فی الحقیقت صورتِ حال کا یہ پہلو سب سے زیادہ افسوسناک ہے۔ بائبل کا ترجمہ نہ صرف دنیا کی تمام بڑی بڑی زبانوں میں ہو چکا ہے، بلکہ شاید ہی دنیا کی کوئی چھوٹی سے چھوٹی زبان اور غیر معروف سے غیر معروف رسم الخط ہوگا جس میں اس کا ترجمہ لاکھوں کی تعداد میں چھپا ہوا موجود نہ ہو۔ اس کے مقابلے میں ہماری بے بضاعتی کا کیا حال ہے؟ یہ حال ہے کہ ہم آج تک اُن چند زبانوں میں بھی قرآن کا ترجمہ شائع نہ کر سکے جو خود ہمارے ملک کی زبانیں ہیں، اور لاکھوں کروڑوں دیہاتیوں کو صرف انھی زبانوں میں مخاطب کیا جا سکتا ہے!

بلاشبہ اردو میں متعدد ترجمے ہو چکے ہیں، اور انگریزی میں بھی قدیم تراجم کے علاوہ بعض نئے ترجمے مسلمانوں کے قلم سے نکلے۔ ان میں سے ہر کوشش جس قدر قیمت کی مستحق ہے، مجھے اس سے انکار نہیں، لیکن میں کہنا چاہتا ہوں کہ جہاں تک مندرجۂ صدر مقاصد کا تعلق ہے، ان میں سے کوئی ترجمہ بھی مفیدِ مقصد نہیں۔

ایک زمانہ تھا کہ مسلمانوں میں مذہبی اصلاح و تجدید کی ضرورت کا احساس نہ تھا، مگر ۱۹۱۲ء میں میں نے الہلال جاری کیا، اور قرآن کے مطالعۂ و تدبر کی ایک نئی راہ (جو فی الحقیقت نئی نہ تھی) روشنی میں آئی۔ اُس وقت سے میں برابر دیکھ رہا ہوں کہ لوگوں کو اصلاح کی ضرورت کا نہ صرف احساس ہے، بلکہ عالمگیر خواہش پیدا ہو گئی ہے۔ لوگ چاہتے ہیں کہ قرآن کو اُس کی حقیقی شکل و نوعیت میں دیکھیں، لیکن انھیں کوئی راہ نظر نہیں آتی۔ لوگ چاہتے ہیں کہ مذہبی تعلیم کا صحیح طریقہ پر نظام قائم ہو جائے، لیکن انھیں سامان میسر نہیں آتا۔ مدارس کے بانی اور مہتمم آمادہ ہیں کہ مذہبی تعلیم کی اصلاح یا فتہ نصاب اختیار کر لیں، لیکن انھیں معلوم

مقصد کتاب ملتی نہیں بسلسلۂ ۱۹۱۲ء سے لیکر اس وقت تک بے شمار مدرسوں کے لیے مجھ سے خواہش کی گئی کہ اصلاح یافتہ نصاب تعلیم طیار کردوں۔ میں نے طیار کرکے دے دیا لیکن جب دریافت کیا گیا کہ قرآن کی تعلیم کے لیے کیا کیا جائے؟ تو مجھے جواب میں کتنا بڑا ہی انتظار کیا جائے!!

شنوا برس ہوئے کہ میں نے اس کام کی ضرورت محسوس کی تھی اور کام شروع بھی کر دیا تھا لیکن افسوس ہے کہ چند در چند موانع پیش آتے رہے اور کام انجام نہ پا سکا۔ لیکن اب کہ توفیق الٰہی سے **ترجمان القرآن** مکمل ہو کر شائع ہو رہا ہے۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ مسلمانوں کی اصلاح کے وہ تمام دروازے کھل رہے ہیں جو ہماری کوتاہیٔ عمل سے اس وقت تک بند تھے۔

تکمیل کار اور مطلوبہ سر و سامان

لیکن یہ جو کچھ ہے، فی الحقیقت کام کی ابتدا ہے۔ تکمیل کے لیے ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ **قرآن** کی تعلیم و اشاعت کا مقصد عظیم پورا نہیں ہو سکتا جب تک حسب ذیل امور انجام نہ پائیں:

(۱) عام مطالعہ و اشاعت کے لیے ضروری ہے کہ ترجمان القرآن کو مختلف صورتوں، مختلف ترتیبوں اور مختلف قسم کے ایڈیشنوں میں اس طرح اور اتنی بڑی تعداد میں شائع کیا جائے کہ مسلمانوں کا ہر طبقہ اور ہر فرد اس سے فائدہ اٹھا سکے اور کوئی مسلمان گھر اس سے خالی نہ رہے۔

(۲) ضروری ہو کہ قرآن کے تمام اصولی مباحث از سر نو مدون کیے جائیں۔ مثلاً اس کی زبان، اس کی ادبی خصوصیات، اس کا اسلوب بیان، اس کے مقاصد و دعوات، اس کا طریق استدلال، اس کے قصص و امثال، اس کے نزول و کتابت کی تاریخ وغیرہا۔ اور اب کہ ترجمان القرآن کی ترتیب ان مباحث کی ایک مقررہ تحقیقات کے ماتحت مکمل ہو چکی ہو نہایت آسانی کے ساتھ یہ پورا سلسلہ مرتب کیا جا سکتا ہو۔

(۳) ضرورت تھی کہ قرآن کے اسلوب بیان اور طریق استدلال کی تنقیح کے بعد ایسے ابواب و عناوین ترتیب دیے جائیں جن کے نیچے مطالب قرآنی کی ہر قسم الگ الگ جمع کی جا سکے اور قرآن کی ہر تعلیم اپنی شکل و نوعیت میں نمایاں ہو جائے۔ اب کہ ترجمان القرآن مرتب ہو چکا ہو نہایت آسانی کے ساتھ ابواب مضامین کی کل تبویب عمل میں آ سکتی ہے، اور انھیں یکجا اور علیحدہ علیحدہ شائع کیا جا سکتا ہو۔

یاد رہے کہ اس سلسلے میں اس وقت تک جو کچھ ہوا ہو، مفید مقصد نہیں ہو۔

(۴) ایک ایسی کتاب کے لیے جو حوالہ اور استشہاد کی کتاب ہو ضروری ہو کہ استخراج مطالب الفاظ کی تمام سہولتیں بہم پہنچائی جائیں۔ مثلاً قرآن کے ایسے ایڈیشن مرتب کیے جائیں جو حوالجات (ریفرنس) کے ساتھ ہوں۔ یا مثلاً قرآن کے الفاظ و اسماء اور مطالب آیات کے انڈکس مرتب کیے جائیں جو ہر پہلو سے جامع اور مکمل ہوں۔ یا مثلاً قرآن میں جس قدر

جغرافیائی اور تاریخی اشارات میں ان کے نقشے طیار کیے جائیں تاکہ اُن مقامات کی قدیم و جدید جغرافیائی حیثیت بہ یک نظر واضح ہوجائے۔ ہم سے پہلے یورپ کے بعض مستشرقوں نے ان کاموں کی ضرورت محسوس کی اور وہ ہمارے کاموں کے کئی میدان میں ہم سے پہلے پہنچ گئے ہیں، لیکن اب تک جو کچھ ہوا ہے، ناکافی ہے اور ضروری ہے کہ از سر نو یہ تمام کام انجام دیے جائیں۔ بائبل کا ایک معمولی سا چھپا ہوا نسخہ بھی جو خصوصیات رکھتا ہے، ہم اس وقت تک قرآن کے بہتر سے بہتر ایڈیشن میں اُن کا اہتمام نہ کرسکے۔ ہمارے نزدیک قرآن کی بڑی سی بڑی خدمت یہ ہے کہ اس کی لوح سنہری چھاپ دی جائے یا اس کی سطروں پر حنائی رنگ لیپ دیا جائے۔ ہم نہ صرف ہندوستان میں، بلکہ تمام اسلامی دنیا میں قرآن کا ایک ایڈیشن بھی ایسا شائع نہ کرسکے جس میں موجودہ زمانہ کے محاسن طباعت سلیقہ کے ساتھ جمع کر دیے ہوں!

(۵) سب سے آخر مگر باعتبار اہمیت سب سے پہلا کام یہ ہے کہ دنیا کی تمام زبانوں میں قرآن کے ترجمے مرتب کیے جائیں اور بڑی سے بڑی تعداد میں اُن کی اشاعت کا سروسامان ہو۔ کم از کم مغرب و مشرق کی اُن زبانوں میں جو موجودہ اقوام ارضی کی اہم زبانیں تسلیم کی جاتی ہیں۔

ایک علمی اور اشاعتی ادارہ کا قیام

یہ تمام کام بغیر اس کے انجام نہیں پاسکتا کہ قرآن کی خدمت و اشاعت کے لیے ایک علمی اور اشاعتی ادارہ قائم کیا جائے اور وہ انہی طریقوں پر کام کرے جن طریقوں پر یورپ اور امریکہ کی **بائبل سوسائٹیاں** کام کر رہی ہیں جب تک ایک دفتر، منتخب اسٹاف، اور طبع و اشاعت کا کافی سروسامان موجود نہ ہو، اس طرح کے کام خواب و خیال سے زیادہ نہیں ہیں۔ دو سال ہوئے میں نے ایک ایسے ادارہ کے قیام کی تفصیلات قلمبند کی تھیں۔ مجھے حیرت ہوئی تھی کہ کتنے تھوڑے سرمایہ سے کتنا عظیم الشان کام انجام پاسکتا ہے۔ میں نے اندازہ کیا تھا کہ اگر ایک رقم یک مشت طبع و اشاعت کے لیے، اور ایک رقم ماہوار تین سال تک اسٹاف کے لیے فراہم ہوجائے، تو نہایت وسیع پیمانے پر ایک ادارہ قائم ہوجا سکتا ہے۔ وہ تین سال کے اندر اتنا کام انجام دے دے گا کہ تراجم و اشاعت کے بنیادی کام مکمل ہوجائیں گے، اور پھر اس کی مطبوعات کی آمدنی سے کام کا سلسلہ ہمیشہ کے لیے جاری ہوجائے گا۔

جہاں تک قرآن کے تراجم کا تعلق ہے، انگریزی اور فرنچ ترجموں کی ترتیب مقدم ہے، کیونکہ ان دو زبانوں میں ترجمہ کے بعد یورپ کی بقیہ زبانوں میں ترجمہ کرنا آسان ہوجائے گا۔ مشرق کی زبانوں میں فارسی، ترکی، اور پشتو سب سے زیادہ ضروری ہیں۔ کیونکہ مسلمانانِ عالم کی بڑی تعداد ان زبانوں میں مخاطب کی جاسکتی ہے۔ ہندوستان کی زبانوں میں سے بنگالی، گجراتی، مرہٹی، ٹامل، تلنگو، اور سندھی زبانوں میں ترجمہ ضروری ہے۔ نیز ترجمان القرآن کو ہندی رسم الخط میں بھی مرتب کرنا چاہیے اور اس کی عبارت ہندی کے لیے موزوں کر دینی چاہیے۔

مدارس عربیہ میں داخل درس کرنے، اور بلاد عربیہ میں اشاعت کے لیے ایک تفسیر عربی میں بھی ترتیب ہونی چاہیے۔
میں وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اگر ایک ادارہ قائم ہو جائے، تو تین سال کے اندر اس کام کا بڑا حصہ انجام پا جائے گا، اور پھر ہمیشہ کے لیے اُس کا کارخانہ چلتا رہے گا۔ ایک ایسے مقصد کے لیے جو اسلام اور مسلمانوں کے لیے وقت کا سب سے بڑا مقصد ہو، یہ کم از کم کام ہے جس کی دنیا کو ہم سے توقع کرنی چاہیے!
میں نہیں کہہ سکتا کہ سردست ایک ایسا ادارہ قائم ہو سکے گا یا نہیں؟ اس طرح کے کام دو ہی طریقے سے انجام پا سکتے ہیں یا تو پبلک سے اعانت کی اپیل کی جائے۔ یا دولتمند ملک میں سے کوئی اہل خیر آمادہ ہو جائے۔ پہلی صورت میں اختیار کرنی نہیں چاہتا اور دوسری کی چنداں اُمید نہیں۔ پس بحالت موجودہ اس کے سوا چارہ نہیں کہ شخصی طور پر جو کچھ کر سکتا ہوں اسی پر اعتماد کروں، اور باقی کاموں کو مستقبل کے حوالے کر دوں۔ چنانچہ میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ جونہی ترجمان القرآن شائع ہو گیا، میں کوشش کروں گا کہ بالفعل انگریزی اور ہندی ترجمہ کا کام شروع کر دیا جائے۔

کلکتہ ۱۔ اگست ۱۹۳۱ء

ابوالکلام

اِنَّ اللہَ یَرْفَعُ بِھٰذَا الْکِتَابِ اَقْوَامًا وَّیَضَعُ بِہٖ آخَرِیْنَ

ترجمان القرآن

یعنی

قرآن حکیم کے مطالب اُردو زبان میں ضروری تشریحات کے ساتھ

مع

تفسیر سورۂ فاتحہ

از

ابو الکلام احمد

جلد اوّل

مطبوعہ جید برقی پریس دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وحدہٗ

۱۹۱۶ء میں جب البلاغ کے صفحات پر ترجمان القرآن اور تفسیر البیان کا اعلان کیا گیا تو میرے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ ایک ایسے کام کا اعلان کر رہا ہوں جو پندرہ برس تک التوا و انتظار کی حالت میں معلق رہیگا، اور جو ملک کے شوق و انتظار کے لئے ایک ناقابل برداشت بوجھ اور میرے ارادوں کی ناکامیوں کیلئے ایک دردانگیز مثال ثابت ہوگا۔

لیکن واقعات کی رفتار نے بہت جلد بتلا دیا کہ صورتِ حال ایسی ہی تھی!

جلا وطنی

ابھی اس اعلان پر بمشکل چند مہینے گزرے ہونگے کہ ۳۰ مارچ ۱۹۱۶ء کو حکومت بنگال نے ڈیفنس آرڈیننس[1] کے ماتحت مجھے حدودِ بنگال سے باہر چلے جانے کا حکم دیا، اور دفعتہً البلاغ اور البلاغ پریس کے ساتھ تصنیف و طباعت کا تمام کارخانہ درہم برہم ہوگیا۔

چونکہ اس سے پہلے اسی آرڈیننس کے ماتحت دہلی، پنجاب، یوپی اور مدراس کی حکومتیں اپنے اپنے صوبوں میں میرا داخلہ روک چکی تھیں، اس لئے اب صرف بہار اور بمبئی ہی کے دو صوبے رہ گئے تھے جہاں میں جا سکتا تھا۔ میں نے رانچی منتخب کیا۔ میرا خیال تھا کہ کلکتہ سے قریب رہ کر شاید تصنیف و طباعت کا کام جاری رکھ سکوں۔

۱۹۱۵ء میں جب میں نے اس کام کا ارادہ کیا، تو بیک وقت تین چیزیں پیش نظر تھیں: ترجمہ، تفسیر اور مقدمۂ تفسیر۔ میں نے خیال کیا تھا کہ یہ تین کتابیں قرآن کے فہم و مطالعہ کی تین مختلف ضرورتیں پوری کرینگی: عام تعلیم کے لئے ترجمہ، مطالعہ کے لئے تفسیر، اہل علم و نظر کیلئے مقدمہ۔

البلاغ میں جب ترجمہ اور تفسیر کی اشاعت کا اعلان کیا گیا ہے، تو ترجمہ پانچ پاروں تک پہنچ چکا تھا، تفسیر سورۂ آلِ عمران تک مکمل ہو چکی تھی، اور مقدمہ یادداشتوں کی شکل میں قلمبند تھا۔ اس خیال سے کہ تھوڑے وقت کے اندر زیادہ سے

---

[1] جنگِ یورپ کے زمانہ میں جو موقت احکام نافذ کئے گئے تھے، ان میں ایک آرڈیننس "ڈیفنس آف انڈیا" کے نام سے مشہور ہوا تھا۔ یہ آرڈیننس حکومت کو بلا کسی عدالتی تحقیق کے اختیار دیتا تھا کہ جس شخص کو چاہے ہندوستان یا ہندوستان کے کسی حصہ سے جلاوطن کردے یا ہندوستان کے کسی صوبہ میں نظر بند کر دے۔ ۱۲

زیادہ کام انجام پا جائے، جس نے تصنیف کے ساتھ چھپائی کا سلسلہ بھی جاری کر دیا۔ خیال تھا کہ اس طرح سال بھر کے اندر ترجمہ مکمل بھی ہو جائیگا اور چھپ بھی جائیگا۔ نیز تفسیر کی بھی کم از کم پہلی جلد شائع ہو جائیگی۔ ہر تجلیات دونوں کی شرکت میں نے یوں تقسیم کر دی تھی کہ تین دن البلاغ کی ترتیب میں صرف کرتا تھا، دو دن ترجمہ میں اور دو دن تفسیر میں۔

۳ مئی سنہ ۱۹۱۵ء کو جب میں کلکتہ سے روانہ ہوا تو تفسیر کے چھ فرمے چھپ چکے تھے اور ترجمہ کی کتابت شروع ہو چکی تھی۔ احباب نے کوشش کی کہ میری عدم موجودگی میں بھی پریس جاری رہے اور کم از کم تفسیر اور ترجمہ کا کام ہوتا رہے چنانچہ جون سنہ ۱۹۱۵ء میں پریس کے دوبارہ اجرا کا انتظام ہو گیا، اور میں مسودات کی ترتیب میں مشغول ہو گیا تاکہ پریس کے حوالہ کر دوں۔

نظر بندی

لیکن ۸ جولائی سنہ ۱۹۱۶ء کو یکایک حکومت ہند نے میری نظر بندی کے احکام جاری کر دیئے اور اس طرح ابتدائی سعی کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ نظر بندی کے بعد کوئی موقع باقی نہیں رہا کہ باہر کی دنیا سے کسی طرح کا علاقہ رکھ سکوں۔

اب میرے اختیار میں صرف ایک ہی کام رہ گیا تھا۔ یعنی تصنیف و تسوید کا مشغلہ۔ نظر بندی کی کوئی مدت میں کوئی دنیوی بندش مجھے اس سے نہیں روک سکتی تھی۔ میں نے اس پر قناعت کی، اتنا ہی نہیں بلکہ میں نے خیال کیا اگر زندگی کی تمام آزادیوں سے محروم ہونے پر بھی لکھنے پڑھنے کی آزادی سے محروم نہیں ہوں اور اس کے نتائج محفوظ ہیں، تو زندگی کی راحتوں میں سے کوئی راحت بھی مجھ سے الگ نہیں ہوئی۔ میں اس عالم میں پوری زندگی بسر کر سکتا ہوں۔ لیکن ابھی اس صورت حال پر تین مہینے بھی نہیں گزرے تھے کہ معلوم ہو گیا، اس گوشے میں بھی مجھے محرومی ہی سے دوچار ہونا تھا!

دوبارہ تلاشی اور مسودات کی ضبطی

نظر بندی کے احکام جس وقت نافذ کئے گئے تھے تو میرے تمام کاغذوں کی تلاشی بھی لی گئی تھی اور جس قدر کاغذات ملے تھے افسران تفتیش نے اپنے قبضہ میں کر لئے تھے۔ انہی میں ترجمہ اور تفسیر کا مسودہ بھی تھا لیکن جب معائنہ کے بعد معلوم ہوا کہ ان میں کوئی چیز قابل اعتراض اور حکومت کے مقصد کی نہیں ہے تو دو ہفتے کے بعد واپس دے دیئے گئے۔

لیکن جب تفتیش کے نتیجے سے حکومت ہند کو اطلاع دی گئی تو اس نے مقامی حکومت کے فیصلے سے اتفاق نہیں کیا۔ وہاں خیال کیا گیا کہ مقامی حکومت نے کاغذات واپس دینے میں جلدی کی، اور بہت ممکن ہے کہ پوری ہوشیاری کے ساتھ جانچا نہ گیا ہو۔ اس زمانہ میں حکومت ہند کی محکمہ تفتیش کا افسر اعلیٰ سر چارلس کلیولینڈ تھا اور مختلف اسباب سے جن کی تشریح کا یہ موقع نہیں اسے میری مخالفت میں ایک خاص کد ہو گئی تھی۔ وہ پہلے کلکتہ آیا اور وہاں تفتیش پر مشغول ہوا پھر رانچی آیا اور از سر نو میرے مکان کی تلاشی لی گئی۔ تلاشی کے بعد کہا گیا کہ جو کاغذات پچھلی تلاشی کے موقع پر لئے گئے تھے اب حکومت ہند کے معائنہ کے لئے بھیجے جائیں گے۔ چنانچہ تمام کاغذات حتیٰ کہ چھپی ہوئی کتابیں بھی لے لی گئیں۔ ان میں نہ صرف ترجمہ و تفسیر کا مسودہ تھا بلکہ جس قدر دوسری مصنفات کے بھی کل یا ناقص مسودات تھے۔

جس وقت یہ معاملہ پیش آیا، ترجمہ کا مسودہ آٹھ پاروں تک اور تفسیر کا مسودہ سورۂ نساء تک پہنچ چکا تھا، لیکن اب ان کا ایک ورق بھی میرے قبضہ میں نہ تھا۔ تاہم میں نے نویں پارہ سے ترجمہ کی ترتیب جاری رکھی اور ۱۹۱۸ء کے اواخر میں کام ختم کر دیا۔ اب اگر ابتدا کے آٹھ پاروں کا ترجمہ واپس ملجائے تو پورے قرآن کا ترجمہ مکمل تھا۔

میں نے کاغذات کی واپسی کے لئے خط و کتابت کی، لیکن جواب ملا کہ نہ تو سردست واپس دیئے جا سکتے ہیں، نہ یہی بتلایا جا سکتا ہے کہ کب تک واپس کئے جائینگے۔ سلہ چونکہ کاغذات کی واپسی کی بظاہر کوئی قریبی اُمید نظر نہیں آتی تھی اور کچھ معلوم نہ تھا کہ آگے چل کر کیا صورت حال پیش آئے، اس لئے یہی مناسب معلوم ہوا کہ ازسرِنو ان پاروں کا ترجمہ کر کے کتاب مکمل کر لیجائے۔ یہ کام آسان نہ تھا۔ ایک لکھی ہوئی چیز کو دوبارہ لکھنا طبیعت پر بہت شاق گزرتا ہے، تاہم میں نے چند ماہ کی محنت کے بعد یہ حصہ بھی ازسرِنو مکمل کر لیا۔

"گفتہ" گر شد ز کفم، شکر کہ "ناگفتہ" بجاست\
از دو صد گنج، یکے مشت گہر باختہ ام!

اس خیال سے کہ مسودہ بہتر حالت میں مرتب ہو جائے اور اگر کسی دوسرے شخص کے حوالہ کیا جائے تو تصحیح میں آسانی ہو، میں نے اُردو ٹائپ رائٹر منگوا کر اسے ٹائپ کرانا شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ دسمبر ۱۹۱۹ء میں نصف سے زیادہ حصہ ٹائپ ہو چکا تھا۔

رہائی اور تحریک عدم تعاون

۲۷ر دسمبر ۱۹۱۹ء کو حکومت نے مجھے رہا کر دیا، اور اب طباعت و اشاعت کی تمام رکاوٹیں راہ سے دور ہو گئیں۔ لیکن یہ وقت وہ تھا کہ ملک میں ایک عام سیاسی حرکت کا مواد تیار ہو رہا تھا، اور جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے، الہلال کی سیاسی دعوت کی بازگشت ہر گوشے سے بلند ہونے لگی تھی۔ میرے لئے ممکن نہ تھا کہ وقت کے تقاضے سے تغافل کرتا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ رہا ہوتے ہی تحریک لاتعاون کی سرگرمیوں میں مشغول ہو گیا، اور عرصہ تک اس کی مہلت ہی نہیں ملی کہ کسی دوسری طرف نگاہ اُٹھا سکتا۔

لیکن ۱۹۲۱ء میں جب ملک کے ہر گوشے سے ترجمان القرآن کیلئے تقاضہ شروع ہوا تو مجھے اُس کی اشاعت کیلئے آمادہ ہو جانا پڑا۔ چونکہ ٹائپ کی چھپائی اُس کے لئے موزوں نہیں سمجھی گئی تھی اس لئے کتابت کا انتظام کیا گیا۔ پہلے متن کی کتابت کرائی گئی۔ پھر ترجمہ لکھوانا شروع کیا۔ نومبر ۱۹۲۱ء میں متن کی کتابت ختم ہو چکی تھی۔ ترجمہ کی کتابت شروع ہوئی تھی۔

سلہ یہ کاغذات مجھے رہائی کے بعد ۱۹۲۰ء میں واپس ملے۔ [illegible] ہو گئی ہیں۔ [illegible] حکومت [illegible] خط و کتابت کی [illegible] کاغذات مجھے واپس مل گئے۔

گرفتاری اور تمام مسودات کی بربادی

لیکن وقت کا فیصلہ اب بھی میرے خلاف تھا!

۱۹۲۱ء کے اواخر میں تحریک عدم تعاون کی سرگرمیاں نقطۂ عروج تک پہنچ گئی تھیں اسلئے ناگزیر تھا کہ حکومت بھی اپنے تمام وسائل کام میں لائے۔ ۲۰ نومبر کو سب سے پہلے حکومتِ بنگال نے قدم اٹھایا اور ان تمام مجالس کو خلاف قانون قرار دے دیا جو تحریک کی سرگرمیوں میں مشغول تھیں نیز اس اقدام کا فوری کو عدم اشاعت قانون کے اجرا کا موقع دے دیا اور ۱۰ دسمبر ۱۹۲۱ء کو بعض دیگر رفقائے بنگال کے ساتھ مجھے بھی گرفتار کر لیا گیا

اس مرتبہ میری گرفتاری پریس کے انتظامات میں خلل نہیں ڈال سکتی تھی کیونکہ کتابت مکمل ہو چکی تھی اور میں نے اس کا پورا انتظام کر لیا تھا کہ میری عدم موجودگی میں بھی کام بدستور جاری رہے۔ لیکن گرفتاری کے بعد جو واقعہ پیش آیا، وہ اس افسانہ کی آخری الم ناکی ہے۔ اسی کی وجہ سے نہ صرف ترجمان القرآن اور تفسیر کی اشاعت رک گئی بلکہ میری علمی زندگی کے ولولے افسردہ ہو گئے!

گرفتاری کے بعد جب حکومت نے محسوس کیا کہ میرے برخلاف مقدمہ چلانے کے لئے کافی مواد موجود نہیں ہے تو نئے مواد کی جستجو ہوئی، اور اسی لئے تیسری مرتبہ میرے مکان اور مطبع کی تلاشی لی گئی۔ تلاشی کے لئے جو لوگ آئے تھے ان میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جو اردو یا عربی و فارسی کی استعداد رکھتا ہو۔ جو چیزیں ان زبانوں میں لکھی ہوئی ملیں انہوں نے خیال کیا اس میں کوئی نہ کوئی بات حکومت کے خلاف ضرور ہوگی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ قلمی مسودات کا تمام ذخیرہ اٹھا لے گئے حتیٰ کہ ترجمان القرآن کی تمام لکھی ہوئی کاپیاں بھی تو تمام تر مسودات کے ڈھیر میں ملا دیں!

سوئے اتفاق سے اس وقت کسی شخص نے مطالبہ نہیں کیا کہ کاغذات مرتب کر کے لئے جائیں اور جس قدر متعلق کتابوں کے دستخط ہو جائیں۔ نیز ان کی رسید تفصیل کے ساتھ مرتب کر کے دی جائے۔ افسرانِ تفتیش اپنے ساتھ چھپا ہوا فارم لائے تھے۔ صرف یہ لکھ کر کہ متفرق قلمی کاغذات لئے گئے چھپا ہوا فارم دے دیا اور روانہ ہو گئے۔

چند ماہ کے بعد جب میں رہا ہوا تو حکومت سے کاغذات کا مطالبہ کیا۔ ایک عرصہ کی خط و کتابت کے بعد کاغذات ملے مگر اس حالت میں ملے کہ تمام ذخیرہ برباد ہو چکا تھا۔

افسرانِ تفتیش نے جب ان کاغذات پر قبضہ کیا ہے تو یہ قلمی مسودات کے مختلف مجموعے تھے اور الگ الگ مجلد کی دفتیوں میں ترتیب دئیے ہوئے تھے۔ ان میں مختلف مکمل و غیر مکمل مصنفات کے علاوہ بڑا ذخیرہ یادداشتوں کا تھا۔ لیکن جب واپس ملے تو محض اوراقِ پریشاں کا ایک ڈھیر تھا، اور نصف سے زیادہ اوراق یا تو ضائع ہو چکے تھے یا اوراق سے پھٹے ہوئے پارہ پارہ تھے!

یہ میرے صبر و شکیب کے لئے زندگی کی سب سے بڑی آزمائش تھی۔ لیکن میں نے کوشش کی کہ اس میں بھی پورا اتروں یہ سب سے زیادہ تلخ گھونٹ تھا جو جامِ حوادث نے میرے لبوں سے لگایا لیکن میں نے بغیر کسی شکایت کے پی لیا۔ البتہ

انکار نہیں کیا کہ اس کی تلخی تو جنگ تک فروگیر ہے!

رگ مینا میں جب تک ہے زہر ملامت چھپے کیا ہو
ابھی تو تلخی کام و دہن کی آزمائش ہے!

سیاسی زندگی کی شورشیں اور علمی زندگی کی جمعیتیں ایک زندگی میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ دو جلتا آتش میں آتشی محال ہے۔ میں نے چاہا دونوں کو بیک وقت جمع کروں۔ یعنی مرا ایک طرف متاع فرصت کے انبار لگا رہا، دوسری طرف ہر لحظہ خدمت سے دوکو بھی دعوت دیتا رہا۔ نتیجہ معلوم تھا، اور مجھے حق نہیں کہ حرف شکایت زبان پر لاؤں۔ عرفی نے میری زبانی کہہ دیا ہے:

زاں شکستہ کہ بدو نبال دل خویش ہم
در شیب فکن زلف پریشاں شکستم!

اب ترجمان القرآن اور تفسیر کی بھی اس کے سوا کوئی نوعیت نہ رہ گئی کہ اوقات فرصت کی جائے تسکین۔ اس حادثے کے بعد طبیعت کچھ اس طرح افسردہ ہو گئی کہ جتنی کوشش کی گرم ساتھ نہ دے سکی۔ میں نے محسوس کیا کہ حادثہ کا زخم تنہا ہلکا نہیں ہے۔ فوراً مندمل ہو جائے۔

طبیعت کی بڑی رکاوٹ جو اور گرم ساتھ نہ دیتی تھی یہ تصور تھا کہ ایک تصنیف کی ہوئی چیز دوبارہ تصنیف کی جائے۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک اہل قلم کے لئے اس سے زیادہ مشکل کام کوئی نہیں۔ وہ ہزاروں صفحے نئے سرے سے لکھ دے گا لیکن ایک ضائع شدہ صفحے کو دوبارہ لکھنے میں اپنی طبیعت کو کبھی آمادہ نہ پائیگا۔ فکر و طبیعت کی جو گرم جوشی پہلی تحریر کی بلندی کے تصور سے پیدا ہوئی تھی بہت دشوار ہوتا ہے کہ اسے دوبارہ پیدا کیا جائے۔ اس حالت کا اندازہ صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جو اس قسم کی تجربوں سے دو چار ہوئے ہوں۔ میں نے کارلائل کے حالات میں پڑھا تھا کہ اس نے انقلاب فرانس پر اپنی مشہور کتاب دوبارہ تصنیف کی اور لکھا تھا کہ یہ قوت تصنیف کا ایک غیر معمولی مظاہرہ تھا۔ تو یہ نہیں سمجھ سکا تھا کہ یہ کام کیوں غیر معمولی بات کہی ہے؟ لیکن اس حادثے کے بعد مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ نہ صرف غیر معمولی ہے بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ ہے۔ ورنہ مصنف کا اول کی تصنیف عظمت کا اس سے بڑھ کر کوئی ثبوت نہیں ہو سکتا!

کئی سال گزر گئے مگر میں اپنے آپ کو اس کام کے لئے آمادہ نہ کر سکا:

ترجمان القرآن کی از سر نو ترتیب

دمے گذشتہ و ہم درد حسرت بیداری :

بالآخر ایسا ہوا کہ ترجمہ و تفسیر کے بچے کھچے اوراق نکالے لیکن جونہی برباد شدہ کاغذات پر نظر پڑی، طبیعت کا انقباض تازہ ہو گیا اور دو چار صفحے لکھ کر چھوڑ دینا پڑا۔

لیکن اب ایسے کام کا معاملہ ہے جس کی نسبت یہ یقین تھا کہ مسلمانوں کے لئے وقت کا سب سے زیادہ ضروری کام ہے

ممکن نہ تھا کہ زیادہ عرصہ تک طبیعت غافل رہتی۔ جسقدر وقت گزرتا جاتا تھا، اس کام کی ضروریات کا احساس میرے لئے ناقابلِ برداشت ہوتا جاتا تھا۔ میں محسوس کرتا تھا کہ اگر یہ کام مجھ سے انجام نہ پایا تو شاید عرصہ تک اس کی انجام دہی کا کوئی سامان نہ ہو۔

۱۹۲۶ء قریب الاختتام تھا کہ اچانک مدتوں کی رُکی ہوئی طبیعت میں جنبش ہوئی، اور رشتۂ کار کی جو گرہ ذہن و دماغ کی پے بہ پے کوششیں نہ کھول سکی تھیں، دل کے جوشش بے اختیار سے خود بخود کھُل گئی۔ کام شروع کیا، تو ابتدا میں چند دنوں تک طبیعت رُکی رُکی رہی، لیکن جونہی ذوق و فکر کے دو چار جام گردش میں آئے طبیعت کی ساری رُکاوٹیں دُور ہوگئیں، اور پھر تو ایسا معلوم ہونے لگا، گویا اس شورش کدۂ مستی میں کبھی افسردگی و خمار آلودگی کا گزر ہی نہیں ہوا تھا!

بہ بدمستی سزد گر متہم سازد مرا ساقی
ہنوز از بادۂ دوشینہ ام پیمانہ بو دارد!

اتنا ہی نہیں، بلکہ کہنا چاہئے، شورشِ تازہ کی سرمستیاں، مجلسِ دوشین کی کیفیتوں سے بھی کہیں شدید تر ہوگئیں:

چہ مستی ست ندانم، کہ رُو بہ ما آورد
کہ بود ساقی و این بادہ از کجا آورد؟

سُبحان اللہ! اس عالم کے تصرفات کا بھی کچھ عجیب حال ہے۔ یا تو یہ حال تھا کہ بار بار کوشش کی، مگر طبیعت کا انقباض دُور نہیں ہوا۔ یا اب خود بخود کھُلی، تو اس طرح کھُلی کہ قلم روکنا بھی چاہوں تو نہیں روک سکتا!

شوریست لوا ریزی تار نفسم را،
پیدا ڈلے جنبشِ مضراب کجائی؟

بہر حال کام شروع ہوگیا، اور اس خیال سے کہ سورۂ فاتحہ کی تفسیر ترجمہ کے لئے بھی ضروری تھی، سب سے پہلے اُس کی طرف متوجہ ہوا۔ پھر ترجمہ کی ترتیب شروع کی۔ حالات اب بھی موافق نہ تھے، صحت روز بروز کمزور ہو رہی تھی، سیاسی مشغولیت کی آلودگیاں بدستور خلل انداز تھیں، تاہم کام کا سلسلہ کم و بیش جاری رہا، اور ۲۰ رجولائی ۱۹۳۰ء کو آخری سورت کے ترجمہ و ترتیب سے فارغ ہوگیا:

تا دست رسم بود، زدم چاک گریباں
شرمندگی از خرقۂ پشمینہ ندارم!

اصُولِ ترجمۂ و تفسیر

ترجمان القرآن میں قرآن کے مقاصد و مطالب جن اصول و مبادیات کے ماتحت ترتیب دیے گئے ہیں قدرتی طور پر طبیعتیں منتظر ہونگی کہ اصل کتاب کے مطالعہ سے پہلے اُن سے آشنا ہو جائیں۔ اس دیباچے کے لکھنے کے وقت تک میرا بھی یہی خیال تھا کہ اس بارے میں ایک مختصر سی تحریر بطور مقدمۂ کتاب شامل کر دی جائے گی لیکن اب کہ دیباچہ لکھ رہا ہوں ان اصول و مبادیات کو سمیٹنا چاہا، تو معلوم ہوا، موضوع کی پیچیدگیاں اور مباحث کی گہرائیاں ایسی نہیں ہیں کہ تفصیل و اطناب کے بغیر بیان میں آسکیں۔ مباحث میں سے ہر مبحث کی وضاحت کے لئے مقدمات اور تمہیدات ناگزیر ہیں، اور ہر مبحث کے اطراف اس طرح دُور دُور تک پھیلے ہوئے ہیں کہ نہ تو سمیٹے جا سکتے ہیں، نہ مجمل اشارات عام مطالعہ کے لئے کفایت کر سکتے ہیں۔ مجبوراً اس خیال سے دست بردار ہوتا ہوں۔ اور ایک سرسری اشارہ اُن مشکلات و موانع کی طرف کر دیتا ہوں جو اس راہ میں حائل تھے، تاکہ اندازہ کیا جا سکے، معاملہ کی عام حالت کیا تھی اور مطالعہ قرآن کا جو قدم اُٹھایا گیا ہے، وہ کس رُخ پر جا رہا ہے۔

باقی رہے ترجمان القرآن کے اصولِ تفسیر، تو ان کے لئے مقدمۂ تفسیر کا انتظار کرنا چاہیے جو ترجمان القرآن کے بعد اس سلسلہ کی دوسری کتاب ہے، اور جس کے قدیم مسوّدات کی تہذیب و ترتیب میں آجکل مشغول ہوں۔

قرونِ خیرہ اور قرآن کے مطالعہ و تدبر کا عام معیار

مختلف اسباب سے جن کی تشریح کا یہ محل نہیں، صدیوں سے اس طرح کے اسباب موثرات نشو و نما پاتے رہے ہیں جن کی وجہ سے بتدریج قرآن کی حقیقت نگاہوں سے مستور ہوتی گئی، اور رفتہ رفتہ اُس کے مطالعہ و فہم کا ایک نہایت پست معیار قائم ہو گیا۔ یہ پستی صرف معانی و مطالب ہی میں نہیں ہوئی بلکہ ہر چیز میں ہوئی۔ حتیٰ کہ اس کی زبان، اُس کے الفاظ، اُس کی تراکیب اُس کی بلاغت کے لئے بھی نظر و فہم کی کوئی بلند جگہ باقی نہیں رہی!

ہر عہد کا مصنف، اپنے عہد کی ذہنی آب و ہوا کی پیداوار ہوتا ہے، اور اس قاعدہ سے صرف وہی دماغ مستثنیٰ ہوتے ہیں جنہیں مجتہدانہ ذوق و نظر کی قدرتی بخشائش نے صفِ عام سے الگ کر دیا ہو۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام کی ابتدائی صدیوں سے لیکر قرونِ اخیرہ تک جسقدر مفسرین پیدا ہوئے، اُن کا طریقِ تفسیر ایک تنزل معیارِ فکر کی مسلسل زنجیر ہے، جس کی ہر پچھلی کڑی پہلی سے پست تر، اور ہر سابق لاحق سے بلند تر واقع ہوئی ہے۔ ہم جس قدر اوپر کی طرف بڑھتے جاتے ہیں، حقیقت زیادہ واضح، زیادہ بلند، اور اپنی قدرتی شکل میں نمایاں ہوتی جاتی ہے، اور جسقدر نیچے اُترتے آتے ہیں، حالت برعکس ہوتی جاتی ہے!

یہ صورتِ حال فی الحقیقت مسلمانوں کے عام دماغی تنزل کا قدرتی نتیجہ تھی۔ اُنھوں نے جب دیکھا کہ قرآن کی

بلندیوں کا ساتھ نہیں دے سکتے، تو کوشش کی کہ قرآن کو اُس کی بلندیوں سے اس قدر نیچے اُتار لیں کہ اُن کی پستیوں کا ساتھ دے سکے!

اب اگر ہم چاہتے ہیں کہ قرآن کو اُس کی حقیقی شکل و نوعیت میں دیکھیں، تو ضروری ہے کہ پہلے وہ تمام پردے ہٹائیں جو مختلف عہدوں اور مختلف گوشوں کے خارجی موثرات نے اُس کے چہرے پر ڈال دیے ہیں۔ پھر آگے بڑھیں، اور قرآن کی حقیقت خود قرآن ہی کے صفحوں میں تلاش کریں۔

بعض اسباب و موثرات جو فہم حقیقت میں مانع ہیں

یہ مخالف اثرات جو یکے بعد دیگرے جمع ہوتے رہے، دو چار نہیں، بیشمار ہیں، اور ہر گوشے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ممکن نہیں کہ اختصار کے ساتھ بیان میں آسکیں لیکن میں نے مقدمۂ تفسیر میں کوشش کی ہے کہ اُنھیں چند اصول و انواع کے ماتحت سمیٹ لوں۔ اس سلسلہ میں حسب ذیل دفعات قابل غور ہیں:

(۱) قرآن حکیم اپنی وضع، اپنے اسلوب، اپنے انداز بیان، اپنے طریق خطاب، اپنے طریق استدلال، غرضکہ اپنی ہر بات میں دُنیا کے وضعی اور صناعی طریقوں کا پابند نہیں ہے، اور نہ اُسے پابند ہونا چاہئے۔ وہ اپنی ہر بات میں اپنا بے میل فطری طریقہ رکھتا ہے، اور یہی وہ بنیادی امتیاز ہے، جو انبیاء کرام علیہم السّلام کے طریق ہدایت کو علم و حکمت کے وضعی طریقوں سے ممتاز کر دیتا ہے۔

قرآن جب نازل ہوا، تو اُس کے مخاطبوں کا پہلا گروہ بھی ایسا ہی تھا۔ تمدن کے وضعی اور صناعی سانچوں میں ابھی اُس کا دماغ نہیں ڈھلا تھا، اور فطرت کی سیدھی سادی فکری حالت پر قانع تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن اپنی شکل و معنی میں جیسا کچھ واقع ہوا تھا، ٹھیک ٹھیک ویسا ہی اُس کے دلوں میں بس گیا، اور اُسے قرآن کے فہم و معرفت میں کسی طرح کی بھی دشواری محسوس نہیں ہوئی۔ صحابہ کرام پہلی مرتبہ قرآن کی کوئی آیت یا سورت سنتے تھے اور بہ مجرد سماع، اُس کی حقیقت پالیتے تھے۔

لیکن صدر اوّل کا دور ابھی ختم نہیں ہوا تھا کہ روم و ایران کے تمدن کی ہوائیں چلنے لگیں، اور علوم و فنون وضعیہ کا دور شروع ہوگیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جوں جوں وضعیت کا ذوق بڑھتا گیا، قرآن کے فطری اسلوبوں سے طبیعتیں نا آشنا ہوتی گئیں۔ رفتہ رفتہ وہ وقت آگیا کہ قرآن کی ہر بات وضعی اور صناعی طریقوں کے سانچوں میں ڈھالی جانے لگی۔ چونکہ ان سانچوں میں وہ ڈھل نہیں سکتی تھی، اس لئے طرح طرح کے اُلجھاؤ پیدا ہونے لگے، اور پھر جس قدر کوششیں سلجھانے کی کی گئیں، اور زیادہ اُلجھاؤ بڑھتے گئے!

فطرتیت سے جب بعد ہو جاتا ہے اور وضعیت کا استغراق طاری ہو جاتا ہے، تو طبیعتیں اس پر راضی نہیں ہوتیں کہ کسی بات کو اُس کی قدرتی سادگی میں دیکھیں۔ وہ سادگی کے ساتھ حُسن و خوبی کا تصور کر ہی نہیں سکتیں۔ وہ جب کسی بات کو

بلند اور عظیم دکھانا چاہتی ہیں تو کوشش کرتی ہیں کہ زیادہ سے زیادہ وضعیت اور صناعیت کے پیچ و خم پیدا کر دیں یہی معاملہ قرآن کے ساتھ پیش آیا۔ سلف کی طبیعتیں وضعی طریقوں میں نہیں ڈھلی تھیں، اس لئے وہ قرآن کی سیدھی سادی حقیقت بے ساختہ پہچان لیتے تھے لیکن خلف کی طبیعتوں پر یہ بات شاق گزرنے لگی کہ قرآن اپنی سیدھی سادی شکل میں نمایاں ہو۔ ان کی وضعیت پسندی اس پر قانع نہیں ہو سکتی تھی۔ انہوں نے قرآن کی ہدایت کے لئے وضعیت کے جامے تیار کرنے شروع کر دیئے اور چونکہ یہ جامہ اس پر راست نہیں آ سکتا تھا، اس لئے بہ تکلف پہنانا چاہا نتیجہ یہ نکلا کہ حقیقت کی موزونیت باقی نہ رہی۔ ہر بات ناموزوں اور اُلجھی ہوئی بن کر رہ گئی!

تفسیر قرآن کا پہلا دور وہ ہے، جب علوم اسلامیہ کی تدوین و کتابت شروع نہیں ہوئی تھی۔ دوسرا دور تدوین و کتابت سے شروع ہوتا ہے، اور اپنے مختلف عہدوں اور طبقوں میں اُترتا آتا ہے۔ ہم محسوس کرتے ہیں کہ ابھی دوسرا دور شروع ہی ہوا تھا کہ یہ جامہ قرآن کے لئے بننا شروع ہو گیا۔ لیکن اس کا منتہائے بلوغ، فلسفہ و علوم کی ترویج و اشاعت کا آخری زمانہ ہے۔ یہی زمانہ ہے جب امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر لکھی، اور پوری کوشش کی کہ قرآن کا ملبوس اس صنوعی لباسِ وضعیت میں سرتا پا پوشیدہ ہو جائے۔ اگر امام صاحب کی نظر اس حقیقت پر ہوتی، تو ان کی پوری تفسیر نہیں، تو دو تہائی حصہ یقیناً بیکار ہو جاتا۔

بہرحال یاد رہے، وضعیت کے سانچے جتنے ٹوٹتے جائیں گے، قرآن کی حقیقت اُبھرتی آئے گی۔

قرآن کے اسلوب بیان کی نسبت لوگوں کو جس قدر مشکلیں پیش آئیں، محض اس لئے کہ وضعیت کا استغراق ہوا اور فطرتیت کی معرفت باقی نہیں رہی۔

قرآن کے مختلف حصوں اور آیتوں کے مناسبات و روابط کے سارے اُلجھاؤ صرف اس لئے ہیں کہ فطرتیت سے بعد ہو گیا، اور وضعیت ہمارے اندر بسی ہوئی ہے۔

قرآن کی زبان کی نسبت بحثوں کا جس قدر انبار لگا دیا گیا ہے، وہ بھی محض اس لئے ہے کہ فطرتیت کے سمجھنے کی ہم میں استعداد باقی نہیں رہی۔

قرآن کی بلاغت کا مسئلہ ہمارے وجدان کے لئے اس قدر سہل، مگر ہمارے دماغ کے لئے اس قدر دشوار کیوں ہو رہا ہے؟ صرف اسی لئے کہ وضعیت کا خود ساختہ ترازو ہمارے ہاتھ میں ہے اور ہم چاہتے ہیں اسی سے قرآن کی بلاغت بھی وزن کریں!

قرآن کا طریق استدلال کیوں نمایاں نہیں ہوتا؟ اسی لئے کہ وضعیت کے استغراق نے منطق کا سانچہ ہمیں دیدیا ہے، اور چاہتے ہیں، قرآن کے دلائل و براہین بھی اسی میں ڈھالتے جائیں!

غرضکہ جس گوشے میں جاؤ گے، اس خلل کو سامنے پاؤ گے!

(۲) جب کسی کتاب کی نسبت یہ سوال پیدا ہوا اس کا مطلب کیا ہے؟ تو قدرتی طور پر ان لوگوں کے فہم کو ترجیح دی جائیگی جنھوں نے خود صاحبِ کتاب سے مطلب سمجھا ہو۔ قرآن تیئیس برس کے اندر بہ تدریج نازل ہوا۔ وہ جس قدر نازل ہوتا تھا صحابہ کرام سُنتے تھے، نمازوں میں دُہراتے تھے اور جو کچھ پوچھنا ہوتا تھا خود پیغمبرِ اسلام (صلعم) سے پوچھ لیتے تھے۔ ان میں بعض افراد خصوصیت کے ساتھ فہمِ قرآن میں ممتاز ہوئے اور خود پیغمبرِ اسلام (صلعم) نے اس کی شہادت دی۔ مذہبی جوش و اعتقادی کی بنا پر نہیں، بلکہ قدرتی طور پر ان کے فہم کو بعد کے لوگوں کے فہم پر ترجیح ہونی چاہئیے لیکن بدقسمتی سے ایسا نہیں سمجھا گیا۔ بعد کے لوگوں نے اپنے اپنے عہد کی فکری موثرات کے ماتحت نئی نئی کاوشیں شروع کر دیں اور صریح سلف کی تفسیر کے خلاف ہر گوشے میں قدم اُٹھا دیے گئے۔ کہا گیا "سلف ایمان میں قوی ہیں لیکن علم میں خلف کا طریقہ قوی ہے۔" نتیجہ یہ نکلا کہ روز بروز حقیقت مستور ہوتی گئی اور اکثر گوشوں میں ایک صاف بات اُلجھتے اُلجھتے بالکل ناقابلِ حل بن گئی۔

آفت پر آفت یہ ہوئی کہ پہلے ایک کمزور پہلو اختیار کیا گیا، پھر بڑھتے بڑھتے دُور تک نکل گئے، پھر جب مشکلوں سے دوچار ہوئے تو نئی نئی بحثوں اور کاوشوں کی عمارتیں اُٹھانے لگے۔ متون، شروح، حواشی، اور منہیات و تعلیقات کا طریقہ یہاں بھی چلا۔ اس نے اور زیادہ اُلجھاؤ میں اُلجھاؤ ڈال دئے، اور بعض صورتوں میں تو پردوں کی اتنی تہیں جمع ہو گئیں کہ ایک کے بعد ایک ہٹاتے چلے جاؤ، ظلمات بعضہا فوق بعض کا عالم دکھائی دیگا!

اس بات کا اندازہ کرنے کے لئے قرآن کا کوئی ایک مقام لیلو۔ پہلے اس کی تفسیر صحابہ و تابعین کی روایات میں ڈھونڈھو، پھر بعد کے مفسرین کی طرف رُخ کرو، اور دونوں کا مقابلہ کرو۔ صاف نظر آجائیگا کہ صحابہ و سلف کی تفسیر میں معاملہ بالکل واضح تھا۔ بعد کی بے محل دقیقہ سنجیوں نے اُسے کچھ سے کچھ بنا دیا، اور اُلجھاؤ پیدا ہو گئے۔

مثلاً سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیتوں کی نسبت حضرت عبداللہ ابن عباس اور ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ الذین یومنون بالغیب ویقیمون الصلوٰۃ الخ سے مقصود عرب کے اہلِ ایمان ہیں، اور والذین یومنون بما انزل الیک الخ سے اہلِ کتاب کے اہلِ ایمان۔ امام ابن جریر نے بھی یہی تفسیر اختیار کی۔ لیکن بعد کے مفسرین اس پر قانع نہیں ہوئے اور عجیب عجیب دُور از کار بحثیں پیدا کر دیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ سب سے پہلے ھدی للمتقین کے مطلب کی نشست بگڑ گئی۔ پھر قرآن نے تین گروہوں کی تقسیم کر کے جس حقیقت پر زور دیا تھا اُس کی ساری خوبی اور موزونیت گم ہو گئی۔

(۳) توسط اقوام کے قصص و روایات اوّل دن سے پھیلنا شروع ہو گئے تھے۔ ان میں سے اسرائیلیات گو جنہیں یہودیوں کے قصص و خرافات کی ہمیشہ محققین نے چھانٹنا چاہا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان عناصر کے مخفی اثرات دُور دُور تک سرایت کر چکے تھے، اور وہ برابر جسمِ تفسیر میں پیوست رہے۔

(۴) ایک طرف تو صحابہ و سلف کی روایات سے تغافل ہوا، دوسری طرف روایاتِ تفسیر کے غیر محتاط

(۸) ہر کتاب اور تعلیم کے کچھ مرکزی مقاصد ہوتے ہیں، اور اس کی تمام تفصیلات انہی کے گرد گردش کرتی ہیں جب تک یہ مراکز سمجھ میں نہ آئیں، دائرہ کی کوئی بات سمجھ میں نہیں آسکتی۔ قرآن کا بھی یہی حال ہے۔ اس کے بھی چند مرکزی مقاصد و جہات ہیں، اور جب تک وہ صحیح طور پر نہ سمجھ لئے جائیں اس کی کوئی بات صحیح طور پر کبھی نہیں جاسکتی۔

متذکرۂ صدر اسباب سے جب اس کے مرکزی مقاصد کی وضاحت باقی نہ رہی، تو قدرتی طور پر اس کا ہر گوشہ اس سے متاثر ہوا۔ اس کا کوئی بیان، کوئی تعلیم، کوئی استدلال، کوئی خطاب، کوئی اشارہ، کوئی اجمال ایسا نہ رہا جو اس تاثر سے محفوظ ہو۔ افسوس یہ ہے کہ اختصار کا تقاضہ مثالیں پیش کرنے سے مانع ہے، اور بغیر مثال کے حقیقت واضح نہیں ہوسکتی مثلاً آل عمران کی آیت وما کان لنبی ان یغل (۱۵۵) کی تفسیر نکال کر دیکھو کہ کیا کیا دور از کار تاویلیں نہیں کی گئیں۔ یہودیوں کے اس قول کی تفسیر میں کہ ید اللہ مغلولۃ (۵-۶۹) کن کن گوشوں میں نکل گئے، اور کس طرح محل بیان اور سیاق و سباق کا صاف صاف مقتضا نظر انداز کر دیا گیا؟

(۹) قرآن کے صحت فہم کے لئے عربی لغت و ادب کا صحیح ذوق شرط اول ہے۔ لیکن مختلف اسباب سے جن کی تشریح محتاج تفصیل ہے، یہ ذوق کمزور پڑ گیا۔ یہاں تک کہ وہ وقت آگیا جب مطالب میں بے شمار الجھاؤ محض اس لئے پڑ گئے کہ عربیت کا ذوق سلیم باقی نہیں رہا، جس زبان میں قرآن نازل ہوا تھا، اس کے محاورات و مجازات سے لبعد ہوگیا۔

(۱۰) ہر عہد کا فکری اثر تمام علوم و فنون کی طرح تفسیر میں بھی کام کرتا رہا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ تاریخ اسلام کا یہ پرفخر واقعہ ہمیشہ یادگار رہے گا کہ علمائے حق نے وقت کے سیاسی اثرات کے سامنے کبھی ہتھیار نہیں ڈالے، اور کبھی یہ بات گوارا نہ کی کہ اسلام کے عقائد و مسائل ان سے اثر پذیر ہوں۔ لیکن وقت کی تاثیر صرف سیاست ہی کے دروازے سے نہیں آتی۔ اس کے نفسیاتی مؤثرات کے بے شمار دروازے ہیں، اور جب کھل جاتے ہیں تو کسی کے بند کئے بند نہیں ہوسکتے۔ ان کے استیلاء سے عقائد و اعمال محفوظ رکھے جاسکتے تھے، اور علمائے حق نے محفوظ رکھے لیکن دماغ محفوظ نہیں رکھے جاسکتے تھے اور محفوظ نہیں رہے۔ یہاں ضرورت مثالوں کی ہے لیکن ہر مثال تفصیل طلب ہے، اور اختصار کا تقاضہ اجازت نہیں دیتا۔

(۱۱) چوتھی صدی ہجری کے بعد علوم اسلامیہ کی تاریخ کا مجتہدانہ دور ختم ہوگیا، اور شواذ و نوادر کے علاوہ عام شاہراہ، تقلید کی شاہراہ ہوگئی۔ اس دار انحلال نے جسم تفسیر میں بھی پوری طرح سرایت کی۔ ہر شخص جو تفسیر کے لئے قدم اٹھاتا تھا کسی پیش رو کو اپنے سامنے رکھ لیتا تھا، اور پھر آنکھیں بند کرکے اس کے پیچھے پیچھے چلتا رہتا۔ اگر تیسری صدی میں کسی مفسر سے کوئی غلطی ہوگئی ہے تو ضروری ہے کہ نویں صدی کی تفسیروں تک وہ برابر نقل در نقل ہوتی چلی آئے۔ کسی نے اس کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ چند لمحوں کے لئے تقلید سے الگ ہو کر تحقیق کرے کہ معاملہ کی اصلیت کیا ہے۔ رفتہ رفتہ تفسیر نویسی کی ہمتیں اس قدر پست ہوگئیں کہ کسی متداول تفسیر پر حاشیہ چڑھا دینے سے آگے نہ بڑھ سکیں۔ بیضاوی اور جلالین

کے حاشیوں کو دیکھو کہ ایک بنے ہوئے مکان کی لیپ پوت کرنے میں کس طرح قوتِ تصنیف رائیگاں گئی ہے۔

(۱۲) زمانہ کی بدذوقی نے بھی ہر بدمذاقی کو سہارا دیا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ قرونِ اخیرہ میں درس و تداول کے لیئے وہی تفسیریں مقبول ہوئیں جو قدماء کے محاسن سے یکقلم خالی تھیں۔ وقت کا یہ سوءِ انتخاب ہر علم و فن میں جاری رہا ہے۔ جو زمانہ جرجانی پر سکاکی کو، اور سکاکی پر تفتازانی کو ترجیح دیتا تھا یقیناً اُس کے دربار سے جلالین ہی کو حسنِ قبول کی سند مل سکتی تھی!

(۱۳) متداول تفاسیر کو اُٹھا کر دیکھو۔ جس مقام کی تفسیر میں متعدد اقوال موجود ہونگے، وہاں اکثر اُسی قول کو ترجیح دینگے جو سب سے زیادہ کمزور اور بے محل ہوگا۔ جو اقوال نقل کرینگے اُن میں بہترین قول موجود ہوگا، لیکن اسے نظر انداز کر دیں گے!

(۱۴) اشکال و موانع کا بڑا دروازہ تفسیر بالرائے سے کھل گیا جس کے اندیشہ سے صحابہ و سلف کی روحیں لرزتی رہتی تھیں!

تفسیر بالرائے کا مطلب سمجھنے میں لوگوں کو لغزشیں ہوئی ہیں۔ تفسیر بالرائے کی ممانعت سے مقصود یہ نہ تھا کہ قرآن کے مطالب میں عقل و بصیرت سے کام نہ لیا جائے، یا اُس کی تفسیر کرنے میں عقل و درایت کو دخل نہ دیا جائے۔ کیونکہ اگر یہ مطلب ہو تو پھر قرآن کا درس و مطالعہ ہی بے سود ہو جائے، حالانکہ خود قرآن کا یہ حال ہے کہ اوّل سے لیکر آخر تک تعقل و تفکر کی دعوت ہے، اور ہر جگہ مطالبہ کرتا ہے کہ أفلا يتدبرون القرآن أم على قلوب أقفالها؟ (۴۷: ۲۴)

تفسیر بالرائے میں "رائے" بمعنی لغوی نہیں ہے بلکہ "رائے" مصطلحِ شارع ہے، اور اس سے مقصود ایسی تفسیر ہے جو اس لیئے نہ کی جائے کہ خود قرآن کیا کہتا ہے، بلکہ اس لیئے کیجائے کہ ہماری کوئی ٹھہرائی ہوئی رائے کیا چاہتی ہے، اور کس طرح قرآن کو کھینچ تان کر اس کے مطابق کر دیا جا سکتا ہے۔

مثلاً جب بابِ عقائد میں ردّ و کد شروع ہوئی تو مختلف مذاہب کلامیہ پیدا ہو گئے۔ ہر مذہب کے مناظرین نے چاہا، اپنے مذہب پر نصوصِ قرآنیہ کو ڈھالیں۔ وہ اس کی جستجو میں نہ تھے کہ قرآن کیا کہتا ہے، بلکہ اس کی کاوش تھی کہ کسی طرح اُسے اپنے مذہب کا موید دکھلا دیں۔ اس طرح کی تفسیر تفسیر بالرائے تھی!

یا مثلاً مذاہبِ فقہیہ کے مقلدین میں جب تحزب و تشیّع کے جذبات تیز ہوئے تو اپنے اپنے مسائل کی پچ میں آیاتِ قرآنیہ کو کھینچ تاننے لگے۔ اس کی کچھ فکر نہ تھی کہ لغتِ عربی کے صاف صاف معانی، اسلوبِ بیان کا قدرتی مقتضیٰ، عقل و بصیرت کا واضح فیصلہ کیا کہتا ہے؟ تمام تر کوشش یہ تھی کہ کسی نہ کسی طرح قرآن کو اپنے مذہب کے مطابق کر دکھایئے۔ یہ طریق تفسیر تفسیر بالرائے ہے!

یا مثلاً ایک گروہ متصوفین کا پیدا ہوا، اور اپنے موضوعہ عقائد و اصول پر قرآن کو ڈھالنے لگا۔ قرآن کا کوئی حکم،

کوئی عقیدہ، کوئی بیان تحریفِ معنوی سے نہ بچا۔ یہ تفسیر بالرائے تھی!

یا مثلاً قرآن کے طریقِ استدلال کو منطقی جامہ پہنانا، یا جہاں کہیں آسمان اور کواکب و نجوم کے الفاظ آگئے ہیں یونانی علمِ ہیئت کے مسائل چپکانے لگنا، یقیناً تفسیر بالرائے ہے!

یا مثلاً آجکل ہندوستان اور مصر کے بعض دانش فروشوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ انہی کے لفظوں میں، زمانہ حال کے "اصولِ علم و ترقی" قرآن سے ثابت کئے جائیں۔ یا بقول ان کے فلسفہ و سائنس اس کی ہر آیت میں بھر دیا جائے گویا قرآن صرف اسی لئے نازل ہوا ہے کہ جو بات کوپرنیکس اور نیوٹن نے یا ڈارون اور ویلس نے بغیر کسی الہامی کتاب کی فلسفہ اندیشیوں کے دریافت کرلی اُسے چند صدی پہلے معمّوں اور پہیلیوں کی طرح دُنیا کے کان میں پھونک دے، اور پھر وہ بھی صدیوں تک دُنیا کی سمجھ میں نہ آئیں۔ یہانتک کہ موجودہ زمانہ کے مفسر پیدا ہوں، اور تیرہ سو برس پیشتر کے معمے حل فرمائیں۔ یقیناً یہ طریقِ تفسیر بھی ٹھیک ٹھیک تفسیر بالرائے ہے!

جستجوئے حقیقت

یہ چند اشارات ہیں کہ اختصار کے تقاضے اور محل کی تنگنائی پر بھی حوالۂ قلم ہوئے، ورنہ شرح اس معاملہ کی بہت طولانی ہے:

تو خود حدیثِ مفصّل بخواں ازیں مجمل!

کم از کم ان مجمل اشارات سے اس بات کا اندازہ کرلیا جاسکتا ہے کہ راہ کی مشکلات و موانع کا کیا حال ہے، اور کس طرح قدم قدم پر پردوں کو ہٹانا، اور چپّے چپّے پر رکاوٹوں سے دو چار ہونا ہے۔ پھر رکاوٹیں کسی ایک گوشے ہی میں نہیں ہیں، اور مشکلات کسی ایک دروازے ہی سے نہیں آئی ہیں۔ بہ یک وقت ہر وادی کی پیمائش اور ہر گوشے میں نظر و کاوش ہونی چاہئے تب کہیں جا کر حقیقتِ گم گشتہ کا سُراغ مل سکتا ہے۔ وذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم!

ترجمان القرآن کا مقصد و نوعیت

قرآن کے درس و مطالعہ کی تین مختلف ضرورتیں ہیں، اور میں نے انہیں تین کتابوں میں منقسم کردیا ہے، مقدمۂ تفسیر، تفسیر البیان، اور ترجمان القرآن۔ مقدمۂ تفسیر، قرآن کے مقاصد و مطالب پر اصولی مباحث کا مجموعہ ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ مطالب قرآنی کے جامع و کلیات مدون ہوجائیں۔ تفسیر البیان نظر و مطالعہ کے لئے ہے، اور ترجمان القرآن قرآن کی عالمگیر تعلیم و اشاعت کے لئے۔

آخری کتاب سب سے پہلے شائع کیجاتی ہے کیونکہ اپنے مقصد و نوعیت میں سب سے زیادہ اہم اور ضروری ہے، اور فی الحقیقت تفسیر و مقدمہ کے لئے بھی اصلی بنیاد یہی ہے۔

اس کی ترتیب سے مقصود یہ ہے کہ مطالبِ قرآنی کے فہم و تدبر کے لئے ایک ایسی کتاب تیار ہوجائے

جس میں کتب تفسیر کی سی تفصیلات تو نہ ہوں لیکن وہ سب کچھ ہو، جو قرآن کو ٹھیک ٹھیک سمجھ لینے کیلئے ضروری ہے۔ اسی غرض سے جو اسلوب اختیار کیا گیا ہے، اُمید ہے کہ اہل نظر اُس کی موزونیت بہ یک نظر محسوس کر لیں گے۔ پہلے کوشش کی ہے کہ قرآن کا ترجمہ اُردو میں اس طرح مرتب ہو جائے کہ اپنی وضاحت میں کسی دوسری چیز کا محتاج نہ ہو، اپنی تشریحات خود اپنے ساتھ رکھتا ہو۔ پھر جا بجا نوٹوں کا اضافہ کیا ہے، جو سورت کے مطالب کی رفتار کے ساتھ ساتھ برابر چلے جاتے ہیں، اور جہاں کہیں ضرورت دیکھتے ہیں، مزید رہنمائی کے لئے نمودار ہو جاتے ہیں۔ یہ قدم قدم پر مطالب کی تفسیر کرتے ہیں، اجمال کو تفصیل کا رنگ دیتے ہیں، مقاصد و وجوہ سے پردے اُٹھاتے ہیں، دلائل و شواہد کو روشنی میں لاتے ہیں، احکام و نواہی کو مرتب و منضبط کرتے ہیں، اور زیادہ سے زیادہ مختصر لفظوں میں زیادہ سے زیادہ معانی و معارف کا سرمایہ فراہم کرتے جاتے ہیں۔ یہ گویا قاری قرآن کے لئے تفکر و تدبر کی روشنی ہے، جو بحکم نورھم یسعیٰ بین ایدیھم وبایمانھم (۵۷:۱۲) اُس کے ساتھ ساتھ چلتی رہتی ہے، اور کہیں بھی اُس کا ساتھ نہیں چھوڑتی!

ترجمہ و تفسیر کی معنوی مشکلات کی طرح اُس کی صوری مشکلات بھی تھیں، اور اس راہ کا دوسرا مرحلہ یہ تھا کہ اُنھیں حل کیا جائے۔ ان مشکلات کی شرح بھی طولانی ہے۔ ترجمان القرآن کے خاتمہ میں قرآن کے فارسی، اُردو اور انگریزی کے تراجم پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ اُس سے اندازہ کیا جا سکے گا کہ اس مرحلہ کی مشکلات کیا کیا تھیں، اور وہ کیا اسباب ہیں جن کی وجہ سے آجتک قرآن کے تراجم میں وضاحت اور دلنشینی پیدا نہ ہو سکی۔

یہ حقیقت پیش نظر رہے کہ ترجمان القرآن کے نوٹ تشریح و وضاحت کا ایک مزید درجہ ہیں، ورنہ قرآن کا صاف صاف مطلب سمجھ لینے کے لئے متن کا ترجمہ پوری طرح کفایت کرتا ہے۔ میں نے تجربہ کے لئے سورۂ بقرہ کا مجرّد ترجمہ ایک چودہ پندرہ برس کے لڑکے کو دیا جو اُردو کی آسان کتابیں روانی کے ساتھ پڑھ لیتا ہے، پھر ہر موقع پر سوالات کر کے جانچا۔ جہاں تک مطلب سمجھ لینے کا تعلق ہے وہ ایک مقام پر بھی نہ اٹکا، اور تمام سوالوں کا جواب دیتا گیا۔ پھر ایک دوسرے شخص پر تجربہ کیا جس نے بڑی عمر میں لکھنا پڑھنا سیکھا ہے، اور ابھی اُس کی استعداد اس سے زیادہ نہیں ہے کہ اُردو کے تعلیمی رسائل بہ آسانی پڑھ لیتا ہے۔ یہ تین جگہ تین فارسی لفظوں پر اٹکا، لیکن مطلب سمجھنے میں اسے کوئی رکاوٹ پیش نہ آئی۔ میں نے وہ الفاظ بدل کر نسبتاً زیادہ سہل الفاظ رکھدیے۔

نوٹس کی ترتیب کا معاملہ نفس ترجمہ سے کم مشکل نہ تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ ان کے لئے ایک محدود مقدار سے زیادہ جگہ نکل نہیں سکتی تھی، اور نوٹ، نوٹ نہ رہتے اگر ایک خاص مقدار سے کمیت یا تعداد میں زیادہ ہو جاتے۔ لیکن ساتھ ہی ضروری تھا کہ کوئی ضروری مقام تشنہ نہ رہ جائے، اور مقاصد و مطالب قرآنی کی تمام مہمات واضح ہو جائیں۔ پس پوری احتیاط کے ساتھ ایسا طریق بیان اختیار کیا گیا کہ لفظ کم سے کم ہیں لیکن اشارات زیادہ سے زیادہ سمیٹ لئے گئے ہیں۔ جس چیز کی لوگ کمی پائیں گے، وہ صرف مطالب کا پھیلاؤ ہے۔ نفس مطالب میں کوئی کمی محسوس نہ ہوگی۔ ان

ہر لفظ اور ہر جملہ پر جسقدر غور کیا جائیگا، مطالب و مباحث کے نئے نئے دفتر کھلتے جائیں گے۔

مثلاً سورۂ بقرہ کی آیت عدۃ طلاق پر ایک نوٹ ہے "طلاق کی عدت کا ایک مناسب زمانہ مقرر کرکے نکاح کی اہمیت، نسب کے تحفظ، اور عورت کے نکاح ثانی کی سہولتوں کا انتظام کر دیا گیا" (۲۵۳) یہ نہایت مختصر جملہ ہے لیکن اسی میں عدتِ طلاق کے تعین کی وہ تینوں مصلحتیں واضح کر دی ہیں جن میں سے ہر مصلحت کی بحث تفسیر کے ایک پورے صفحہ میں بمشکل آتی۔ نکاح کی اہمیت چاہتی تھی کہ یہ رشتہ ایسا بے گرہ نہ رہ جائے کہ ادھر ختم ہوا اور ادھر از سرِ نو شروع ہو گیا۔ ہر دو رشتوں کے درمیان کچھ نہ کچھ فصل اور انتظار کی حالت ضرور ہونی چاہئے۔ نسب کا تحفظ بھی چاہتا تھا کہ اتنا وقفہ ضرور گزر جائے کہ حمل کا شبہ باقی نہ رہے۔ لیکن ساتھ ہی اس کی رعایت بھی ضروری تھی کہ عورت کے نکاح ثانی کے حقوق میں بیجا دست اندازی نہ ہو۔ پس قرآن نے ایک ایسی مدت ٹھہرا دی جس سے ایک طرف تو پہلی اور دوسری مصلحت پوری ہو گئی، دوسری طرف تیسری مصلحت میں بھی خلل نہیں پڑا۔ کیونکہ ابتدائی دو مصلحتوں کے لئے کم سے کم مدت ہے جو قرار دی گئی ہے۔ یہ تمام تشریحات نوٹ میں نہیں آسکتی تھیں، اور نہیں آئی ہیں لیکن اصل مطلب پورا پورا آگیا ہے۔ ضرورت صرف اس کی ہے کہ مطالعہ کے وقت غور و فکر کا رشتہ ہاتھ سے نہ چھوٹے۔

تفسیر البیان

تفسیر البیان کے لئے پچھلی ترتیب میں نے اب ترک کر دی ہے۔ کیونکہ میں محسوس کرتا ہوں، مسلسل تفسیر کا قدیم طریقہ موجودہ زمانے میں عام مطالعہ کے لئے موزوں نہیں ہے۔ ایک غیر مرتب و غیر منتظم سلسلہ کی غیر معمولی درازی، اکثر طبائع پر شاق گزرتی ہے۔ اب میں چاہتا ہوں، تفسیر اس صورت میں مرتب ہو جائے کہ اسی ترجمان القرآن کے ہر ترجمۂ سورت پر ایک مقدمہ یا دیباچہ کا اضافہ کر دیا جائے۔ ترجمہ کی وضاحت پہلے سے موجود ہے۔ نوٹوں کی تشریحات جا بجا روشنی ڈال ہی رہی ہیں۔ ضرورت صرف ایک مزید درجۂ بحث و نظر کی ہے، وہ ہر سورت کے دیباچہ سے پوری ہو جائے گی، اور بحیثیت مجموعی تفسیر کے مطالب اس طرح مرتب اور منتظم رہیں گے کہ ایک مسلسل تفسیر کا انتشارِ مطالب محسوس نہیں ہوگا۔

ترجمان القرآن کو میں نے دو متوسط جلدوں سے زیادہ بڑھنے نہیں دیا ہے۔ البیان کے دیباچوں کے اضافہ کے بعد زیادہ سے زیادہ چار جلدیں ہو جائیں گی، لیکن ان چار جلدوں میں وہ سب کچھ آجائے گا جو ترتیب قدیم مثلاً دس گیارہ جلدوں کی ضخامت میں بھی نہ آتا۔

تفسیر کا جسقدر قدیم مسودہ بچ رہا ہے، دوستوں کا اصرار ہے کہ اسے بھی ایک علیحدہ کتاب کی صورت میں شائع کر دیا جائے۔

جونہی ترجمان القرآن سے میں فارغ ہوا، سورتوں کے دیباچوں کی ترتیب پر متوجہ ہو گیا۔ ساتھ ہی مقدمۂ تفسیر کی ترتیب بھی جاری ہے۔

تفسیر سورۂ فاتحہ

پہلی جلد کے ابتدا میں سورۂ فاتحہ کی تفسیر کا ملخص بھی شامل کر دیا گیا ہے کیونکہ سورۂ فاتحہ کی تفسیر ترجمہ قرآن کے لئے اُس کا قدرتی مقدمہ بھی' اور ضروری تھا کہ کم از کم یہ مقدمہ تلاوت ترجمہ سے پہلے ذہن نشین ہو جائے۔

البتہ یہ تفسیر سورۂ فاتحہ کا خلاصہ ہے۔ اس میں مباحث کے پھیلاؤ سمیٹ دیے ہیں تفصیلات کو جا بجا مختصر کر دیا ہے۔ تمہید و توطیہ کی قسم کی تمام چیزیں نکال دی ہیں لیکن نفس مطالب میں بجز ایک مقام کے کوئی کمی نہیں کی ہے۔ یہ مقام صفات الٰہی کے تصور کے مباحث کا ہے۔ اس میں ایک بڑا حصہ صفات الٰہی کے اُن مباحث کا تھا جن کا تعلق زیادہ تر فلسفۂ کلام کے قدیم مذاہب و مقالات سے ہے۔ نیز فرداً فرداً اُن تمام صفات پر نظر ڈالی گئی تھی جو قرآن حکیم میں آئے ہیں۔ چونکہ یہ حصہ عام مطالعہ اور دلچسپی کا نہ تھا، اس لئے ترجمان القرآن میں اس کی موجودگی ضرورت سے زیادہ محسوس ہوئی، اور اسے الگ کر دیا گیا۔

اصل تفسیر کی ضخامت اس خلاصہ سے ڈیوڑھی سمجھنی چاہیے۔ تفسیر البیان میں وہ سورۂ فاتحہ کا دیباچہ ہوگی اور اپنی تفصیلی شکل میں آجائے گی۔

آخر میں چند الفاظ اس پورے سلسلۂ ترجمہ و تفسیر کی نسبت کہہ دینا ضروری ہیں۔ کامل ستائیس برس سے قرآن میرے شب و روز کے فکر و نظر کا موضوع رہا ہے۔ اُس کی ایک ایک سورت' ایک ایک مقام' ایک ایک آیت' ایک ایک لفظ پر میں نے وادیاں قطع کی ہیں اور مرحلوں پر مرحلے طے کئے ہیں۔ تفاسیر و کتب کا جتنا مطبوعہ و غیر مطبوعہ ذخیرہ موجود ہے' میں کہہ سکتا ہوں کہ اُس کا بڑا حصہ میری نظر سے گزر چکا ہے' اور علوم قرآن کے مباحث و مقالات کا کوئی گوشہ نہیں جس کی طرف سے ذہن نے تغافل اور جستجو نے تساہل کیا ہو۔ علم و نظر کی راہوں میں آجکل قدیم و جدید کی تقسیمیں کی جاتی ہیں لیکن میرے لئے یہ تقسیمیں بھی کوئی تقسیم نہیں۔ جو کچھ قدیم ہے' وہ مجھے ورثہ میں ملا' اور جو کچھ جدید ہے اُس کے لئے اپنی راہیں آپ نکال لیں۔ میرے لئے وقت کی جدید راہیں بھی ویسی ہی دیکھی بھالی ہیں جس طرح قدیم راہوں کے چپہ چپہ کا شناسا ہوں۔

رہا ہوں رند بھی میں اور پارسا بھی میں
مری نظر میں ہیں رندان و پارسا اک ایک!

خاندان' تعلیم' اور سوسائٹی کے اثرات نے جو کچھ میرے حوالے کیا تھا میں نے اول دن ہی اُس پر قناعت کرنے سے انکار کر دیا، اور تقلید کی بندشیں کسی گوشہ میں بھی روک نہ سکیں' اور تحقیق کی تشنگی نے کسی میدان میں بھی ساتھ نہ چھوڑا۔

ہیچ گہ ذوقِ طلب از جستجو بازم نہ داشت
دانہ می چیدم دراں روزے کہ خرمن داشتم!

میرے دل کا کوئی یقین ایسا نہیں ہے جس میں شک کے سارے کانٹے نہ چبھ چکے ہوں اور میری روح کا کوئی اعتقاد ایسا نہیں ہے جو انکار کی ساری آزمائشوں میں سے نہ گزر چکا ہو۔ میں نے زہر کے گھونٹ بھی ہر جام سے پیے ہیں اور تریاق کے نسخے بھی ہر دارالشفا کے آزمائے ہیں۔ میں جب پیاسا تھا، تو میری لب تشنگیاں دوسروں کی طرح نہ تھیں اور جب سیراب ہوا، تو میری سیرابی کا سرچشمہ بھی شاہراہِ عام پر نہ تھا:

راہے کہ خضر داشت، ز سرچشمہ دور بود
لب تشنگی زراہ دگر بردہ ایم ما!

اس تمام عرصے کی جستجو و طلب کے بعد قرآن کو جیسا کچھ اور جتنا کچھ سمجھ سکا ہوں، میں نے ان تین کتابوں کے صفحوں پر پھیلا دیا ہے: ترجمان القرآن، البیان، مقدمۂ تفسیر:

سبک زجائے نگیری، کہ بس گراں گہر است
متاعِ من کہ نصیبش مباد ارزانی!

میرا یقین ہے کہ مسلمانوں کی زندگی و سعادت کے لیے سرچشمۂ حیات حقیقت قرآنی کا انبعاث ہے اور میں نے کوشش کی ہے کہ اس کے فہم و بصیرت کا دروازہ اُن پر کھل جائے۔ میں ترجمان القرآن شائع کرتے ہوئے محسوس کرتا ہوں کہ اس بارے میں جو کچھ میرا فرض تھا، توفیقِ الٰہی کی دستیاری سے میں نے ادا کر دیا۔ اب اس کے بعد جو کچھ ہے وہ مسلمانوں کا فرض ہے، اور یہ اللہ کے ہاتھ ہے کہ انھیں ادائے فرض کی توفیق دے:

حدیثِ عشق و سرمستی زمن بشنو، نہ از واعظ
کہ با جام و سبو ہر شب قرینِ ماہ و پروینم!

ما کان حدیثا یفتریٰ و لکن تصدیق الذی بین یدیه و تفصیل کل شیء و ھدی و رحمة لقوم یؤمنون! (۱۲: ۱۱۱)

۱۶ر نومبر ۱۹۳۰ء
ڈسٹرکٹ جیل میرٹھ

ابوالکلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ فاتحہ

(۱) سورت کی اہمیت اور خصوصیات

یہ قرآن کی سب سے پہلی سورت ہے۔ اس لئے فاتحۃ الکتاب کے نام سے پکاری جاتی ہے۔ جو بات سب سے زیادہ اہم ہوتی ہے، قدرتی طور پر پہلی اور نمایاں جگہ پاتی ہے۔ یہ سورت قرآن کی تمام سورتوں میں ایک خاص اہمیت رکھتی تھی، اسلئے قدرتی طور پر اس کی موزوں جگہ قرآن کے پہلے صفحہ ہی میں ہو سکتی تھی۔ چنانچہ خود قرآن نے اس کا ذکر ایسے لفظوں میں کیا ہے جس سے اسکی اہمیت کا پتہ چلتا ہے:

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ (۱۵: ۸۷)	اے پیغمبر! یہ واقعہ ہے کہ ہم نے تمہیں سات دہرائی جانے والی چیزیں عطا فرمائی ہے اور قرآن عظیم۔

احادیث و آثار سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اس آیت میں "سات دہرائی جانے والی چیزوں" سے مقصود یہی سورت ہے، کیونکہ یہ سات آیتوں کا مجموعہ ہے اور ہمیشہ نماز میں دہرائی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس سورت کو سبع المثانی بھی کہتے ہیں۔[۱]

---

[۱] امام بخاری اور اصحاب سنن نے ابو سعید بن المعلیٰ سے روایت کی ہے: الحمد للہ رب العالمین ھی السبع المثانی والقرآن العظیم الذی اوتیتہ۔ اور امام مالک، ترمذی، اور حاکم نے ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت (صلعم) نے ابی ابن کعبؓ کو سورۂ فاتحہ تلقین کی اور یہی الفاظ فرمائے۔ اسی طرح طبری نے حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ اور ابن مسعود وغیرہم سے روایت کی ہے کہ السبع المثانی فاتحۃ الکتاب۔ ابن مسعودؓ کی اسناد منقطع ہے لیکن ابن عباسؓ کی اسناد حسن ہے۔ ابو العالیہ سے بھی ایسا ہی مروی ہے۔ اسکے علاوہ ائمہ تابعین کی ایک بڑی جماعت اسی طرف گئی ہے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں تمام روایات جمع کر دی ہیں (شرح کتاب التفسیر جلد ۸ صفحہ ۱۲۰۔ طبع اول)

احادیث و آثار میں اسکے دوسرے نام بھی آئے ہیں جن سے اسکی خصوصیات کا پتہ چلتا ہے مثلاً اُم القرآن، الکافیہ، الکنز، اساس القرآن۔ عربی میں اُم کا اطلاق تمام ایسی چیزوں پر ہوتا ہے جو ایک طرح کی جامعیت رکھتی ہوں، یا بہت سی چیزوں میں مقدم اور نمایاں ہوں، یا پھر کوئی ایسی اوپر کی چیز جس کے نیچے اسکے توابع رہتے ہوں۔ چنانچہ سر کے درمیانی حصہ کو اُم الراس کہتے ہیں کیونکہ وہ دماغ کا مرکز ہے۔ فوج کے جھنڈے کو اُم کہتے ہیں کیونکہ تمام فوج اسی کے نیچے جمع ہوتی ہے۔ مکہ کو اُم القریٰ کہتے تھے کیونکہ خانۂ کعبہ اور حج کی وجہ سے عرب کی تمام آبادیوں کے جمع ہونے کی جگہ تھی۔ پس اس سورت کو اُمّ القرآن کہنے کا مطلب یہ ہوا کہ یہ ایک ایسی سورت ہو جس میں مطالب قرآنی کی جامعیت اور مرکزیت ہو، یا جو قرآن کی تمام سورتوں میں اپنی نمایاں اور مقدم جگہ رکھتی ہے۔ اساس القرآن کے معنی ہیں قرآن کی بنیاد۔ الکافیہ کے معنی ہیں ایسی چیز جو کفایت کرنے والی ہو۔ الکنز خزانہ کو کہتے ہیں۔

علاوہ بریں ایک سے زیادہ حدیثیں موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سورت کے یہ اوصاف عہد نبوت میں عام طور پر مشہور تھے۔ ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُبی بن کعب کو یہ سورت تلقین کی اور فرمایا "اسکے مثل کوئی سورت نہیں"۔[1] ایک دوسری روایت میں اسے "سب سے بڑی سورت" اور "سب سے بہتر سورت" بھی فرمایا ہے۔[2]

سورۂ فاتحہ میں دین حق اور خداپرستی کے تمام مقاصد کا خلاصہ موجود ہے۔

چنانچہ اس سورت کے مطالب پر نظر ڈالتے ہی یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اس میں اور قرآن کے بقیہ حصہ میں اجمال و تفصیل کا سا تعلق پیدا ہو گیا ہے، یعنی قرآن کی تمام سورتوں میں دین حق کے جو مقاصد بہ تفصیل بیان کیے گئے ہیں، سورۂ فاتحہ میں انہی کا بہ شکل اجمال بیان موجود ہے۔ اگر ایک شخص قرآن میں سے اور کچھ نہ پڑھ سکے۔ صرف اس سورت کے مطالب ذہن نشین کرلے۔ جب بھی وہ دین حق اور خداپرستی کے بنیادی مقاصد معلوم کرلے گا، اور یہی قرآن کی تمام تفصیلات کا ماحصل ہے!

علاوہ بریں جب اس پہلو پر غور کیا جائے کہ سورت کا پیرایہ دعائیہ ہے اور اسے روزانہ عبادت کا ایک لازمی جزء قرار دیا گیا ہے، تو اسکی یہ خصوصیت اور زیادہ نمایاں ہوجاتی ہے، اور واضح ہوجاتا ہے

[1] صحیح بخاری، موطاء، ابوداؤد، ابن ماجہ، اور مسند میں بہ اختلاف الفاظ اس مضمون کی روایات موجود ہیں ۱۲

[2] ابوسعید بن معلّی کی روایت میں جس کی تخریج پچھلے حاشیہ میں گزر چکی ہے، اسے اعظم سورۃ فی القرآن فرمایا ہے اور مسند کی روایت ابن جابر میں اخیر کا لفظ ہے ۱۲

کہ اس اجمال و تفصیل میں بہت بڑی مصلحت پوشیدہ تھی۔ مقصود یہ تھا کہ قرآن کے مفصل بیانات کا ایک مختصر اور سیدھا سادہ خلاصہ بھی ہو جسے ہر انسان بہ آسانی ذہن نشین کرلے، اور پھر ہمیشہ اپنی دعاؤں اور عبادتوں میں دُہراتا رہے۔ یہ اسکی دینی زندگی کا دستور العمل، خدا پرستی کے عقائد کا خلاصہ اور روحانی تصورات کا نصب العین ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے اس سورت کا ذکر کرتے ہوئے سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي کہکر اسکی خصوصیت کی طرف اشارہ کردیا۔ یعنی ہمیشہ دُہرائے جانے اور ورد رکھنے ہی میں اسکے نزول کی حکمت پوشیدہ ہو۔ کوئی شخص کتنا ہی نادان اور آن پڑھ ہو لیکن ان چار سطروں کا یاد کرلینا اور اُن کا سیدھا سادہ مطلب سمجھ لینا، اسکے لیے کچھ دشوار نہیں ہوسکتا۔ اگر ایک انسان اس سے زیادہ قرآن میں سے کچھ نہ پڑھ سکا، جب بھی اس نے دینِ حق کا بنیادی سبق حاصل کرلیا۔ یہی وجہ ہو کہ ہر مسلمان کیلئے اس سورت کا سیکھنا اور پڑھنا ناگزیر ہوا، اور نماز کی دعا اسکے سوا کوئی نہ ہوسکی، اور اسی لیے صحابۂ کرام اسے سورۃ الصلوٰۃ کے نام سے پکارتے تھے۔ یعنی وہ سورت جو نماز کی خاص سورت ہو۔ ایک انسان اس سے زیادہ قرآن میں سے جس قدر پڑھے اور سیکھے، مزید معرفت و بصیرت کا ذریعہ ہوگا، لیکن اس سے کم کوئی چیز نہیں ہوسکتی!

دینِ حق کا تمام تر ماحصل کیا ہے؟ جس قدر غور کیا جائے گا ان چار باتوں سے باہر کوئی بات دکھائی نہ دے گی:

(۱) خدا کی صفات کا ٹھیک ٹھیک تصور، اسلیئے کہ انسان کو خدا پرستی کی راہ میں جس قدر ٹھوکریں لگی ہیں، صفات ہی کے تصور میں لگی ہیں۔

(۲) قانونِ مجازات کا اعتقاد۔ یعنی جس طرح دنیا میں ہر چیز کا ایک خاصہ اور قدرتی تاثیر ہو اُسی طرح انسانی اعمال کے بھی معنوی خواص اور نتائج ہیں۔ نیک عمل کا نتیجہ اچھائی ہو، برے کا برائی۔

(۳) معاد کا یقین۔ یعنی انسان کی زندگی اسی دنیا میں ختم نہیں ہوجاتی۔ اسکے بعد بھی زندگی ہے، اور جزا و سزا کا معاملہ پیش آنے والا ہے۔

(۴) فلاح و سعادت کی راہ اور اُسکی پہچان۔

اب غور کرو کہ ان باتوں کا خلاصہ اس سورت میں کس خوبی کے ساتھ جمع کردیا گیا ہے؟ ایک طرف زیادہ سے زیادہ مختصر، چُنے ہوئے الفاظ ہیں، دوسری طرف ایسے جچے تُلے الفاظ ہیں کہ انکے معانی سے پوری وضاحت اور دلنشینی پیدا ہوگئی ہے۔ ساتھ ہی نہایت سیدھا سادہ بیان ہے۔ کسی طرح کا پیچ و خم نہیں۔ کسی طرح کا اُلجھاؤ نہیں۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ دنیا میں جو چیز جتنی زیادہ حقیقت سے قریب ہوتی ہے، اتنی ہی زیادہ سہل اور دلنشین بھی ہوتی ہے۔ وجود و فطرت کا یہ حال ہے کہ کسی گوشہ میں بھی الجھی ہوئی نہیں ہوتی۔ الجھاؤ اور اشکال جس قدر بھی پیدا ہوتا ہے، بناوٹ اور تکلف سے پیدا ہوتا ہے۔ پس جو بات بھی اصلی و حقیقی ہوگی ضروری ہے کہ سیدھی سادی اور دلنشین بھی ہو۔ دلنشینی کی انتہا یہ ہے کہ جب کبھی کوئی ایسی بات ہمارے سامنے آ جائے تو ذہن کو کسی طرح کی اجنبیت محسوس نہ ہو، اور اس طرح قبول کر لے گویا پہلے سے بھی جانی بوجھی بات تھی۔ اردو کے ایک شاعر نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے:

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا

میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے!

اب غور کرو، جہاں تک انسان کی خدا پرستی اور خدا پرستی کے تصورات کا تعلق ہے، اس سے زیادہ سیدھی سادی باتیں اور کیا ہو سکتی ہیں جو اس سورت میں بیان کی گئی ہیں؟ اور پھر اس سے زیادہ مؤثر و دلنشین اسلوب بیان کیا ہو سکتا ہے؟ سات چھوٹے چھوٹے جملے ہیں، ہر جملہ چار پانچ لفظوں سے زیادہ نہیں، اور ہر لفظ صاف اور دلنشین معانی کا ایک پورا عالم ہے جو اس کے اندر سمو دیا گیا ہے۔ اللہ کو مخاطب کرکے ان صفتوں سے پکارا گیا ہے جن کا جلوہ شب و روز انسان کے مشاہدہ میں آتا ہے اگرچہ اپنی جہالت و غفلت سے وہ ان میں غور و تفکر نہیں کرتا۔ پھر اسی کی بندگی کا اقرار، اور اسی کی مددگاری کا اعتراف ہے، زندگی کی لغزشوں سے بچ کر سیدھی راہ چلنے کی طلبگاری ہے۔ کوئی مشکل خیال نہیں، کوئی انوکھی بات نہیں، کوئی پیچیدہ اور عجیب راز نہیں۔ سب کچھ وہی ہے جو ہمیشہ سے ہم دیکھتے اور برتتے رہتے ہیں، اور جس کی طلب سچائی سے نوع انسانی کے ساتھ رہی ہے۔ یہ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا ہمارے دینی تصورات کی یہ ایک بہت ہی معمولی سی بات ہو، لیکن یہی معمولی بات جس وقت تک دنیا کے سامنے نہیں آئی تھی، اس سے زیادہ کوئی غیر معلوم اور ناقابل حل بات بھی نہ تھی۔ دنیا میں حقیقت اور سچائی کی ہر بات کا یہی حال ہے۔ جب تک سامنے نہیں آتی، اس سے زیادہ مشکل بات کوئی نہیں ہوتی۔ جب سامنے آ جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے اس سے زیادہ صاف اور سہل بات کوئی ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ عرفی نے یہی حقیقت ایک دوسرے پیرایہ میں بیان کی ہے:

ہر کس نفسے شمردہ از راز ہست و گرنہ

پیدا است ز زیست کہ معلوم عوام است

خدا پرستی انسانی فطرت کا خمیر ہے۔ پس خدا پرستی کی کوئی بھی بات انسان کے لیے نئی بات ہو کر

نہیں سکتی۔ اُسکی فطرت کیلئے سب سے زیادہ جانی بوجھی ہوئی بات یہی ہے کہ خالق کائنات کا اقرار کرے۔
پس سورۂ فاتحہ کی ندرت محض اُسکے معانی میں نہیں بلکہ معانی کی تعبیر میں ڈھونڈھنی چاہیئے۔ خدا پرستی کا
جوش انسان میں پہلے بھی موجود تھا۔ اُسکی ربوبیت اور رحمت کے جلوے کبھی اُسکی آنکھوں سے اوجھل نہیں
ہوئے۔ جزاؤ سزا کا اعتقاد سمندروں اور پہاڑوں سے بھی زیادہ پُرانا ہے۔ ٹیڑھے راستے سے بچنے اور
سیدھی راہ چلنے کی طلب صرف انسان میں بلکہ کیڑوں مکوڑوں تک میں موجود ہے۔ انسان اپنی معیشت
کے کسی عہد میں بھی اس درجہ مسخ نہیں ہوا کہ ان وجدانی تصورات سے اس کا ذہن خالی ہوگیا ہو۔ لیکن
اُسکی ساری محرومی یہ تھی کہ اپنے وجدان کی ٹھیک ٹھیک تعبیر نہیں کرسکتا تھا۔ وہ خدا کی ربوبیت محسوس
کررہا تھا، لیکن اُسے رب کہکر پکارنا نہیں جانتا تھا۔ اُسکی رحمت کے جلوے ہر آن اُسکے سامنے تھے، لیکن
وہ نہیں جانتا تھا کہ اپنے دل کا احساس کیونکر لفظوں اور ناموں میں ادا کرے۔ جزا و سزا اُسکے دل کے
ایک ایک ریشے کا اعتقاد تھا، لیکن اُسے معلوم نہ تھا کہ اُسکی صحیح تعبیر کیا ہے؟ ہدایت کی طلب و گمراہی سے
گریز تو عقل حیوانی کا فطری تقاضہ ہے، لیکن انسان کی ساری درماندگی یہ تھی کہ اس بات کی زیادہ سے زیادہ
طلب رکھنے پر بھی، طلبگاری کی راہ سے آشنا نہ تھا!

دنیا میں جب کبھی وحی الٰہی کی ہدایت نمودار ہوئی ہے تو اس نے یہ نہیں کیا ہے کہ انسان کو نئی نئی
باتیں سکھلا دی ہوں کیونکہ خدا پرستی کے بارے میں کوئی انوکھی بات سکھلائی ہی نہیں جاسکتی۔ اُسکا کام
صرف یہ رہا ہے کہ انسان کے وجدانی عقائد کو علم و اعتراف کی ٹھیک ٹھیک تعبیر بتلادے، اور یہی سورۂ
فاتحہ کی خصوصیت ہے۔ اس سورت نے نوع انسانی کے وجدانی تصورات ایک ایسی تعبیر سے سنوار دیئے
کہ ہر عقیدہ، ہر شکر، ہر جذبہ، اپنی حقیقی شکل و نوعیت میں نمودار ہوگیا، اور چونکہ یہ تعبیر حقیقت حال کی سچی
تعبیر ہے، اسلیئے جب کبھی ایک انسان راست بازی کے ساتھ اس پر غور کرے گا، بے اختیار پکار اُٹھے گا کہ
اس کا ہر بول اور ہر لفظ اُسکے دل و دماغ کی قدرتی آواز ہے!

پھر دیکھو، اگرچہ اپنی نوعیت میں وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ ایک خدا پرست انسان کی سیدھی
سادی دعا ہے، لیکن کس طرح اُسکے ہر لفظ اور ہر اسلوب سے دین حق کا کوئی نہ کوئی اہم مقصد واضح ہوگیا ہے
اور کس طرح اُسکے الفاظ نہایت اہم معانی و حقائق کی نگرانی کررہے ہیں؟

(۱) خدا کے تصور کے بارے میں انسان کی بنیادی غلطی یہ تھی کہ اس تصور کو محبت کی جگہ خوف و
دہشت کی چیز بنالیا تھا۔ وہ خدا سے ڈرتا تھا، لیکن اُس سے محبت کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا تھا۔ سورۂ
فاتحہ کے سب سے پہلے لفظ نے اس بنیادی گمراہی کا ازالہ کردیا!

اُس کی ابتدا حمد کے اعتراف سے ہوتی ہے۔ حمد ثنا جمیل کو کہتے ہیں یعنی اچھی صفتوں کی تعریف کرنے کو۔ ثنا جمیل اُسی کی کی جا سکتی ہے جس میں خوبی و جمال ہو۔ پس حمد کے ساتھ خوف و دہشت کا تصور جمع نہیں ہو سکتا۔ جو ذات محمود ہو گی، وہ خوفناک نہیں ہو سکتی۔

پھر حمد کے بعد صفات الٰہی میں سے ربوبیت اور رحمت کا ذکر کیا ہو، اور اس طرح نوع انسانی کی اس عالمگیر غلطی کا ازالہ کر دیا ہے کہ خدا کو صرف اُسکی صفات قہر و جلال ہی میں دیکھتی تھی۔ اُسکی رحمت و جمال کی تماشائی نہ تھی۔ اس اسلوب بیان نے واضح کر دیا کہ خدا کا صحیح تصور وہی ہو سکتا ہو جو سرتا سر حُسن و جمال اور رحمت و محبت کا تصور ہو!

(۲) رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ میں خدا کی عالمگیر اور بے تخصیص و امتیاز ربوبیت کا اعتراف ہو جو ہر فرد، ہر جماعت، ہر قوم، ہر ملک، ہر گوشۂ وجود کے لیے ہو، اور اس لیے یہ اعتراف ان تمام تنگ نظریوں کا خاتمہ کر دیتا ہے جو دنیا کی مختلف قوموں اور نسلوں میں پیدا ہو گئی تھی اور ہر قوم اپنی جگہ سمجھنے لگی تھی کہ خدا کی برکتیں اور سعادتیں صرف اُسی کے لیے ہیں۔ دنیا کی کسی دوسری قوم کا اس میں حصہ نہیں ہو سکتا۔

(۳) مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ میں "الدِّيْن" کا لفظ جزا و سزا کے قانون کا اعتراف ہو، اور جزا و سزا کو دین کے لفظ سے تعبیر کر کے یہ حقیقت واضح کر دی ہے کہ جزا و سزا انسانی اعمال کے قدرتی نتائج و خواص ہیں۔ یہ بات نہیں ہو کہ خدا کا غضب و انتقام بندوں کو عذاب دینا چاہتا ہو، کیونکہ "الدِّيْن" کے معنی بدلہ اور مکافات کے ہیں۔

(۴) ربوبیت اور رحمت کے بعد مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کے وصف نے یہ حقیقت بھی آشکارا کر دی کہ اگر کائنات ہستی میں رحمت و جمال کے ساتھ قہر و جلال بھی اپنی نمود رکھتی ہیں، تو یہ اسلیے نہیں کہ پروردگار عالم میں غضب و انتقام ہے، بلکہ اسلیے ہو کہ وہ عادل ہے، اور اسکی حکمت نے ہر چیز کے لیے اس کا ایک خاصہ اور نتیجہ مقرر کر دیا ہے۔ عدل منافی رحمت نہیں ہو بلکہ عین رحمت ہو!

(۵) عبادت کیلئے یہ نہیں کہا کہ نعبدک، بلکہ کہا اِيَّاكَ نَعْبُدُ۔ یعنی یہ نہیں کہا کہ تیری عبادت کرتے ہیں، بلکہ حصر کے ساتھ کہا "صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں"۔ اور پھر اسکے ساتھ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کہکر استعانت کا بھی ذکر کر دیا۔ اس اسلوب بیان نے توحید کے تمام مقاصد پورے کر دیئے، اور شرک کی ساری راہیں بند ہو گئیں!

(۶) سعادت و فلاح کی راہ کو صِرَاطَ مُسْتَقِيْم یعنی سیدھی راہ سے تعبیر کیا، جس سے زیادہ بہتر اور قدرتی تعبیر نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ کوئی نہیں جو سیدھی راہ اور ٹیڑھی راہ میں امتیاز نہ رکھتا ہو، اور

چلی راہ کا خواہشمند نہ ہو۔

(۷) پھر اسکے لیے ایک ایسی سیدھی سادی اور جانی بوجھی ہوئی شناخت بتلادی جس کا وجدان قدرتی طور پر ہر انسان کے اندر موجود ہے، اور جو محض ذہنی تعریف ہونے کی جگہ ایک مشہود حقیقت نمایاں کر دیتی ہے۔ یعنی وہ راہ جو فیض یاب و سعادت اندوز انسانوں کی راہ ہے۔ کوئی ملک کوئی قوم کوئی زمانہ، کوئی فرد ہو، لیکن انسان ہمیشہ دیکھتا اور جانتا ہے کہ زندگی و معیشت کی دو راہیں یہاں موجود ہیں۔ ایک راہ کامیاب انسانوں کی راہ ہے، ایک ناکام اور گم کردہ راہ انسانوں کی۔ پس ایک واضح اور آشکارا بات کیلئے سب سے بہتر علامت یہی ہو سکتی ہے کہ اسکی طرف انگلی اٹھادی جائے۔ اس سے زیادہ کچھ کہنا، ایک معلوم بات کو مجہول بنادینا تھا!

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اس سورت کیلئے دعا کا پیرایہ اختیار کیا گیا۔ کیونکہ اگر تعلیم و امر کا پیرایہ اختیار کیا جاتا تو اسکی نوعیت کی ساری تاثیر جاتی رہتی۔ دعائیہ اسلوب ہمیں بتلاتا ہے کہ ہر راست باز انسان کی جو خدا پرستی کی راہ میں قدم اٹھاتا ہے، صدائے حال کیا ہوتی ہے، اور کیا ہونی چاہیئے؟ یہ گویا خدا پرستی کے فکر و وجدان کا سرجوش ہے جو ایک طالب صادق کی زبان پر بے اختیار اُبل پڑتا ہے!

(۲) اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ

حمد عربی میں حمد کے معنی ثنا جمیل کے ہیں یعنی اچھی صفتیں بیان کرنے کے۔ اگر کسی کی بُری صفتیں بیان کی جائیں تو یہ حمد نہ ہوگی۔ حمد پر الف لام ہے۔ یہ استغراق کے لیے بھی ہو سکتا ہے، جنس کیلئے بھی ہو سکتا ہے۔ پس اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کے معنی یہ ہوئے کہ حمد و ثنا میں سے جو کچھ اور جیسا کچھ بھی کہا جا سکتا ہے وہ سب اللہ کیلئے ہے۔ کیونکہ خوبیوں اور کمالوں میں سے جو کچھ بھی ہے، سب اُسی سے ہے اور اُسی میں ہے۔ اگر حسن موجود ہے تو نگاہ عشق کیوں نہ ہو، اور اگر محمودیت جلوہ افروز ہے تو زبان حمد و ستائش کیوں خاموش رہے؟

آئینۂ ما روئے ترا عکس پذیر است
گر تو نہ نمائی گنہ از جانب ما نیست

حمد سے سورت کی ابتدا کیوں کی گئی؟ اسلیئے کہ معرفت الٰہی کی راہ میں انسان کا پہلا تاثر یہی ہے۔ یعنی جب کبھی ایک صادق انسان اس راہ میں قدم اٹھائے گا، تو سب سے پہلی حالت جو اسکے فکر و وجدان پر طاری ہوگی، وہ قدرتی طور پر وہی ہوگی جسے یہاں تحمید و ستائش سے تعبیر کیا گیا ہو انسان

کیلئے معرفتِ حق کی راہ کیا ہے؟ قرآن کہتا ہے، صرف ایک ہی راہ ہے' اور وہ یہ ہے کہ کائناتِ خلقت میں تفکر و تدبر کرے۔ مصنوعات کا مطالعہ اُسے صانع تک پہنچا دے گا: اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۳: ۱۸۸) اب فرض کرو ایک طالبِ صادق اس راہ میں قدم اُٹھاتا ہے اور کائناتِ خلقت کے مظاہر و آثار کا مطالعہ کرتا ہے، تو سب سے پہلا اثر جو اُسکے دل و دماغ پر طاری ہوگا، وہ کیا ہوگا؟ وہ دیکھے گا کہ خود اس کا وجود اور اُسکے وجود سے باہر کی ہر چیز ایک صانعِ حکیم اور مُدبرِ قدیر کی کارفرمائیوں کی جلوہ گاہ ہے' اور اسکی ربوبیت اور رحمت کا ہاتھ ایک ایک ذرّہ خلقت میں صاف نظر آرہا ہے۔ پس قدرتی طور پر اُسکی روح جوشِ ستائش اور محویتِ جمال سے معمور ہو جائیگی اور وہ بے اختیار پکار اُٹھے گا کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ! ساری حمد و ستائش اُس ذات کیلئے ہو جو اپنی کارفرمائی کے ہر گوشہ میں سرچشمۂ رحمت و فیضان اور منبعِ حسن و کمال ہے!

اس راہ میں فکرِ انسانی کی سب سے بڑی گمراہی یہ رہی ہے کہ اُسکی نظریں مصنوعات کے جلوؤں میں محو ہوکر رہ جاتی ہیں۔ آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کرتیں۔ وہ پردوں کے نقش و نگار دیکھکر بے خود ہو جاتا مگر اُسکی جستجو نہیں کرتا جس نے اپنے جمالِ صنعت پر یہ دل آویز پردے ڈال رکھے ہیں۔ دنیا میں مظاہرِ فطرت کی پرستش کی بنیاد اسی کوتاہ نظری سے پڑی۔ پس اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کا اعتراف اس حقیقت کا بھی اعتراف ہے کہ کائناتِ ہستی کا تمام فیضانِ جمال خواہ کسی گوشہ اور کسی شکل میں ہو، صرف ایک صانعِ حقیقی کی صفتوں ہی کا ظہور ہے، اسلئے حسن و جمال کے لیے جتنی بھی شیفتگی ہوگی، خوبی و کمال کے لیے جتنی بھی مدح طرازی ہوگی بخشش و فیضان کا جتنا بھی اعتراف ہوگا، مصنوع و مخلوق کیلئے نہیں ہوگا۔ صانع و خالق ہی کے لیے ہوگا:

عباراتنا شتّٰی وحُسنک واحد

وکلّ الی ذاک الجمال یشیر!

اللّٰہ نزولِ قرآن سے پہلے عربی میں اللّٰہ کا لفظ خدا کیلئے بطور اسمِ ذات کے مستعمل تھا، جیسا کہ شعراءِ جاہلیت کے کلام سے ظاہر ہے۔ یعنی خدا کی تمام صفتیں اسکی طرف منسوب کی جاتی تھیں۔ یہ کسی خاص صفت کیلئے نہیں بولا جاتا تھا۔ قرآن نے بھی یہی لفظ بطور اسمِ ذات کے اختیار کیا اور تمام صفتوں کو اس کی طرف نسبت دی:

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْهُ بِهَا (۷: ۱۷۹)

اور اللہ کے لیے حسن و خوبی کے تمام نام ہیں (یعنی صفتیں ہیں) اسلئے چاہیئے کہ اُن صفتوں کے ساتھ اُسے پکارو۔

کیا قرآن نے یہ لفظ محض اسلئے اختیار کیا کہ لغت کی مطابقت کا مقتضا یہی تھا، یا اس سے بھی زیادہ کوئی معنوی موزونیت اس میں پوشیدہ ہے؟

جب ہم اس لفظ کی معنوی دلالت پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس غرض کیلئے سب سے زیادہ موزوں لفظ یہی تھا۔

نوع انسانی کے ذہنی تصورات کا سب سے زیادہ قدیم عہد جو تاریخ کی روشنی میں آیا ہو مظاہر فطرت کی پرستش کا عہد ہے۔ اسی پرستش نے بتدریج اصنام پرستی کی صورت اختیار کی۔ اصنام پرستی کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ مختلف زبانوں میں بہت سے الفاظ دیوتاؤں کیلئے پیدا ہوگئے، اور جوں جوں پرستش کی نوعیت میں وسعت ہوتی گئی، الفاظ کا تنوع بھی بڑھتا گیا۔ لیکن چونکہ یہ بات انسان کی فطرت کے خلاف تھی کہ ایک ایسی ہستی کے تصور سے خالی الذہن رہے جو سب سے اعلیٰ اور سب کی پیدا کرنے والی ہستی ہے، اس لیے دیوتاؤں کی پرستش کے ساتھ ایک سب سے بڑی اور سب پر حکمران ہستی کا تصور بھی کم و بیش ہمیشہ موجود رہا، اور اس لیے جہاں بے شمار الفاظ دیوتاؤں اور انکی معبودانہ صفتوں کیلئے پیدا ہوگئے، وہاں کوئی نہ کوئی لفظ ایسا بھی ضرور مستعمل رہا جس کے ذریعہ اس ان دیکھی اور اعلیٰ ترین ہستی کی طرف اشارہ کیا جاتا تھا۔

چنانچہ سامی زبانوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہو کہ حروف اصوات کی ایک خاص ترکیب ہے جو معبودیت کے معنی میں مستعمل رہی ہے، اور عبرانی، سریانی، حمیری، عربی، وغیرہ تمام زبانوں میں اس کا یہ لغوی خاصہ پایا جاتا ہے۔ یہ الف، لام اور ہ کا مادہ ہے، اور مختلف شکلوں میں مشتق ہوا ہے۔ کلدانی و سریانی کا "الاھیا"، عبرانی کا "الوہ" اور عربی کا "الہٰ" اسی سے ہے، اور بلاشبہ یہی "الہٰ" ہے جو حرف تعریف کے اضافہ کے بعد اللّٰہ ہوگیا ہے، اور تعریف نے اسے صرف خالق کائنات کے لیے مخصوص کردیا ہے۔

لیکن اگر اللّٰہ "الہٰ" سے ہے، تو "الہٰ" کے معنی کیا ہیں؟ علماء لغت و اشتقاق کے مختلف قول ہیں، مگر سب سے زیادہ قوی قول یہ معلوم ہوتا ہو کہ اسکی اصل "الہ" ہے، اور "الہ" کے معنی تحیّر اور درماندگی کے ہیں۔ بعضوں نے اسے "ولہ" سے ماخوذ بتلایا ہے اور اسکے معنی بھی یہی ہیں۔ پس خالق کائنات کے لیے یہ لفظ اسلئے اسم قرار پایا کہ اس بارے میں انسان جو کچھ جانتا اور جان سکتا ہے، وہ عقل کے تحیّر اور ادراک کی درماندگی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ وہ جس قدر بھی اس ذات مطلق کی ہستی میں غور و خوض کریگا، اسکی عقل کی حیرانی اور درماندگی بڑھتی ہی جائے گی۔ یہاں تک کہ وہ معلوم کرلیگا، اس راہ کی ابتدا بھی عجز و حیرت سے ہوتی ہے، اور انتہا بھی عجز و حیرت ہی ہے!

اے بروں از وہم و قال و قیل من — خاک برفرق من و تمثیل من!

اب غور کرو، خدا کی ذات کے لیے انسان کی زبان سے نکلے ہوئے لفظوں میں، اس سے زیادہ موزوں لفظ اور کونسا ہو سکتا ہے؟ اگر خدا کو اسکی صفتوں میں پکارتا ہے، تو بلاشبہ اسکی صفتیں بے شمار ہیں، لیکن اگر صفات سے الگ ہو کر اسکی ذات کی طرف اشارہ کرتا ہے، تو وہ اسکے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ ایک متحیر کر دینے والی ذات ہو، اور جو کچھ اسکی نسبت کہا جا سکتا ہے، وہ عجز و درماندگی کے سوا کچھ نہیں ہے؟ فرض کرو نوع انسانی نے اس وقت تک خدا کی ہستی یا خلقتِ کائنات کی اصلیت کے بارے میں جو کچھ سوچا اور سمجھا ہے، وہ سب کچھ سامنے رکھکر ہم ایک موزوں سے موزوں لفظ تجویز کرنا چاہیں تو وہ کیا ہوگا؟ کیا اس سے زیادہ اور اس سے بہتر کوئی بات کہی جا سکتی ہے؟

یہی وجہ ہے کہ جب کبھی اس راہ میں عرفان و بصیرت کی کوئی بڑی سے بڑی بات دیکھی گئی تو وہ یہی تھی کہ زیادہ سے زیادہ خود فتگیوں کا اعتراف کیا گیا، اور ادراک کا منتہی مرتبہ ہمیشہ یہی قرار پایا کہ ادراک کی نارسائی کا ادراک حاصل ہو جائے۔ عرفاء کے دل و زبان کی صدا ہمیشہ یہی رہی کہ ربِّ زدنی فیک تحیراً!

زدنی بفرط الحب فیک تحیراً!
وارحم حشا بلظی ھواک تسعرا!

اور حکماء کی حکمت و دانش کا بھی فیصلہ ہمیشہ یہی ہوا:

معلومم شد کہ ہیچ معلوم نشد!

چونکہ یہ اسم خدا کیلئے بطور اسم ذات کے استعمال میں آیا، اسلئے قدرتی طور پر اُن تمام صفتوں پر حاوی ہو گیا جن کا خدا کی ذات کیلئے تصور کیا جا سکتا ہے۔ اگر ہم خدا کا تصور اسکی کسی صفت کے ساتھ کریں، مثلاً الرّبّ یا الرّحیم کہیں، تو یہ تصور صرف ایک خاص صفت ہی میں محدود ہوگا، یعنی ہمارے ذہن میں ایک ایسی ہستی کا تصور پیدا ہو جائیگا جس میں ربوبیت یا رحمت ہو، لیکن جب ہم اللّٰہ کا لفظ بولتے ہیں تو فوراً ہمارا ذہن ایک ایسی ہستی کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جو اُن تمام صفاتِ حُسن و کمال سے متصف ہو، جو اسکی نسبت بیان کیے گئے ہیں، اور جو اس میں ہونے چاہئیں۔

(۳) رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

ربوبیت | حمد کے بعد بالترتیب چار صفتیں بیان کیگئی ہیں: ربّ العٰلمین، الرّحمٰن، الرّحیم، مالک یوم الدّین

ط۱ یعنی خدایا! ایسا کر کہ تیری ہستی میں میرا تحیر بڑھتا جائے" کیونکہ یہاں تحیر جہل کا نہیں بلکہ معرفت کا نتیجہ ہے۔

چونکہ الرحمٰن اور الرحیم کا تعلق ایک ہی صفت کے دو مختلف پہلوؤں سے ہے، اسلئے دوسرے لفظوں میں انہیں یوں تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ ربوبیت، رحمت، عدالت، تین صفتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

عربی میں ربوبیت کے معنی پالنے کے ہیں، لیکن پالنے کو اسکے وسیع اور کامل معنوں میں لینا چاہیئے۔ اسی لیے بعض ائمہ لغت نے اسکی تعریف ان لفظوں میں کی ہے: ھو انشاء الشئ حالاً فحالاً الی حد التمام۔ یعنی کسی چیز کو یکے بعد دیگرے، اسکی مختلف حالتوں اور ضرورتوں کے مطابق، اس طرح نشوونما دیتے رہنا کہ اپنی حدِ کمال تک پہنچ جائے۔ اگر ایک شخص بھوکے کو کھانا کھلا دے، یا محتاج کو روپیہ دیدے، تو یہ اسکا کرم ہوگا، جود ہوگا، احسان ہوگا، لیکن وہ بات نہ ہوگی جسے ربوبیت کہتے ہیں۔ ربوبیت کیلئے ضروری ہے کہ پرورش اور نگہداشت کا ایک جاری اور مسلسل اہتمام ہو، اور ایک وجود کو اسکی تکمیل و بلوغ کے لیے وقتاً فوقتاً جیسی کچھ ضرورتیں پیش آتی رہتی ہیں، اُن سب کا سروسامان ہوتا رہے۔ نیز ضروری ہے کہ یہ سب کچھ محبت و شفقت کے ساتھ ہو۔ کیونکہ جو عمل محبت و شفقت کے عاطفہ سے خالی ہوگا، ربوبیت نہیں ہو سکتا۔

ربوبیت کا ایک ناقص نمونہ ہم اُس پرورش میں دیکھ سکتے ہیں جس کا جوش ماں کی فطرت میں ودیعت کر دیا گیا ہے۔ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو محض گوشت پوست کا ایک متحرک لوتھڑا ہوتا ہے، اور زندگی اور نمو کی جتنی قوتیں بھی رکھتا ہے سب کی سب پرورش و تربیت کی محتاج ہوتی ہیں۔ یہ پرورش محبت و شفقت حفاظت و نگہداشت، اور بخشش و اعانت کا ایک طول طویل سلسلہ ہے، اور اُسے اُس وقت تک جاری رہنا چاہیئے جب تک بچہ اپنے جسم و ذہن کے حدِ بلوغ تک نہ پہنچ جائے۔ پھر پرورش کی ضرورتیں ایک دو نہیں بے شمار ہیں۔ اسکی نوعیت ہمیشہ بدلتی رہتی ہے، اور ضروری ہے کہ ہر عمر اور ہر حالت کے مطابق محبت کا جوش، نگرانی کی نگاہ، اور زندگی کا سروسامان ملتا رہے۔ حکمت الٰہی نے ماں کی محبت میں ربوبیت کا یہ تمام سامان پیدا کر دیا ہے۔ یہ ماں کی ربوبیت ہے جو پیدائش کے دن سے لیکر بلوغ تک بچے کو پالتی، بچاتی، سنبھالتی اور ہر وقت اور ہر حالت کے مطابق اُس کی ضروریاتِ پرورش کا سروسامان کرتی رہتی ہے!

جب بچے کا معدہ دودھ کے سوا کسی غذا کا متحمل نہ تھا تو اُسے دودھ ہی پلایا جاتا تھا جب دودھ سے زیادہ قوی غذا کی ضرورت ہوئی تو ویسی ہی غذا دی جانے لگی۔ جب اس کے پاؤں میں کھڑے ہونے کی سکت نہ تھی تو ماں اُسے گود میں اٹھائے پھرتی تھی۔ جب کھڑے ہونے کے قابل ہوا تو بازو پکڑ کر اور ایک ایک قدم چلانے لگا۔ پس یہ بات کہ ہر حالت اور ضرورت کے مطابق ضروریات مہیا ہوتی رہیں اور نگرانی و حفاظت کا ایک مسلسل اہتمام جاری رہا، وہ صورت حال ہے جس سے ربوبیت کے مفہوم کا

---

[۱] مفردات راغب اصفہانی ۱۲

تصور کیا جا سکتا ہے۔

مجازی ربوبیت کی یہ ناقص اور محدود مثال سامنے لاؤ، اور ربوبیتِ الٰہی کی غیر محدود حقیقت کا تصور کرو۔ اُسکے رب العالمین ہونے کے معنی یہ ہوئے کہ جس طرح اُسکی خالقیت نے کائناتِ ہستی اور اُسکی ہر چیز پیدا کی ہے، اُسی طرح اُسکی ربوبیت نے ہر مخلوق کی پرورش کا سروسامان بھی کر دیا ہے، اور یہ پرورش کا سروسامان ایک ایسے عجیب و غریب نظام کے ساتھ ہے کہ ہر وجود کو زندگی اور بقا کے لیے جو کچھ مطلوب تھا، وہ سب کچھ مل رہا ہے، اور اس طرح مل رہا ہے کہ ہر حالت کی رعایت ہے، ہر ضرورت کا لحاظ ہے، ہر تبدیلی کی نگرانی ہے، اور ہر کمی بیشی ضبط میں آچکی ہے۔ چیونٹی اپنے بِل میں رینگ رہی ہے، کیڑے مکوڑے گرکٹ میں سلے ہوتے ہیں، مچھلیاں دریا میں تیر رہی ہیں، پرند ہوا میں اڑ رہے ہیں، پھول باغ میں کھل رہے ہیں، ہاتھی جنگل میں دوڑ رہا ہے، اور ستارے فضا میں گردش کر رہے ہیں۔ لیکن فطرت سب کے لیے یکساں طور پر پرورش کی گود اور نگرانی کی آنکھ رکھتی ہے اور کوئی نہیں جو فیضانِ ربوبیت سے محروم ہو۔ اگر مثالوں کی جستجو میں تھوڑی سی کاوش جائز رکھی جائے تو مخلوقات کی بے شمار قسمیں ایسی ملیں گی جو اتنی حقیر اور بے مقدار ہیں کہ غیر مسلح[1] آنکھ سے ہم اُنہیں دیکھ بھی نہیں سکتے۔ تاہم ربوبیتِ الٰہی نے جس طرح اور جس نظام کے ساتھ ہاتھی جیسے جسیم اور انسان جیسے عقیل مخلوق کے لیے سامانِ پرورش مہیا کر دیا ہے، ٹھیک ٹھیک اسی طرح اور ویسے ہی نظام کے ساتھ اُنکے لیے بھی زندگی اور بقا کی ہر چیز مہیا ہو۔ اور پھر یہ جو کچھ بھی ہے، انسان کے وجود سے باہر ہے۔ اگر انسان اپنے وجود کو دیکھے، تو خود اُسکی زندگی اور اس کا ہر عضو ربوبیتِ الٰہی کی کرشمہ سازیوں کی ایک پوری کائنات ہو!

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ۝ وَفِي أَنفُسِكُمْ ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ۝ (۵۱: ۱۹) — زمین میں یقین رکھنے والوں کیلئے بہت سی نشانیاں ہیں، اور خود تمہارے وجود میں بھی، پھر کیا تم دیکھتے نہیں؟

نظامِ ربوبیت

لیکن سامانِ زندگی کی بخشائش میں اور ربوبیت کے عمل میں جو فرق ہے، اُسے نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ اگر دنیا میں ایسے عناصر، عناصر کی ایسی ترکیب اور اشیاء کی ایسی بناوٹ موجود ہے جو زندگی اور نشوونما کے لیے سودمند ہے، تو محض اسکی موجودگی ربوبیت سے تعبیر نہیں کی جا سکتی۔ ایسا ہونا قدرتِ الٰہی کی رحمت ہو، بخشش ہو، احسان ہو، مگر وہ بات نہیں ہے جسے ربوبیت کہتے ہیں۔ ربوبیت یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں دنیا میں سودمند اشیاء کی موجودگی کے ساتھ اُنکی بخشش و تقسیم کا ایک نظام بھی موجود ہے

[1] Naked Eye۔ غیر مسلح آنکھ یعنی ایسی آنکھ جو بغیر کسی آلے کی مدد کے دیکھ رہی ہو، زیادہ قوت کے ساتھ دیکھنے کا کوئی آلہ اُسکے ساتھ نہ ہو۔ مثلاً خوردبین۔

اور فطرت صرف بخشتی ہی نہیں بلکہ جو کچھ بخشتی ہے، ایک مقررہ انتظام اور ایک منضبط ترتیب و مناسبت کے ساتھ بخشتی ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں، ہر وجود کو زندگی اور بقا کیلئے جس جس طرح کی ضرورت تھی، اور جس جس طرح، جس جس وقت، اور جیسی جیسی مقدار میں ضرورت تھی، ٹھیک ٹھیک اسی طرح، اسی وقت میں، اور اسی مقدار میں اسے مل رہی ہے، اور اسی نظم و انضباط سے یہ کارخانۂ حیات چل رہا ہے۔

زندگی کے لیے پانی اور رطوبت کی ضرورت تھی، ہم دیکھتے ہیں کہ پانی کے وافر ذخیرے ہر طرف موجود ہیں۔ لیکن اگر صرف اتنا ہی ہوتا تو یہ زندگی کیلئے کافی نہ تھا کیونکہ زندگی کے لیے صرف یہی ضروری نہیں تھا کہ پانی موجود ہو، بلکہ ضروری ہے کہ ایک خاص طرح کے انتظام، ایک خاص طرح کی ترتیب، اور ایک مقررہ مقدار کے ساتھ موجود ہو۔ پس یہ جو دنیا میں پانی کے بٹنے اور تقسیم ہونے کا ایک خاص طرح کا انتظام پایا جاتا ہے، اور فطرت صرف پانی بناتی ہی نہیں بلکہ ایک خاص ترتیب و مناسبت کے ساتھ بناتی ہے اور ایک خاص اندازہ کے ساتھ بانٹتی ہے، تو یہی ربوبیت ہے، اور اسی سے ربوبیت کے تمام اعمال کا تصور کرنا چاہیئے۔ قرآن کہتا ہے، یہ اللہ کی رحمت ہے جس نے پانی جیسا جوہر حیات پیدا کر دیا، لیکن یہ اسکی ربوبیت ہے جو پانی کو ایک ایک بوند کر کے ٹپکاتی، زمین کے ایک ایک گوشہ تک پہنچاتی، ایک خاص مقدار اور حالت میں تقسیم کرتی، ایک خاص موسم اور محل میں برساتی، اور پھر زمین کے ایک ایک تشنہ ذرہ کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر سیراب کر دیتی ہے!

وَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَسْكَنَّاهُ فِي الْأَرْضِ ۖ وَإِنَّا عَلَىٰ ذَهَابٍ بِهِ لَقَادِرُونَ ۝ فَأَنشَأْنَا لَكُم بِهِ جَنَّاتٍ مِّن نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ لَّكُمْ فِيهَا فَوَاكِهُ كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ۝ (۲۳: ۱۸)	اور دیکھو، ہم نے آسمان سے ایک خاص اندازہ کے ساتھ پانی برسایا، اور ایک خاص انتظام کے ساتھ زمین میں ٹھہرائے رکھا، اور ہم اس پر بھی قادر ہیں کہ اسے جس طرح چاہیں ضائع کر دیں۔ پھر دیکھو، اسی پانی سے ہم نے کھجوروں اور انگوروں کے باغ پیدا کر دیئے جن میں بے شمار پھل لگتے ہیں، اور ان میں سے تم اپنی غذا کے لیے بھی حاصل کرتے ہو۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن نے جابجا اشیاء کے قدر اور مقدار کا ذکر کیا ہے یعنی اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ فطرت کائنات جو کچھ بخشتی ہے ایک خاص اندازہ کے ساتھ بخشتی ہے:

وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا عِندَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ ۝ (۱۵: ۲۱)	اور کوئی شے نہیں جس کے ہمارے پاس خزانے موجود نہ ہوں، لیکن ہم اس کو اتارتے ہیں ایک مقررہ اندازہ کے ساتھ اتارتے ہیں۔
وَكُلُّ شَيْءٍ عِندَهُ بِمِقْدَارٍ (۱۳: ۸)	اور اللہ کے نزدیک ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر ہے۔

إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ (۵۴: ۴۹) ہم نے جتنی چیزیں بھی پیدا کی ہیں ایک اندازہ کے ساتھ پیدا کی ہیں

یہ کیا بات ہے کہ دنیا میں صرف یہی نہیں ہے کہ پانی موجود ہو، بلکہ ایک خاص نظم و ترتیب کے ساتھ موجود ہے؟ یہ کیوں ہوا کہ پہلے سورج کی شعاعیں سمندر سے ڈول بھر بھر کر، فضا میں پانی کی چادریں بچھا دیں، پھر ہواؤں کے جھونکے انہیں حرکت میں لائیں اور پانی کی بوندیں بنا کر ایک خاص وقت اور خاص محل میں برسا دیں؟ پھر یہ کیوں ہو کہ جب کبھی پانی برسے، تو ایک خاص ترتیب اور مقدار ہی سے برسے، اور اس طرح برسے کہ زمین کی بالائی سطح پر اس کی ایک خاص مقدار بہنے لگے اور اندرونی حصوں تک ایک خاص مقدار میں نمی پہنچے؟ کیوں ایسا ہوا کہ پہلے پہاڑوں کی چوٹیوں پر برف کے تودے جمتے ہیں، پھر موسم کی تبدیلی سے پگھلنے لگتے ہیں، پھر ان کے پگھلنے سے پانی کے سرچشمے ابلنے لگتے ہیں، پھر سرچشموں سے دریا کی جدولیں نکل کر بہنے لگتی ہیں، پھر یہ جدولیں پیچ و خم کھاتی ہوئی دور دور تک دوڑ جاتی ہیں، اور سینکڑوں ہزاروں میلوں تک اپنی وادیاں شاداب کر دیتی ہیں؟ کیوں یہ سب کچھ ایسا ہی ہوا؟ کیوں ایسا نہ ہوا کہ پانی موجود ہوتا مگر اس نظام اور ترتیب کے ساتھ نہ ہوتا؟ قرآن کہتا ہے، اسلئے کہ کائنات ہستی میں ربوبیت الٰہی کارفرما ہے، اور ربوبیت کا مقتضا یہی تھا کہ پانی اسی ترتیب سے بنے اور اسی ترتیب و مقدار سے اس کی تقسیم ہو۔ یہ رحمت و حکمت تھی جس نے پانی پیدا کیا، مگر یہ ربوبیت ہی ہے جو اسے اس طرح کام میں لائی کہ پرورش اور رکھوالی کی تمام ضرورتیں پوری ہو گئیں!

اَللّٰهُ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَیَبْسُطُهٗ فِی السَّمَآءِ كَیْفَ یَشَآءُ وَیَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ فَاِذَاۤ اَصَابَ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ اِذَا هُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ (۳۰: ۴۸)

یہ اللہ ہی کی کارفرمائی ہے کہ پہلے ہوائیں چلتی ہیں، پھر ہوائیں بادلوں کو حرکت میں لاتی ہیں، پھر وہ جس طرح چاہتا ہے، انہیں فضا میں پھیلا دیتا ہے، اور انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے، پھر ایسا ہوتا ہے کہ تم دیکھتے ہو، بادلوں میں سے مینہ نکل رہا ہے۔ اللہ مینہ برسا دیتا ہے پھر جن لوگوں کو بارش کی برکت ملنی تھی مل گئی، تو وہ اچانک خوشوقت ہو جاتے ہیں حالانکہ بارش سے پہلے یک قلم ناامید ہو چکے تھے!

پھر اس حقیقت پر بھی غور کرو کہ زندگی کے لیے جن چیزوں کی سب سے زیادہ ضرورت تھی انہی کی بخشائش سب سے زیادہ اور عام ہے، اور جن کی ضرورت خاص خاص حالتوں اور گوشوں کیلئے تھی انہی میں تخصیص اور مقامیت پائی جاتی ہے۔ ہوا سب سے زیادہ ضروری تھی، کیونکہ پانی اور غذا کے بغیر کچھ عرصہ تک زندگی ممکن ہے مگر ہوا کے بغیر ممکن نہیں۔ پس اس کا سامان اتنا وافر اور عام ہو کہ کوئی جگہ، کوئی گوشہ، کوئی وقت نہیں جو اس سے خالی ہو۔ فضا میں ہوا کا بے حد و کنار سمندر پھیلا ہوا ہے۔ جب کبھی اور جہاں کہیں سانس لو،

زندگی کا یہ سب سے زیادہ ضروری جوہر تمہارے لیے خود بخود مہیا ہو جاسکتا تھا۔ ہوا کے بعد دوسرے درجہ پر پانی ہے: وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ۔ اسلیئے اسکی بخشائش کی فراوانی و عمومیت بھی ہوا سے کم مگر ہر چیز سے زیادہ ہے۔ زمین کے نیچے آبِ شیریں کی سوتیں بہ رہی ہیں۔ زمین کے اوپر بھی ہر طرف دریا رواں ہیں۔ پھر ان دونوں ذخیروں کے علاوہ فضائے آسمانی کا بھی کارخانہ ہے جو شب و روز سرگرم کار رہتا ہو۔ وہ سمندر کا شوراب کھینچتا ہے، اُسے صاف شیریں بنا کر جمع کرتا رہتا ہے، پھر حسب ضرورت زمین کے حوالے کر دیتا ہے! پانی کے بعد اُن مواد کی ضرورت تھی جن میں غذائیت ہو، لہٰذا ہوا اور پانی، دونوں سے کم مگر اور تمام چیزوں سے زیادہ، اُن کا دسترخوان کرم بھی خشکی و تری میں بچھا ہوا ہے، اور کوئی مخلوق نہیں جسکے گرد و پیش اسکی غذا کا ذخیرہ موجود نہ ہو!

پھر سامانِ پرورش کے اِس عالمگیر نظام پر غور کرو۔ ہوا اپنے ہر گوشۂ عمل میں پروردگی کی گود اور بخشش حیات کا سرچشمہ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے، گویا یہ تمام کارخانہ صرف اسی لیئے بنا ہے کہ زندگی بخشے اور زندگی کی ہر استعداد کی رکھوالی کرے۔ سورج اسلیئے ہو کہ روشنی کیلئے چراغ کا اور گرمی کے لیے تنور کا کام دے، اور اپنی کرنوں کے ڈول بھر بھر کر سمندر سے پانی کھینچتا رہے۔ ہوائیں اسلیئے ہیں کہ اپنی سردی اور گرمی سے مطلوبہ اثرات پیدا کرتی رہیں، اور کبھی پانی کے ذرات جما کر ابر کی چادریں بنا دیں، کبھی ابر کو پانی بنا کر بارش برسا دیں۔ زمین اسلیئے ہو کہ نشو و نما کے خزانوں سے ہمیشہ معمور رہے، اور ہر دانہ کیلئے اپنی گود میں زندگی، اور ہر پودے کیلئے اپنے سینہ میں پروردگی رکھے۔ مختصراً یہ کہ کارخانہ ہستی کا ہر گوشہ صرف اسی کام میں لگا ہوا ہے۔ ہر قوت استعداد ڈھونڈھ رہی ہے، اور ہر تاثیر اثر پذیری کے انتظار میں ہے۔ جونہی کسی وجود میں بڑھنے اور نشو و نما پانے کی استعداد پیدا ہوتی ہے، معاً تمام کارخانۂ ہستی اُسکی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ سورج کی تمام کارفرمائیاں، فضا کے تمام تغیرات، زمین کی تمام قوتیں، عناصر کی تمام سرگرمیاں، صرف اس انتظار میں رہتی ہیں کہ کب چیونٹی کے انڈے سے ایک بچہ پیدا ہوتا ہے، اور کب دہقان کی جھولی سے زمین پر ایک دانہ گرتا ہے!

وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝ (۴۵: ۱۱)	اور آسمان و زمین میں جو کچھ بھی ہے، سب کو اللہ نے تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے۔ بلاشبہ ان لوگوں کیلئے جو غور و فکر کرنے والے ہیں اس بات میں معرفتِ حقیقت کی بڑی ہی نشانیاں ہیں!

سب سے زیادہ عجیب مگر سب سے زیادہ نمایاں حقیقت اس نظامِ ربوبیت کی یکسانیت اور ہم آہنگی ہو، یعنی ہر وجود کی پرورش کا سر و سامان جس طرح اور جس اسلوب پر کیا گیا ہو، وہ ہر گوشہ میں ایک ہی ہو، اور ایک ہی

اصل و قاعدہ رکھتا ہے۔ پتھر کا ایک ٹکڑا تمہیں گلاب کے شاداب اور عطر بیز پھول سے کتنا ہی مختلف دکھائی دے، لیکن دونوں کی پرورش کے اصولی احوال پر نظر ڈالو گے تو صاف نظر آجائیگا کہ دونوں کو ایک ہی طریقے سے سامان پرورش ملا ہے اور دونوں ایک ہی طرح پالے پوسے جا رہے ہیں۔ انسان کا بچہ، درخت کا پودا تمہاری نظروں میں کتنی ہی جداگانہ چیزیں ہیں؟ لیکن اگر ان کی نشوونما کے طریقوں کا کھوج لگاؤ گے تو دیکھو گے کہ قانون پرورش کی یکسانیت نے دونوں کو ایک ہی رشتہ میں منسلک کر دیا ہے۔ پتھر کی چٹان ہو یا پھولوں کی کلی، انسان کا بچہ ہو یا چیونٹی کا انڈا، سب کیلئے پیدائش ہوتی ہے، اور قبل اس کے کہ پیدائش ظہور میں آئے، سامان پرورش مہیا ہو جاتا ہے، پھر طفولیت کا دور ہے، اور اس دور کی ضروریات ہیں۔ انسان کا بچہ بھی اپنی طفولیت رکھتا ہے، درخت کے مولود نباتی کے لیے بھی طفولیت ہے، اور تمہاری چشم ظاہر بین کے لیے کتنا ہی عجیب کیوں نہ ہو، لیکن پتھر کی چٹان اور مٹی کا تودہ بھی اپنی اپنی طفولیت رکھتا ہے۔ پھر طفولیت رشد و بلوغ کی طرف بڑھتی ہے، اور جوں جوں بڑھتی جاتی ہے، اُسکی روز افزوں حالت کے مطابق یکے بعد دیگرے، سامان پرورش میں بھی تبدیلیاں ہوتی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ ہر وجود اپنے سن کمال تک پہنچ جاتا ہے، اور جب سن کمال تک پہنچ گیا، تو از سر نو ضعف انحطاط کا دور شروع ہو جاتا ہے، پھر اس ضعف انحطاط کا خاتمہ سب کے لیے ایک ہی طرح ہے۔ کسی دائرہ میں اسے مرجانا کہتے ہیں، کسی میں مرجھا جانا، اور کسی میں پامال ہو جانا۔ الفاظ متعدد ہو گئے مگر حقیقت میں تعدد نہیں ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّ شَیْبَةً ؕ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ۚ وَ هُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ۝

(۳۰ : ۵۴)

یہ اللہ ہی کی کارفرمائی ہے کہ اس نے تمہیں اس طرح پیدا کیا کہ پہلے ناتوانی کی حالت ہوتی ہے، پھر ناتوانی کے بعد قوت آتی ہے، پھر قوت کے بعد دوبارہ ناتوانی اور بڑھاپا ہوتا ہے۔ وہ جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ وہ علم و قدرت رکھنے والا ہے، وہ جیسے سب کچھ کر سکتا ہے، اگرچہ کچھ کرتا ہے علم کے ساتھ کرتا ہے)

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ یَنَابِیْعَ فِی الْاَرْضِ ثُمَّ یُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ یَهِیْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَجْعَلُهٗ حُطَامًا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِی

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا پھر زمین میں اسکے چشمے رواں ہو گئے، پھر اسی پانی سے رنگ برنگ کی کھیتیاں لہلہا اٹھیں پھر انکی نشوونما بڑھتی اور پوری طرح پک کر تیار ہو گئیں پھر ترقی کے بعد زوال طاری ہوا اور، تم دیکھتے ہو کہ ان پر زردی چھا گئی پھر بالآخر

الْأَلْبَابِ (۳۹ : ۲۱) خشک ہو کر چورا چورا ہو گئی۔ بلاشبہ دانشمندوں کیلئے اس صورت حال میں بڑی ہی عبرت ہے!

جہاں تک غذا کا تعلق ہے، حیوانات میں ایک قسم ان جانوروں کی ہے جن کے بچے دودھ سے پرورش پاتے ہیں، اور ایک اُن کی ہے جو عام غذاؤں سے پرورش پاتے ہیں۔ غور کرو، نظامِ ربوبیت نے دونوں کی پرورش کے لیے کیسا عجیب سروسامان مہیا کر دیا ہے؟ دودھ سے پرورش پانے والے حیوانات میں انسان بھی داخل ہو۔ سب سے پہلے انسان اپنی ہی ہستی کا مطالعہ کرے۔ جونہی وہ پیدا ہوتا ہے اُسکی غذا اپنی ساری خاصیتوں، مناسبتوں اور شرطوں کے ساتھ خود بخود مہیا ہو جاتی ہے، اور ایسی جگہ مہیا ہوتی ہے جو حالتِ طفولیت میں اُس کے لیے سب سے قریب تر اور سب سے موزوں جگہ ہے۔ ماں بچے کو جوشِ محبت میں سینہ سے لگا لیتی ہے، اور وہیں اُسکی غذا کا سرچشمہ بھی موجود ہوتا ہے!

پھر دیکھو، اس غذا کی نوعیت اور مزاج میں کس درجہ اُسکی حالت کا درجہ بدرجہ لحاظ رکھا گیا ہے اور کس طرح یکے بعد دیگرے اُس میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے؟ ابتدا میں بچے کا معدہ اتنا کمزور ہوتا ہے کہ اُسے بہت ہی پتلے قوام کا دودھ ملنا چاہیئے۔ ایسے پتلے قوام کا جس میں مائی جز بہت زیادہ اور دُہنیت بہت کم ہو۔ چنانچہ نہ صرف انسان میں بلکہ تمام حیوانات میں ماں کا دودھ بہت ہی پتلے قوام کا ہوتا ہے۔ لیکن جوں جوں بچے کی عمر بڑھتی جاتی ہے، اور معدہ قوی ہوتا جاتا ہے، دودھ کا قوام بھی گاڑھا ہوتا جاتا ہے اور مائیت کے مقابلہ میں دُہنیت بڑھتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ بچے کا عہدِ رضاعت پورا ہو جاتا ہے اور اُس کا معدہ عام غذاؤں کے ہضم کرنے کی استعداد پیدا کر لیتا ہے۔ جونہی اس کا وقت آتا ہے، ماں کا دودھ خشک ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ یہ گویا ربوبیتِ الٰہی کا اشارہ ہوتا ہے کہ اب اُسکے لیے دودھ کی ضرورت نہیں رہی، ہر طرح کی غذائیں استعمال کر سکتا ہے:

وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا (۴۶ : ۱۵) اور حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت (کم از کم) تیس مہینوں کی۔

پھر ربوبیتِ الٰہی کی اس کارسازی پر غور کرو کہ کس طرح ماں کی فطرت میں بچے کی محبت ودیعت کر دی گئی ہے، اور کس طرح اس جذبہ کو طبیعتِ بشری کے تمام جذبات میں سب سے زیادہ پُرجوش اور سب سے زیادہ ناقابلِ تسخیر بنا دیا گیا ہے؟ دنیا کی کونسی قوت ہے جو اس جوش کا مقابلہ کر سکتی ہے جسے ماں کی مامتا کہتے ہیں! جس بچے کی پیدائش اُسکے لیے زندگی کی سب سے بڑی مصیبت تھی: حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا (۴۶ : ۱۵) اُسی کی محبت اُسکا اوڑھنا بچھونا، زندگی کا سب سے بڑا جذبہ مشتمل کر دیتی ہے۔ جبتک بچہ اس طرح تک

نہیں پہنچ جاتا، وہ اپنے لیے نہیں بلکہ بچے کے لیے زندہ رہنا چاہتی ہے۔ زندگی کی کوئی خود فراموشی نہیں جو اُس پر طاری نہ ہوتی ہو، اور راحت و آسائش کی کوئی قربانی نہیں جس سے اُسے گریز ہو۔ حُبِ ذات جو فطرتِ انسانی کا سب سے زیادہ طاقتور جذبہ ہے اور جسکے انفعالات کے بغیر کوئی مخلوق زندہ نہیں رہ سکتا، وہ بھی اس جذبۂ خود فراموشی کے مقابلہ میں مضمحل ہو کر رہ جاتا ہے۔ یہ بات کہ ایک ماں نے اپنی زندگی کے مقابلہ میں بچے کی زندگی کو ترجیح دی، یا بچے کے مجنونانہ عشق میں اپنی زندگی قربان کر دی، فطرتِ مادری کا ایسا معمولی واقعہ ہے جو ہمیشہ پیش آتا رہتا ہے اور ہم اس میں کسی طرح کی غرابت محسوس نہیں کرتے:

لیکن پھر دیکھو، کارساز فطرت کی یہ کیسی بوالعجبی ہے کہ جوں جوں بچے کی عمر بڑھتی جاتی ہے، محبتِ مادری کا یہ شعلہ خود بخود دھیما پڑتا جاتا ہے، اور پھر ایک وقت آتا ہے جب حیوانات میں تو بالکل ہی بجھ جاتا ہے، اور انسان میں بھی اسکی گرمجوشیاں باقی نہیں رہتیں۔ یہ انقلاب کیوں ہوتا ہے؟ ایسا کیوں ہے کہ بچے کے پیدا ہوتے ہی محبت کا ایک عظیم ترین جذبہ جنبش میں آجائے، اور پھر ایک خاص وقت تک قائم رہکر خود بخود غائب ہو جائے؟ اس لیے، کہ یہ نظامِ ربوبیت کی کارفرمائی ہے، اور اس کا مقتضیٰ یہی تھا۔ ربوبیت چاہتی ہے کہ بچے کی پرورش ہو۔ اُس نے پرورش کا ذریعہ ماں کے جذبۂ محبت میں رکھدیا تھا جب بچے کی عمر اس حد تک پہنچ گئی کہ ماں کی پرورش کی احتیاج باقی نہ رہی، تو اس ذریعہ کی بھی ضرورت باقی نہ رہی۔ اب اس کا باقی رہنا ماں کے لیے بوجھ اور بچے کے لیے رکاوٹ ہوتا۔ بچے کی احتیاج کا سب سے نازک وقت اُسکی نئی نئی طفولیت تھی، اسلیئے ماں کی محبت میں بھی سب سے زیادہ جوش اُسی وقت تھا پھر جوں جوں بچہ بڑھتا گیا، احتیاج کم ہوتی گئی، اسلیئے محبت کی گرمجوشیاں بھی گھٹتی گئیں۔ فطرتِ محبتِ مادری کا دامن بچے کی احتیاجِ پرورش سے باندھ دیا تھا۔ جب احتیاج زیادہ تھی، تو محبت کی سرگرمی بھی زیادہ تھی۔ جب احتیاج کم ہو گئی تو محبت بھی تغافل کرنے لگی![لله]

جن حیوانات کے بچے انڈوں سے پیدا ہوتے ہیں، اُنکی جسمانی ساخت اور طبیعت دودھ والے حیوانات سے مختلف ہوتی ہے، اور اس لیے وہ فوراً ان ہی سے معمولی غذائیں کھا سکتے ہیں بشرطیکہ کھلانے

لله انسان میں ماں کی محبت بچوں کے بڑے ہو جانے کے بعد بھی وابستہ باقی رہتی ہے، اور بعض حالتوں میں اسکے اظہارات اتنے شدید ہوتے ہیں کہ عہد طفولیت کی محبت میں اور اس محبت میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا، لیکن یہ صورت حال تمام تر انسان کی مدنی (تمدنی) زندگی کے نشوونما کا نتیجہ ہے، نہ کہ فطرت حیوانی کا۔ انسان میں بھی یہ حالت فطرتاً اسی حد تک ہوگا کہ بچہ سن تمیز تک پہنچ جائے۔ لیکن بعد کو نسل و خاندان کی تشکیل اور اجتماعی احساسات کی ترقی سے مادری رشتہ ایک دائمی رشتہ بن گیا ہے۔

کے لیے کوئی شفیق نگرانی موجود ہو، چنانچہ تم دیکھتے ہو کہ بچہ انڈے سے نکلتے ہی غذا ڈھونڈنے لگتا ہے اور ماں چُن چُن کر اُسکے سامنے ڈالتی اور منہ میں لے لیکر کھانے کی تلقین کرتی ہے۔ یا ایسا کرتی ہے کہ خود کھا لیتی ہے مگر ہضم نہیں کرتی، اپنے اندر نرم اور ہلکا بنا کر محفوظ رکھتی ہے، اور جب بچہ غذا کیلئے منہ کھولتا ہے تو اُسکے اندر اُتار دیتی ہے!

تربیت معنوی

پھر اس سے بھی عجیب تر نظامِ ربوبیت کا معنوی پہلو ہے۔ خارج میں زندگی اور پرورش کا کتنا ہی سروسامان کیا جاتا، لیکن وہ کچھ مفید نہیں ہو سکتا تھا اگر ہر وجود کے اندر اُس سے کام لینے کی ٹھیک ٹھیک استعداد نہ ہوتی اور اُسکے ظاہری و باطنی قویٰ اُس کا ساتھ نہ دیتے۔ پس یہ ربوبیت ہی کا فیضان ہے کہ ہم دیکھتے ہیں، ہر مخلوق کی ظاہری و باطنی بناوٹ اس طرح کی واقع ہوئی ہے کہ اُسکی ہر قوت، اُس کے سامانِ پرورش کی نوعیت کے مطابق ہوتی ہے، اور اُسکی ہر چیز اُسے زندہ رہنے اور نشوونما پانے میں مدد دیتی ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ کوئی مخلوق اپنے جسم و قویٰ کی ایسی نوعیت رکھتا ہو جو اُسکے حالاتِ پرورش کے مقتضیات کے خلاف ہو۔ اس سلسلہ میں جو حقائق مشاہدہ و تفکر سے نمایاں ہوتے ہیں اُن میں دو باتیں سب سے زیادہ نمایاں ہیں، اور اسلیئے جابجا قرآن حکیم نے ان پر توجہ دلائی ہے۔ ایک کو وہ **تقدیر** سے تعبیر کرتا ہے۔ دوسری کو **ہدایت** سے۔

تقدیر کے معنی اندازہ کر دینے کے ہیں یعنی کسی چیز کے لیے ایک خاص طرح کی حالت ٹھہرا دینے کے۔ خواہ یہ ٹھہراؤ کمیت میں ہو یا کیفیت میں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ فطرت نے ہر وجود کی جسمانی ساخت اور معنوی قوئے کیلئے ایک خاص طرح کا اندازہ ٹھہرا دیا ہے جس سے وہ باہر نہیں جا سکتا، اور یہ اندازہ ایسا ہے جو اُسکی زندگی اور نشوونما کے تمام احوال و ظروف سے ٹھیک ٹھیک مناسبت رکھتا ہے:

وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا ۝ (۲۵ : ۱)

اور اُس نے تمام چیزیں پیدا کیں، پھر ہر چیز کے لیئے اُسکی حالت اور ضرورت کے مطابق ایک خاص اندازہ ٹھہرا دیا!

یہ کیا چیز ہے کہ ہر گرد و پیش میں اور اُسکی پیداوار میں ہمیشہ مطابقت پائی جاتی ہے، اور یہ ایک ایسا قانونِ خلقت ہے جو کبھی متغیر نہیں ہو سکتا؟ یہ کیوں ہے کہ ہر مخلوق اپنی ظاہری و باطنی بناوٹ میں ویسا ہی ہوتا ہے جیسا اُس کا گرد و پیش ہے، اور ہر گرد و پیش ویسا ہی ہوتا ہے جیسی اُسکی مخلوقات ہوتی ہے؟ یہ اُس حکیم و قدیر کی **تقدیر** ہے، اور اُس نے ہر چیز کی خلقت و زندگی کے لیئے ایسا ہی اندازہ مقرر کر دیا ہے۔ اور یہ قانونِ تقدیر صرف حیوانات و نباتات ہی کے لیئے نہیں ہے بلکہ کائناتِ ہستی کی ہر چیز کے لیئے ہے۔ ستاروں کا یہ پورا نظامِ گردش بھی اسی **تقدیر** کی حد بندیوں پر قائم ہے:

وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ (۳۶ : ۳۰)

اور دیکھو، سورج کی حرکت اس کے ٹھیرنے کی جگہ کیلئے ہو رہی ہے۔ یہ ٹھیرائی ہوئی ہے اس عزیز و علیم کی تقدیر ہے (یعنی اسکا ٹھیرایا ہوا اندازہ ہے)

مخلوقات اور اُسکے گرد و پیش کی مطابقت کا یہی قانون ہے، جس نے دونوں میں باہمدگر ملائمت پیدا کر دی ہے اور ہر مخلوق اپنے چاروں طرف وہی پاتا ہے جس میں اُسکے لیے پرورش اور نشو و نما کا سامان ہوتا ہے۔ پرند کا جسم اُڑنے والا ہے، مچھلی کا تیرنے والا، چارپایوں کا چلنے والا، حشرات کا رینگنے والا، اسلیئے کہ ان میں سے ہر قسم کا گرد و پیش ویسے ہی جسم کے لیے موزوں ہے، جیسا اُسے ملا ہو، اور اسلیئے کہ ان میں سے ہر قسم کی جسمانی ساخت ویسا ہی گرد و پیش پاتی ہے جیسا گرد و پیش اُسے حاصل ہے۔ دریا میں پرند پیدا نہیں ہوتا، اسلیئے کہ یہ گرد و پیش اس کے لیئے مفید پرورش نہیں۔ خشکی میں مچھلیاں پیدا نہیں ہو سکتیں، کیونکہ خشکی اُنکے لیے موزوں نہیں۔ اگر فطرت کی اس تقدیر کے خلاف، ایک خاص گرد و پیش کی مخلوق دوسرے قسم کے گرد و پیش میں چلی جاتی ہے، تو یا تو وہاں زندہ نہیں رہتی، یا رہتی ہے تو پھر بتدریج اُسکی جسمانی ساخت اور طبیعت بھی ویسی ہی ہو جاتی ہے جیسی اُسکے گرد و پیش میں ہونی چاہیے۔

پھر ان میں سے ہر نوع کے لیئے مقامی موثرات کے مختلف گرد و پیش ہیں، اور ہر گرد و پیش کا یہی حال ہے۔ سرد آب و ہوا کی پیداوار، سرد آب و ہوا ہی کے لیئے ہے۔ گرم کی گرم کیلئے۔ قطب شمالی کے قریب جوار کا پیچ خط استوا کے قریب میں نظر نہیں آسکتا، اور منطقۂ حارہ کے جانور منطقۂ باردہ میں معدوم ہیں!

ہدایت کے معنی راہ دکھانے، راہ پر لگا دینے، رہنمائی کرنے کے ہیں، اور اسکے مراتب اور اقسام ہیں۔ تفصیل آگے آئیگی۔ یہاں صرف اُس مرتبۂ ہدایت کا ذکر کرنا ہے جو تمام مخلوقات پر اُنکی پرورش کی راہیں کھولتا، اُنھیں زندگی کی راہ پر لگاتا، اور ضروریات زندگی کی طلب و حصول میں رہنمائی کرتا ہے۔ فطرت کی یہ ہدایت، ربوبیت کی ہدایت ہے، اور اگر ہدایت ربوبیت کی دستگیری نہ ہوتی، تو ممکن نہ تھا کہ کوئی مخلوق بھی دنیا کے سامان حیات و پرورش سے فائدہ اٹھا سکتی، اور زندگی کی سرگرمیاں ظہور میں آسکتیں۔

لیکن ربوبیت الٰہی کی یہ ہدایت کیا ہے؟ قرآن کہتا ہے، یہ وجدان کا فطری الہام اور حواس و ادراک کی قدرتی استعداد ہے۔ وہ کہتا ہے، یہ فطرت کی وہ رہنمائی ہے جو ہر مخلوق کے اندر پہلے **وجدان** کا الہام بنکر نمودار ہوتی ہے، پھر **حواس** و ادراک کا چراغ روشن کر دیتی ہے۔ یہ ہدایت کے مختلف مراتب میں سے **وجدان** اور ادراک کی ہدایت کا مرتبہ ہے۔

وجدان کی ہدایت یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں، ہر مخلوق کی طبیعت میں کوئی ایسا اندرونی الہام موجود ہے جو اُسے زندگی اور پرورش کی راہوں پر خود بخود لگا دیتا ہے، اور وہ باہر کی رہنمائی و تعلیم کی محتاج نہیں ہوتی۔

انسان کا بچہ ہو یا حیوان کا، لیکن جونہی شکم مادر سے باہر آتا ہے، خود بخود معلوم کر لیتا ہے کہ اسکی غذا ماں کے سینہ میں ہے، اور جب پستان منہ میں لیتا ہے، تو جانتا ہے کہ اُسے زور زور سے چوسنا چاہیئے۔ بلی کے بچوں کو ہم ہمیشہ دیکھتے ہیں کہ ابھی ابھی پیدا ہوئے ہیں۔ اُن کی آنکھیں بھی نہیں کھلی ہیں، لیکن ماں جوش محبت میں انہیں چاٹ رہی ہے، وہ اسکے سینے پر منہ مار رہے ہیں۔ یہ بچہ جس نے عالم ہستی میں پہلا قدم رکھا ہے، جسے خارج کے موثرات نے ابھی چھوا تک نہیں، کیونکر معلوم کر لیتا ہے کہ اُسے پستان منہ میں لینا چاہیئے، اور اُسکی غذا کا سرچشمہ یہیں ہے؟ وہ کونسا فرشتہ ہے جو اس وقت اسکے کان میں پھونک دیتا ہے کہ اس طرح اپنی غذا حاصل کر لے؟ یقیناً وجدانی ہدایت کا فرشتہ ہے، اور یہی وجدانی ہدایت ہے جو قبل اسکے کہ حواس و ادراک کی روشنی نمودار ہو، ہر مخلوق کو اسکی پرورش و زندگی کی راہوں پر لگا دیتی ہے!

تمہارے گھر میں پلی ہوئی بلی ضرور ہوگی۔ تم نے دیکھا ہوگا کہ بلی اپنی عمر میں سب سے پہلی مرتبہ حاملہ ہوئی ہے۔ اس حالت کا اُسے کوئی پچھلا تجربہ حاصل نہیں، تاہم اسکے اندر کوئی چیز ہے جو اُسے بتلا دیتی ہے کہ تیاری و حفاظت کی سرگرمیاں شروع کر دینی چاہئیں۔ جونہی وضع حمل کا وقت قریب آتا ہے، خود بخود اسکی توجہ ہر چیز کی طرف سے ہٹ جاتی ہے اور کسی محفوظ گوشہ کی جستجو شروع کر دیتی ہے۔ تم نے دیکھا ہوگا کہ مضطربانہ حال بلی مکان کا ایک ایک کونہ دیکھتی پھرتی ہے۔ پھر وہ خود بخود ایک سب سے محفوظ اور علیحدہ گوشہ چھانٹ لیتی ہے اور وہاں بچے دیتی ہے۔ پھر یکایک اسکے اندر بچے کی حفاظت کی طرف سے ایک مجہول خطرہ پیدا ہو جاتا ہے اور وہ یکے بعد دیگرے اپنی جگہ بدلتی رہتی ہے۔ غور کرو، یہ کونسی قوت ہے جو بلی کے اندر یہ خیال پیدا کر دیتی ہے کہ محفوظ جگہ تلاش کرے کیونکہ عنقریب ایسی جگہ کی اُسے ضرورت ہوگی؟ یہ کونسا الہام ہے جو اُسے خبردار کر دیتا ہے کہ بلا بچوں کا دشمن ہے اور اُسکی بو سونگھتا پھرتا ہے، اسلیئے جگہ بدلتے رہنا چاہیئے؟ بلاشبہ یہ ربوبیت الٰہی کی وجدانی ہدایت ہے جسکا الہام ہر مخلوق کے اندر اپنی نمود رکھتا ہے، اور جو اُن پر زندگی اور پرورش کی تمام راہیں کھول دیتا ہے!

ہدایت کا دوسرا مرتبہ حواس اور مدرکات ذہنی کی ہدایت ہے، اور وہ اس درجہ واضح و معلوم ہے کہ تشریح کی ضرورت نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اگرچہ حیوانات اُس جوہر دماغ سے محروم ہیں جسے فکر و عقل سے تعبیر کیا جاتا ہے، تاہم فطرت نے انہیں احساس و ادراک کی وہ تمام قوتیں دے دی ہیں جنکی زندگی و معیشت کیلئے ضرورت تھی، اور اُنکی مدد سے وہ اپنے رہنے سہنے، کھانے پینے، توالد و تناسل اور حفاظت و نگرانی کے تمام وظائف حسن و خوبی کے ساتھ انجام دیتے رہتے ہیں۔ پھر حواس و ادراک کی یہ ہدایت ہر حیوان کے لیئے ایک ہی طرح کی نہیں ہے، بلکہ ہر وجود کو اتنی ہی اور ویسی ہی استعداد دی گئی ہے، جیسی اور جتنی استعداد

اسکے احوال و ظروف کے لیے ضروری تھی۔ چیونٹی کی قوت شامہ نہایت قوی اور دور رس ہوتی ہے، اسلیے کہ اسی قوت کے ذریعہ وہ اپنی غذا حاصل کر سکتی ہے۔ چیل اور عقاب کی نگاہ تیز ہوتی ہے، کیونکہ اگر ان کی نگاہ تیز نہ ہو تو بلندی میں اڑتے ہوئے اپنا شکار دیکھ نہ سکیں۔ یہ سوال بالکل غیر ضروری ہے کہ حیوانات کے حواس و ادراک کی یہ حالت اول دن سے تھی، یا احوال و ظروف کی ضروریات اور قانون مطابقت کے مؤثرات سے بتدریج ظہور میں آئی۔ اسلیے کہ خواہ کوئی صورت ہو، بہرحال فطرت کی بخشی ہوئی استعداد ہے، اور نشوء ارتقا کا قانون بھی فطرت ہی کا ٹھہرایا ہوا قانون ہے۔

چنانچہ یہی مرتبۂ ہدایت ہے جس کو قرآن نے ربوبیت الٰہی کی وحی سے تعبیر کیا ہے۔ عربی میں وحی کے معنی مخفی ایما اور اشارہ کے ہیں۔ یہ گویا فطرت کی وہ اندرونی سرگوشی ہے جو ہر مخلوق پر اسکی راہ عمل کھول دیتی ہے:

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ۝ (۱۶ : ۶۸)

اور (دیکھو) تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور ان ٹٹیوں میں جو اس غرض سے بلند کی جاتی ہیں اپنے لیے چھتے بنائے۔

اور یہی وہ ربوبیت الٰہی کی ہدایت ہے جس کی طرف حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی زبانی اشارہ کیا گیا ہے۔ فرعون نے جب پوچھا: فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى؟ تمہارا پروردگار کون ہے جس کے نام پر میرا مقابلہ کرنا چاہتے ہو؟ تو حضرت موسیٰ نے کہا:

قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ۝ (۲۰ : ۵۰)

ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو اسکی بناوٹ دی، پھر اس پر زندگی و معیشت کی راہ کھول دی۔

اور پھر یہی وہ ہدایت ہے جسے دوسری جگہ "راہ عمل آسان کر دینے" سے بھی تعبیر کیا گیا ہے:

مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ۝ مِنْ نُّطْفَةٍ ۭ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ۝ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ۝ (۸۰ : ۱۹)

اس نے انسان کو کس چیز سے پیدا کیا؟ نطفہ سے پیدا کیا، پھر اس کی تمام ظاہری و باطنی قوتوں کیلیے ایک اندازہ ٹھہرا دیا، پھر اس پر زندگی و عمل کی راہ آسان کر دی۔

یہی "ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ" یعنی "راہ عمل آسان کر دینا" وجدان و ادراک کی ہدایت ہے جو تقدیر کے بعد ہے، کیونکہ اگر فطرت کی یہ رہنمائی نہ ہوتی تو ممکن نہ تھا کہ ہم اپنی ضروریات زندگی حاصل کر سکتے۔

آگے چل کر تمہیں معلوم ہوگا کہ قرآن نے تکوین وجود کے جو چار مرتبے بیان کیے ہیں، ان میں تیسرا اور چوتھا مرتبہ، یہی تقدیر اور ہدایت کا مرتبہ ہے۔ یعنی تخلیق، تسویہ، تقدیر، ہدایت۔

الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی ۝ وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی ۝ (۸۷ : ۲)	وہ پروردگار عالم جس نے پیدا کیا اور پھر اسے ٹھیک ٹھیک درست کر دیا: اور وہ پروردگار جس نے ہر وجود کیلئے ایک اندازہ ٹھہرا دیا اور پھر اس پر راہ عمل کھول دی۔

براہین قرآنیہ کا مبدأ استدلال

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے خدا کی ہستی اور اسکی توحید و صفات پر جابجا نظام ربوبیت سے استدلال کیا ہے، اور یہ استدلال اس کے مہمات دلائل میں سے ہے۔ لیکن قبل اسکے کہ اسکی تشریح کی جائے، مناسب ہوگا کہ قرآن کے طریق استدلال کی بعض مبادیات واضح کر دی جائیں۔ کیونکہ مختلف اسباب سے جن کی تشریح کا یہ موقع نہیں، مطالب قرآنی کا یہ گوشہ سب سے زیادہ مہجور ہو گیا ہے اور ضرورت ہے کہ از سر نو حقیقت گم گشتہ کا سراغ لگایا جائے۔

قرآن کے طریق استدلال کا اولین مبدأ، تعقل و تفکر کی دعوت ہے۔ یعنی وہ جا بجا اس بات پر زور دیتا ہے کہ انسان کیلئے حقیقت شناسی کی راہ یہ ہے کہ خدا کی دی ہوئی عقل و بصیرت سے کام لے، اور اپنے وجود کے اندر اور اپنے وجود کے باہر جو کچھ بھی دیکھ سکتا اور محسوس کر سکتا ہے، اس میں تدبر و تفکر کرے، چنانچہ قرآن کی کوئی سورت اور سورت کا کوئی حصہ نہیں جو تفکر و تعقل کی دعوت سے خالی ہو:

وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ ۝ وَفِیْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ (۵۱ : ۱۹)	اور یقین رکھنے والوں کے لیے زمین میں (معرفت حق کی) نشانیاں ہیں اور خود تمہارے وجود میں بھی، پھر کیا تم دیکھتے نہیں؟

وہ کہتا ہے کہ انسان کو عقل و بصیرت دی گئی ہے، اس لیے وہ اس قوت کے ٹھیک ٹھیک استعمال کرنے نہ کرنے کے لیے جواب دہ ہے:

اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ۝ (۱۷ : ۳۶)	یقیناً انسان کا سننا، دیکھنا، سوچنا، سب اپنی جگہ جواب دہ سمجھے ہیں!

وہ کہتا ہے: زمین کی ہر چیز میں، آسمان کے ہر منظر میں، زندگی کے ہر تغیر میں، فکر انسانی کے لیے معرفت حقیقت کی نشانیاں ہیں، بشرطیکہ وہ غفلت و اعراض میں مبتلا نہ ہو جائے:

وَكَاَیِّنْ مِّنْ اٰیَةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَمُرُّوْنَ عَلَیْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ۝ (۱۲ : ۱۰۵)	اور آسمان و زمین میں (معرفت حق کی) کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر سے (افسوس انسان کی غفلت پر!) لوگ گزر جاتے ہیں اور نظر اٹھا کر دیکھتے تک نہیں!

تخلیق بالحق

اچھا، اگر انسان عقل و بصیرت سے کام لے اور کائنات خلقت میں تفکر کرے تو اس پر حقیقت شناسی کا کونسا دروازہ کھلے گا؟ وہ کہتا ہے: سب سے پہلی حقیقت جو اس کے سامنے نمودار ہوگی وہ تخلیق بالحق کا عالمگیر اور بنیادی قانون

یعنی وہ دیکھے گا کہ کائنات خلقت اور اس کی ہر چیز کی بناوٹ کچھ اس طرح واقع ہوئی ہے کہ ہر چیز ضبط و ترتیب کے ساتھ ایک خاص نظام و قانون میں منسلک ہے، اور کوئی شے نہیں جو حکمت و مصلحت سے خالی ہو۔ ایسا نہیں ہو کہ یہ سب کچھ تخلیق بالباطل ہو، یعنی بغیر کسی معین اور ٹھیرائے ہوئے مقصد و نظم کے وجود میں آگیا ہو کیونکہ اگر ایسا ہوتا، تو ممکن نہ تھا کہ اس نظم، اس یکسانیت، اس وقت کے ساتھ اس کی ہر بات کسی نہ کسی حکمت و مصلحت کے ساتھ بندھی ہوئی ہوتی[1]:

خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (۲۹ : ۴۴)	اللہ نے آسمان اور زمین حکمت اور مصلحت کے ساتھ پیدا کی ہے، اور بلاشبہ اس بات میں ارباب ایمان کیلئے معرفت حق کی ایک بڑی ہی نشانی ہے!

آل عمران کی مشہور آیت میں اُن ارباب دانش کی جو آسمان و زمین کی خلقت میں تفکر کرتے ہیں صدائے حال یہ بتلائی ہے:

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا (۳ : ۱۸۸)	اے ہمارے پروردگار! یہ سب کچھ تو نے اس لیے نہیں پیدا کیا ہے کہ محض ایک بیکار و عبث سا کام ہو!

دوسری جگہ "تخلیق بالباطل" کو "لعب" سے تعبیر کیا ہے[2]۔ "لعب" یعنی کوئی کام کھیل کود کی طرح بغیر کسی معقول غرض و مدعا کے کرنا:

---

[1] یہی حقیقت ہے جو آج علمی مصطلحات میں یوں ادا کی جاتی ہے:

"From the motion of the electrons round the positively charged nucleus of an atom to the motion of the planets round the sun, and so forth, every thing points only to one conclusion, viz, predetermined law." Sir Oliver Lodge.

اس کی زبردستی کیلئے اپنے خاص پیرائے کی یہی حقیقت کو یہاں "Pre-determined Law" سے تعبیر کیا گیا ہے اسی کو قرآن "تخلیق بالحق" سے تعبیر کرتا ہے۔

[2] یہ تعبیر بیشتر خصوصیت کے ساتھ نزول قرآن سے پہلے تمام مذاہب نے جیسے دنیا کی پیدائش کا جو عقیدہ پیش کیا تھا، وہ حکمت و مصالح کے تصور سے یک قلم خالی تھا۔ لوگ خیال کرتے تھے کہ طاقت و اختیار کے ساتھ حکم و مصالح کی رعایت جمع نہیں ہو سکتی۔ حکم و مصالح کی پابندی وہی کرے گا جو کسی کے آگے جوابدہ ہو۔ خدا جو سب سے بڑا اور سب پر حکمران ہے، اس کے کام حکم و مصالح سے کیوں وابستہ ہوں؟ وہ مطلق العنان بادشاہوں کو دیکھتے تھے کہ جو جی میں آتا ہے کر گزرتے ہیں اور ان کے کاموں میں چون و چرا کی گنجائش نہیں ہوتی۔ پس سمجھتے تھے کہ خدا کے کاموں کا بھی یہی حال ہے۔ چنانچہ ہندوستان، مصر، بابل اور یونان کی تمام علم الاصنام کی روایات اسی تخیل کا نتیجہ ہیں۔ دیوتاؤں نے عشق بازی میں (باقی برصفحہ [illegible])

کوئی نہ کوئی مقصد اور منتہیٰ رکھتی ہے۔ پس ضروری ہے کہ انسانی وجود کیلئے بھی کوئی نہ کوئی مقصد اور منتہیٰ ہو۔ یہی منتہیٰ آخرت کی زندگی ہے۔ کیونکہ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ کائنات ارضی کا یہ بہترین مخلوق صرف اسی لیے پیدا کیا گیا ہو کہ پیدا ہو اور چند دن جی کر فنا ہو جائے:

أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا فِي أَنفُسِهِم ۗ مَّا خَلَقَ اللَّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَجَلٍ مُّسَمًّى ۗ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ لَكَافِرُونَ

(۳۰ : ۸)

کیا ان لوگوں نے کبھی اپنے دل میں اس بات پر غور نہیں کیا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے محض بیکار و عبث نہیں بنایا ہے ضروری ہے کہ حکمت و مصلحت کے ساتھ بنایا ہو اور اس کے لیے ایک مقررہ وقت ٹھیرا دیا ہو۔ اصل یہ ہے کہ انسانوں میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کیلئے کوئی طلب نہیں رکھتے اور اپنے پروردگار کے حضور حاضر ہونے سے یکسر منکر ہیں!

غرضکہ قرآن کا مبدأ استدلال یہ ہے کہ:

(۱) اس کے نزول سے پہلے دین و دعوتِ خدا پرستی کے جس قدر تصورات موجود تھے، وہ صرف عقل کی آمیزش سے خالی تھے، بلکہ ان کی تمام تر بنیاد غیر عقلی عقائد پر رکھی گئی تھی۔ لیکن اس نے خدا پرستی کے لیے عقلی تصور پیدا کیا۔

(۲) چنانچہ اس کی دعوت کی تمام تر بنیاد تعقل و تفکر پر ہے۔

(۳) وہ خصوصیت کے ساتھ کائناتِ خلقت کے مطالعہ و تفکر کی دعوت دیتا ہے۔

(۴) وہ کہتا ہے کہ کائناتِ خلقت کے مطالعہ و تفکر سے انسان پر تخلیق بالحق کی حقیقت واضح ہو جائی گی، یعنی وہ دیکھے گا کہ اس کارخانۂ ہستی کی کوئی چیز نہیں جو کسی ٹھیرائے ہوئے مقصد اور مصلحت سے خالی ہو اور کسی بالاتر قانونِ خلقت کے ماتحت ظہور میں نہ آئی ہو۔ یہاں جو چیز بھی اپنا وجود رکھتی ہے، ایک خاص نظم و ترتیب کے ساتھ نظم و مصالح کے عالمگیر سلسلہ میں منسلک ہے۔

(۵) وہ کہتا ہے: جب انسان ان مقاصد و مصالح پر غور کرے گا، تو خدا شناسی کی راہ خود بخود اس پر کھل جائے گی اور وہ بے بصری و کوری کی گمراہیوں سے نجات پا جائے گا۔

برہانِ ربوبیت

چنانچہ اس سلسلہ میں اس نے مظاہرِ کائنات کے جن مقاصد و مصالح سے استدلال کیا ہے ان میں سب سے زیادہ عام استدلال ربوبیت کا استدلال ہے۔ اور اسی لیے ہم اسے برہانِ ربوبیت سے تعبیر کرتے ہیں۔ وہ کہتا ہے: کائناتِ ہستی کے تمام اعمال و مظاہر کا اس طرح واقع ہونا کہ ہر چیز پرورش کرنے والی اور ہر تاثیر زندگی بخشنے والی ہے، اور پھر ایک ایسے نظامِ ربوبیت کا موجود ہونا جو ہر حالت کی رعایت کرتا، اور ہر طرح کی مناسبت ملحوظ رکھتا ہے، ہر انسان کو وجدانی طور پر یقین دلا دیتا ہے کہ ایک پروردگارِ عالم ہستی موجود

اور وہ اُن تمام صفتوں سے متصف ہو جن کے بغیر نظامِ ربوبیت کا یہ کامل اور بے عیب کارخانہ وجود میں نہیں آسکتا تھا؟

وہ کہتا ہے، کیا انسان کا وجدان یہ باور کر سکتا ہے کہ نظامِ ربوبیت کا یہ پورا کارخانہ خود بخود وجود میں آجائے، اور کوئی زندگی، کوئی ارادہ، کوئی قدرت، کوئی حکمت، اس کے اندر کارفرما نہ ہو؟ کیا یہ ممکن ہے کہ اس کارخانۂ ہستی کی ہر چیز میں ایک بولتی ہوئی پروردگاری اور ایک اُبھری ہوئی کارسازی موجود ہو، مگر کوئی پروردگار، کوئی کارساز موجود نہ ہو؟ پھر کیا یہ محض ایک اندھی بہری فطرت، بے جان مادہ، اور بے حس الکٹرون[1] کے خواص ہیں جن سے پروردگاری و کارسازی کا یہ پورا کارخانہ ظہور میں آگیا ہو؟ اور زندگی اور ارادہ رکھنے والی کوئی ہستی موجود نہیں؟

پروردگاری موجود ہے، مگر کوئی پروردگار موجود نہیں! کارسازی موجود ہے، مگر کوئی کارساز موجود نہیں! رحمت موجود ہے، مگر کوئی رحیم موجود نہیں! حکمت موجود ہے، مگر کوئی حکیم موجود نہیں! سب کچھ موجود ہے، مگر کوئی موجود نہیں! عمل بغیر کسی عامل کے، نظم بغیر کسی ناظم کے، قیام بغیر کسی قیوم کے، عمارت بغیر کسی معمار کے، نقش بغیر کسی نقاش کے، سب کچھ بغیر کسی موجود کے! نہیں، انسان کی فطرت کبھی یہ باور نہیں کر سکتی۔ اُس کا وجدان پکارتا ہے کہ ایسا ہونا ممکن نہیں۔ اُس کی فطرت اپنی بناوٹ ہی میں ایک ایسا سانچہ لیکر آئی ہے جس میں یقین و ایمان ہی ڈھل سکتا ہے۔ شک و انکار کی اس میں سمائی نہیں ہو!

قرآن کہتا ہے، یہ بات انسان کے وجدانی اذعان کے خلاف ہو کہ وہ **نظامِ ربوبیت** کا مطالعہ کرے اور ایک ربّ العٰلمین ہستی کا یقین اُسکے اندر جاگ نہ اُٹھے۔ وہ کہتا ہے، ایک انسان غفلت کی سرشاری اور سرکشی کے ہیجان میں ہر چیز سے انکار کر دے سکتا ہے، لیکن اپنی فطرت سے انکار نہیں کر سکتا۔ وہ ہر چیز کے خلاف جنگ کر سکتا ہے، لیکن اپنی فطرت کے خلاف ہتھیار نہیں اٹھا سکتا۔ وہ جب اپنے چاروں طرف زندگی اور پروردگاری کا ایک عالمگیر کارخانہ پھیلا ہوا دیکھتا ہے تو اُسکی فطرت کی صدا کیا ہوتی ہے؟ اُسکے دل کے ایک ایک ریشے میں کونسا اعتقاد سمایا ہوتا ہے؟ کیا یہی نہیں ہوتا کہ ایک پروردگار ہستی موجود ہے، اور یہ سب کچھ اُسی کی کرشمہ سازیاں ہیں؟

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ قرآن کا اسلوبِ بیان یہ نہیں ہے کہ نظری مقدمات اور ذہنی مسلمات کی شکلیں ترتیب دے، اور پھر اُس پر بحث و تقریر کر کے مخاطب کو ردّ و تسلیم پر مجبور کرے۔ اُس کا تمام تر خطاب انسان کے فطری وجدان و ذوق سے ہوتا ہے۔ وہ کہتا ہے، خداپرستی کا جذبہ انسانی فطرت کا خمیر ہو۔ اگر

[1] Electrons مصر کے بعض مترجمین نے اسکے لیے کہرُبا کا لفظ اختیار کیا ہے۔

ایک انسان اس سے انکار کرنے لگتا ہے، تو یہ اسکی غفلت ہو، اور ضروری ہے کہ اُسے غفلت سے چونکا دینے کے لیے دلیلیں پیش کی جائیں۔ لیکن یہ دلیل ایسی نہیں ہونی چاہیے جو محض اُسکے ذہن و دماغ میں کاوش پیدا کر دے، بلکہ ایسی ہونی چاہیے جو اُسکے نہاں خانۂ دل پر دستک دیدے، اور اُسکا فطری وجدان بیدار کر دے۔ اگر اُس کا وجدان بیدار ہو گیا، تو پھر اثبات مدعا کے لیے بحث و تقریر کی ضرورت نہ ہوگی۔ خود اُس کا وجدان ہی اُسے مدعا تک پہنچا دے گا!

یہی وجہ ہے کہ قرآن خود انسان کی فطرت ہی سے انسان پر حجۃ لاتا ہے:

بَلِ الْإِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ۝ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ۝

(۷۵ : ۱۴)

بلکہ انسان کا وجود خود اُسکے خلاف (یعنی اُسکی کج اندیشیوں کے خلاف) حجت ہو، اگرچہ وہ (اپنے وجدان کے خلاف) کتنے ہی عذر بہانے تراش لیا کرے۔

اور اسی لیے وہ جا بجا فطرتِ انسانی کو مخاطب کرتا اور اُس کی گمراہیوں سے جواب طلب کرتا ہے:

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ

(۱۰ : ۳۲)

وہ کون ہے جو آسمان (میں پھیلے ہوئے کارخانۂ حیات) سے اور زمین (کی وسعت میں پیدا ہونے والے سامانِ رزق) سے تمہیں روزی بخش رہا ہو؟ وہ کون ہو جسکے قبضہ میں تمہارا سننا اور دیکھنا ہو؟ وہ کون ہے جو بے جان سے جاندار کو اور جاندار سے بے جان کو نکالتا ہو؟ اور پھر وہ کونسی ہستی ہو جو یہ تمام کارخانۂ خلقت اس نظم و نگرانی کے ساتھ چلا رہی ہو؟ (اے پیغمبر!) یقیناً وہ (بے اختیار) بول اُٹھیں گے، "اللہ!" (اسکے سوا کون ہو سکتا ہے)۔ اچھا تو تم ان سے کہو، جب تمہیں اس بات سے انکار نہیں، تو پھر یہ کیوں ہو کہ غفلت و سرکشی سے نہیں بچتے؟ ہاں یقیناً یہ اللہ ہی ہے جو تمہارا پروردگار برحق ہے، اور جب یہ حق ہوا تو حق کے ظہور کے بعد اُسے نہ ماننا گمراہی نہیں تو اور کیا ہو؟ (افسوس تمہاری سمجھ پر) تم (حقیقت سے منہ پھرا کے) کہاں جا رہے ہو؟

ایک دوسرے موقع پر فرمایا:

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا

وہ کون ہو جس نے آسمان اور زمین پیدا کئے اور جس نے آسمان سے تمہارے لیے پانی برسایا، پھر اس آب پاشی سے خوشنما باغ اگا دیئے، حالانکہ تمہارے بس کی یہ بات نہ تھی کہ ان باغوں کے درخت اگاتے؟ کیا ان کاموں کا

مَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُنْۢبِتُوا شَجَرَهَا ءَإِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَعْدِلُونَ ۝ أَمَّنْ جَعَلَ الْأَرْضَ قَرَارًا وَجَعَلَ خِلَالَهَا أَنْهَارًا وَجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ۗ ءَإِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ ۗ ءَإِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ ۚ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ۝ أَمَّنْ يَهْدِيكُمْ فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُرْسِلُ الرِّيَاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ ۗ ءَإِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ ۚ تَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝ أَمَّنْ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَمَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۗ ءَإِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ ۚ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝

(۲۷: ۶۱، ۶۲-۶۳-۶۴-۶۵)

کر سکو؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود بھی ہے؟ (افسوس ان لوگوں کی سمجھ پر! حقیقت حال کتنی ہی ظاہر ہو) مگر یہ وہ لوگ ہیں جن کا شیوہ ہی کج روی ہے! اچھا، بتلاؤ، وہ کون ہے جس نے زمین کو (زندگی و معیشت کا) ٹھکانا بنا دیا، اس کے درمیان نہریں جاری کر دیں، اس (کی درستگی) کے لیے پہاڑ بلند کر دیئے، اور دو دریاؤں میں (یعنی دریا اور سمندر میں ایسی) دیوار حائل کر دی (کہ دونوں اپنی اپنی جگہ میں محدود رہتے ہیں) کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا بھی ہے؟ (افسوس، کتنی واضح بات ہے) مگر ان لوگوں میں اکثر ایسے ہیں جو نہیں جانتے! اچھا، بتلاؤ، وہ کون ہے جو بیقرار دلوں کی پکار سنتا ہے جب وہ (ہر طرف سے مایوس ہو کر) اسے پکارتے ہیں اور ان کا دکھ درد ٹال دیتا ہے؟ اور وہ کون ہے کہ اس نے تمہیں زمین کا جانشین بنایا ہو؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا بھی ہے؟ (افسوس انسان کی غفلت پر!) بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ وہ عبرت و نصیحت حاصل کرے! اچھا، بتلاؤ، وہ کون ہے جو صحراؤں اور سمندروں کی تاریکیوں میں تمہاری رہنمائی کرتا ہے؟ اور وہ کون ہے جو باران رحمت سے پہلے خوشخبری دینے والی ہوائیں چلا دیتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا بھی معبود ہے؟ (ہرگز نہیں) اللہ کی ذات اس ساجھے سے پاک و منزہ ہے جو یہ لوگ اس کی معبودیت میں ٹھیرا رہے ہیں! اچھا بتلاؤ، وہ کون ہے جو مخلوقات کی پیدائش شروع کرتا ہے اور پھر اسے دہراتا ہے اور وہ کون ہے جو آسمان و زمین کے کارخانے سے رزق سے تمہیں روزی دے رہا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود بھی ہے؟ (اے پیغمبر!) ان سے کہہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو (اور انسانی عقل و بصیرت کی اس عالمگیر شہادت کے خلاف تمہارے پاس کوئی دلیل ہے) تو اپنی دلیل پیش کرو!

ان سوالات میں سے ہر سوال اپنی جگہ ایک مستقل دلیل ہے، کیونکہ ان میں سے ہر سوال کا صرف ایک ہی جواب ہو سکتا ہے اور وہ فطرت انسانی کا عالمگیر اور مسلّمہ اذعان ہے۔ ہمارے متکلمین کی نظر اس پہلو پر نہ تھی، اس لیے قرآن کا اسلوب استدلال ان پر واضح نہ ہو سکا اور وہ دور دراز گوشوں میں نکل گئے۔

بہرحال قرآن کے وہ بے شمار مقامات جن میں کائنات ہستی کے سر و سامان پرورش اور نظام ربوبیت کی

کارسازیوں کا ذکر کیا گیا ہے، وہ دراصل یہی استدلال پر مبنی ہیں:

فَلْيَنظُرِ الْإِنسَانُ إِلَىٰ طَعَامِهِ ۝ أَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ۝ ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا ۝ فَأَنبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ۝ وَعِنَبًا وَقَضْبًا ۝ وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا ۝ وَحَدَائِقَ غُلْبًا ۝ وَفَاكِهَةً وَأَبًّا ۝ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ ۝

(۸۰ : ۲۴ - ۳۲)

پھر ذرا انسان اپنی غذا پر نظر ڈالے (جو شب و روز اس کے استعمال میں آتی رہتی ہے) ہم پہلے زمین پر پانی برساتے ہیں، پھر اس کی سطح شق کر دیتے ہیں، پھر جو بیج اس میں ڈالا گیا تھا وہ نشوونما پا کر ابھرتا اور بار آور ہو جاتا ہے، پھر اس روئیدگی سے طرح طرح کی چیزیں پیدا کر دیتے ہیں: اناج کے دانے، انگور کی بیلیں، کھجور کے خوشے، سبز ترکاریاں، زیتون کا تیل، درختوں کے جھنڈ، قسم قسم کے میوے، طرح طرح کا چارہ، اور یہ سب کچھ کس لیے؟ تمہارے فائدہ کے لیے اور تمہارے (چارپایوں کے لیے)

ان آیات میں فَلْيَنظُرِ الْإِنسَانُ کے زور پر غور کرو۔ انسان کتنا ہی غافل ہو جائے اور کتنا ہی اعراض کرے، لیکن دلائلِ حقیقت کی وسعت اور ہمہ گیری کا یہ حال ہے کہ وہ کسی حال میں بھی اس سے اوجھل نہیں ہو سکتے۔ ایک انسان تمام دنیا کی طرف سے آنکھیں بند کر لے، لیکن بہرحال اپنی شب و روز کی غذا سے تو آنکھیں بند نہیں کر سکتا؟ جو غذا اس کے سامنے دھری ہے، اسی پر نظر ڈالے۔ یہ کیا ہے؟ گیہوں کا دانہ ہے؟ اچھا، گیہوں کا ایک دانہ اپنی ہتھیلی پر رکھ لو، اور اس کی پیدائش سے لیکر اس کی پختگی و تکمیل تک کے تمام احوال و ظروف پر غور کرو۔ کیا یہ حقیر سا ایک دانہ بھی وجود میں آ سکتا تھا اگر تمام کارخانۂ ہستی ایک خاص نظم و ترتیب کے ساتھ اس کی تکوین میں سرگرم نہ رہتا؟ اور اگر دنیا میں ایک ایسا نظامِ ربوبیت موجود ہے، تو کیا یہ ہو سکتا ہے کہ ایک ربوبیت رکھنے والی ہستی موجود نہ ہو؟

سورۂ نحل میں یہی استدلال ایک دوسرے پیرایہ میں کیا گیا ہے:

وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۖ نُّسْقِيكُم مِّمَّا فِي بُطُونِهِ مِن بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِّلشَّارِبِينَ ۝ وَمِن ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَالْأَعْنَابِ تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا وَرِزْقًا حَسَنًا ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝ وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنِ اتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ

اور (دیکھو) چارپائے (جنہیں تم پالتے ہو) ان میں بھی تمہارے لیے غور کرنے اور نتیجہ نکالنے کی بڑی ہی عبرت ہے۔ ان کے جسم سے ہم خون اور کثافت کے درمیان دودھ پیدا کر دیتے ہیں جو پینے والوں کے لیے بے غل و غش مشروب ہوتا ہے۔ اسی طرح نباتات کی بخشائشوں پر غور کرو، پھلوں میں کھجور اور انگور پیدا ہوتے ہیں جن سے نشہ کا عرق اور اچھی غذا دونوں طرح کی چیزیں حاصل کرتے ہو۔ بلاشبہ اس بات میں ارباب عقل کیلئے (ربوبیت الٰہی کی) بڑی ہی نشانی ہے۔ اور (پھر دیکھو) تمہارے پروردگار (ہی کی پروردگاری ہے کہ اس) نے شہد کی مکھی کو

بُيُوتًا وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُونَ ۝ ثُمَّ كُلِي مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ فَاسْلُكِي سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ۚ يَخْرُجُ مِن بُطُونِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ فِيهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝ (۱۶: ۶۸ - ۶۹)	طبیعت میں یہ بات ڈال دی کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور ان ٹٹیوں میں جو اس غرض سے بلند کر دی جاتی ہیں اپنے لیے گھر بنائے پھر ہر طرح کے پھولوں کے رس چوسے پھر اپنے پروردگار کے ٹھہرائے ہوئے طریقوں پر کامل فرمانبرداری کے ساتھ گامزن ہو۔ (چنانچہ تم دیکھتے ہو کہ) اُس کے شکم سے مختلف رنگتوں کا رس نکلتا ہے (جو تمہارے کھانے میں آتا ہے) اور جس میں انسان کے لیے شفا ہے۔ بلاشبہ اس بات میں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں (ربوبیت الٰہی کی عجائب آفرینیوں کی) بڑی ہی نشانی ہے!

جس طرح اُس نے جابجا خلقت سے استدلال کیا ہے یعنی دنیا میں ہر چیز مخلوق ہے، اس لیے ضروری ہے کہ خالق بھی ہو، اسی طرح وہ ربوبیت سے بھی استدلال کرتا ہے یعنی دنیا میں ہر چیز مربوب ہے اس لیے ضروری ہے کہ کوئی رب بھی ہو۔ اور دنیا میں ربوبیت کامل اور بے داغ ہے، اس لیے ضروری ہے کہ کامل اور بے عیب رب بھی موجود ہو۔

زیادہ واضح لفظوں میں اسے یوں ادا کیا جا سکتا ہے کہ ہم دیکھتے ہیں، دنیا میں ہر چیز ایسی ہے کہ اُسے پرورش کی احتیاج ہے، اور اُسے پرورش مل رہی ہے۔ پس ضروری ہے کہ کوئی پرورش کرنے والا بھی موجود ہو۔ یہ پرورش کرنے والا کون ہے؟ یقیناً وہ نہیں ہو سکتا جو خود پروردہ اور محتاج پروردگاری ہو۔ قرآن میں جہاں کہیں اس طرح کے مخاطبات ہیں جیسا کہ سورۂ واقعہ کی مندرجۂ ذیل آیت میں ہے، وہ اسی استدلال پر مبنی ہیں:

أَفَرَأَيْتُم مَّا تَحْرُثُونَ ۝ أَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ ۝ لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ ۝ إِنَّا لَمُغْرَمُونَ ۝	اچھا تم نے اس بات پر غور کیا کہ جو کچھ تم کاشتکاری کرتے ہو، اُسے تم اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اُسے چورا چورا کر دیں اور تم صرف یہ کہنے کے لیے رہ جاؤ کہ

؎ اس موقع پر یہ اصل پیش نظر رکھنی چاہیے کہ جس طرح کائنات خلقت کی ہر چیز نظر و اعتبار کے مختلف پہلو رکھتی ہے، اسی طرح قرآن کا استشہاد بھی بیک وقت مختلف پہلوؤں سے تعلق رکھتا ہے۔ البتہ خصوصیت کے ساتھ زور کسی ایک ہی پہلو کے لیے ہوتا ہے۔ مثلاً شہد کی پیدائش و پرورش کی سعی کے اعمال کے مختلف پہلو ہیں۔ یہ بات کہ ایک نہایت مفید اور لذیذ غذا پیدا ہو جاتی ہے، ربوبیت ہے۔ یہ بات کہ ایک حقیر سا جانور اس درستگی و وقت کے ساتھ یہ کام انجام دیتا ہے، اور اس کی بخشش کا عجیب و غریب نظم ہے، حکمت و قدرت کا پہلو رکھتا ہے۔ ان آیات کا سیاق و سباق متقاضی ہے کہ یہاں زیادہ تر توجہ ربوبیت پر دلائی گئی ہو، لیکن ساتھ ہی حکمت و قدرت کے پہلوؤں پر بھی روشنی پڑ رہی ہو۔ اسی طرح اکثر مقامات میں ربوبیت، رحمت، حکمت، اور قدرت کے مشترک مظاہر بیان کیے گئے ہیں، لیکن خصوصیت کے ساتھ زور کسی ایک ہی پہلو پر ہے۔

بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ۝ أَفَرَأَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ ۝ أَأَنتُمْ أَنزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ الْمُنزِلُونَ ۝ لَوْ نَشَاءُ جَعَلْنَاهُ أُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ ۝ أَفَرَأَيْتُمُ النَّارَ الَّتِي تُورُونَ ۝ أَأَنتُمْ أَنشَأْتُمْ شَجَرَتَهَا أَمْ نَحْنُ الْمُنشِئُونَ ۝ نَحْنُ جَعَلْنَاهَا تَذْكِرَةً وَمَتَاعًا لِّلْمُقْوِينَ ۝

(۵۶ : ۶۷ – ۷۳)

افسوس ہمیں اس نقصان کا تاوان دینا پڑے گا، اتنا ہی نہیں بلکہ ہم تو اپنی محنت کے سارے فائدوں سے محروم ہو گئے! اچھا، تم نے یہ بات بھی دیکھی کہ یہ جو پانی تمہارے پینے میں آتا ہے تو اسے کون برساتا ہے؟ تم برساتے ہو یا ہم برساتے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اسے سمندر کے پانی کی طرح تلخ کر دیں۔ پھر کیا اس نعمت کیلئے ضروری نہیں کہ تم شکر گزار ہو؟ اچھا، تم نے یہ بات بھی دیکھی کہ یہ آگ جو تم سلگاتے ہو تو اسکے لیے لکڑی بھی تم نے پیدا کی ہے یا ہم پیدا کر رہے ہیں؟

اسی طرح وہ نظامِ ربوبیت سے توحیدِ الٰہی پر استدلال کرتا ہے، جو ربّ العالمین تمام کائناتِ ہستی کی پرورش کر رہا ہے، اور جس کی ربوبیت کا اعتراف تمہارے دل کے ایک ایک ریشہ میں موجود ہے، اُسکے سوا کون اسکا مستحق ہو سکتا ہے کہ بندگی و نیاز کا سر اُسکے آگے جھکایا جائے؟:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۖ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَندَادًا وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

(۲ : ۲۱)

اے افرادِ نسلِ انسانی! اپنے پروردگار کی عبادت کرو، جس پروردگار کی جس نے تمہیں پیدا کیا، اور ان سب کو بھی پیدا کیا جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں، اور اسلئے پیدا کیا تاکہ تم برائیوں سے بچو۔ وہ پروردگارِ عالم جس نے تمہارے لئے زمین فرش کی طرح بچھا دی اور آسمان چھت کی طرح بنا دیا، اور جس کی پروردگاری آسمان سے پانی برساتی ہے اور طرح طرح کے پھل تمہاری غذا کیلئے پیدا ہو جاتے ہیں۔ پس جب خالقیت اسی کی خالقیت ہے اور ربوبیت اُسی کی ربوبیت ہے تو ایسا نہ کرو کہ کسی دوسری ہستی کو اسکا ہم پلّہ ٹھیرا لو، اور تم اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہو!

یا مثلاً سورۂ فاطر میں ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ ۚ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللَّهِ يَرْزُقُكُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۚ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ ۝

(۳۵ : ۳)

اے افرادِ نسلِ انسانی! اللہ نے جو جو نعمتیں تمہیں بخشی ہیں انہیں یاد کرو، کیا اللہ کے سوا کوئی دوسرا بھی خالق ہے جو تمہیں زمین اور آسمان کی بخششوں سے رزق دے رہا ہو؟ نہیں، کوئی معبود نہیں ہے مگر اُسی کی ایک ذات!

اسی طرح وہ نظام ربوبیت کے اعمال سے انسانی سعادت و شقاوت کے معنوی قوانین اور وحی و رسالت کی ضرورت پر بھی استدلال کرتا ہے۔ جس رب العالمین نے تمہاری پرورش کیلئے ربوبیت کا یہ نظام قائم کر رکھا ہے، کیا ممکن ہو کہ اس نے تمہاری روحانی نجات و سعادت کیلئے کوئی قانون، کوئی نظام، کوئی قاعدہ مقرر نہ کیا ہو؟ جس طرح تمہارے جسم کی ضرورتیں ہیں، اسی طرح تمہاری روح کی بھی ضرورتیں ہیں۔ پھر کیونکر ممکن ہے کہ جسم کی نشوونما کے لیے تو اسکے پاس سب کچھ ہو، لیکن روح کی نشوونما کے لیے اسکے پاس کوئی پروردگاری نہ ہو۔

اگر وہ رب العالمین ہے، اور اسکی ربوبیت کے فیضان کا یہ حال ہو کہ ہر ذرہ کے لیے سیرابی اور پرورش کے سارے کارساز رکھتی ہے، تو کیونکر باور کیا جا سکتا ہے کہ انسان کی روحانی سعادت کے لیے اسکے پاس کوئی سرو سامان نہ ہو؟ جس کی پروردگاری اجسام کی پرورش کیلئے آسمان سے پانی برسائے، لیکن ارواح کی پرورش کیلئے ایک قطرۂ فیض بھی نہ رکھے؟ تم دیکھتے ہو کہ جب زمین شادابی سے محروم ہو کر مردہ ہو جاتی ہے، تو یہ اسکا قانون ہے کہ بارانِ رحمت نمودار ہوتی ہے، اور زندگی کی برکتوں سے زمین کا ایک ایک ذرہ مالا مال ہو جاتا ہے۔ پھر کیا ضروری نہیں ہے کہ جب عالم انسانیت ہدایت و سعادت کی شادابیوں سے محروم ہو جائے، تو اسکی بارانِ رحمت نمودار ہو کر ایک ایک روح کو حیاتِ تازہ کا پیغام پہنچا دے؟ روحانی سعادت کی یہ بارش کیا ہے؟ وہ کہتا ہے، وحی الٰہی ہے۔ تم اس منظر پر کبھی متعجب نہیں ہوتے کہ پانی برسا اور مردہ زمین زندہ ہو گئی۔ پھر اس بات پر کیوں چونک اٹھو کہ وحی الٰہی ظاہر ہوئی اور مردہ روحوں میں زندگی کی جنبش پیدا ہو گئی؟

حٰمٓ ۝ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝ اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَاۗبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاۗءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ تِلْكَ

یہ اللہ کی طرف سے کتاب ہدایت نازل کی ہوئی ہے جو عزیز و حکیم ہے۔ جو لوگ ایمان رکھنے والے ہیں ان کے لیے آسمانوں اور زمین میں معرفت حق کی بے شمار نشانیاں ہیں۔ نیز تمہاری پیدائش میں اور ان چارپایوں میں جنہیں اس نے زمین میں پھیلا رکھا ہے ان لوگوں کے لیے بڑی ہی نشانیاں ہیں جو یقین رکھتے ہیں۔ اور رات اور دن کے یکے بعد دیگرے آتے رہنے میں، اور اس سرمایۂ رزق میں جو وہ آسمان سے برساتا ہے اور پھر زمین مرنے کے بعد جی اٹھتی ہے، اور ہواؤں کے ردو بدل میں، ارباب عقل کے لیے بڑی ہی نشانیاں ہیں۔ یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو ٹھیک ٹھیک

آیٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَیْكَ بِالْحَقِّ ۚ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰیٰتِهٖ یُؤْمِنُوْنَ (۴۵ : ۶)

تم پر نازل کی گئی ہیں، اور اللہ اور اس کی آیتوں کے بعد کونسی چیز رہ گئی ہے جسے سن کر یہ لوگ ایمان لائیں گے؟

سورۂ انعام میں اُن لوگوں کا جو وحی الٰہی کے نزول پر متعجب ہوتے ہیں، اِن لفظوں میں ذکر کیا ہے:

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖۤ اِذْ قَالُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ ۔ (۶ : ۹۱)

اور اللہ کے کاموں کی انہیں جو قدر شناسی کرنی تھی، یقیناً انہوں نے نہیں کی، جب انہوں نے یہ بات کہی کہ اللہ نے اپنے کسی بندے پر کوئی چیز نازل نہیں کی۔

پھر تورات اور قرآن کے نزول کے ذکر کے بعد حسب ذیل بیان شروع ہو جاتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ۖ یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَیِّتِ مِنَ الْحَیِّ ۚ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّیْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۚ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۗ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۔ الخ (۶ : ۹۵-۹۷)

یقیناً یہ اللہ ہی کی کارفرمائی ہے کہ وہ دانے اور گٹھلی کو شق کرتا ہے، اور اس سے ہر چیز کا درخت پیدا کر دیتا ہے، وہ زندہ کو مردہ چیز سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ اشیاء سے نکالنے والا ہے۔ ہاں وہی تمہارا خدا ہے، پھر تم اس سے روگردانی کر کے کدھر بہکے چلے جا رہے ہو؟ ہاں وہی ہے جو پردۂ شب چاک کر کے صبح کی روشنی نمودار کرنے والا ہے، وہی ہے جس نے رات کو راحت و سکون کا ذریعہ بنا دیا ہے اور وہی ہے کہ اس نے سورج اور چاند کی گردش ایک حساب کے ساتھ قائم کر دی ہے کہ حساب کا معیار بن گئی ہے۔ یہ اس عزیز و علیم کا ٹھہرایا ہوا اندازہ ہے، اور پھر دیکھو وہ کارفرمائے قدرت جس نے تمہارے لئے ستارے پیدا کر دیئے تاکہ خشکی اور تری کی تاریکیوں میں ان سے رہنمائی پاؤ۔ بلاشبہ ان لوگوں کیلئے جو جاننے والے ہیں ہم نے دلیلیں

یعنی جس پروردگار عالم کی ربوبیت و رحمت کا یہ تمام فیضان شب و روز دیکھ رہے ہو، کیا ممکن ہے کہ وہ تمہاری جسمانی پرورش ہدایت کیلئے تو یہ سب کچھ کرے، لیکن تمہاری روحانی پرورش و ہدایت کے لئے اسکے پاس کوئی سروسامان نہ ہو؟ وہ زمین کی موت کو زندگی سے بدل دیتا ہے۔ پھر کیا وہ تمہاری روح کی موت کو زندگی سے نہیں بدل دیگا؟ وہ ستاروں کی روشن علامتوں سے خشکی و تری کی ظلمتوں میں رہنمائی کرتا ہے۔ کیونکر ممکن ہے کہ تمہاری روحانی زندگی کی تاریکیوں میں رہنمائی کی کوئی روشنی نہ ہو؟ تم جو کبھی اس پر متعجب نہیں ہوتے کہ زمین پر کھیت لہلہا رہے ہیں، اور آسمان میں تارے چمک رہے ہیں،

کیوں اس بات پر متعجب ہوتے ہو کہ خدا کی وحی نوعِ انسانی کی ہدایت کے لئے نازل ہو رہی ہے؟ اگر تمہیں تعجب ہوتا ہے، تو یہ اس بات کا نتیجہ ہے کہ تم نے خدا کو اُسکی صفتوں میں اُس طرح نہیں دیکھا ہے، جسطرح دیکھنا چاہیئے۔ تمہاری سمجھ میں یہ بات تو آجاتی ہے کہ وہ ایک چیونٹی کی پرورش کیلئے یہ پورا کارخانۂ حیات سرگرم رکھے۔ مگر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ نوعِ انسانی کی ہدایت کے لئے سلسلۂ وحی و تنزیل قائم ہو!

اسی طرح وہ اعمالِ ربوبیت سے معاد اور آخرت پر بھی استدلال کرتا ہے۔ جو چیز جتنی زیادہ نگرانی اور اہتمام سے بنائی جاتی ہے، اتنی ہی زیادہ قیمتی استعمال اور اہم مقصد بھی رکھتی ہے، اور بہتر صنّاع وہی ہے جو اپنی صنعت گری کا بہتر استعمال اور مقصد رکھتا ہو۔ پس انسان جو کرۂ ارضی کی بہترین مخلوق اور اُسکے تمام سلسلۂ خلقت کا خلاصہ ہے، اور جسکی جسمانی و معنوی پرورش کیلئے فطرتِ کائنات اس قدر اہتمام کر رہی ہے کیونکر ممکن ہے کہ محض دنیا کی چند روزہ زندگی کے لیے ہی بنایا گیا ہو اور کوئی بہتر استعمال اور بلند تر مقصد نہ رکھتا ہو؟ اور پھر اگر خالقِ کائنات ربّ ہے، اور کامل درجہ کی ربوبیت رکھتا ہے، تو کیونکر یہ باور کیا جا سکتا ہے کہ اُس نے اپنے ایک بہترین محبوب یعنی پروردہ ہستی کو محض اسلئے بنایا ہو کہ مہمل اور بے نتیجہ چھوڑ دے؟

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا	کیا تم نے ایسا سمجھ رکھا ہو کہ ہم نے تمہیں بغیر کسی مقصد و نتیجہ کے پیدا کیا؟
وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ۔	اور تم ہماری طرف لوٹنے والے نہیں! اللہ جو اس کائنات کا حقیقی
فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ	حکمراں ہے اس سے بہت بلند ہے کہ ایک بیکار و عبث فعل کرے
لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ۔	کوئی معبود نہیں ہے مگر وہ جو جہانداری کے عرشِ بزرگ کا پروردگار ہے!

(۲۳ : ۱۱۵)

ہم نے یہ مطلب اُسی سادہ طریقہ پر بیان کر دیا جو قرآن کے بیان و خطاب کا طریقہ ہے۔ لیکن یہی مطلب علمی بحث و تقریر کے پیرایہ میں یوں بیان کیا جا سکتا ہو کہ وجودِ انسانی کرۂ ارضی کے سلسلۂ خلقت کی آخری اور اعلیٰ ترین کڑی ہے۔ اور اگر پیدائشِ حیات سے لیکر انسانی وجود کی تکمیل تک کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو یہ ایک ناقابلِ شمار مدت کے مسلسل نشوونما و ارتقا کی تاریخ ہوگی۔ گویا فطرت نے ہزاروں لاکھوں برس کی کارفرمائی و صنّاعی سے کرۂ ارضی کا جو اعلیٰ ترین نتیجہ تیار کیا ہے، وہ انسان ہے!

ماضی کے ایک نقطۂ بعید کا تصور کرو۔ جب ہمارا یہ کرہ سورج کے ملتہب کرہ سے الگ ہوا تھا۔ نہیں معلوم کتنی مدت اسکے ٹھنڈے اور معتدل ہونے میں گزر گئی اور یہ اس قابل ہوا کہ زندگی کے عناصر اس میں نشوونما پا سکیں۔ اسکے بعد وہ وقت آیا جب اسکی سطح پر نشوونما کی سب سے پہلی داغ بیل پڑی، اور نہیں

معلوم کتنی مدت کے بعد زندگی کا وہ اولین بیج وجود میں آسکا جسے پروٹو پلازم *PROTOPLASM* کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ پھر حیاتِ عضوی کے نشوونما کا دور شروع ہوا، اور نہیں معلوم کتنی مدت اس پر گزر گئی کہ اس دور نے بسیط سے مرکب تک اور ادنیٰ درجے سے اعلیٰ درجے تک ترقی کی منزلیں طے کیں یہاں تک کہ حیوانات کی ابتدائی کڑیاں ظہور میں آئیں، اور پھر لاکھوں برس اسی میں نکل گئے کہ یہ سلسلۂ ارتقا وجودِ انسانی تک مرتفع ہو۔ پھر انسان کے جسمانی ظہور کے بعد اسکے ذہنی ارتقا کا سلسلہ شروع ہوا اور ایک طول طویل مدت اس پر گزر گئی۔ بالآخر سیکڑوں ہزاروں برس کے اجتماعی اور ذہنی ارتقا کے بعد وہ انسان ظہور پذیر ہو سکا جو کرۂ ارضی کے تاریخی عہد کا متمدن اور عقیل و عاقل انسان ہے!

گویا زمین کی پیدائش سے لے کر ترقی یافتہ انسان کی تکمیل تک، جو کچھ گزر چکا ہے اور جو کچھ بنتا سنورتا رہا ہے، وہ تمام تر انسان کی پیدائش و تکمیل ہی کی سرگزشت ہے!

سوال یہ ہے کہ جس وجود کی پیدائش کیلئے فطرت نے اس درجہ اہتمام کیا ہے، کیا یہ سب کچھ صرف اس لیئے تھا کہ وہ پیدا ہو، کھائے پیئے اور مر کر فنا ہو جائے؟ فتعالى الله الملك الحق لا اله الا هو رب العرش الكريم!

قدرتی طور پر یہاں ایک دوسرا سوال بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر وجودِ حیوانی اپنے ماضی میں ہمیشہ یکے بعد دیگرے متغیر ہوتا اور ترقی کرتا رہا ہے تو مستقبل میں بھی یہ تغیر و ارتقا کیوں جاری نہ رہے؟ اگر اس بات میں بالکل تعجب نہیں ہوتا کہ ماضی میں بیشمار صورتیں مٹیں اور نئی زندگیاں ظہور میں آئیں، تو اس بات پر کیوں تعجب ہو کہ موجودہ زندگی کا مٹنا بھی بالکل مٹ جانا نہیں ہو، اس کے بعد بھی ایک اعلیٰ تر صورت اور زندگی ہے؟

أَيَحْسَبُ الْإِنسَانُ أَن يُتْرَكَ سُدًى ۝ أَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّن مَّنِيٍّ يُمْنَىٰ ۝ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوَّىٰ ۝

(٧٥ : ٣٦)

کیا انسان خیال کرتا ہے کہ وہ مہمل چھوڑ دیا جائے گا (اور اس زندگی کے بعد دوسری زندگی نہ ہوگی)؟ کیا اس پر یہ حالت نہیں گزر چکی ہے کہ پیدائش سے پہلے نطفہ تھا، پھر نطفے سے علقہ ہوا (یعنی جونک کی سی شکل ہو گئی) پھر علقے سے (اسکا ڈیل ڈول) پیدا کیا گیا، پھر درست (ڈیل ڈول) ٹھیک ٹھیک درست کیا گیا!

سورۂ ذاریات میں تمام تر دین یعنی جزا کا بیان ہے: إِنَّمَا تُوعَدُونَ لَصَادِقٌ ۝ وَإِنَّ الدِّينَ لَوَاقِعٌ ۝ اور پھر اس پر اعمالِ ربوبیت سے یعنی ہواؤں کے چلنے اور پانی برسنے کے موثرات سے استشہاد کیا گیا ہے: وَالذَّارِيَاتِ ذَرْوًا ۝ فَالْحَامِلَاتِ وِقْرًا ۝ فَالْجَارِيَاتِ يُسْرًا ۝ فَالْمُقَسِّمَاتِ أَمْرًا ۝ پھر آسمان اور زمین کی

بحث نشانیوں پر اور خود وجود انسانی کی اندرونی شہادتوں پر توجہ دلائی ہے: وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ۝ وَفِي أَنفُسِكُمْ ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ۝ وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ ۝ اسکے بعد فرمایا:

فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَا أَنَّكُمْ تَنطِقُونَ (۵۱ : ۲۳)

آسمان و زمین کے رب کی قسم! یعنی آسمان و زمین کے پروردگار کی پروردگاری شہادت دے رہی ہے کہ بلا شبہ یہ معاملہ (یعنی جزا و سزا کا معاملہ) حق ہے۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح یہ بات کہ تم گویائی رکھتے ہو۔

اس آیت میں اثبات جزا کیلئے خدا نے خود اپنے وجود کی قسم کھائی ہے، لیکن رب کے لفظ سے اپنے آپ کو تعبیر کیا ہے۔ عربی میں قسم کا مطلب یہ ہوتا ہو کہ کسی بات پر کسی بات سے شہادت لائی جائے پس مطلب یہ ہوا کہ پروردگار عالم کی پروردگاری شہادت دے رہی ہے کہ یہ بات حق ہے۔ یہ شہادت کیا ہے؟ وہی ربوبیت کی شہادت ہو۔ اگر دنیا میں پرورش موجود ہو، پروردہ موجود ہو، اور اسلئے پروردگار بھی موجود ہے۔ تو ممکن نہیں کہ جزا کا معاملہ بھی موجود نہ ہو۔ اور وہ بغیر کسی نتیجہ کے انسان کو چھوڑ دے۔ چونکہ لوگوں کی نظر اس حقیقت پر نہ تھی، اسلئے اس آیت میں قسم اور مقسم بہ کا ربط صحیح طور پر متعین نہ کر سکے۔

قرآن حکیم کے دلائل و براہین پر غور کرتے ہوئے یہ اصل ہمیشہ پیش نظر رکھنی چاہیئے کہ اس کے استدلال کا طریقہ منطقی بحث و تقریر کا طریقہ نہیں ہے جسکے لیے چند در چند مقدمات کی ضرورت ہوتی ہو اور پھر اثبات مدعا کی شکلیں ترتیب دینی پڑتی ہیں، بلکہ وہ ہمیشہ براہ راست تلقین کا قدرتی اور سیدھا سادا طریقہ اختیار کرتا ہے۔ عموماً اسکے دلائل اسکے اسلوب بیان و خطاب ہیں مضمر ہوتے ہیں۔ وہ یا تو کسی مطلب کیلئے اسلوب خطاب ایسا اختیار کرتا ہے کہ اسی سے استدلال کی روشنی نمودار ہوجاتی ہے، یا پھر کسی مطلب پر زور دیتے ہوئے کوئی ایک لفظ ایسا بول جاتا ہو کہ اسکی تعبیر ہی میں اسکی دلیل بھی موجود ہوتی ہے، اور خود بخود مخاطب کا ذہن دلیل کی طرف پھر جاتا ہے۔ چنانچہ اسکی ایک واضح مثال یہی صفت ربوبیت کا بار بار استعمال ہو۔ جب وہ خدا کی ہستی کا ذکر کرتا ہوا اُسے رب کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے، تو یہ بات کہ وہ رب ہو، جس طرح اسکی ایک صفت ظاہر کرتی ہے، اسی طرح اسکی دلیل بھی واضح کر دیتی ہے۔ وہ رب ہو اور یہ واقعہ ہے کہ اسکی ربوبیت تمھیں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے اور خود تمہارے دل کے اندر گھر بنائے ہوئے ہو۔ پھر کیونکر تم جرات کر سکتے ہو کہ اسکی ہستی سے انکار کرو؟ وہ رب ہو، اور رب کے سوا کون ہو سکتا ہے جو تمہاری بندگی و نیاز کا مستحق ہو؟

چنانچہ قرآن کے وہ تمام مقامات جہاں اس طرح کے مخاطبات ہیں کہ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ، إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ، ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ، إِنَّ

إِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ۔ قُلْ أَتُحَاجُّونَنَا فِي اللَّهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ وغیرہ۔ تو انہیں محض امر و خطاب ہی نہیں سمجھنا چاہیئے، بلکہ وہ خطاب و دلیل دونوں ہیں۔ کیونکہ رب کے لفظ نے ہر بار ان ربوبیت کی طرف خود بخود ذہن منتقل کر دیا ہو۔ افسوس ہے کہ قرآن کے عام مفسرین و مترجمین کی نظر اس حقیقت پر نہیں گئی، کیونکہ منطقی استدلال کے استغراق نے انہیں قرآن کے طریق استدلال سے بے پروا کر دیا تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ان مقامات کے ترجمہ و تفسیر میں قرآن کے اسلوب بیان کی حقیقی روح واضح نہ ہو سکی اور استدلال کا پہلو طرح طرح کی توجیہات میں گم ہو گیا۔

(۳) الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الرحمٰن اور الرحیم

"الرحمٰن" اور "الرحیم" دونوں رحم سے ہیں۔ عربی میں رحمت عواطف کی ایسی رقت نرمی کو کہتے ہیں جس سے کسی دوسری ہستی کے لیے احسان و شفقت کا اثر جوش میں آ جائے۔ پس رحمت میں محبت، شفقت، فضل، احسان، سب کا مفہوم داخل ہے۔ اور محبت، لطف اور فضل سے زیادہ وسیع اور حاوی ہے۔

گو یہ دونوں اسم رحمت سے ہیں، لیکن رحمت کے دو مختلف جلووں کو نمایاں کرتے ہیں۔ عربی میں فعلان کا وزن عموماً ایسے صفات کیلئے استعمال کیا جاتا ہے جو محض صفات عارضہ ہوتے ہیں فعل و ظہور کے لیے ضروری نہیں ہوتا۔ جیسے پیاسے کیلئے عطشان، غضبناک کیلئے غضبان، سرور کے نیچے حیوان مست کیلئے سکران۔ لیکن فعیل کے وزن میں صفات تو فرداً عموماً کا نتیجہ یعنی عموماً ایسی صفات کے لیے بولا جاتا ہے جو جذبات و عوارض ہونے کی جگہ صفات قائمہ ہوتے ہیں۔ اور اپنا فعل و ظہور بھی رکھتے ہیں۔ مثلاً کریم، کرم کرنے والا، عظیم، بڑائی رکھنے والا، علیم، علم رکھنے والا، حکیم، حکمت رکھنے والا۔ پس الرحمٰن کے معنی یہ ہوئے کہ وہ ذات جس میں رحمت ہے، اور الرحیم کے معنی یہ ہوئے کہ وہ ذات جس میں نہ صرف رحمت ہے بلکہ جس کی رحمت اپنا فعل و ظہور بھی رکھتی ہے اور تمام کائنات خلقت اس سے فیض یاب ہو رہی ہے۔

رحمت کو دو الگ الگ اسموں سے کیوں تعبیر کیا گیا؟ اسلئے کہ قرآن خدا کے تصور کا جو نقشہ ذہن نشین کرنا چاہتا ہے، اس میں سب سے زیادہ نمایاں اور چھائی ہوئی صفت رحمت ہی کی صفت ہے۔ بلکہ کہنا چاہیئے کہ تمام تر رحمت ہی ہے:

وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (۷: ۱۵۶) اور میری رحمت دنیا کی ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے!

پس ضروری تھا کہ خصوصیت کے ساتھ اُسکی صفتی اور فعلی دونوں حیثیتیں واضح کردی جائیں یعنی اُس میں رحمت ہو کیونکہ وہ الرحمٰن ہے۔ اور صرف اتنا ہی نہیں، بلکہ ہمیشہ اس سے رحمت کا ظہور بھی ہورہا ہے۔ کیونکہ الرحمٰن کے ساتھ وہ الرحیم بھی ہے!

رحمت

لیکن اللہ کی رحمت کیا ہے؟ قرآن کہتا ہے، کائنات ہستی میں جو کچھ بھی خوبی و کمال ہے وہ اسکے سوا کچھ نہیں ہے کہ رحمتِ الٰہی کی صفت و فعل کا ظہور ہے!

جب ہم کائنات ہستی کے اعمال و مظاہر پر غور کرتے ہیں تو سب سے پہلی حقیقت جو ہمارے سامنے نمایاں ہوتی ہے، وہ اُس کا نظامِ ربوبیت ہو کیونکہ فطرت سے ہماری پہلی شناسائی ربوبیت ہی کے ذریعہ ہوتی ہے۔ لیکن جب علم و ادراک کی راہ میں چند قدم آگے بڑھتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ ربوبیت سے بھی ایک زیادہ وسیع اور عام حقیقت تمام کائنات ہستی میں کارفرما ہے، اور خود ربوبیت بھی اسی کے فیضان کا ایک گوشہ ہے۔ ربوبیت اور اُس کا نظام کیا ہے؟ کائنات ہستی کی پرورش ہو، لیکن کائنات ہستی میں صرف پرورش ہی نہیں ہے، بلکہ پرورش سے بھی ایک زیادہ بنانے، سنوارنے، اور فائدہ پہنچانے کی حقیقت کام کررہی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اُسکی فطرت میں بناؤ ہے، اُسکے بناؤ میں خوبی ہو، اُسکے مزاج میں اعتدال ہو، اُسکے افعال میں خواص ہیں، اُسکی صورت میں حسن ہے، اسکی صداؤں میں نغمہ ہے، اُسکی بو میں عطر بیزی ہے اور اسکی کوئی بات نہیں جو اس کارخانہ کی تعمیر و درستگی کے لیے مفید نہ ہو۔ پس یہ حقیقت جو اپنے بناؤ اور فیضان میں ربوبیت سے بھی زیادہ وسیع اور عام ہے، قرآن کہتا ہے کہ رحمت ہو، اور خالق کائنات کی رحمانیت اور رحیمیت کا ظہور ہے!

زندگی اور حرکت کا یہ تمام کارخانہ وجود ہی میں نہ آتا، اگر اپنے ہر فعل میں بننے بنانے، سنورنے سنوارنے، اور ہر طرح بہتر و اصلح ہونے کا خاصہ نہ رکھتا۔ فطرت کائنات میں یہ خاصہ کیوں ہے؟ اسلیے کہ بناؤ ہو بگاڑ نہ ہو۔ درستگی ہو، برہمی نہ ہو۔ لیکن کیوں ایسا ہوا کہ فطرت بنائے اور سنوارے، بگاڑے اور اُلجھائے نہیں؟ یہ کیا ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے، درست اور بہتر ہی ہوتا ہو۔ خراب اور بدتر نہیں ہوتا؟ انسان کے علم و دانش کی کاوشیں آجتک یہ عقدہ حل نہ کرسکیں۔ فلسفہ و نظر کا قدم جب کبھی اس حد تک پہنچا، وہم بحیرت ہو کر رہ گیا، لیکن قرآن کہتا ہو، یہ اسلیے ہو کہ فطرت کائنات میں رحمت ہو، اور رحمت کا مقتضی یہی ہے کہ خوبی اور درستگی ہو، بگاڑ اور خرابی نہ ہو!

انسان کے علم و دانش کی کاوشیں بتلاتی ہیں کہ کائنات ہستی کا یہ بناؤ اور سنوار عناصر ترکیبی کی

ترکیب اور ترکیب کے اعتدال و تسویہ کا نتیجہ ہے۔ مادۂ عالم کی کمیت میں بھی اعتدال ہے اور کیفیت میں بھی اعتدال ہے۔ یہی اعتدال ہے جس سے سب کچھ بنتا ہے، اور جو کچھ بنتا ہو خوبی اور کمال کے ساتھ بنتا ہے۔ یہی اعتدال و تناسب، دنیا کے تمام تعمیری اور ایجابی حقائق کی اصل ہو۔ وجود، زندگی، تندرستی، حُسن، خوشبو، نغمہ، بناؤ اور خوبی کے بہت سے نام ہیں مگر حقیقت ایک ہی ہے، اور وہ اعتدال ہو۔

لیکن فطرت کائنات میں یہ اعتدال و تناسب کیوں ہے؟ کیوں ایسا ہوا کہ عناصر کے دقائق جب ملیں تو اعتدال و تناسب کے ساتھ ملیں، اور مادّہ کا خاصہ یہی ٹھیرا کہ اعتدال و تناسب ہو، انحراف او تعارضہ نہ ہو؟ انسان کا علم دم بخود اور متحیر ہے، لیکن قرآن کہتا ہے، یہ اسلیئے ہوا کہ خالق کائنات میں رحمت ہو، اور اسلیئے کہ اسکی رحمت اپنا ظہور بھی رکھتی ہے، اور جبکہ وہ رحمت ہو، اور اسکی رحمت ظہور بھی رکھتی ہو تو جو کچھ اُس سے صادر ہوگا، اُس میں خوبی و بہتری ہی ہوگی، حُسن و جمال ہی ہوگا، اعتدال و تناسب ہی ہوگا۔ اس کے خلاف کچھ نہیں ہو سکتا!

فلسفہ ہمیں بتلاتا ہو کہ تعمیر اور تحسین فطرت کا خاصہ ہو۔ خاصۂ تعمیر چاہتا ہے کہ بنے اور ہو، خاصۂ تحسین یہ چاہتا ہے کہ جو کچھ بنے خوبی و کمال کے ساتھ بنے، اور یہ دونوں خاصے "قانون ضرورت" کا نتیجہ ہیں۔ کائنات ہستی کے ظہور و تکمیل کیلئے ضرورت تھی کہ تعمیر ہو، اور ضرورت تھی کہ جو کچھ تعمیر ہو حُسن و خوبی کے ساتھ تعمیر ہو۔ یہی "ضرورت" بجائے خود ایک علّت ہو گئی، اور اسلیئے فطرت سے جو کچھ بھی ظہور میں آتا ہے، ویسا ہی ہوتا ہے، جیسا ہونا ضروری تھا۔

لیکن اس تعلیل سے بھی تو یہ عقدہ حل نہیں ہوا؟ سوال جس منزل میں تھا، اُس سے صرف ایک منزل اور آگے بڑھ گیا۔ تم کہتے ہو یہ جو کچھ ہو رہا ہے، اسلیئے ہو کہ "ضرورت" کا قانون موجود ہے۔ لیکن سوال یہ کہ "ضرورت" کا قانون کیوں موجود ہے؟ کیوں یہ ضروری ہوا کہ جو کچھ ظہور میں آئے "ضرورت" کے مطابق ہو، اور "ضرورت" اسی بات کی مقتضی ہوئی کہ خوبی اور درستگی ہو، بگاڑ اور برہمی نہ ہو؟ انسانی علم کی کاوشیں اس کا کوئی جواب نہیں دے سکتیں۔ ایک مشہور فلسفی کے لفظوں میں "جس جگہ سے یہ کیوں شروع ہو جائے سمجھ جاؤ کہ فلسفہ کے غور و خوض کی سرحد ختم ہو گئی"۔ لیکن قرآن اسی سوال کا جواب دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے یہ "ضرورت" رحمت و فضل کی "ضرورت" ہو۔ رحمت چاہتی ہے کہ جو کچھ ظہور میں آئے بہتر ہو اور نافع ہو، اور اس لیئے جو کچھ ظہور میں آتا ہو بہتر ہوتا ہے اور نافع ہوتا ہے!

پھر یہ حقیقت بھی واضح ہے کہ دنیا میں زندگی اور بقا کے لیئے جن چیزوں کی ضرورت ہو، جمال و زیبائی اُن سے ایک زائد تر فیضان ہے، اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ جمال و زیبائش موجود ہے۔ پس یہ نہیں کہا جا سکتا کہ

یہ سب کچھ قانونِ ضرورت ہی کا نتیجہ ہے۔ ضرورت، زندگی اور بقا کا سروسامان چاہتی ہے، لیکن زندہ اور باقی رہنے کیلئے جمال و زیبائش کی ضرورت کیا ہو؟ اگر جمال و زیبائش بھی یہاں موجود ہے تو یقیناً یہ فطرت کا ایک مزید لطف و احسان ہو، اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فطرت صرف زندگی ہی نہیں بخشتی بلکہ زندگی کو حسین و لطیف بھی بنانا چاہتی ہے۔ پس یہ محض زندگی کی ضرورت کا قانون نہیں ہو سکتا۔ یہ اس "ضرورت" سے بھی کوئی بالاتر "ضرورت" ہو جو چاہتی ہے کہ رحمت اور فیضان ہو۔ قرآن کہتا ہے، یہ رحمت کی "ضرورت" ہو، اور رحمت کا مقتضٰی یہی ہو کہ وہ سب کچھ ظہور میں آئے جو رحمت سے ظہور میں آنا چاہیے:

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قُلْ لِّلّٰهِ ۭ كَتَبَ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۭ (۶: ۱۲)

آسمان و زمین میں جو کچھ ہے، وہ کس کیلئے ہے؟ (کہہ دو) اللہ کیلئے ہے جس نے اپنے لئے ضروری ٹھیرا لیا ہے کہ رحمت ہو۔

وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ ۭ (۷: ۱۵۵)

اور میری رحمت دنیا کی ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہو!

افادہ و فیضانِ فطرت

اس سلسلہ میں سب سے پہلی حقیقت جو ہمارے سامنے نمایاں ہوتی ہے، وہ کائناتِ ہستی اور اس کی تمام اشیا کا افادہ و فیضان ہے۔ یعنی ہم دیکھتے ہیں کہ فطرت کے تمام کاموں میں، کامل نظم و یکسانیت کے ساتھ، مفید اور کارآمد ہونے کی خاصیت پائی جاتی ہے، اور اگر بحیثیت مجموعی دیکھا جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے، گویا یہ تمام کارگاہِ عالم صرف اسی لئے بنا ہے کہ ہمیں فائدہ پہنچائے، اور ہماری حاجت روائیوں کا ذریعہ ہو:

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ۭ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ (۴۵: ۱۳)

اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے، وہ سب اللہ نے تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے (یعنی ان کی قوتیں اور تاثیریں اس طرح تمہارے تصرف میں دے دی گئی ہیں کہ جس طرح چاہو کام لے سکتے ہو) بلاشبہ ان لوگوں کیلئے جو غور و فکر کرتے ہیں اس آیت میں (معرفتِ حق کی) بڑی ہی نشانیاں ہیں![1]

[1] اس آیت میں اور اس کی تمام ہم معنی آیات میں "تسخیر" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، یعنی تمام چیزیں تمہارے لئے مسخر کر دی گئی ہیں۔ عربی میں تسخیر ٹھیک ٹھیک اسی معنی میں بولا جاتا ہے، جس معنی میں ہم اردو میں بولتے ہیں۔ یعنی کسی چیز کا مقہور و مغلوب اس طرح ہو جانا کہ جس طرح چاہیں اس سے کام لیں۔ غور کرو انسان کی عظمت و سربلندی کے اظہار کے لئے اس سے زیادہ بلند اور موزوں تعبیر اور کیا ہو سکتی تھی؟ قرآن کے نزول سے پہلے تمام اقوامِ عالم [illegible] آسمان و زمین میں جو کچھ ہے سب اس لئے ہے کہ انسان کے آگے مسخر ہو کر رہے [illegible] زیادہ بلند نصب العین اور کیا ہو سکتا ہے!

پھر غور کرو "تسخیر" کا لفظ انسانی عقل کی [illegible]

البتہ [illegible]

اپنے اپنے وجود سے ہمیں فائدہ پہنچاتے ہیں۔ غذا کے لیے اُن کا دودھ اور گوشت، سواری کے لیے اُنکی پیٹھ، حفاظت کے لیے ان کی پاسبانی، پہننے کے لیے اُن کی کھال اور اُون، برتنے کے لیے اُن کے جسم کی ہڈیاں تک مفید ہیں:

وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ۝ وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ ۝ وَتَحْمِلُ أَثْقَالَكُمْ إِلَىٰ بَلَدٍ لَّمْ تَكُونُوا بَالِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنفُسِ إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝ وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً ۝ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝

(۱۶: ۵)

اور (دیکھو) یہ اُسی کی کارسازی ہے کہ طرح طرح کے چارپائے پیدا کردیے۔ اِن میں تمہارے لیے بے شمار فوائد ہیں۔ انہی سے یہ کہ اُن کی کھال اور اُون میں جاڑے کا سامان ہوا، گوشت میں غذا کا۔ اور پھر دیکھو، جب اُنکے غول شام کو چر کر واپس آتے ہیں، اور جب چراگاہوں کیلئے نکلتے ہیں، تو اُنکے منظر میں کیسی خوشنمائی اور رونق ہوتی ہے؟ اور انہی میں وہ جانور بھی ہیں جو تمہارا بوجھ اٹھا کر (دور دراز) شہروں تک پہنچا دیتے ہیں جہاں تم بغیر سخت مشقت کے نہیں پہنچ سکتے تھے۔ بلاشبہ تمہارا پروردگار بڑی ہی شفقت رکھنے والا اور صاحبِ رحمت ہو۔ اور (دیکھو) گھوڑے، خچر گدھے پیدا کیے گئے تاکہ تم اُن سے سواری کا کام لو اور خوشنمائی کا بھی موجب ہوں۔ اور (دیکھو) وہ اسی طرح (طرح طرح کی چیزیں) پیدا کرتا ہے جن کا تمہیں علم نہیں۔

وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۝ نُسْقِيكُم مِّمَّا فِي بُطُونِهِ مِن بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِّلشَّارِبِينَ ۝

(۱۶: ۶۶)

اور (دیکھو) چارپایوں کے وجود میں تمہارے لیے فہم و بصیرت کی بڑی ہی عبرت ہے۔ انہی جانوروں کے جسم سے ہم خون اور کثافتوں کے درمیان پاک و صاف دودھ پیدا کردیتے ہیں جو پینے والوں کے لیے بے خلل خوش مشروب ہوتا ہے۔

وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُم مِّن بُيُوتِكُمْ سَكَنًا وَجَعَلَ لَكُم مِّن جُلُودِ الْأَنْعَامِ بُيُوتًا تَسْتَخِفُّونَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ إِقَامَتِكُمْ وَمِنْ أَصْوَافِهَا وَأَوْبَارِهَا وَأَشْعَارِهَا أَثَاثًا وَمَتَاعًا إِلَىٰ حِينٍ ۝ (۱۶: ۸۰)

اور (دیکھو) اللہ نے تمہارے گھروں کو تمہارے لیے سکونت کی جگہ بنایا، اور (جو لوگ شہروں میں نہیں بستے انکے لیے) ایسا سامان کردیا کہ چارپایوں کی کھال کے خیمے بنا دیئے۔ سفر اور اقامت دونوں حالتوں میں انہیں ہلکا پاتے ہو۔ اسی طرح جانوروں کی اُون، رُوئیں اور بالوں سے طرح طرح کی چیزیں پیدا کردیں، جن سے ایک خاص وقت تک تمہیں فائدہ پہنچتا ہے۔

ایک انسان کتنی ہی محدود اور غیر متمدن زندگی رکھتا ہو، لیکن اِس حقیقت سے بے خبر نہیں ہوسکتا کہ اُس کا گرد و پیش اُسے فائدہ پہنچا رہا ہو۔ ایک گڈریا بھی اپنے جھونپڑے میں بیٹھا ہوا نظر اٹھاتا ہے تو گو

اپنے احساس کیلئے بہتر تعبیر نہ پائے، لیکن یہ حقیقت ضرور محسوس کر لیتا ہو۔ وہ جب بیمار ہوتا ہے تو جنگل کی جڑی بوٹیاں کھا لیتا ہو، دھوپ تیز ہوتی ہے تو درختوں کے سایہ میں بیٹھ جاتا ہے، بیکار ہوتا ہے تو پتوں کی سرسبزی اور پھولوں کی خوشنمائی سے آنکھیں سینکتا ہے۔ پھر یہی درخت ہیں جو اپنی شادابی میں اُسے پھل بخشتے ہیں، جنگل میں لکڑی کے تختے بن جاتے ہیں، اور انگیٹھی میں آگ کے شعلے بھڑکا دیتے ہیں! ایک مخلوق نباتی ہے جو اپنے منظر سے نزہت و سرور بخشتا ہے، اپنی بُو سے ہوا کو معطر کرتا ہو، اپنے پھل میں طرح طرح کی غذائیں رکھتا ہے، اپنی لکڑی سے سامانِ تعمیر مہیا کرتا ہے، اور پھر خشک ہو جاتا ہے تو اسکے جلانے سے آگ بھڑکتی، چولھے گرم کرتی، موسم کو معتدل بناتی، اور اپنی حرارت سے بیشمار اشیاء کے پکنے، پگھلنے اور بننے کا ذریعہ بنتی ہے!

الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنتُم مِّنْهُ تُوقِدُونَ ۝ (۳۶ : ۸۰)

(اور دیکھو) وہ کارفرمائے قدرت جس نے سرسبز درخت سے تمہارے لئے آگ پیدا کر دی۔ اب تم اسی سے (اپنے چولھوں کی) آگ سلگا لیتے ہو!

اور پھر یہ وہ فوائد ہیں، جو ہمیں اپنی جگہ محسوس ہو رہے ہیں، لیکن کون کہہ سکتا ہو کہ فطرت نے یہ تمام چیزیں کن کن کاموں اور کن کن مصلحتوں کیلئے پیدا کی ہیں؟ اور کارفرمائے عالم کارگاہِ ہستی کے بنانے اور سنوارنے کیلئے ان سے کیا کیا کام نہیں لے رہا ہو؟

وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ (۷۴ : ۳۱)

اور تمہارے پروردگار نے کارزارِ ہستی کی کارفرمائیوں کیلئے جو فوجیں رکھتا ہو اُن کا حال اُسکے سوا کون جانتا ہے؟

پھر یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ فطرت نے کائناتِ ہستی کے اِفادہ و فیضان کا نظام کچھ اس طرح بنایا ہو کہ وہ بیک وقت، ہر مخلوق کو یکساں طور پر نفع پہنچاتا اور ہر مخلوق کی رعایت یکساں طور پر ملحوظ رکھتا ہے۔ اگر ایک انسان اپنے عالی شان محل میں بیٹھکر محسوس کرتا ہو کہ تمام کارخانۂ ہستی صرف اُسی کی کاربراریوں کیلئے بنا ہو، تو ٹھیک اُسی طرح ایک چیونٹی بھی اپنے بِل میں کہہ سکتی ہے کہ فطرت کی ساری کارفرمائیاں صرف اُسی کی کاربراریوں کے لئے ہیں، اور کون ہے جو اُسے جھٹلانے کی جرأت کر سکتا ہو؟ کیا یہ حقیقت سورج اسلئے نہیں ہو کہ اُسکے لئے حرارت بہم پہنچائے؟ کیا بارش اسلئے نہیں ہو کہ اُسکے لئے رطوبت مہیا کرے؟ کیا ہوا اسلئے نہیں ہو کہ اُسکی ناک تک شکر کی بو پہنچا دے؟ کیا زمین اسلئے نہیں ہو کہ موسم اور ضروریات کے مطابق، اُسکے لئے مقام و منزل بنے؟ دراصل فطرت کی بخششوں کا قانون کچھ ایسا عام اور ہمہ گیر واقع ہوا ہے کہ وہ ایک ہی وقت میں، ایک ہی طریقے سے، ایک ہی نظام کے ماتحت ہر مخلوق کی

نگہداشت کرتا، اور ہر مخلوق کو یکساں طور پر فائدہ اٹھانے کا موقع دیتا ہو۔ جس کو ہر وجود اپنی جگہ محسوس کر سکتا ہے کہ یہ پورا کارخانۂ عالم صرف اسی کی کام جوئیوں اور آسائشوں کیلئے سرگرم کار ہے!

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ (۶: ۳۸)

اور زمین کے تمام جانور (چرند) اور (پرند) یا زندگی اڑنے والے پرندے، وہ بھی تمہاری ہی طرح جماعتیں ہیں (اور پروردگار عالم نے انہیں اسی طرح زندگی و معیشت کا سروسامان عطا کیا جس طرح تمہیں دیا ہے)

البتہ یہ حقیقت فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ دنیا عالم کون و فساد ہے۔ یہاں ہر بننے کے ساتھ بگڑنا ہے، اور ہر سمٹنے کے ساتھ بکھرنا۔ لیکن جس طرح سنگ تراش کا توڑنا پھوڑنا بھی اسلئے ہوتا ہے، تاکہ خوبی و دلآویزی کا ایک پیکر تیار کر دے، اسی طرح کائنات عالم کا تمام بگاڑ بھی اس لیے ہے، تاکہ بناؤ اور خوبی کا فیضان ظہور میں آئے۔ تم ایک عمارت بناتے ہو، لیکن اس "بنانے" کا مطلب کیا ہوتا ہے؟ کیا یہی نہیں ہوتا کہ بہت سی بنی ہوئی چیزیں بگڑ گئیں؟ چٹانیں اگر نہ کاٹی جاتیں، پتھر اگر نہ سنگائے جاتے، درختوں پر آرہ اگر نہ چلتا، تو ظاہر ہے، عمارت کا بناؤ بھی ظہور میں نہ آتا۔ پھر یہ راحت و سکون جو تمہیں ایک عمارت کی سکونت سے حاصل ہوتا ہے، کس صورت حال کا نتیجہ ہے؟ یقیناً اسی شور و شر اور ہنگامۂ تخریب کا، جو سروسامان تعمیر کی جد و جہد نے عرصہ تک جاری رکھا تھا۔ اگر تعمیر کا یہ شور و شر نہ ہوتا، تو عمارت کا عیش و سکون بھی وجود میں نہ آتا۔ پس یہی حال فطرت کی تعمیری سرگرمیوں کا بھی سمجھو۔ وہ عمارت ہستی کا ایک ایک گوشہ تعمیر کرتی رہتی ہے، وہ اس کارخانہ کا ایک ایک کیل پرزہ ڈھالتی رہتی ہے، وہ اسکی درستگی و خوبی کی حفاظت کیلئے ہر نقصان کا دفعیہ اور ہر فساد کا ازالہ چاہتی ہے۔ تعمیر و درستگی کی یہی سرگرمیاں ہیں جو تمہیں بعض اوقات تخریب و نقصان کی ہولناکیاں دکھائی دیتی ہیں۔ حالانکہ یہاں تخریب کب ہے؟ جو کچھ ہے، تعمیر ہی تعمیر ہے۔ سمندر میں تلاطم، دریا میں طغیانی، پہاڑوں میں آتش افشانی، جاڑوں میں برف باری، گرمیوں میں سموم، بارش میں ہنگامۂ ابر و باد؛ تمہارے لیے خوش آیند مناظر نہیں سمجھے، لیکن تم نہیں جانتے کہ ان میں سے ہر حادثہ کائنات ہستی کی تعمیر و درستگی کے لیے اتنا ہی ضروری ہے جس قدر تمہاری نگاہ میں دنیا کی کوئی مفید سے مفید چیز ہو سکتی ہے۔ اگر سمندر میں طوفان نہ اٹھتے، تو میدانوں کو زندگی و شادابی کیلئے ایک قطرہ بارش میسر نہ آتا۔ اگر بادل کی گرج اور بجلی کی کڑک نہ ہوتی تو باران رحمت کا فیضان بھی نہ ہوتا۔ اگر آتش فشاں پہاڑوں کی چمنیاں نہ پھٹتیں، تو زمین کے اندر کا کھولتا ہوا مادہ کرہ کی سطح پارہ پارہ کر دیتا۔ تم بول اٹھو گے، یہ مادہ پیدا ہی کیوں کیا گیا؟ لیکن تمہیں جاننا چاہیئے کہ اگر یہ مادہ نہ ہوتا تو زمین کی قوت نشو و نما کا ایک ضروری عنصر مفقود ہو جاتا۔ یہی حقیقت ہے جس کی

طرف قرآن نے جابجا اشارات کیے ہیں۔ مثلاً سورۂ روم میں ہے:

وَمِنْ اٰیٰتِهٖ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّیُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَیُحْیٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝ (۳۰ : ۲۳)

اور دیکھو، اسکی (قدرت و حکمت کی) نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ بجلی کی چمک اور کڑک نمودار ہوتی ہے، اور اس سے تم پر خوف اور امید دونوں کی حالتیں طاری ہو جاتی ہیں، پھر دیکھا ہے کہ وہ آسمان سے پانی برسا دیتا ہے اور پانی کی تاثیر سے زمین مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھتی ہے۔ بلاشبہ اس صورت حال میں ان لوگوں کیلئے جو عقل و بینش رکھتے ہیں حکمتِ الٰہی کی بڑی ہی نشانیاں ہیں!

جمالِ فطرت! لیکن فطرت کے افادہ و فیضان کی سب سے بڑی بخشائش اسکا عالمگیر حسن و جمال ہے۔ فطرت صرف بناتی اور سنوارتی ہی نہیں، بلکہ اس طرح بناتی سنوارتی ہے کہ اسکے ہر بناؤ میں حسن و زیبائی کا جلوہ اور اسکے ہر ظہور میں نظر افروزی و روح پروری کی نمود پیدا ہو گئی ہے۔ کائناتِ ہستی کو اسکی مجموعی حیثیت میں دیکھو، یا اسکے ایک ایک گوشۂ خلقت پر نظر ڈالو، اسکا کوئی رُخ نہیں جس پر حسنِ رعنائی نے ایک نقاب زیبائش نہ ڈال دی ہو۔ ستاروں کا نظام اور انکی سیر و گردش، سورج کی روشنی اور اسکی بوقلمونی، چاند کی گردش اور اسکا اُتار چڑھاؤ، فضاءِ آسمانی کی وسعت اور اسکی نیرنگیاں، بارش کا سماں اور اسکے تغیرات کا منظر اور دریاؤں کی روانی، پہاڑوں کی بلندیاں اور وادیوں کا نشیب، حیوانات کے اجسام اور ان کا تنوع نباتات کی صورت آرائیاں اور باغ و چمن کی رعنائیاں، پھولوں کی عطر بیزی اور پرندوں کی نغمہ سنجی، صبح کا چہرۂ خنداں اور شام کا جلوۂ محجوب؛ غرضکہ تمام تماشاگاہِ ہستی حسن کی نمائش اور نظر افروزی کی جلوہ گاہ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے، گویا اس پردۂ ہستی کے پیچھے حسن افروزی و جلوہ آرائی کی ایک قوت کام کر رہی ہے جو چاہتی ہے کہ جو کچھ بھی ظہور میں آئے، حسن و زیبائش کے ساتھ ظہور میں آئے، اور کارخانۂ ہستی کا ہر گوشہ نگاہ کے لیے نشاط، سامعہ کیلئے سرور، اور روح کیلئے راحت و سکون کا سامان بن جائے!

دراصل کائناتِ ہستی کا مایۂ خمیر ہی حسن و زیبائی ہے۔ فطرت نے جس طرح اسکے بناؤ کے لیے مادی عناصر پیدا کیے، اسی طرح اسکی خوبروئی و رعنائی کے لیے معنوی عناصر کا بھی رنگ روغن آراستہ کر دیا۔ روشنی رنگ، خوشبو، اور نغمہ؛ حسن و رعنائی کے وہ عناصر ہیں جن سے مشاطۂ فطرت چہرۂ وجود کی آرائش کر رہی ہے:

صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍ ؕ (۲۷ : ۹۰)

یہ اللہ کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز کو خوبی اور درستگی کے ساتھ بنایا ہے۔

ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝ الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ (۳۲ : ۷)

یہ اللہ ہے۔ محسوسات اور غیر محسوسات سب کا جاننے والا، طاقت والا، رحمت والا، جس نے جو چیز بنائی حسن خوبی کے ساتھ بنائی!

بلاشبہ کاروبارِ فطرت کے بعض مظاہر ایسے بھی ہیں جن میں تمہیں حسن و خوبی کی کوئی گیرائی محسوس نہیں ہوتی۔ تم کہتے ہو: قمری و بلبل کی نغمہ سنجیوں کے ساتھ زاغ و زغن کا شور و غوغا کیوں ہے؟ لیکن تم بھول جاتے ہو کہ ارغنونِ ہستی کا نغمہ کسی ایک آہنگ ہی سے نہیں بنا ہے، اور نہ بننا چاہیے تھا۔ جس طرح تمہارے آلاتِ موسیقی کے پردوں میں زیر و بم کے تمام آہنگ موجود ہوتے ہیں، اسی طرح سازِ فطرت کے تاروں میں بھی اُتار چڑھاؤ کے تمام آہنگ موجود ہیں۔ اس میں ہلکے سے ہلکے سُر بھی ہیں، جن سے باریک اور سُریلی صدائیں نکلتی ہیں، موٹے سے موٹے سُر بھی ہیں جو بلند سے بلند اور بھاری سے بھاری صدائیں پیدا کرتے ہیں۔ ان تمام سُروں کے ملنے سے جو کیفیت پیدا ہوتی ہے، وہی موسیقی کی حلاوت ہے کیونکہ دنیا کی تمام چیزوں کی طرح موسیقی کی حقیقت بھی مختلف اجزاء کے امتزاج و تالیف سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی ایک ہی سُر سے نغمہ کی حلاوت پیدا ہو جائے۔ اگر تم بین یا ستار اُٹھا کر صرف اُسکے چڑھاؤ کا کوئی ایک پردہ چھیڑ دو گے، یا پیانو کی بھاری کنجیوں میں سے کوئی ایک کنجی ہی بجانے لگو گے تو یہ نغمہ نہ ہوگا، بھاں بھاں کی ایک کرخت آواز ہوگی۔ یہی حال موسیقیٔ فطرت کے زیر و بم کا بھی ہے۔ تمہیں کوّے کی کائیں کائیں اور چیل کی چیخ میں کوئی دلکشی محسوس نہیں ہوتی، لیکن موسیقیٔ فطرت کی تالیف کیلئے جس طرح قمری و بلبل کا ہلکا سُر ضروری تھا، اسی طرح زاغ و زغن کا بھاری اور کرخت سُر بھی ناگزیر تھا۔ بلبل و قمری کو اس سرگم کا اُتار سمجھو، اور زاغ و زغن کو چڑھاؤ:

براہل ذوق درِ فیض در نمی بندد
نوائے بلبل اگر نیست صوتِ زاغ شنو!

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ ۚ وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۗ إِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا (۱۷ : ۴۵)

ساتوں آسمان اور زمین، اور جو کوئی بھی ان میں ہے، سب اپنی بناوٹ کی خوبی اور صنعت کے کمال میں اللہ کی بڑائی اور پاکی کا زبانِ حال سے اعتراف کر رہے ہیں، اور اتنا ہی نہیں بلکہ کائنات خلقت میں کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جو زبانِ حال سے اس کی تسبیح و تحمید کر رہی ہو، مگر افسوس کہ تم (اپنے جہل و غفلت سے) اس ترانۂ تسبیح کے لئے فہم و دانش نہیں رکھتے!

آؤ، چند لمحوں کیلئے پھر ان سوالات پر غور کرلیں جو پہلے گزر چکے ہیں۔ فطرت کا تناسب کی تمام حسن خیز رعنائیاں اور جلوہ آرائیاں کیوں ہیں؟ یہ کیوں ہے کہ فطرت حسین ہے، اور جو کچھ اس سے ظہور میں آتا ہے وہ حسن و جمال ہی ہوتا ہے؟ کیا یہ ممکن نہ تھا کہ کارخانۂ ہستی ہوتا، لیکن رنگ کی نظر فروزیاں، بو کی عطر بیزیاں، نغمہ کی جاں نوازیاں نہ ہوتیں؟ کیا ایسا نہیں ہو سکتا تھا کہ سب کچھ ہوتا لیکن سبزۂ گل کی رعنائیاں اور قمری و بلبل کی نغمہ سنجیاں نہ ہوتیں! یقیناً دنیا اپنے بننے کیلئے اس کی محتاج نہ تھی کہ تتلی کے پروں میں عجیب و غریب نقش و نگار ہوں اور رنگ برنگ کے دلفریب پرندے درختوں کی شاخوں پر چہچہاتے ہوں؟ ایسا بھی ہو سکتا تھا کہ درخت ہوتے مگر قامت کی بلندی، پھیلاؤ کی موزونیت، شاخوں کی ترتیب، پتوں کی سبزی، پھولوں کی رنگا رنگی نہ ہوتی! پھر یہ کیوں ہے کہ تمام حیوانات اپنی اپنی حالت اور گردوپیش کے مطابق، ڈیل ڈول کی موزونیت اور اعضا کا تناسب رکھتی ہیں اور کوئی وجود نہیں جو اپنی شکل و منظر میں ایک خاص طرح کا معتدل پیمانہ نہ رکھتا ہو!

انسانی علم و فلسفہ کی کاوشیں آج تک یہ عقدہ حل نہ کرسکیں کہ یہاں تعمیر کے ساتھ تحسین کیوں ہے؟ مگر قرآن کہتا ہے، یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ خالق کائنات الرحمٰن الرحیم ہے یعنی اس میں رحمت ہے اور اس کی رحمت اپنا ظہور و عمل بھی رکھتی ہے۔ رحمت کا مقتضا یہی تھا کہ بخشش ہو، فیضان ہو، جود و احسان ہو، پس اس نے ایک طرف تو ہمیں زندگی اور زندگی کے تمام احساسات و عواطف بخش دیئے جو خوشنمائی اور رعنائی میں امتیاز کرتے اور خوبی و جمال سے کیف و سرور حاصل کرتے ہیں، دوسری طرف کارگاہ ہستی کو اپنی حسن آرائیوں اور جمال فرمائیوں سے اس طرح آراستہ کر دیا کہ اس کا ہر گوشہ نگاہ کے لیے سرور، سامعہ کے لیے شیرینی، اور روح کے لیے سرمایۂ عیش و نشاط بن گیا!

فَتَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ بس کیا ہی بابرکت ذات ہے جو کہ بنانے والوں میں سب سے زیادہ خوب ہے

(۲۳: ۱۴) حزن کے ساتھ جینے کا:

ہم زندگی کی مادی اور خود ساختہ آسائشوں میں اس درجہ منہمک ہو گئے ہیں کہ ہمیں قدرت کی عنایتوں پر غور کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا، اور بسا اوقات تو ہم ان کی قدر و قیمت کے اعتراف سے بھی انکار کر دیتے ہیں، لیکن اگر چند لمحوں کیلئے اپنے آپ کو اس غفلت سے بیدار کرلیں تو ہمیں معلوم ہو جائے کہ کائنات ہستی کا حسن و جمال فطرت کی ایک عظیم اور بے پایاں بخشش ہے، اور اگر یہ نہ ہوتی یا ہم میں اس کا احساس نہ ہوتا، تو زندگی زندگی نہ ہوتی، نہیں معلوم کیا چیز ہو جاتی۔ ممکن ہے، موت کی پامالیوں کا ایک تسلسل ہوتا!

چاندنی اپنی ساری حسن افروزیوں کے ساتھ ہمیشہ نکھرتی ہے، اسلیئے تم کھڑکیاں بند کرکے سو جاتے ہو، لیکن جب یہی شب و روز کے جلوہ ہائے فطرت، تمہاری نظروں سے روپوش ہو جاتے ہیں، یا تم میں انکے نظارہ و سماع کی استعداد باقی نہیں رہتی، تو غور کرو، اُس وقت تمہارے احساسات کا کیا حال ہوتا ہے؟ کیا تم محسوس نہیں کرتے کہ ان میں سے ہر چیز زندگی کی ایک بے بہا برکت اور معیشت کی ایک عظیم الشان نعمت تھی؟ سرد ملکوں کے باشندوں سے پوچھو، جہاں سال کا بڑا حصہ ابر آلود گزرتا ہے، کیا سورج کی کرنوں سے بڑھکر بھی زندگی کی کوئی مسرت ہو سکتی ہے؟ ایک بیمار سے پوچھو جو نقل و حرکت سے محروم بستر مرض پر پڑا ہو، وہ بتلائے گا کہ آسمان کی صاف اور نیلگوں فضا کا ایک نظارہ، راحت و سکون کی کتنی بڑی دولت ہے؟ ایک اندھا جو پیدائشی اندھا نہ تھا، تمہیں بتلا سکتا ہے کہ سورج کی روشنی اور باغ و چمن کی بہار دیکھے بغیر زندگی بسر کرنا کیسی ناقابل برداشت مصیبت ہے؟ تم بسا اوقات زندگی کی مصنوعی آسائشوں کیلئے ترستے ہو، اور خیال کرتے ہو کہ زندگی کی سب سے بڑی نعمت چاندی سونے کا ڈھیر اور جاہ و حشم کی نمائش ہے، لیکن تم بھول جاتے ہو کہ زندگی کی حقیقی مسرتوں کا جو خوان سامان فطرت نے ہر مخلوق کے لیئے پیدا کر رکھا ہے، اُس سے بڑھکر دنیا کی دولت و حشمت کونسا سامان نشاط مہیا کر سکتی ہے، اور اگر ایک انسان کو وہ سب کچھ میسر ہو، تو پھر اُسکے بعد کیا باقی رہ جاتا ہے؟ جس دنیا میں سورج ہر روز چمکتا ہو، جس دنیا میں صبح ہر روز مسکراتی اور شام ہر روز پردۂ شب میں چھپ جاتی ہو، جس کی راتیں آسمان کی قندیلوں سے مزین، اور جس کی چاندنی حسن افروزیوں سے جہاں تاب ہوتی ہو، جس کی بہار سبزہ و گل سے لدی ہوئی، اور جس کی فصلیں لہلہاتے کھیتوں سے گرانبار ہوں! جس دنیا میں روشنی اپنی چمک، رنگت اپنی بوقلمونی، خوشبو اپنی عطر بیزی، اور موسیقی اپنا نغمہ و آہنگ رکھتی ہو، کیا اُس دنیا کا کوئی باشندہ آسائش حیات سے محروم اور نعمت معیشت سے مفلس ہو سکتا ہے؟ کیا کسی آنکھ کیلئے جو دیکھ سکتی ہو اور کسی دماغ کے لیئے جو محسوس کر سکتا ہو، ایسی دنیا میں نامرادی و بدبختی کا گلہ جائز ہے؟ قرآن نے جابجا انسان کو اُسکے اسی کفران نعمت پر توجہ دلائی ہے:

وَآتَاكُم مِّن كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ ۚ — اور اُس نے تمہیں وہ تمام چیزیں دیدیں جو تمہیں مطلوب تھیں،

وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا — اور اگر اللہ کی نعمتیں شمار کرنی چاہو تو وہ اتنی ہیں کہ کبھی شمار نہیں کر سکو گے۔

إِنَّ الْإِنسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ (۱۴: ۳۴) — بلاشبہ انسان بڑا ہی ناانصاف اور ناشکرا ہے!

جمال معنوی

پھر فطرت کی بخشایش جمال کے اس گوشہ پر بھی نظر ڈالو، کہ اُسنے جس طرح جسم و صورت کو حسن و زیبائی بخشی ہے، اُسی طرح اسکی معنویت کو بھی جمال معنوی سے آراستہ کر دیا ہے۔ جسم و صورت کا جمال یہ ہے کہ ہر وجود کے ڈیل ڈول اور اعضاء و جوارح میں تناسب ہے۔ معنویت کا جمال یہ ہے کہ ہر چیز کی کیفیت اور باقی

قویٰ میں اعتدال ہے۔ اسی کیفیت کے اعتدال سے خواص اور فوائد پیدا ہوتے ہیں، اور یہی اعتدال ہے جس نے حیوانات میں ادراک و حواس کی قوتیں پیدا کر دیں، اور پھر انسان کے دماغ میں چمکر جوہرِ عقل و فکر کا چراغ روشن کر دیا!

وَاللّٰهُ أَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُوْنِ أُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ (۱۶ : ۸۰)

اور دیکھو! یہ اللہ ہی کی کارفرمائی ہے کہ تم اپنی ماؤں کے شکم سے پیدا ہوتے ہو اور کسی طرح کی سمجھ بوجھ تم میں نہیں ہوتی، لیکن اُس نے تمہارے لیے دیکھنے سننے کے حواس بنا دیئے اور سوچنے سمجھنے کیلئے عقل دیدی کہ اُسکی اس نعمت کے شکرگزار ہو۔

کائناتِ ہستی کے اسرار و غوامض بے شمار ہیں، لیکن روحِ حیوانی کا جوہرِ ادراک، زندگی کا سب سے زیادہ لاینحل عقدہ ہے۔ حیوانات میں کیڑے مکوڑے تک، ہر طرح کا احساس و ادراک رکھتے ہیں، اور انسانی دماغ کے نہاں خانہ میں عقل و تفکر کا چراغ روشن ہو۔ یہ قوتِ احساس، یہ قوتِ ادراک، یہ قوتِ عقل، کیونکر پیدا ہوئی؟ مادی عناصر کی ترکیب و امتزاج سے ایک ماورائے مادہ جوہر کس طرح ظہور میں آگیا؟ چیونٹی کو دیکھو، اُسکے دماغ کا حجم سوئی کی نوک سے شاید ہی کچھ زیادہ ہوگا۔ لیکن مادہ کے اس حقیر ترین عصبی ذرّہ میں بھی احساس و ادراک، محنت و استقلال، ترتیب و تناسب، نظم و ضبط، اور صنعت و اختراع کی ساری قوتیں مخفی ہوتی ہیں، اور وہ اپنے اعمالِ حیات کی کرشمہ سازیوں سے ہم پر رعب اور حیرت کا عالم طاری کر دیتی ہے۔ شہد کی مکھی کی کارفرمائیاں ہر روز ہماری نظروں سے گزرتی رہتی ہیں۔ یہ کون ہے جس نے ایک چھوٹی سی مکھی میں تعمیر و تحسین کی ایسی منتظم قوت پیدا کر دی ہے؟ قرآن کہتا ہے، یہ اسلیے ہوا کہ رحمت کو مقتضا جمال تھا، اور ضروری تھا کہ جس طرح اُس نے جمالِ صوری سے دنیا آراستہ کر دی ہے، اسی طرح جمالِ معنوی کی بخششوں سے بھی اُسے مالا مال کر دیتی!

ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝ الَّذِيْ أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّاءٍ مَّهِيْنٍ ۝ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۝ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝ (۳۲ : ۵)

یہ محسوسات اور غیر محسوسات کا جاننے والا عزیز و رحیم ہے جس نے ہر چیز جو بنائی حسن و خوبی کے ساتھ بنائی چنانچہ یہ اسی کی قدرت و حکمت ہے کہ انسان کی پیدائش مٹی سے شروع کی پھر اُسکے توالد و تناسل کا سلسلہ خون کے خلاصہ سے جو پانی کا ایک حقیر سا قطرہ ہوتا ہے قائم کر دیا۔ پھر اسکی تمام قوتوں کی درستگی کی اور اپنی روح میں سے کچھ اس میں پھونک دی اور دیکھو اسکے لیے سننے اور دیکھنے اور فکر کی قوتیں پیدا کر دیں (لیکن) تم میں انسان کا حال یہ ہے کہ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ وہ (اللہ کی) شکرگزاری کرے۔

اگر اُسے ایک ہزار برس یا پچاس ہزار برس تصور کرو، تو ایسے دنوں سے جو مہینے اور برس بنیں گے اُنکی مقدار کتنی ہوگی!

وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ○ (۲۲ : ۴٦)

اور بلاشبہ تمہارے پروردگار کے حساب میں ایک دن کی مدت اتنی ہوتی ہے جیسے تمہارے حساب کا ایک ہزار برس!

فطرت کا یہی تدریجی طرزِ عمل ہے جسے قرآن نے "تکویر" سے بھی تعبیر کیا ہے یعنی لپیٹنے سے۔ وہ کہتا ہے، بجائے اسکے کہ اچانک دن کی روشنی نکل آتی اور ناگہاں رات کی اندھیری اُبل پڑتی، فطرت نے رات اور دن کے ظہور کو اس طرح تدریجی بنا دیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے، رات آہستہ آہستہ دن پر لپٹتی جاتی ہے اور دن درجہ بدرجہ، رات پر لپٹتا آتا ہے:

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۗ (۳۹ : ۵)

اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حکمت و مصلحت کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ اُسنے رات اور دن کے بعد دیگرے آتے رہنے کا ایسا انتظام کر دیا کہ رات دن پر لپٹتی جاتی ہے اور دن رات پر لپٹتا آتا ہے۔ اور یہ اسلیے ہوا کہ سورج اور چاند دونوں کو اسکی قدرت نے (ایک خاص انتظام کے ماتحت) مسخر کر رکھا ہے۔ سب (اپنی اپنی جگہ) اپنے مقررہ وقت تک کے لیے حرکت میں ہیں!

قرآن اس تدریجی رفتارِ عمل کو فائدہ اُٹھانے کا موقع دینے، ڈھیل دینے، عفو و درگزر کرنے اور ایک خاص مدت تک فرصتِ حیات بخشنے سے تعبیر کرتا ہے، اور کہتا ہے، یہ اسلیے ہے کہ کائناتِ ہستی میں فضل و رحمت کی مشیت کام کر رہی ہے اور وہ چاہتی ہے کہ ہر غلطی کو درستگی کے لیے، ہر نقصان کو تلافی کے لیے، ہر لغزش کو سنبھل جانیکے لیے زیادہ سے زیادہ اور بار بار مہلت اصلاح مل سکتی ہے، اُس کا دروازہ بند نہ ہو۔

وہ کہتا ہے، اگر تدریج و امہال کی یہ فرصتیں اور بخششیں نہ ہوتیں تو دنیا میں ایک وجود بھی فرصتِ حیات سے فائدہ نہ اُٹھا سکتا۔ ہر غلطی، ہر کمزوری، ہر نقصان، ہر فساد، اچانک بیک دفعہ بربادی و ہلاکت کا باعث ہو جاتا:

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ

اور انسان جو کچھ اپنے اعمال سے کماتی کرتا ہے، اگر اللہ اُس پر فوراً مواخذہ کرتا، تو یقین کرو، زمین کی سطح پر ایک جاندار بھی باقی نہ رہتا۔ لیکن (یہ اسکی رحمت ہے کہ) اُس نے ایک مقررہ وقت تک فرصتِ حیات دے رکھی ہے۔ البتہ جب وہ مقررہ وقت آ جائیگا تو پھر یاد رہے کہ اللہ اپنے بندوں کے اعمال

كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ۝ (۳۵ : ۴۵)

بے خبر نہیں ہے، اسکی آنکھیں ہر حالت اور ہر حال میں سب کچھ دیکھ رہی ہیں!

قدرتی طور پر یہ ڈھیل اچھائی اور برائی دونوں کیلئے ہے۔ اچھائی کے لیے اسلیے تاکہ اور زیادہ نشوونما پائے۔ برائی کیلئے اسلیے، تاکہ متنبہ اور خبردار ہوکر اصلاح و تلافی کا سامان کرلے:

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ۝ (۱۷ : ۲۱)

ان لوگوں کو بھی اور ان لوگوں کو بھی (یعنی اچھوں کو بھی اور بروں کو بھی) سب کو تمہارے پروردگار کی بخشش میں سے حصہ مل رہا ہے، اور تمہارے پروردگار کی بخشش کسی پر بند نہیں:

اگر قوانین فطرت کی ان مہلت بخشیوں سے فائدہ اٹھاکر نقصان و فساد کی اصلاح کرلی جائے مثلاً تم نے بدپرہیزی کی تھی، اُسے ترک کردو۔ گیہوں کھانے کی جگہ مٹی پھانکنے لگتے تھے۔ اس سے باز آجاؤ تو پھر اُسی فطرت کا یہی قانون ہے کہ اصلاح و تلافی کی ہر کوشش قبول کرلیتی ہے، اور نقصان و فساد کے جو نتائج نشوونما پانے لگے تھے، ان کا مزید نشوونما فوراً رک جاتا ہے۔ اتنا ہی نہیں، بلکہ اگر اصلاح بروقت اور ٹھیک ٹھیک کی گئی ہے، تو پچھلے مضر اثرات بھی اس طرح محو ہوجائینگے گویا کوئی خرابی پیش ہی نہیں آئی تھی۔ لیکن اگر فطرت کی تمام مہلت بخشیاں رائگاں گئیں۔ اُسکا بار بار اور درجہ بدرجہ انذار بھی کوئی تنبیہ پیدا نہ کرسکا۔ تو پھر بلاشبہ وہ آخری حد نمودار ہوجاتی ہے، جہاں پہنچکر فطرت کا آخری فیصلہ صادر ہوجاتا ہے۔ اور پھر جب اُسکا فیصلہ صادر ہوجائے تو نہ تو اُس میں چشم زدن کی تاخیر ہوسکتی ہے، نہ کسی حال میں بھی تزلزل اور تبدیلی:

فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝ (۱۶ : ۶۱)

پھر جب ان کا مقررہ وقت آگیا، تو اُس سے نہ تو ایک گھڑی پیچھے رہ سکتے ہیں، اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں (یعنی نہ تو اُسکے نفاذ میں تاخیر ہوسکتی ہے نہ تقدیم۔ ٹھیک ٹھیک اپنے وقت پر اُسے ہوجانا ہے)

تسکینِ حیات

یا مثلاً ہم دیکھتے ہیں، انسان کی معیشت، قیام و بقاء کی جدوجہد اور کشاکش کا نام ہے، اس لیے قدرتی طور پر اُسکا ہر گوشہ طرح طرح کی محنتوں اور کاوشوں سے گھرا ہوا ہے، اور بہ حیثیت مجموعی زندگی اضطراری ذمہ داریوں کا بوجھ اور مسلسل مشقتوں کی آزمائش ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ۝ (۹۰ : ۴)

بلاشبہ ہم نے انسان کو اس طرح بنایا ہے کہ اسکی زندگی مشقتوں سے گھری ہوئی ہے!

لیکن باایں ہمہ فطرت نے کارخانۂ معیشت کا ڈھنگ کچھ اس طرح بنادیا ہے، اور طبیعتوں میں کچھ اس طرح کی خواہشیں، ولولے، اور انفعالات ودیعت کردیئے ہیں کہ زندگی کے ہر گوشہ میں ایک عجیب

طرح کی وابستگی، مشغولیت، انہماک، اور سرگرمی پیدا ہو گئی ہے، اور یہی زندگی کا انہماک اور سرگرمی ہے جس کی وجہ سے ہر ذی حیات نہ صرف زندگی کی مشقتیں برداشت کرتا ہے، بلکہ انہی مشقتوں میں زندگی کی بڑی سے بڑی لذت و راحت محسوس کرتا ہے۔ یہ مشقتیں جس قدر زیادہ ہوتی ہیں، اتنی ہی زیادہ زندگی کی دلچسپی اور محبوبیت بھی بڑھ جاتی ہے۔ اگر ایک انسان کی زندگی ان مشقتوں سے خالی ہو جائے، تو وہ محسوس کرے گا کہ زندگی کی ساری لذتوں سے محروم ہو گیا ہے اور اب زندہ رہنا اُس کے لیے ناقابلِ برداشت بوجھ ہے!

پھر دیکھو، کارسازِ فطرت کی یہ کیسی کرشمہ سازی ہے کہ حالات متفاوت ہیں، طبائع متنوع ہیں، اشغال مختلف ہیں، اغراض متضاد ہیں، لیکن معیشت کی وابستگی اور سرگرمی سب کے لیے یکساں ہے، اور سب ایک ہی طرح اپنی مشغولیتوں کے لیے جوش و طلب رکھتے ہیں۔ مرد و عورت، طفل و جوان، امیر و فقیر، عالم و جاہل، قوی و ضعیف، تندرست و بیمار، مجرد و متاہل، عالم و مرشد، سب اپنی اپنی حالتوں میں منہمک ہیں، اور کوئی نہیں جس کے لیے زندگی کی کاوشوں میں محویت نہ ہو۔ امیر اپنے محل کے عیش و نشاط میں اور فقیر اپنی بے سروسامانیوں کی فاقہ مستی میں زندگی بسر کرتا ہے، لیکن دونوں کے لیے زندگی کی مشغولیتوں میں دلبستگی ہوتی ہے اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کون زیادہ مشغول ہے۔ ایک تاجر جس انہماک کے ساتھ اپنی لاکھوں کروڑوں روپیوں کی آمدنی کا حساب کرتا ہے، اسی طرح ایک مزدور بھی اپنی دن بھر کی محنت کے چند پیسے گن لیا کرتا ہے، اور دونوں کے لیے یکساں طور پر زندگی محبوب ہوتی ہے۔ ایک حکیم کو دیکھو جو اپنے علم و دانش کی کاوشوں میں غرق ہے، اور ایک دہقان کو دیکھو جو دوپہر کی دھوپ میں برہنہ سر ہل جوت رہا ہے، اور پھر بتلاؤ، کس کیلئے زندگی کی مشغولیتوں میں زیادہ دلبستگی ہے؟

پھر دیکھو، بچہ کی پیدائش ماں کے لیے کیسی جانکاہی مصیبت ہوتی ہے؟ اور اُسکی پرورش و نگرانی کس طرح خود فراموشانہ مشقتوں کا ایک طول و طویل سلسلہ ہے؟ لیکن یہ سارا معاملہ کچھ ایسی خواہشوں اور جذبوں کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا ہے کہ ہر عورت میں ماں بننے کی قدرتی طلب ہو، اور ہر ماں پرورشِ اولاد کے لیے مجنونانہ خود فراموشی رکھتی ہے۔ وہ زندگی کا سب سے بڑا دکھ سہیگی، اور پھر اُسی دکھ میں زندگی کی سب سے بڑی مسرت محسوس کرے گی! وہ جب اپنی معیشت کی ساری آسائشیں اور راحتیں قربان کر دیتی ہے، اور اپنی رگوں کے خون کا ایک ایک قطرہ دودھ بنا کر پلا دیتی ہے، تو اُسکے دل کا ایک ایک ریشہ زندگی کے سب سے بڑے احساسِ مسرت سے معمور ہو جاتا ہے!

پھر کاروبارِ فطرت کے یہ تصرفات دیکھو کہ کس طرح نوعِ انسانی کے منتشر افراد، اجتماعی زندگی کے

بند حصوں سے باہم کر مربوط کر دیئے گئے ہیں؟ اور کس طرح صلۂ رحمی کے رشتے نے ہر فرد کو سینکڑوں ہزاروں افراد کے ساتھ جوڑ رکھا ہے!

فرض کرو، زندگی و معیشت اِن تمام موثرات سے خالی ہوتی؟ لیکن قرآن کہتا ہے کہ یہ ممکن نہیں ہوسکتی تھی، اس لیئے کہ فطرتِ کائنات میں رحمت کارفرما ہے، اور رحمت کا مقتضا یہی تھا کہ معیشت کی ہر صورت کو خوشگوار بنا دے، اور زندگی کے لیئے تسکین و راحت کا سامان پیدا کر دے۔ یہ رحمت کی کرشمہ سازیاں ہیں جنہوں نے رنج میں راحت، الم میں لذت اور سختیوں میں دلپسندی کی کیفیت پیدا کر دی ہے!

چنانچہ قرآن نے تسکینِ حیات کے مختلف پہلوؤں پر جابجا توجہ دلائی ہے۔ از انجملہ کائنات خلقت کے مناظر و اشیاء کا اختلاف و تنوع ہے۔ حیوانی طبیعت کا خاصہ ہے کہ یکسانی سے اکتاتی ہے اور تبدیلی و تنوع میں خوشگواری و کیفیت محسوس کرتی ہے۔ پس اگر کائناتِ عالم محض یکسانی و یکرنگی ہی ہوتی، تو یہ دلچسپی اور خوشگواری پیدا نہ ہوسکتی جو اس کے ہر گوشے میں نظر آرہی ہے۔ اوقات کا اختلاف، موسموں کا اختلاف، خشکی و تری کا اختلاف، مناظرِ طبیعت اور اشیاءِ خلقت کا اختلاف! جہاں بیشمار مصلحتیں اور فوائد رکھتا ہے، وہاں ایک بڑی مصلحت دنیا کی زیب و زینت اور معیشت کی تسکین و راحت بھی ہے:

گلہائے رنگ رنگ سے ہے زینتِ چمن
اے ذوق اس جہاں میں ہے زیب اختلاف سے!

چنانچہ اسی سلسلہ میں وہ رات اور دن کے اختلاف کا ذکر کرتا ہے، اور کہتا ہے، اگر غور کرو تو اس اختلاف میں حکمتِ الٰہی کی کتنی ہی نشانیاں پوشیدہ ہیں۔ یہ بات کہ شب و روز کی آمد و شد کی مختلف حالتیں ٹھہرا دی گئی ہیں، اور وقت کی نوعیت ہر معین مقدار کے بعد بدلتی رہتی ہے، زندگی کیلیئے بڑی ہی تسکین و دلبستگی کا ذریعہ ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا، اور وقت ہمیشہ ایک ہی حالت پر برقرار رہتا تو دنیا میں زندہ رہنا دشوار ہو جاتا۔ اگر تم قطبین کے اطراف میں جاؤ جہاں روز و شب کا اختلاف اپنی نمود نہیں رکھتا، تو تمہیں معلوم ہو جائے کہ یہ اختلافِ گزرانِ حیات کے لیئے کیسی عظیم الشان نعمت ہے:

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ (۳ : ۱۸۷)	بلاشبہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے اختلاف میں ارباب دانش کے لیئے حکمت الٰہی کی بڑی ہی نشانیاں ہیں!

رات اور دن کے اختلاف نے معیشت کو دو مختلف حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ دن کی روشنی جد و جہد کی

سرگرمی پیدا کرتی ہے۔ رات کی تاریکی راحت و سکون کا بستر بچھا دیتی ہے۔ ہر دن کی محنت کے بعد رات کا سکون ہوتا ہے، اور ہر رات کے سکون کے بعد نئے دن کی نئی سرگرمی!

وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ

اور دیکھو، یہ اسکی رحمت کی کارسازی ہے کہ تمہارے لیے رات اور دن الگ الگ ٹھہرا دیے گئے تاکہ رات کے وقت راحت پاؤ، اور دن میں اس کا فضل تلاش کرو (یعنی کاروبار معیشت میں سرگرم ہو)

پھر رات اور دن کا اختلاف، صرف رات اور دن ہی کا اختلاف نہیں ہو، بلکہ ہر دن مختلف حالتوں سے گزرتا، اور ہر رات مختلف منزلیں طے کرتی ہو، اور ہر حالت ایک خاص طرح کی تاثیر رکھتی ہے اور ہر منزل کے لیے ایک خاص طرح کا منظر ہوتا ہے۔ صبح طلوع ہوتی ہے اور اسکی ایک خاص تاثیر ہوتی ہے۔ دن ڈھلتا ہے، اور اس کا ایک خاص منظر ہوتا ہے۔ اوقات کا یہ روزانہ اختلاف ہمارے احساسات کا ذائقہ تبدیل کرتا رہتا ہے، اور یکسانیت کی افسردگی کی جگہ تبدیل و تجدد کی لذت اور سرگرمی پیدا ہوتی رہتی ہو!

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ۝ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ (۳۰: ۱۷)

پس پاکی ہے اللہ کے لیے، اور آسمانوں اور زمین میں اُسی کے لیے حمد و ستائش ہے، جبکہ تم پر شام آتی ہے، اور جب تم پر صبح طلوع ہوتی ہے اور جب دن کا آخری وقت ہو، اور جب دوپہر شروع ہو جائے!

اسی طرح انسان خود اپنے وجود کو دیکھے، اور تمام حیوانات کو دیکھے۔ فطرت نے کس طرح طرح طرح کے اختلافات سے اسمیں تنوع اور دلپسندیری پیدا کر دی ہے!

وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ (۳۵: ۲۸)

اور انسان، جانور، چارپائے، طرح طرح کی رنگتوں کے!

عالم نباتات کو دیکھو۔ درختوں کے مختلف ڈیل ڈول ہیں، مختلف رنگتیں ہیں، مختلف خوشبوئیں ہیں، مختلف خواص ہیں، اور پھر دانہ اور پھل کھاؤ تو مختلف قسم کے ذائقے ہیں!

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ (۲۶: ۷)

کیا ان لوگوں نے کبھی زمین پر نظر نہیں ڈالی اور غور نہیں کیا کہ ہم نے نباتات کی ہر طرح بہتر قسموں میں سے کتنے (بے شمار) درخت پیدا کر دیے ہیں!

وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً

اور دیکھو اللہ نے جو پیداوار تمہارے لیے مختلف رنگتوں کی زمین میں پھیلا دی ہے، سو اس میں بھی عبرت پذیر طبیعتوں کے لیے حکمت

لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ○ (۱۶ : ۱۳)	انھی کی ہر ٹری ہی نشانی ہے!
وَهُوَ الَّذِىْ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ (۶ : ۱۴۲)	اور وہ (حکیم وقدیر) جس نے (طرح طرح کے) باغ (زمین میں) پیدا کر دیئے، ٹٹیوں پر چڑھائے ہوئے اور بغیر چڑھائے ہوئے اور کھجور کے درخت اور (طرح طرح کی) کھیتیاں جنکے رنگ اور پھل کھانے میں مختلف ہوتے ہیں

حیوانات اور نباتات ہی پر موقوف نہیں، جمادات میں بھی یہی قانونِ فطرت کام کر رہا ہے:

وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ (۳۵ : ۲۷)	اور پہاڑوں کو دیکھو، گوناگوں رنگتوں کے ہیں۔ کچھ سفید، کچھ سرخ کچھ کالے کلوٹے!

اسی قانونِ اختلاف کا ایک گوشہ وہ بھی ہے جسے **قرآن** نے "تزویج" سے تعبیر کیا ہے اور ہم اُسے قانونِ **تثنیہ** بھی کہتے ہیں۔ یعنی ہر چیز کے دو دو ہونے، یا متقابل و متماثل ہونے کا قانون۔ کائناتِ خلقت کا کوئی گوشہ بھی دیکھو، تمہیں کوئی چیز یہاں اکہری اور طاق نظر نہیں آئیگی۔ ہر چیز میں جُفت اور دو دو ہونے کی حقیقت کام کر رہی ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ ہر چیز اپنا کوئی نہ کوئی مثنیٰ بھی ضرور رکھتی ہے۔ رات کیلئے دن ہے، صبح کے لیے شام ہے، نر کے لیے مادہ ہے، مرد کیلئے عورت ہے، زندگی کے لیے موت ہے[1]

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (۵۱ : ۴۹)	اور ہر چیز میں ہم نے جوڑے پیدا کر دیئے (یعنی دو دو اور متقابل اشیاء پیدا کیں)
سُبْحٰنَ الَّذِىْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ○ (۳۶ : ۳۶)	پاکی اور بزرگی ہے اُس ذات کے لیے جس نے زمین کی پیداوار میں اور انسان میں، اور اُن تمام مخلوقات میں جن کا انسان کو علم نہیں، دو دو اور متقابل چیزیں پیدا کیں!

یہی قانونِ فطرت ہے جس نے انسان کو دو مختلف جنسوں یعنی مرد اور عورت میں تقسیم کر دیا، اور ...

---

[1] قرآنِ حکیم نے آخرت کے وجود کا جن جن دلائل سے اذعان پیدا کیا ہے، اُن میں سے ایک یہ بھی ہے۔ وہ کہتا ہے: دنیا میں ہر چیز اپنا کوئی نہ کوئی متقابل وجود یا مثنیٰ ضرور رکھتی ہے۔ پس ضروری ہے کہ دنیوی زندگی کے لیے بھی کوئی متقابل اور مثنیٰ زندگی ہو۔ دنیوی زندگی کی متقابل زندگی آخرت کی زندگی ہے:
والشمس وضحٰها، والقمر اذا تلٰها، والنهار اذا جلّٰها، والیل اذا یغشٰها، والسماء وما بنٰها، والارض وما طحٰها۔ الخ (۹۱ : ۱-۶)

اُن میں فعل و انفعال اور جذب و انجذاب کے کچھ ایسے احساسات ودیعت کر دیئے کہ ہر جنس دوسری جنس سے ملنے کی قدرتی طلب رکھتی ہو اور دونوں کے ملنے سے ازدواجی زندگی کی ایک کامل معیشت پیدا ہو جاتی ہے!

فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا (۴۲ : ۱۱)

وہ آسمانوں اور زمین کا بنانے والا۔ اُس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس میں سے جوڑے بنا دیئے (یعنی مرد کے لیے عورت اور عورت کے لیے مرد) اسی طرح چارپایوں میں بھی جوڑے پیدا کر دیئے۔

قرآن کہتا ہے، یہ اسلئے ہو تاکہ محبت اور سکون ہو، اور دو ہستیوں کی باہمی رفاقت اور اشتراک سے زندگی کی محنتیں اور مشقتیں سہل اور گوارا ہو جائیں:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ (۳۰ : ۲۱)

اور (دیکھو) اُسکی رحمت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ اُس نے تمہارے لیے تم ہی میں سے جوڑے پیدا کر دیئے (یعنی مرد کے لیے عورت اور عورت کیلئے مرد) تاکہ اسکی وجہ سے تمہیں سکون حاصل ہو اور پھر اسکی کارفرمائی دیکھو کہ تمہارے درمیان (یعنی مرد اور عورت کے درمیان) محبت اور رحمت کا جذبہ پیدا کر دیا۔ بلاشبہ ان لوگوں کیلئے جو غور و فکر کرنیوالے ہیں اس میں حکمت کی [illegible]

پھر اسی ازدواجی زندگی سے توالد و تناسل کا ایک ایسا سلسلہ قائم ہو گیا ہے کہ ہر وجود پیدا ہوتا ہے اور ہر وجود پیدا کرتا ہے۔ ایک طرف وہ نسب کا رشتہ رکھتا ہے جو اُسے پچھلوں سے جوڑتا ہو۔ دوسری طرف صہر یعنی دامادی کا بھی رشتہ رکھتا ہے جو اُسے آگے آنے والوں سے مربوط کر دیتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہر وجود کی فردیت ایک وسیع دائرہ کی کثرت میں پھیل گئی ہو، اور رشتوں قرابتوں کا ایسا منتظم حلقہ پیدا ہو گیا ہے جس کی ہر کڑی دوسری کڑی کے ساتھ مربوط ہو!

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا (۲۵ : ۵۴)

اور وہی (حکیم و قدیر) ہے جس نے پانی سے (یعنی نطفے سے) انسان کو پیدا کیا، پھر (اسی رشتۂ پیدائش کے ذریعہ) اُسے نسب اور صہر کا رشتہ رکھنے والا بنا دیا!

اور پھر دیکھو، اس نسب اور صہر کے رشتہ سے کس طرح خاندان اور قبیلہ کا نظام قائم ہو گیا ہے، اور کس عجیب و غریب طریقہ سے صلۂ رحمی یعنی قرابت داری کی گیرائیاں ایک وجود کو دوسرے وجود سے جوڑتیں اور معاشرتی زندگی کی باہمی الفتوں اور معاونتوں کیلئے محرک ہوتی ہیں؟ دراصل انسان کی اجتماعی زندگی کا سارا کارخانہ اسی صلۂ رحمی کے سر رشتہ نے قائم کر رکھا ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ

اے افرادِ نسلِ انسانی! اپنے پروردگار کی نافرمانی سے بچو (اور اسکے ...

خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَاۗءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَاۗءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا

(۴ : ۱)

رشتوں سے بیٹے پیدا ہوجاتے ہو وہ پروردگار جس نے (تمہاری پیدائش کا ایسا انتظام مقرر کردیا کہ ایک فرد کی پیدائش سے رشتوں قرابتوں کا ایک پورا خاندان پیدا ہوجاتا ہے اور پھر یکے بعد دیگرے قوم کا دائرہ وسیع ہوتا رہتا ہے۔ چنانچہ دیکھو) تمہیں ایک فرد واحد سے پیدا کیا [illegible] اور اسی سے اس کا جوڑا بھی پیدا کردیا (یعنی جس طرح مرد کی نسل سے لڑکا پیدا ہوا لڑکی بھی پیدا ہوئی) پھر ان دونوں کی نسل سے ایک بڑی تعداد مردوں اور عورتوں کی پیدا ہوگئی [illegible] [illegible] [illegible]

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً (۱۶ : ۷۲)

اور (دیکھو) یہ اللہ ہی ہے جس نے تمہاری ہی جنس میں سے تمہارے لیے جوڑا بنا دیا (یعنی مرد کیلئے عورت اور عورت کیلئے مرد) پھر تمہارے باہمی ازدواج سے بیٹوں اور پوتوں کا سلسلہ قائم کردیا (جس میں تمہارے لیے زندگی کی [illegible])

اسی طرح ایام حیات کے تغیر و تنوع میں بھی تسکین حیات کی ایک بہت بڑی مصلحت پوشیدہ ہے۔ ہر زندگی طفولیت، شباب، جوانی، کہولت، اور بڑھاپے کی مختلف منزلوں سے گزرتی ہے، اور ہر منزل اپنے نئے نئے احساسات اور نئی نئی کاوشیں رکھتی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہماری زندگی عالم ہستی کی ایک دلچسپ مسافرت بن گئی ہے۔ ایک منزل کی کیفیتوں سے ابھی جی سیر نہیں ہو چکتا کہ دوسری منزل نمودار ہو جاتی ہے، اور اس طرح عرصۂ حیات کی طوالت محسوس ہی نہیں ہوتی:

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (۴۰ : ۶۷)

وہ پروردگار جس نے تمہارا وجود مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے، پھر علقہ سے (یعنی جونک کی شکل کی ایک چیز سے) پھر ایسا ہوتا ہے کہ تم طفولیت کی حالت میں ماں کے شکم سے نکلتے ہو پھر بڑے ہوتے ہو اور سن تمیز تک پہنچتے ہو۔ اس کے بعد تمہارا جینا اسلئے ہوتا ہے کہ بڑھاپے کی منزل تک پہنچو پھر تم میں سے کوئی تو ان منزلوں سے پہلے ہی مرجاتا ہے اور کوئی چھوڑ دیا جاتا ہے تاکہ اپنے مقررہ وقت تک زندگی بسر کرلے۔

اسی طرح طرح طرح کی خواہشیں اور جذبے، زینت و تفاخر کے ولولے، مال و متاع کی محبت، آل اولاد کی وابستگیاں، زندگی کی دلچسپی و انہماک کیلئے پیدا کردی گئی ہیں:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَاۗءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ

انسانوں کیلئے مرد و عورت کے تعلق میں، اولاد میں، چاندی سونے کے ڈھیروں میں، سدھے ہوئے گھوڑوں میں، مویشیوں میں، اور کھیتی باڑی میں وابستگی پیدا کردی گئی ہے، اور

وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۗ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَاللَّهُ عِندَهُ حُسْنُ الْمَآبِ (۳ : ۱۴)

جو کچھ بھی ہے، دنیوی زندگی کی پونجی ہے اور بہتر ٹھکانا تو اللہ ہی کے پاس ہے؛

اسی طرح معیشت کا اختلاف اور اسکی وجہ سے مختلف درجوں و حالتوں کا پیدا ہو جانا بھی انعامِ حیات کا ایک بہت بڑا محرک ہے کیونکہ اسکی وجہ سے زندگی میں تزاحم پیدا ہو گیا ہے، اور تزاحم کے استغراق سے زندگی کی مشقتوں کا جھیلنا آسان ہو گیا ہے، بلکہ یہی مشقتیں راحت و سرور کا سامان بن گئی ہیں؛

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ ۗ إِنَّ رَبَّكَ سَرِيعُ الْعِقَابِ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ (۶ : ۱۶۵)

اور یہ اسی (حکیم و قدیر) کی کارفرمائی ہے کہ اس نے تمہیں زمین میں (پچھلوں کا) جانشین بنایا، اور تم میں سے بعض کو بعض پر درجوں میں فوقیت دے دی، تاکہ جو کچھ تمہیں دیا گیا ہے اس میں تمہارے عمل و تصرف کی آزمائش کرے۔ بلاشبہ تمہارا پروردگار عمل کی سزا دینے میں تیز ہے (یعنی اس کا قانون مکافات نتائجِ عمل میں سست رفتار نہیں) لیکن ساتھ ہی بخشنے والا، رحمت رکھنے والا بھی ہے، اسلیئے اگر ایک طرف نتائجِ عمل کا قانون کام کر رہا ہے تو دوسری طرف آزمائشِ حیات میں تمہارے لیے طرح طرح کے

برہانِ فضل و رحمت

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جس طرح قرآن نے ربوبیت کے اعمال و مظاہر سے استدلال کیا ہے، اسی طرح وہ رحمت کے آثار و مناظر سے بھی جابجا استدلال کرتا ہے، اور برہانِ ربوبیت کی طرح برہانِ فضل و رحمت بھی اسکی دعوت و ارشاد کا ایک عام اسلوبِ خطاب ہے۔ وہ کہتا ہے، کائناتِ خلقت کی ہر شے میں، ایک مقررہ نظام کے ساتھ رحمت و فضل کے مظاہر کا موجود ہونا، قدرتی طور پر انسان کو یقین دلاتا ہے کہ ایک رحمت رکھنے والا خالق کائنات موجود ہے۔ کیونکہ ممکن نہیں، فضل و رحمت کی یہ پوری کائنات موجود ہو، اور فضل و رحمت کا کوئی زندہ ارادہ موجود نہ ہو۔ چنانچہ وہ تمام مقامات جن میں کائناتِ خلقت کے افادہ و فیضان، زینت و جمال، موزونیت و اعتدال، تسویہ و قوام، اور خوبی و اتقان کا ذکر کیا گیا ہے، دراصل اسی استدلال پر مبنی ہیں؛

وَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ لَّا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَٰنُ الرَّحِيمُ ۝ إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنفَعُ النَّاسَ وَمَا

اور (دیکھو) تمہارا معبود وہی ایک معبود ہے۔ کوئی معبود نہیں مگر صرف اسی کی ایک ذات، رحمت والی اور اپنی رحمت کی بخششوں سے فیضیاب کرنے والی! بلاشبہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں، اور رات دن کے ایک کے بعد ایک آتے رہنے میں، اور کشتی میں جو انسان کی کارروائیوں کیلئے سمندر میں چلتی ہے، اور بارش میں جسے اللہ آسمان سے برساتا ہے اور اس کی آبپاشی سے زمین

اسی معنی میں قرآن "تسویہ" کا لفظ بھی استعمال کرتا ہے۔ "تسویہ" کے معنی یہ ہیں کہ کسی چیز کو اس طرح ٹھیک ٹھیک درست کر دینا کہ اس کی ہر بات خوبی و مناسبت کے ساتھ ہو:

الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی ۙ وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی ۙ (۸۷: ۲-۳)	وہ پروردگار جس نے ہر چیز پیدا کی، پھر ٹھیک ٹھیک خوبی و مناسبت کے ساتھ اسے درست کر دیا، پھر اس کے لیے ایک اندازہ ٹھیرا دیا، پھر اس پر (زندگی و معیشت کی) راہ کھول دی!
الَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۙ فِیْۤ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ؕ (۸۲: ۷-۸)	وہ پروردگار جس نے تمہیں پیدا کیا، پھر ٹھیک ٹھیک درست کر دیا، پھر تناسب ظاہری و باطنی قوتوں میں اعتدال و تناسب ملحوظ رکھا، پھر جیسی صورت بنانی چاہی اس کے مطابق ترکیب دے دی!

یہی حقیقت ہے جسے قرآن نے "اتقان" سے بھی تعبیر کیا ہے۔ یعنی کائنات خلقت کی ہر چیز کا درستگی و استواری کے ساتھ ہونا کہ کہیں بھی اس میں خلل، نقصان، بے ڈھنگا پن، اونچ نیچ، ناہمواری نظر نہیں آ سکتی!

صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْۤ اَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍ ؕ (۲۷: ۸۸)	یہ اللہ کی کاریگری ہے، جس نے ہر چیز درستگی و استواری کے ساتھ بنائی!
مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ۝ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِیْرٌ ۝ (۶۷: ۳)	تم (اس) رحمٰن کی بناوٹ میں (یعنی رحمٰن کی صناعت میں) کبھی کوئی تفاوت نہیں پاؤ گے، کبھی کوئی اونچ نیچ نہیں ہوگی۔ اچھا نظر اٹھاؤ اور اس کی صنعت کا مطالعہ کرو، ایک بار نہیں بار بار دیکھو، کیا تمہیں کہیں کوئی دراڑ دکھائی دیتی ہے؟ نظر بار بار اٹھاؤ اور دیکھتے رہو، تمہاری نگاہ تھک کر اور عاجز و درماندہ ہو کر واپس آ جائے گی، لیکن کوئی نقص نہ نکال سکے گی!

"فی خلق الرحمٰن" فرمایا، یعنی یہ فرمایا کہ اتقان اس لیے ہے کہ رحمت رکھنے والے کی کاریگری ہے، اور رحمت کا مقتضا یہی تھا کہ حسن و خوبی ہو، اتقان و کمال ہو، نقص اور ناہمواری نہ ہو!

خدا کی ہستی اور اس کی توحید و صفات کی طرح، آخرت کی زندگی پر بھی وہ رحمت سے استدلال کرتا ہے۔ اگر رحمت کا مقتضا یہ ہوا کہ دنیا میں ہر چیز خوبی و کمال کے ساتھ زندگی کا ظہور ہو، تو کیونکر یہ بات باور کی جا سکتی ہے کہ دنیا کی چند روزہ زندگی کے بعد اس کا فیضان ختم ہو جائے اور خزانۂ رحمت کے انسان کی زندگی اور بناؤ کے لیے کچھ باقی نہ رہے!

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ قَادِرٌ عَلَىٰ أَن يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ أَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيهِ فَأَبَى الظَّالِمُونَ إِلَّا كُفُورًا ۝ قُل لَّوْ أَنتُمْ تَمْلِكُونَ خَزَائِنَ رَحْمَةِ رَبِّي إِذًا لَّأَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْإِنفَاقِ (۱۷: ۱۰۰)

کیا ان لوگوں نے کبھی اس بات پر غور نہیں کیا کہ اللہ جس کی قدرت و حکمت نے آسمان و زمین پیدا کر دیئے ہیں، یقیناً اس بات سے عاجز نہیں ہو سکتا کہ ان جیسے آدمی دوبارہ پیدا کر دے، اور یہ کہ ان کے لیے اس نے ایک مقررہ وقت ٹھہرا دیا ہے جس میں کسی طرح کا شک و شبہ نہیں؟ افسوس ان کی شقاوت پر! اس پر بھی ان ظالموں نے، بجز اس کے کوئی راہ پسند نہ کی مگر حقیقت سے انکار کرنے کی! (اے پیغمبر! ان سے) کہہ دو: اگر میرے پروردگار کی رحمت کے خزانے تمہارے قبضہ میں ہوتے، تو اس حالت میں یقیناً تم خرچ ہو جانے کے ڈر سے ہاتھ روک رکھتے (لیکن یہ اللہ ہی کے خزانِ رحمت ہیں جو کبھی ختم ہو سکتے ہیں نہ اس کی بخشایش رحمت کی کوئی انتہا ہو!)

اس طرح وہ رحمت سے وحی و تنزیل کی ضرورت پر بھی استدلال کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے، جو رحمت کارخانۂ ہستی کے ہر گوشے میں افادہ و فیضان کا سرچشمہ ہے، کیونکر ممکن تھا کہ انسان کی معنوی ہدایت کیلئے اس کے پاس کوئی فیضان نہ ہوتا، اور وہ انسان کو نقصان و ہلاکت کیلئے چھوڑ دیتی؟ اگر تم دس گوشوں میں فیضانِ رحمت محسوس کر رہے ہو، تو کوئی وجہ نہیں کہ گیارہویں گوشے میں اس سے انکار کرو۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے جابجا نزولِ وحی، تنزیلِ کتب، اور بعثتِ انبیاء کو رحمت سے تعبیر کیا ہے:

وَلَئِن شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهِ عَلَيْنَا وَكِيلًا ۝ إِلَّا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ ۚ إِنَّ فَضْلَهُ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيرًا (۱۷: ۸۸)

اور (اے پیغمبر) اگر ہم چاہیں تو جو کچھ تم پر وحی کے ذریعہ بھیجا گیا ہے، لے جائیں (یعنی سلسلۂ تنزیلِ وحی باقی نہ رہے) اور پھر تمہیں کوئی بھی ایسا کارساز نہ ملے جو ہم پر زور ڈال سکے۔ لیکن یہ جو سلسلۂ وحی جاری ہے تو یہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ تمہارے پروردگار کی رحمت ہو، اور یقیناً تم پر اس کا بڑا ہی فضل ہے (کہ نزولِ رحمت کا تمہیں مورد و مہبط ٹھہرایا ہے)

تَنزِيلَ الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ۝ لِتُنذِرَ قَوْمًا مَّا أُنذِرَ آبَاؤُهُمْ فَهُمْ غَافِلُونَ (۳۶: ۲)

یہ قرآن عزیز و رحیم کی طرف سے نازل کیا گیا ہے، تاکہ ان لوگوں کو جن کے آباء و اجداد کسی پیغمبر کی زبانی (آج تک) نہیں ڈرائے گئے تھے اور اس لیے غفلت میں پڑے ہوئے ہیں (بدعملیوں کے نتیجوں سے) ڈرا دو!

تورات و انجیل اور قرآن کی نسبت جابجا تصریح کی کہ ان کا نزول "رحمت" ہے:

وَمِن قَبْلِهِ كِتَابُ مُوسَىٰ إِمَامًا وَرَحْمَةً (۱۱: ۲۰)

اور اس سے پہلے (یعنی قرآن سے پہلے) موسیٰ کی کتاب (انسان کے) لیے پیشوا اور رحمت!

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُم مَّوْعِظَةٌ

اے افرادِ نسلِ انسانی! یقیناً یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے موعظت

كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۚ (۱۳: ۱۷)

اس طرح اللہ "حق" اور "باطل" کی ایک مثال بیان کرتا ہے۔

ساتھ ہی مزید تصریح کر دی:

فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِى الْاَرْضِ ۚ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ۚ لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ۚ وَالَّذِيْنَ اسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ۚ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ (۱۳: ۱۸)

پس (دیکھو) میل کچیل سے جو جھاگ اٹھتا ہے، وہ رائگاں جاتا ہے کیونکہ اس میں انسان کیلئے نفع نہ تھا، لیکن جس چیز میں انسان کیلئے نفع ہو، وہ زمین میں باقی رہ جاتی ہو۔ اسی طرح اللہ (اپنے قوانین عمل کی) مثالیں بیان کرتا ہو۔ (سو) جن لوگوں نے اپنے پروردگار کا حکم قبول کیا انکے لیے خوبی و بہتری ہو، اور جن لوگوں نے قبول نہ کیا اور حق کی جگہ باطل کی راہ اختیار کی، انکے لیے اعمال بد کا سختی کے ساتھ حساب لیا جانا ہو۔ اگر ان لوگوں کے قبضہ میں وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے اور اتنا ہی اسپر اور بڑھا دیں اور بدلہ میں دیکر نتائج عمل سے بچنا چاہیں، تو جب بھی نہ بچ سکینگے۔

عربی میں "حق" کا خاصہ ثبوت اور قیام ہے۔ یعنی جو بات ثابت ہو، اپنی جگہ اٹل ہو، اسے ہو لنے "حق" کہیں گے۔ "باطل" ٹھیک ٹھیک اس کا نقیض ہو۔ ایسی چیز جس میں ثبات و قیام نہ ہو، ٹل جانے والی مٹ جانے والی، باقی نہ رہنے والی۔ چنانچہ خود قرآن میں جابجا ہے۔ لیحق الحق ویبطل الباطل (۸: ۸)

وہ کہتا ہو، جس طرح تم مادیات میں دیکھتے ہو کہ فطرت چھانٹتی رہتی ہے۔ جو چیز نافع ہوتی ہے، باقی رکھتی ہو، جو نافع نہیں ہوتی، اُسے محو کر دیتی ہے۔ ٹھیک ٹھیک ایسا ہی عمل معنویات میں بھی جاری ہے۔ جو عمل حق ہوگا، قائم و ثابت رہیگا، جو باطل ہوگا، مٹ جائیگا، اور جب کبھی حق و باطل متقابل ہونگے تو بقا حق کے لیے ہوگی، نہ کہ باطل کیلئے۔ وہ اسے "قضاء بالحق" سے تعبیر کرتا ہو یعنی فطرت کا فیصلہ حق، جو باطل کے لیے نہیں ہو سکتا:

فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِىَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ (۴۰: ۷۸)

پھر جب وہ وقت آگیا کہ حکم الٰہی صادر ہو، تو خدا کا فیصلہ حق نافذ ہوگیا، اور اس وقت ان لوگوں کیلئے جو برسر باطل تھے، تباہی ہوئی!

اس نے اس حقیقت کی تعبیر کے لیے "حق" اور "باطل" کا لفظ اختیار کر کے مجرد تعبیر ہی سے حقیقت کی نوعیت واضح کر دی۔ کیونکہ حق اسی چیز کو کہتے ہیں جو ثابت و قائم اور اٹل ہو، اور باطل کے معنی یہ ہیں کہ مٹ جانا اور قائم و باقی نہ رہنا۔ پس جب وہ کسی بات کیلئے کہتا ہو کہ یہ "حق" ہے تو یہ صرف دعویٰ ہی نہیں ہوتا، بلکہ دعوے کے ساتھ اُسکے جانچنے کا ایک معیار بھی پیش کر دیتا ہے۔ یہ بات حق ہے یعنی

نہ ملنے والی اور نہ مٹنے والی بات ہے۔ جو بات باطل ہو یعنی نہ ٹک سکنے والی اور مٹ جانے والی بات ہو۔ پس جو بات اٹل ہوگی، اُس کا اٹل ہونا کسی نگاہ سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ جو بات مٹ جانے والی ہو، اُس کا مٹنا ہر آنکھ دیکھ لے گی!

چنانچہ وہ اللہ کی نسبت بھی "الحق" کی صفت استعمال کرتا ہے۔ کیونکہ اُس کی ہستی سے بڑھ کر کونسی حقیقت ہو جو ثابت اور اٹل ہو سکتی ہے؟

فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ (۱۰: ۳۲) — یہ ہے تمہارا پروردگار "الحق"!

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ (۲۰: ۱۱۴) — پس کیا ہی بلند درجہ ہے اللہ کا الملک (یعنی فرمانروا) الحق (یعنی ثابت!)

وحی و تنزیل کو بھی وہ "الحق" کہتا ہے، کیونکہ وہ دنیا کی ایک قائم و ثابت حقیقت ہے جن قوتوں نے اُسے مٹانا چاہا تھا، وہ خود مٹ گئیں، حتیٰ کہ آج اُن کا نام و نشان بھی باقی نہیں، لیکن وحی و تنزیل کی حقیقت ہمیشہ قائم رہی، اور آج تک قائم ہے:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۔ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۔ (۱۰: ۱۰۸)

(اے پیغمبر) لوگوں سے کہہ دو کہ اے افرادِ نسلِ انسانی! بلاشبہ تمہارے پروردگار کی طرف سے وہ چیز تمہارے سامنے آگئی جو حق ہے (اور اس نے تمہاری سعادت کی راہ آشکارا کر دی) اب جس کسی نے سیدھی راہ اختیار کی تو وہ اپنے ہی بھلے کے لیے کرتا ہے۔ اور جس نے گمراہی اختیار کی تو اُس کی گمراہی کا نقصان بھی اسی کے لیے ہے۔ میرا کام تو صرف وہ حق دکھلا دینا ہے، میں تم پر نگہبان مقرر نہیں کیا گیا ہوں۔ (اور) تم کو جو کچھ ... بہتر ہستی کسی بات کا فیصلہ کرنے والی نہیں۔

وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ (۱۷: ۱۰۶) — اور (اے پیغمبر) ہم نے اسے حق کے ساتھ اتارا ہے (یعنی قرآن کا نازل ہونا حق ہے) اور وہ حق ہی کے ساتھ نازل بھی ہوا ہے۔

اسی طرح جب وہ علامت تعریف کے ساتھ کسی بات کو "الحق" کہتا ہے تو اس سے بھی مقصود یہی حقیقت ہوتی ہے، اور یہی وجہ ہے کہ اکثر حالتوں میں صرف "الحق" کہہ کر خاموش ہو جاتا ہے، اور اس سے زیادہ کہنا ضروری نہیں سمجھتا۔ کیونکہ اگر فطرت کائنات کا یہ قانون ہے کہ حق اور باطل کی نزاع میں حق ہی باقی رہتا ہے، تو کسی بات کے امر حق ہونے کے لیے صرف اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ وہ "حق" ہے یعنی باقی و قائم رہنے والی حقیقت ہے۔ اس کا بقاء و قیام خود ہی فیصلہ کر دیگا کہ یہ بیان صحیح تھا یا غلط۔ چنانچہ

سورۂ بقرہ میں جہاں تحویل قبلہ کے معاملہ کا ذکر کیا ہے، وہاں اہل کتاب کی متعصبانہ مخالفتوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ○ (۲: ۱۴۷)

یہ (یعنی تحویل قبلہ کا معاملہ) تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک امر حق ہے، پس دیکھو، ایسا نہ ہو کہ تم شک کرنے والوں میں سے ہو جاؤ۔

چونکہ عام مفسرین کی نظر اس اصل پر نہ تھی، اسلئے اس خطاب کا صحیح محل متعین نہ کر سکے، اور "فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ" کا مطلب یہ سمجھا گیا کہ "اس معاملہ کے خدا کی طرف سے ہونے میں شک نہ کرو" حالانکہ وحی اسلام کا قلب جو خود محل وحی تھا، اس بارے میں شک کا محل کیونکر ہو سکتا تھا؟ دراصل اس خطاب کا مقصد ہی دوسرا ہے۔ تحویل قبلہ کے معاملہ میں کمزور اور بے سروسامان مسلمانوں کے ایمان کے لیے بہت بڑی آزمائش تھی۔ مٹھی بھر مظلوم و مقہور انسانوں کی جماعت نے دنیا کی دو سب سے بڑی مذہبی قوتوں کے قبلوں کے خلاف، اپنا ایک نیا قبلہ مقرر کیا تھا، اور یروشلیم کا عظیم الشان اور صدیوں کا مسلمہ ہیکل چھوڑ کر ریگستان عرب کے ایک گمنام اور بے شان و شوکت معبد کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ ایسی حالت میں کون امید کر سکتا تھا کہ یہ بے باکانہ جرأت کامیاب ہو سکے گی؟ اور دنیا کی قوموں کا رخ اچانک پھر جائیگا؟ یہی حقیقت ہے جس کی طرف ان لفظوں میں اشارہ کیا گیا کہ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ۔ (۲: ۱۴۳) پس ضرورت تھی کہ کمزور دلوں کی تقویت کے لیے واضح کر دیا جائے کہ یہ معاملہ کتنی ہی بے سروسامانیوں کے ساتھ ظہور میں آیا ہو اور ناکامی کے احتمالات بظاہر کتنے ہی قوی نظر آتے ہوں، تاہم کامیابی و فتحمندی اسی کے لیے ہے، اور اس کا نتیجہ ہر طرح کے شک شبہ سے پاک ہے، کیونکہ یہ اللہ کی طرف سے ٹھہرایا ہوا "امر حق" ہے، اور جو حق ہو، وہ قائم و باقی رہنے کے لیے ہوتا ہے، مٹنے کیلئے نہیں ہوتا۔ ہر وہ چیز جو اس سے مقابل ہو گی اور اس کی راہ روکے گی، محو اور فنا ہو جائے گی!

اسی طرح سورۂ آل عمران میں جہاں الوہیت مسیح کے اعتقاد کا رد کیا ہے، فرمایا:

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ○ (۳: ۶۰)

یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے امر حق ہے، پس دیکھو، ایسا نہ ہو کہ تم شک کرنے والوں میں سے ہو جاؤ۔

الوہیت مسیح کا اعتقاد مسیحی کلیسا کا بنیادی اعتقاد بن گیا تھا، اور اس قوت و وسعت کے ساتھ دنیا میں اس کی منادی کی گئی تھی کہ اب اس کے خلاف کسی دعوت کا کامیاب ہونا تقریباً محال معلوم ہوتا تھا۔ خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ اس دعوت کے پیچھے ایک نئی زائیدہ اور بے سروسامان

جماعت کے سوا کوئی طاقت و شوکت نظر نہ آتی ہو۔ پس فرمایا "اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ"۔ الوہیت مسیح کے باطل اعتقاد نے کتنی ہی عظمت و وسعت حاصل کرلی ہو، لیکن عبدیت مسیح کی دعوت ایک امر حق ہے اور اسلیئے جب کبھی "حق" اور "باطل" میں مقابلہ ہوگا، تو بقاء و ثبات حق ہی کے لیے ہوگا باطل کے لیے نہیں ہوگا۔ باطل کا تو خاصہ ہی یہی ہے کہ وہ مٹ جانے والی چیز ہوتی ہے۔ سردست یہ دعوت کتنی ہی کمزور معلوم ہوتی ہو، لیکن وہ وقت دور نہیں جب یہ اپنی فتح مندی کا علم بلند کرے گی:

اسی طرح "الحق" کے تمام مقامات استعمال پر غور کرنا چاہیے۔

یہ جو قرآن جا بجا حق اور باطل کی نزاع کا ذکر کرتا ہے اور پھر بطور اصل و قاعدہ کے اس پر زور دیتا ہے کہ کامیابی حق کے لیے ہے اور ہزیمت و خسران باطل کے لیے، تو یہ تمام مقامات بھی اسی قانون "قضاء بالحق" کی تصریحات ہیں، اور اسی حقیقت کی روشنی میں ان کا مطالعہ کرنا چاہیے:

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ۔ (۲۱: ۱۸)

اور ہمارا قانون یہ ہے کہ حق باطل سے ٹکراتا ہے اور اُسے پاش پاش کر دیتا ہے، اور پھر اچانک ایسا ہوتا ہے کہ وہ نابود ہوگیا!

وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا۔ (۱۷: ۸۱)

اور کہہ دو حق نمودار ہوگیا اور باطل نابود ہوا، اور یقیناً باطل اسی لیے تھا کہ نابود ہو جائے!

اور پھر حق و صداقت کے لیے یہی اللہ کی وہ **شہادت** ہے جو اپنے مقررہ وقت پر ظاہر ہوتی ہے اور بتلا دیتی ہے کہ حق کس کے ساتھ تھا، اور باطل کا کون پرستار تھا۔ یعنی "قضاء بالحق" کا قانون حق کو ثابت و قائم رکھکر اسکے حریف کو محو و متلاشی کرکے حقیقت حال کا اعلان کر دیتا ہے:

قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ شَهِيدًا يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوا بِاللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ۔ (۲۹: ۵۲)

ان لوگوں سے کہہ دو اب کسی اور رد و کد کی ضرورت نہیں۔ میرے اور تمہارے درمیان اللہ کی گواہی بس کرتی ہے۔ آسمان و زمین میں جو کچھ ہے، سب اس کے علم میں ہے۔ پس جو لوگ حق کی جگہ باطل پر ایمان لائے ہیں اور اللہ کی صداقت کے منکر ہیں، تو یقیناً ناکامی و تباہی انہی کے لیے ہے!

ایک دوسرے موقع پر فیصلۂ امر کے لیے اسے سب سے بڑی شہادت قرار دیا ہے:

قُلْ أَيُّ شَيْءٍ أَكْبَرُ شَهَادَةً قُلِ اللَّهُ شَهِيدٌ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ (۶: ۱۹)

کون سی بات سب سے بڑی گواہی ہے؟ اے پیغمبر! کہہ دو اللہ کی گواہی، وہی میرے اور تمہارے درمیان فیصلۂ امر کیلئے گواہی دینے والا ہے!

وہ کہتا ہے، اس قانون سے تم کیونکر انکار کر سکتے ہو، جبکہ زمین و آسمان کا تمام کارخانہ اسی کی کارفرمائیوں پر قائم ہے؟ اگر فطرت کائنات نقصان اور برائی چاہتی نہ رہتی، اور بقا و قیام صرف اچھائی اور خوبی ہی کے لیے نہ ہوتا، تو ظاہر ہے، تمام کارخانۂ ہستی درہم برہم ہو جاتا۔ جب تم جسمانیات میں اس قانون فطرت کا مشاہدہ کر رہے ہو تو معنویات میں تمہیں کیوں انکار ہو؟

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ ۚ (۲۳ : ۷۱)	اور اگر حق ان کی خواہشوں کی پیروی کرے، تو یقین کرو آسمان و زمین اور جو کچھ اس میں ہے، سب کچھ درہم برہم ہو کر رہ جائے!

قرآن میں جہاں کہیں انتظار اور تربص پر زور دیا ہے، اور کہا ہے، جلدی نہ کرو، انتظار کرو، عنقریب حق و باطل کا فیصلہ ہو جائیگا۔ مثلاً قُلْ فَانْتَظِرُوْا إِنِّي مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ (۱۰ : ۲۰) تو اس سے بھی مقصود یہی حقیقت ہو۔

لیکن کیا "قضاء بالحق" کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہر باطل عمل فوراً نابود ہو جائے، اور ہر عمل حق فوراً فتحمند ہو جائے؟ قرآن کہتا ہے کہ نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا، اور "رحمت" کا مقتضا یہی ہے کہ ایسا نہ ہو۔ جس "رحمت" کا مقتضا یہ ہوا کہ مادیات میں "تدریج و امہال" کا قانون نافذ ہے، اسی رحمت کا مقتضا یہ ہوا کہ معنویات میں بھی تدریج و امہال کا قانون کام کر رہا ہے اور عالم مادیات ہو یا عالم معنویات، کائنات ہستی کے ہر گوشہ میں قانون فطرت ایک ہی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ دنیا میں کوئی انسانی جماعت اپنی بدعملیوں کے ساتھ مہلت حیات پا سکتی:

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ إِلَيْهِمْ أَجَلُهُمْ ۖ (۱۰ : ۱۱)	اور جس طرح انسان فائدے کے لیے جلد باز ہوتا ہے، اگر اسی طرح اللہ انسان کو سزا دینے کے لیے جلد باز ہوتا، تو انسان کی لغزشوں اور خطاؤں کا یہ حال ہو کہ کبھی کا فیصلہ ہو چکتا اور انکا مقررہ وقت فوراً نمودار ہو جاتا۔

وہ کہتا ہے، جس طرح مادیات میں ہر حالت بہ تدریج نشو و نما پاتی ہے، اور ہر نتیجہ کے ظہور کے لیے ایک خاص مقدار، ایک خاص مدت، اور ایک خاص وقت مقرر کر دیا گیا ہے، ٹھیک اسی طرح اعمال کے نتائج کے لیے بھی مقدار و اوقات کے احکام مقرر ہیں۔ اور ضروری ہے کہ ہر نتیجہ ایک خاص مدت کے بعد اور ایک خاص مقدار کی نشو و نما کے بعد ظہور میں آئے۔ نتیجہ یہ ہے کہ اس تدریج و امہال سے عمل حق اور عمل باطل، دونوں کے لیے تاجیل کی حالت پیدا ہو گئی ہے۔ یعنی دونوں کے نتائج فوراً ظاہر نہیں ہو جاتے۔ اپنی مقررہ اجل، یعنی وقت ہی پر ظاہر ہو سکتے ہیں۔ البتہ حق کیلئے تاجیل

اس لیے ہوتی ہے تاکہ اُسکی تھمند قوت نشوونما پائے، اور باطل کے لیے اس لیے ہوتی ہے، تاکہ اس کی نا پذیر کمزوری تکمیل تک پہنچ جائے۔ اس تاجیل کے لیے کوئی ایک ہی مقررہ مدت نہیں ہے۔ ہر حالت کا ایک خاص خاصہ ہے، اور ہر گردو پیش اپنا ایک خاص مقتضا رکھتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک خاص حالت کیلئے مقررہ مدت کی مقدار بہت تھوڑی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ بہت زیادہ ہو۔

فَإِن تَوَلَّوْا فَقُلْ آذَنتُكُمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ ۖ وَإِنْ أَدْرِي أَقَرِيبٌ أَم بَعِيدٌ مَّا تُوعَدُونَ ۝ إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُونَ ۝ وَإِنْ أَدْرِي لَعَلَّهُ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ۝ (۲۱: ۱۰۹)

پھر اگر یہ لوگ روگردانی کریں تو ان سے کہدو، میں نے تم سب کو یکساں طور پر (حقیقت حال کی) خبر دے دی، اور میں نہیں جانتا اعمال بد کے جس نتیجہ کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے، اس کا وقت قریب ہے یا ابھی دیر ہے۔ بلاشبہ اللہ ہر بات کی خبر رکھتا ہے خواہ علانیہ تمہاری زبان پر ہو یا تمہارے دلوں کے چھپی ہوئی ہو، اور مجھے کیا معلوم، ہو سکتا ہو کہ یہ تاخیر اسلیے ہو کہ تمہاری آزمائش کی جائے، یا اسلیے کہ ایک خاص وقت تک تمہیں فائدہ اٹھانے کا مزید موقع دیا جائے۔

قرآن کہتا ہے، تم اپنی اوقات شماری کے پیمانے سے قوانین فطرت کی رفتار عمل کا اندازہ نہ لگاؤ۔ فطرت کا دائرہ عمل تو اتنا وسیع ہے کہ تمہارے معیار حساب کی بڑی سے بڑی مدت اُسکے لیے ایک دن کی مدت سے زیادہ نہیں!

وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَن يُخْلِفَ اللَّهُ وَعْدَهُ ۚ وَإِنَّ يَوْمًا عِندَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ ۝ وَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ أَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ أَخَذْتُهَا وَإِلَيَّ الْمَصِيرُ ۝ (۲۲: ۴۷، ۴۸)

اور یہ لوگ عذاب کے لیے جلد بازی کرتے ہیں (یعنی انکار و شرارت کی راہ سے کہتے ہیں، اگر سچ مچ کو عذاب آنے والا ہے تو وہ کہاں ہے؟) سو یقین کرو، خدا اپنے وعدہ میں کبھی خلاف کرنے والا نہیں لیکن بات یہ ہے کہ خدا کے قوانین عمل کا ایک دن ایسا ہوتا ہے جیسا تمہارے حساب کا ہزار برس۔ چنانچہ کتنی ہی بستیاں ہیں جنہیں ایک مدت تک ڈھیل دی گئی حالانکہ وہ ظالم تھیں، پھر (جب ظہور نتائج کا وقت آگیا) تو ہمارا مواخذہ نمودار ہو گیا۔

ان آیات میں فکر انسانی کی جس گمراہی کو "استعجال بالعذاب" سے تعبیر کیا گیا ہے، وہ صرف انہی منکرین حق کی گمراہی نہ تھی جو ظہور اسلام کے وقت اُسکی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے تھے بلکہ ہر زمانہ میں انسان کی ایک عالمگیر کج اندیشی رہی ہے۔ وہ بسا اوقات فطرت کی اس مہلت بخشی سے فائدہ اٹھانے کی جگہ اور زیادہ شر و فساد میں نڈر اور جری ہو جاتا ہے، اور کہتا ہے، اگر فی الحقیقت حق و باطل کیلئے اُن کے نتائج و عواقب ہیں، تو وہ نتائج کہاں ہیں! اور کیوں فوراً ظاہر نہیں ہو جاتے؟ قرآن جابجا

الظّٰلِمُوْنَ ○ (۶ : ۱۳۵) فیصلہ ہو جائیگا، بلاشبہ (یہ اسکا قانون ہے کہ) ظلم کرنے والے کبھی فلاح نہیں پا سکتے :

اس موقع پر یہ قاعدہ بھی معلوم کر لینا چاہیئے کہ قرآن میں جہاں کہیں ظلم و عصیان اور فسق و کفر وغیرہ اعمالِ بد کیلئے کامیابی و فلاح کی نفی کی گئی ہے ، اور نیک عملی کے لیے فتحمندی و کامرانی کا اثبات کیا ہے ، تو ان تمام مقامات میں بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ مثلاً اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ (۶ : ۲۱) اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ (۱۰ : ۱۷) اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ (۲۳ : ۱۱۸) لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ (۱۰ : ۸۱) اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ (۹ : ۳۷) اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (۳ : ۸۶) وغیرہا۔ اللہ ظلم کرنے والوں کو فلاح نہیں دیتا۔ یعنی اسکا قانون ہے کہ ظلم کے لیے کامیابی و فلاح نہ ہو۔ اللہ ظلم کرنے والوں پر راہ نہیں کھولتا۔ یعنی اسکا قانون یہی ہے کہ ظلم کرنے والوں پر کامیابی و سعادت کی راہ نہیں کھلتی۔ افسوس ہے کہ قرآن کے عام مترجمین نے ان مقامات کا ترجمہ کافی غور و فکر کے ساتھ نہیں کیا، اور اسلیئے مطالب اپنی اصلی شکل میں واضح نہ ہو سکے۔

اور پھر اصطلاحِ قرآنی میں یہی وہ "تمتّع" ہے یعنی زندگی سے فائدہ اٹھانے کی مہلت ہے جسکا وہ بار بار ذکر کرتا ہے ، اور جو یکساں طور پر سب کو دی گئی ہے :

بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ؕ	بلکہ بات یہ ہے کہ ہم نے ان لوگوں کو اور انکے آباء و اجداد کو مہلتِ حیات سے بہرہ مند ہونے دیا، یہاں تک کہ خوشحالی کی اسی حالت میں عمریں گزر گئیں۔

(۲۱ : ۴۴)

اسی طرح وہ جا بجا مَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ (۱۰ : ۹۸) مَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ (۳۶ : ۴۴) فَتَمَتَّعُوْا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ (۱۶ : ۵۵) وغیرہ تعبیرات سے بھی اسی حقیقت پر زور دیتا ہے۔

اسی طرح وہ قانونِ قضاء بالحق کو جماعتوں اور قوموں کے عروج و زوال پر بھی منطبق کرتا ہے اور کہتا ہے، جس طرح فطرت کا قانونِ انتخاب ، اجسام میں جاری ہے، اسی طرح اقوام و جماعات میں بھی جاری ہے۔ جس طرح فطرت ، نافع اشیاء کو باقی رکھتی ، غیر نافع کو چھانٹ دیتی ہے ، ٹھیک اسی طرح جماعتوں میں بھی صرف اُسی جماعت کیلئے بقاء و ثبات ہوتا ہے جس میں دنیا کے لیے نفع ہو۔ جو جماعت غیر نافع ہو جاتی ہے، چھانٹ دی جاتی ہے۔ وہ کہتا ہے ، یہ اسکی رحمت ہے۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو دنیا میں انسانی ظلم و طغیان کے لیے کوئی روک تھام نظر نہ آتی :

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ	اور دیکھو اگر اللہ نے جماعتوں اور قوموں میں باہم دگر ایک دوسرے سے ہٹا دینے کا قانون نہ رکھا ہوتا، اور اس طرح بعض آدمیوں کے ذریعہ بعض آدمیوں کو راستے سے نہ ہٹاتا رہتا تو یقیناً زمین

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ (۲ : ۲۵۱)	خرابی پھیل جاتی۔ لیکن اللہ کائنات عالم کے لیے فضل و رحمت رکھنے والا ہو (دیکھنے اس نے انسانی ظلم و فساد کے انسداد کا سامان کر دیا ہوا۔

ایک دوسرے موقع پر یہی حقیقت ان لفظوں میں بیان کی گئی ہے:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ (۲۲ : ۴۰)	اور اگر ایسا نہ ہوتا کہ اللہ بعض جماعتوں کے ذریعے بعض جماعتوں کو ہٹاتا رہتا تو (ظلم و فساد کی) دنیا میں انسان کے ظلم و فساد کیلئے کوئی روک باقی نہ رہتی اور یہ تمام خانقاہیں، گرجے، عبادتگاہیں اور مسجدیں، جن میں کثرت سے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے، منہدم ہو کر رہ جاتیں۔ لیکن یہ اللہ کا فضل ہے کہ اس نے ایک جماعت کے ہاتھوں دوسری ظالم جماعت کو ہٹا دینے کا سامان کر دیا۔

لیکن وہ کہتا ہے، جس طرح فطرت کائنات کے تمام کاموں میں تدریج و امہال کا قانون کام کر رہا ہے، اسی طرح قوموں اور جماعتوں کے معاملہ میں بھی وہ جو کچھ کرتی ہے، بہ تدریج کرتی ہے اور اصلاح و درستگی اور رجوع و انابت کا دروازہ آخر وقت تک کھلا رکھتی ہے۔ کیونکہ رحمت کا مقتضا یہی ہے:

وَقَطَّعْنٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۫ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ (۷ : ۱۶۸)	اور ہم نے ایسا کیا کہ ان کے الگ الگ گروہ زمین میں پھیل گئے۔ ان میں بعض تو نیک عمل تھے۔ بعض اور طرح کے۔ پھر ہم نے انھیں اچھائیوں اور برائیوں، دونوں طرح کی حالتوں سے آزمایا کہ نافرمانی سے باز آجائیں۔

جس طرح اجسام کے تغیر کے لیے فطرت نے اسباب و علل کی ایک خاص مقدار اور مدت مقرر کر دی ہے، اسی طرح اقوام کے زوال ہلاکت کے لیے بھی موجبات ہلاکت کی ایک خاص مقدار اور مدت مقرر ہے، اور یہی ان کی اجل ہے۔ جب تک یہ اجل نہیں آپہنچتی، قانون الٰہی یکے بعد دیگرے انھیں تنبہ و عتبا کی مہلتیں دیتا رہتا ہے:

اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِىْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝ (۹ : ۱۲۶)	کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ ان پر کوئی برس ایسا نہیں گزرتا کہ ہم انھیں ایک مرتبہ یا دو مرتبہ آزمائشوں میں نہ ڈالتے ہوں (یعنی ان کے اعمال کے نتائج پیش نہ آتے ہوں) پھر بھی یہ نہ تو توبہ کرتے ہیں اور نہ حالات سے نصیحت پکڑتے ہیں!

لیکن اگر تنبیہ و اعتبار کی یہ تمام مہلتیں رائیگاں گئیں اور اُن سے فائدہ نہ اٹھایا گیا، تو پھر فیصلۂ امر کا آخری وقت نمودار ہو جاتا ہے، اور جب وہ وقت آجائے، تو پھر یہ فطرت کا آخری، اٹل، اور بے پناہ فیصلہ ہے۔ نہ تو اس میں ایک لمحہ کے لئے تاخیر ہو سکتی ہے نہ یہ اپنے مقررہ وقت سے ایک لمحہ پہلے آسکتا ہے:

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ۖ وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ (۷: ۳۲)

اور دیکھو، ہر امت کے لئے ایک مقررہ وقت ہے، سو جب ان کا مقررہ وقت آجاتا ہے، تو اس سے نہ تو ایک گھڑی پیچھے رہ سکتے ہیں، نہ ایک گھڑی آگے بڑھ سکتے ہیں:

وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَعْلُومٌ ۝ مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ ۝ (۱۵: ۴)

اور دیکھو، کبھی ہم نے ایسا نہیں کیا کہ کوئی بستی ہلاک ہو، مگر یہ کہ اس کے لئے (ہمارے ٹھہرائے ہوئے قانون کے مطابق) ایک مقررہ میعاد موجود تھی۔ کوئی امت نہ تو اپنے مقررہ وقت سے آگے بڑھ سکتی ہے اور نہ پیچھے رہ سکتی ہے:

اس طرح "بقاء انفع" اور "قضاء بالحق" کا قانون پچھلی قوم کو چھانٹ دیتا ہے، اور اس کی جگہ ایک دوسری قوم لا کھڑی کرتا ہے، اور یہ سب کچھ اسلئے ہوتا ہے کہ "رحمت" کا مقتضا یہی ہے:

ذَٰلِكَ أَنْ لَمْ يَكُنْ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا غَافِلُونَ ۝ وَلِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِمَّا عَمِلُوا ۚ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ۝ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۚ إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْ بَعْدِكُمْ مَا يَشَاءُ كَمَا أَنْشَأَكُمْ مِنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ آخَرِينَ ۝ (۶: ۱۳۱)

یہ (تبلیغ و ہدایت کا تمام سلسلہ) اسلئے ہے کہ تمہارے پروردگار کا یہ شیوہ نہیں کہ بستیوں کو ظلم و تعدی سے ہلاک کر دے اور ان کے بسنے والے حقیقت حال سے بے خبر ہوں۔ اس کا قانون تو یہ ہے کہ جیسا کچھ جس کا عمل ہو، اس کے مطابق اس کا ایک درجہ ہے (اور اسی درجہ کے مطابق اس کے اچھے برے نتائج ظاہر ہوتے ہیں) اور یاد رکھو، جو کچھ اور جیسے کچھ لوگوں کے اعمال ہیں، تمہارا پروردگار ان سے بے خبر نہیں ہے۔ نیز تمہارا پروردگار رحمت والا، بے نیاز ہے۔ اگر وہ چاہے تو تمہیں راہ سے ہٹا دے، اور تمہارے بعد جسے چاہے تمہارا جانشین بنا دے۔ اسی طرح، جس طرح ایک دوسری جماعت کی نسل سے تمہیں (غلبہ و طاقت دے کر) ایک کا دوسرے کا وارث بنا دیا ہے:

اسی طرح وہ کہتا ہے، یہ بات کہ انفرادی زندگی کے اعمال کی جزا و سزا دنیوی زندگی سے تعلق نہیں رکھتی۔ آخرت پر اٹھا رکھی گئی ہے، اور دنیا میں نیک و بد سب کے لئے یکساں طور پر مہلت حیات اور فیضانِ معیشت ہے، اسی حقیقت کا نتیجہ ہے کہ یہاں "رحمت" کی کارفرمائی ہو۔ "رحمت" کا مقتضا یہی

تھا کہ اسکے فیضانِ بخشش میں کسی طرح کا امتیاز نہ ہو، اور مہلتِ حیات سب کو پوری طرح ملے۔ انہی انسان کی انفرادی زندگی کے دو حصے کر دیئے۔ ایک حصہ دنیوی زندگی کا ہے، اور سر تا سر مہلت ہے۔ دوسرا حصہ مرنے کے بعد کا ہے، اور جزا و سزا کا دن اسی سے تعلق رکھتا ہے:

وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ۖ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ۚ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا ۝ (۱۸ : ۵۸)

اور (اے پیغمبر) یقین کرو، تمہارا پروردگار بڑا بخشنے والا، صاحبِ رحمت ہے۔ اگر وہ ان لوگوں سے انکے اعمال کے مطابق مواخذہ کرتا، تو فوراً عذاب نازل کر دیتا، لیکن اس کی رحمت ہو کہ ایسا نہیں ہوتا، اور انکے لیے ایک میعاد مقرر کر دی گئی ہے۔ جس سے کبھی بھی نہیں ٹل سکتے، اور جب وقت آ پہنچے گا، تو اس مقررہ میعاد کا آنا ہو، پھر اس سے بچنے کیلئے کوئی پناہ کی جگہ نہیں پا سکیں گے:

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلًا ۭ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ۔ (۶ : ۲)

(اور دیکھو) وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر تمہاری زندگی کے لیے ایک وقت ٹھہرا دیا، اور اسی طرح اس کے ٹھہرائے ہوئے ایک اور بھی ٹھہرائی ہوئی میعاد ہے (یعنی قیامت کا دن)

وہ کہتا ہے، جس طرح عالمِ اجسام میں تم دیکھتے ہو کہ فطرت نے ہر کمزوری و فساد کے لیے اسکا ایک لازمی نتیجہ ٹھہرا دیا ہے، لیکن پھر بھی اصلاحِ حال کا دروازہ بند نہیں کرتی، اور غلطیوں پر مہلتیں دیتی رہتی ہے اور اگر بروقت اصلاح ظہور میں آجائے تو اُسے قبول کر لیتی ہے، ٹھیک ٹھیک اسی طرح یہاں بھی اُسنے توبہ و انابت کا دروازہ کھلا رکھا ہے۔ کوئی بدعملی، کوئی گناہ، کوئی جرم، کوئی فساد ہو، اور اپنی نوعیت میں کتنا ہی سخت اور اپنی مقدار میں کتنا ہی عظیم ہو، لیکن جونہی توبہ و انابت کا احساس انسان کے اندر جنبش میں آجاتا ہے، رحمتِ الٰہی قبولیت کا دروازہ کھول دیتی ہے، اور اشکِ ندامت کا ایک قطرہ، بدعملیوں، گناہوں کے بے شمار داغ دھبے اس طرح دھو دیتا ہے گویا اُسکے دامنِ عمل پر کوئی دھبہ لگا ہی نہ تھا!

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (۲۵ : ۷۰)

ہاں، مگر جس کسی نے توبہ کی، ایمان لایا، اور آئندہ کیلئے نیک عملی اختیار کی، تو یہ لوگ ہیں جن کی برائیوں کو اللہ اچھائیوں سے بدل دیتا ہے، اور اللہ بڑا بخشنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے!

اس بارے میں قرآن نے رحمتِ الٰہی کی وسعت اور اسکی مغفرت و بخشش کی فراوانی کا جو نقشہ کھینچا ہے، اسکی کوئی حد و انتہا نہیں ہے۔ کتنے ہی گناہ ہوں، کتنے ہی سخت گناہ ہوں، کتنی ہی مدت کے گناہ ہوں، لیکن ہر اس انسان کے لیے جو اسکے دروازۂ رحمت پر دستک دے، محبت و قبولیت کے سوا اور کوئی صدا نہیں ہو سکتی!

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (۳۹ : ۵۳)

(اے پیغمبر!) تم اللہ کا یہ فرمان (اس کے بندوں تک) پہنچا دو کہ (اللہ فرماتا ہے) اے میرے بندو! جنہوں نے خود اپنے ہاتھوں اپنے اوپر بڑی بدعملیاں کر کے زیادتی کی ہے (دیکھو) تمہاری بدعملیاں کتنی ہی سخت اور کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہوں مگر اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ یقیناً اللہ تمہارے تمام گناہ بخش دے گا۔ بلاشبہ وہ بڑا ہی بخشنے والا بڑی ہی رحمت رکھنے والا ہے!

اسلامی عقائد کا دینی تصور اور "رحمت"

اور پھر یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں، قرآن نے انسان کے لیے دینی عقائد و اعمال کا جو تصور قائم کیا ہے، اس کی بنیاد بھی تمام تر رحمت و محبت ہی پر رکھی ہے۔ کیونکہ وہ انسان کی روحانی زندگی کو کائناتِ فطرت کے عالمگیر کارخانہ سے کوئی الگ اور غیر متعلق چیز قرار نہیں دیتا۔ بلکہ اسی کا ایک مربوط گوشہ قرار دیتا ہے۔ اور اسلیے کہتا ہے، جبکہ رحمانِ فطرت نے تمام کارخانۂ ہستی کی بنیاد "رحمت" پر رکھی ہو، ضروری تھا کہ اس گوشہ میں بھی اسکے تمام احکام سر تا سر رحمت کی تصویر ہوں!

چنانچہ قرآن نے جابجا یہ حقیقت واضح کی ہے کہ خدا اور اسکے بندوں کا رشتہ محبت کا رشتہ ہے، اور سچی عبودیت اسی کی عبودیت ہے، جسکے لیے معبود، صرف معبود ہی نہ ہو بلکہ محبوب بھی ہو:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (۲ : ۱۶۵)

اور دیکھو، انسانوں میں سے کچھ انسان ایسے ہیں جو دوسری ہستیوں کو اللہ کا ہمسر بنا لیتے ہیں۔ وہ انھیں اس طرح چاہنے لگتے ہیں جس طرح اللہ کو چاہنا ہے۔ حالانکہ جو لوگ ایمان رکھنے والے ہیں، ان کی زیادہ سے زیادہ محبت صرف اللہ ہی کے لیے ہوتی ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۳ : ۲۹)

(اے پیغمبر! ان لوگوں سے) کہہ دو، اگر واقعی تم اللہ سے محبت رکھنے والے ہو، تو چاہیے کہ میری پیروی کرو (میں تمہیں محبت الٰہی کی حقیقی راہ دکھا رہا ہوں) اگر تم نے ایسا کیا تو (صرف یہی نہیں ہوگا کہ تم اللہ سے محبت کرنے والے ہو جاؤ گے بلکہ خود) اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا!

وہ جابجا اس حقیقت پر زور دیتا ہے کہ ایمان باللہ کا نتیجہ اللہ کی محبت اور محبوبیت ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ (۵ : ۵۹)

اے پیروانِ دعوتِ ایمانی! اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے دین کی راہ سے پھر جائیگا تو وہ یہ نہ سمجھے کہ دعوتِ حق کو اس سے کچھ نقصان پہنچیگا۔ عنقریب اللہ ایک گروہ خدا پرستوں کا پیدا کر دیگا جنہیں اللہ کی محبت حاصل ہوگی اور وہ اللہ کو محبوب رکھنے والے ہونگے

لیکن بندے کیلئے خدا کی محبت کی عملی راہ کیا ہے؟ وہ کہتا ہے، خدا کی محبت کی راہ اُسکے بندوں کی محبت میں سے ہو کر گزری ہے۔ جو انسان چاہتا ہے خدا سے محبت کرے، اُسے چاہیئے خدا کے بندوں سے محبت کرنا سیکھے:

وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ (۲: ۱۷۷)

اور جو اپنا مال اللہ کی محبت میں نکالتے اور خرچ کرتے ہیں!

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ۝ إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا ۝ (۷۶: ۸)

اور اللہ کی محبت میں وہ مسکینوں، یتیموں، قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں، (اور کہتے ہیں) ہمارا یہ کھانا کھلانا، اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ محض اللہ کے لیے ہو۔ نہ تو ہم تم سے کوئی بدلہ چاہتے ہیں، نہ کسی طرح کی شکر گزاری!

ایک حدیث قدسی میں یہی حقیقت نہایت مؤثر پیرائے میں واضح کی گئی ہے:

یا ابن آدم، مرضت فلم تعدنی، قال کیف اعودک وانت رب العلمین؟ قال اما علمت ان عبدی فلانا مرض فلم تعدہ، اما علمت انک لو عدتہ لوجدتنی عندہ؟ یا ابن آدم، استطعمتک فلم تطعمنی، قال یا رب کیف اطعمک وانت رب العلمین؟ قال اما علمت انہ استطعمک عبدی فلان فلم تطعمہ اما علمت انک لو اطعمتہ لوجدت ذلک عندی؟ یا ابن آدم، استسقیتک فلم تسقنی قال کیف اسقیک وانت رب العلمین؟ قال استسقاک عبدی فلان فلم تسقہ اما انک لو سقیتہ لوجدت ذلک عندی (مسلم عن ابی ہریرۃ)

قیامت کے دن ایسا ہوگا کہ خدا ایک انسان سے کہیگا، اے ابن آدم! میں بیمار ہوگیا تھا مگر تو نے میری بیمار پرسی نہ کی۔ بندہ متعجب ہو کر کہیگا بھلا ایسا کیونکر ہو سکتا ہے اور تو تو رب العالمین ہے۔ خدا فرمائیگا کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ تیرے قریب بیمار ہوگیا تھا اور تو نے اُس کی خبر نہیں لی تھی۔ حالانکہ اگر تو اُس کی بیمار پرسی کے لیے جاتا تو مجھے اُس کے پاس پاتا (یعنی اُس کی خدمت کرنے میں میرے لیے خوشنودی تھی) اسی طرح خدا فرمائے گا، اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا مگر تو نے مجھے نہیں کھلایا۔ بندہ عرض کرے گا بھلا ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ تجھے کسی بات کی احتیاج ہو؟ خدا فرمائے گا کیا تجھے یاد نہیں کہ میرے فلاں بھوکے بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا اور تو نے انکار کر دیا تھا۔ اگر تو اسے کھلاتا تو تو مجھے اُسکے پاس پاتا۔

اسی طرح قرآن نے اعمال عبادات کی یہ تشکیل توجیہت قرار دی ہے، اخلاق و خصائل میں سے

جن جن باتوں پر زور دیا ہے، اوامر و نواہی میں جو جو اصول و مبادی ملحوظ رکھے ہیں، ان سب میں بھی یہی حقیقت کام کر رہی ہے۔ اور یہ چیز اس درجہ واضح و معلوم ہے کہ بحث و بیان کی ضرورت نہیں۔

اور پھر یہی وجہ ہے کہ قرآن نے خدا کی کسی صفت کو بھی اس کثرت کے ساتھ نہیں دُہرایا ہو، اور نہ کوئی مطلب اس درجہ اُسکے صفحات میں نمایاں ہے، جس قدر رحمت ہو۔ اگر قرآن کے وہ تمام مقامات جمع کیے جائیں جہاں "رحمت" کا ذکر کیا گیا ہے، تو تین سَو سے زیادہ مقامات ہونگے، اور اگر وہ تمام مقامات بھی شامل کر دیئے جائیں۔ جہاں اگرچہ لفظ رحمت استعمال نہیں ہوا ہے، لیکن ان کا تعلق رحمت ہی سے ہو، مثلاً ربوبیت، مغفرت، رافت، کرم، حلم، عفو، وغیرہا، تو پھر یہ تعداد اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ بعض مفسرین کے لفظوں میں "قرآن اول سے لیکر آخر تک، اسکے سوا کچھ نہیں ہے کہ رحمت الٰہی کا پیام ہے"!

ہم اس موقع پر وہ تمام تصریحات قصداً چھوڑ رہے ہیں، جن کا ذخیرہ احادیث میں موجود ہے، کیونکہ یہ جگہ مفسرانہ تفصیل و بحث کی متحمل نہیں۔ پیغمبرِ اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے قول و عمل سے اسلام کی جو حقیقت ہمیں بتلائی ہے وہ تمام تر یہی ہے کہ خدا کی موحدانہ پرستش اور اُسکے بندوں کی شفقت و رحمت۔ ایک مشہور حدیث جو ہر مسلمان و واعظ و معلم کی زبان پر ہے، ہمیں بتلاتی ہے کہ انما یرحم اللہ من عبادہ الرحماء[1]۔ خدا کی رحمت انہی بندوں کے لیے ہو، جو اُسکے بندوں کیلئے رحمت رکھتے ہیں! حضرت مسیح (علیہ السلام) کا مشہور کلمۂ وعظ "تم زمین پر رحم کرو، تاکہ وہ، جو آسمان پر ہے، تم پر رحم کرے"، بجنسہٖ پیغمبرِ اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبان پر بھی طاری ہوا ہے۔ الراحمون یرحمھم الرحمٰن تبارک وتعالیٰ، ارحموا من فی الارض، یرحمکم من فی السماء[2]! اتنا ہی نہیں، بلکہ اسلام نے انسانی رحمت و شفقت کی جو ذہنیت پیدا کرنی چاہی ہے، وہ اسقدر وسیع ہے کہ بے زبان جانور بھی اس سے باہر نہیں ہیں۔ ایک سے زیادہ حدیثیں اس مضمون کی موجود ہیں کہ اللہ کی رحمت رحم کرنے والوں کیلئے ہو۔ اگرچہ یہ رحم ایک چڑیا ہی کے لیے کیوں نہ ہو: من رحم، ولو ذبیحۃ عصفور، رحمہ اللہ یوم القیامۃ[3]!

اصل یہ ہو کہ قرآن نے خداپرستی کی بنیاد ہی اس جذبہ پر رکھی ہو کہ انسان خدا کی صفتوں کا پرتو اپنے اندر پیدا کرے۔ وہ انسان کے وجود کو ایک ایسی سرحد قرار دیتا ہے جہاں حیوانیت کا درجہ ختم ہوتا اور

---

[1] طبرانی وابن جریر بسند صحیح۔ [2] امام احمد نے مسند میں، ترمذی اور ابوداؤد نے صحیح میں، اور حاکم نے مستدرک میں ابن عمرو سے روایت کی ہے۔ ورویناہ مسلسلاً من طریق الشیخ محمود شکری الآلوسی العراقی، وایضاً عن والدی المرحوم عن الشیخ صدر الدین الدہلوی من طریق الشیخ احمد ولی اللہ رحمہم اللہ ۱۲ [3] رواہ البخاری فی الادب المفرد والطبرانی عن ابی امامۃ وصححہ السیوطی فی الجامع الصغیر ۱۲

ایک مافوق حیوانیت درجہ شروع ہوجاتا ہے۔ وہ کہتا ہے، انسان کا جوہر انسانیت جو اُسے حیوانات کی سطح سے بلند و ممتاز کرتا ہے، اسکے سوا کچھ نہیں کہ صفاتِ الٰہی کا پرتو ہے، اور اسلئے انسانیت کی تکمیل یہ ہے کہ اُسمیں زیادہ سے زیادہ، صفاتِ الٰہی سے تخلق و تشبہ پیدا ہوجائے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے جہاں کہیں بھی انسان کے مخصوص صفات کا ذکر کیا ہے، اُنھیں براہ راست خدا کی طرف نسبت دی حتیٰ کہ جوہر انسانیت کو خدا کی روح پھونک دینے سے تعبیر کیا: ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُوحِهِ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ (۳۲: ۹) پس اگر وہ خدا کی رحمت کا تصور ہم میں پیدا کرنا چاہتا ہے، تو یہ اسی لیے ہے کہ وہ چاہتا ہے، ہم بھی سرتاپا رحمت و محبت ہوجائیں۔ اگر وہ اسکی ربوبیت کا مرقع بار بار ہماری نگاہوں کے سامنے لاتا ہے، تو یہ اسلیے ہے کہ وہ چاہتا ہے ہم بھی اپنے چہرۂ اخلاق میں ربوبیت کے خال و خط پیدا کرلیں۔ اگر وہ اُسکی رافت و شفقت کا ذکر کرتا ہے، اُسکے لطف و کرم کا جلوہ دکھاتا ہے، اُسکے جود و احسان کا نقشہ کھینچتا ہے، تو اسی لیے، کہ وہ چاہتا ہے، ہم میں بھی ان الٰہی صفتوں کا جلوہ نمودار ہوجائے۔ وہ بار بار ہمیں سُناتا ہے کہ خدا کی بخشش و درگزر کی کوئی انتہا نہیں، اور اس طرح ہمیں یاد دلاتا ہے کہ ہم میں بھی اُسکے بندوں کیلئے بخشش و درگزر کا غیر محدود جوش پیدا ہوجانا چاہیے۔ اگر ہم اُسکے بندوں کی خطائیں بخش نہیں سکتے تو ہمیں کیا حق ہے کہ اپنی خطاؤں کیلئے اسکی بخشائشوں کا انتظار کریں؟

جہاں تک احکام و شرائع کا تعلق ہے، بلاشبہ اُس نے یہ نہیں کہا کہ دشمنوں کو پیار کرو، کیونکہ ایسا کہنا حقیقت نہ ہوتی، مجاز ہوتا۔ لیکن اُسنے کہا کہ دشمنوں کو بھی بخش دو، اور جو دشمن کو بخشدینا سیکھ لیگا اُسکا دل خود بخود انسانی بغض و نفرت کی آلودگیوں سے پاک ہوجائے گا:

الْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (۳: ۱۳۴)

اور اللہ کے وہ نیک بندے، جو غصہ ضبط کرنے والے، اور انسانوں کے قصور بخش دینے والے ہیں، اور یقیناً اللہ کی محبت انہی کیلئے ہے جو احسان کرنیوالے ہیں۔

وَالَّذِينَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ (۱۳: ۲۲)

اور جن لوگوں نے اللہ کی محبت میں (دکھ و ناگواری) برداشت کی، نماز قائم کی، خدا کی دی ہوئی روزی پوشیدہ و علانیہ اس کے بندوں کے لیے خرچ کی، اور برائی کا جواب برائی سے نہیں، نیکی سے دیا، تو (تحسین کرو) یہی لوگ ہیں جن کے لیے آخرت کا بہتر ٹھکانا ہے۔

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ (۴۲: ۴۳)

اور (دیکھو) جو کوئی برائی پر صبر کرے اور بخش دے، تو یقیناً یہ بڑی اولوالعزمی کی بات ہے۔

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ ادْفَعْ

اور (دیکھو) نیکی اور بدی برابر نہیں ہو سکتی۔ اگر کوئی برائی کرے تو

بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ۝ وَمَا یُلَقّٰهَاۤ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا یُلَقّٰهَاۤ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ۝ (۴۱ : ۳۴)

برائی کا جواب ایسے طریقے سے دو جو بہت ہی اچھا ہو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو تم دیکھو گے کہ جس شخص سے تمہاری عداوت تھی، وہ یکایک تمہارا دلی دوست ہو گیا ہو! البتہ یہ ایسا مقام ہے جو اسی کو مل سکتا ہو جو برداشت سے کام لینے والا، بڑی برداشت رکھتا ہو، اور جسے (نیکی و سعادت کا) حصۂ وافر ملا ہو۔

بلاشبہ اُس نے بدلہ لینے سے بالکل روک نہیں دیا، اور وہ کیونکر روک سکتا تھا جبکہ طبیعت حیوانی کا یہ فطری تقاضہ ہو اور حفاظت نفس اسپر موقوف ہو، لیکن جہاں کہیں بھی اُس نے اِسکی اجازت دی ہے، ساتھ ہی عفو و بخشش اور بدی کے بدلے نیکی کرنے کی ایسی مؤثر ترغیب بھی دیدی ہے، کہ ممکن نہیں، ایک خدا پرست انسان اُس سے متاثر نہ ہو:

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۚ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَیْرٌ لِّلصّٰبِرِیْنَ۝ (۱۶ : ۱۲۶)

اور دیکھو اگر تم بدلہ لو، تو چاہیئے کہ جتنی اور جیسی کچھ برائی تمہارے ساتھ کی گئی ہو، اُسی کے مطابق ٹھیک ٹھیک بدلہ بھی لیا جائے (یہ نہ ہو کہ زیادتی کر بیٹھو) لیکن اگر تم برداشت کر جاؤ اور بدلہ نہ لو، تو یاد رکھو، برداشت کرنے والوں کیلئے برداشت کر جانا ہی بہتر ہے۔

وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ (۴۲ : ۴۰)

برائی کے لیے ویسا ہی اور اُتنا ہی بدلہ ہے جیسی اور جتنی برائی کی گئی ہے، لیکن جس کسی نے درگزر کیا، اور معاملہ کو بگاڑنے کی جگہ سنوار دیا، تو اُس کا اجر اللہ پر ہے، وہ (قیامت کے دن) اِس بدلہ لینے سے کہیں بہتر اجر دے گا!

انجیل اور قرآن

ہم نے قرآن کی آیاتِ عفو و بخشش نقل کرتے ہوئے ابھی لکھا ہو کہ "اُس نے یہ نہیں کہا کہ دشمنوں کو پیار کرو۔ کیونکہ ایسا کہنا حقیقت نہ ہوتی۔ مجاز ہوتا۔" ضروری ہو کہ اسکی مختصراً تشریح کر دی جائے۔ حضرت مسیح (علیہ السلام) نے یہودیوں کی ظاہر پرستیوں اور اخلاقی محرومیوں کی جگہ، رحم و محبت اور عفو و بخشش کی اخلاقی قربانیوں پر زور دیا تھا، اور انکی دعوت کی اصلی روح یہی ہے۔ چنانچہ ہم انجیل کے مواعظ میں جابجا اِس طرح کے خطابات پاتے ہیں: "تم نے سنا ہوگا کہ اگلوں سے کہا گیا، دانت کے بدلے دانت اور آنکھ کے بدلے آنکھ، لیکن میں کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا۔" یا "اپنے ہمسائیوں ہی کو نہیں بلکہ دشمنوں کو بھی پیار کرو۔" یا مثلاً "اگر کوئی تمہارے ایک گال پر طمانچہ مارے تو چاہیئے کہ دوسرا گال بھی آگے کر دو۔" سوال یہ ہے کہ اِن خطابات کی نوعیت کیا تھی؟ یہ اخلاقی فضائل و ایثار کا ایک مؤثر پیرایۂ بیان تھا، یا تشریع تھی۔ یعنی قوانین وضع کرنا تھا؟ افسوس ہے کہ انجیل کے معتقدوں اور نکتہ چینیوں دونوں نے یہاں ٹھوکر کھائی۔ دونوں اس غلط فہمی میں مبتلا ہوگئے کہ یہ تشریع تھی، اور اسلیئے دونوں کو تسلیم کرنا پڑا کہ یہ ناقابل عمل احکام ہیں۔ معتقدوں نے خیال کیا کہ اگرچہ اِن احکام پر عمل نہیں کیا جا سکتا تاہم

مسیحیت کے احکام یہی ہیں، اور عملی نقطۂ خیال سے اسقدر کافی ہے کہ اوائل عہد میں چند ولیوں اور شہیدوں نے ان پر عمل کر لیا تھا۔ نکتہ چینیوں نے کہا کہ یہ سرتاسر ایک نظری اور ناقابلِ عمل تعلیم ہے، اگر کہنے میں کتنی ہی خوشنما ہو لیکن عملی نقطۂ خیال سے اسکی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ یہ فطرتِ انسانی کے صریح خلاف ہے۔

فی الحقیقت نوعِ انسانی کی یہ بڑی ہی درد انگیز ناانصافی ہے جو تاریخ انسانیت کے اس عظیم ترین معلم کے ساتھ جائز رکھی گئی۔ جس طرح بے درد نکتہ چینیوں نے اُسے سمجھنے کی کوشش نہ کی اسطرح نادان معتقدوں نے بھی فہم و بصیرت سے انکار کر دیا!

لیکن کیا کوئی انسان جو قرآن کی سچائی کا معترف ہو، ایسا خیال کر سکتا ہے کہ حضرت مسیح (علیہ السلام) کی تعلیم فطرت انسانی کے خلاف تھی اور اسلیئے ناقابلِ عمل تھی؟ ہرگز نہیں۔ قرآن کی تصدیق کے ساتھ ایسا منکرانہ خیال جمع نہیں ہو سکتا۔ اگر ہم ایک لمحہ کیلئے بھی ایسا تسلیم کر لیں تو اسکے معنی یہ ہونگے کہ ہم حضرت مسیح کی تعلیم کی سچائی سے انکار کر دیں۔ کیونکہ جو تعلیم فطرت انسانی کے خلاف ہو، وہ کبھی انسان کے لیے سچی تعلیم نہیں ہو سکتی۔ لیکن ایسا اعتقاد نہ صرف قرآن کی تصریح کے خلاف ہوگا، بلکہ اسکی دعوت کی اصلی بنیاد ہی متزلزل ہو جائے گی۔ اسکی دعوت کا بنیادی اصول یہ ہے کہ وہ دنیا کے تمام رہنماؤں کی یکساں طور پر تصدیق کرتا، اور سب کو خدا کی ایک ہی سچائی کا پیامبر قرار دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے، پیروانِ مذاہب کی سب سے بڑی گمراہی تفریق بین الرسل ہے۔ یعنی ایمان و تصدیق کے لحاظ سے خدا کے رسولوں میں تفریق کرنا۔ کسی ایک کو ماننا اور دوسروں کو جھٹلانا، یا سب کو ماننا، اور کسی ایک کا انکار کرنا۔ اور اسی لیے اُس نے جا بجا اسلام کی راہ یہ بتلائی ہے کہ:

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ۝ — ہم خدا کے رسولوں میں سے کسی کو بھی دوسروں سے جدا نہیں کرتے (کہ ایک کو مانیں اور باقی سب کو نہ مانیں، یا سب کو مانیں مگر کسی ایک کو نہ مانیں) ہم تو خدا کے آگے جھکے ہوئے ہیں

(۳ : ۸۴) (اس کی سچائی کہیں بھی آئی ہو اور کسی کی زبانی آئی ہو ہمارا اس پر ایمان ہے!)

علاوہ بریں خود قرآن نے حضرت مسیح کی دعوت کا یہی پہلو جا بجا نمایاں کیا ہے کہ وہ رحمت و محبت کے پیامبر تھے، اور یہودیوں کی اخلاقی خشونت و قساوت کے مقابلہ میں مسیحی اخلاق کی رقت و رافت کی بار بار مدح کی ہے:

وَلِنَجْعَلَهُ آيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا — اور تاکہ ہم اسکو (یعنی مسیح کے ظہور کو) لوگوں کے لیے ایک (قدرتی) نشانی اور رحمت

وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا (۱۹: ۲۱) کا فیصلہ بنا دیں، اور یہ بات (مشیت الٰہی میں) طے شدہ ہو۔
وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ اور اُن لوگوں کے دلوں میں جنہوں نے (مسیح کی) پیروی کی ہم نے شفقت
رَأْفَةً وَّرَحْمَةً (۵۷: ۲۷) اور رحمت ڈال دی۔

اس موقع پر یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ قرآن نے جس قدر اوصاف خود اپنی نسبت بیان کیے ہیں، پوری فراخ دلی کے ساتھ وہی اوصاف تورات و انجیل کے لیئے بھی بیان کیے ہیں۔ مثلاً وہ جس طرح اپنے آپ کو ہدایت کرنے والا، روشنی رکھنے والا، نصیحت کرنے والا، قوموں کا امام، متقیوں کا راہنما، قرار دیتا ہے، ٹھیک اسی طرح پچھلے صحیفوں کو بھی ان تمام اوصاف سے متصف قرار دیتا ہے۔ چنانچہ انجیل کی نسبت ہم جابجا پڑھتے ہیں: وَآتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ (۵: ۴۶) یہ ظاہر ہے کہ جو تعلیم فطرت بشری کے خلاف اور ناقابل عمل ہو، وہ کبھی نور و ہدایت اور مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ نہیں ہو سکتی۔

اصل یہ ہے کہ حضرت مسیح (علیہ السلام) کی ان تمام تعلیمات کی وہ نوعیت ہی نہ تھی جو غلطی سے سمجھ لی گئی، اور دنیا میں ہمیشہ انسان کی سب سے بڑی گمراہی اُسکے انکار سے نہیں بلکہ کج اندیشانہ اعتراف و اعتقاد ہی سے پیدا ہوئی ہے۔

حضرت مسیح کا ظہور ایک ایسے عہد میں ہوا تھا، جبکہ یہودیوں کا اخلاقی تنزل انتہائی حد تک پہنچ چکا تھا، اور دل کی نیکی اور اخلاق کی پاکیزگی کی جگہ محض ظاہری احکام و رسوم کی پرستش، دینداری و خدا پرستی سمجھی جاتی تھی۔ یہودیوں کے علاوہ جس قدر متمدن قومیں قرب و جوار میں موجود تھیں، مثلاً رومی، مصری، آشوری، وہ بھی انسانی رحم و محبت کی روح سے یکسر نا آشنا تھیں۔ لوگوں نے یہ بات تو معلوم کر لی تھی کہ جرموں گناہوں پر مجرموں کو سزائیں دینی چاہیئیں، لیکن اس حقیقت سے بے بہرہ تھے کہ رحم و محبت اور عفو و بخشش کی چارہ سازیوں سے جرموں اور گناہوں کی پیدائش روک دینی چاہیئے۔ انسانی قتل کو بطور کھیل کے تماشا دیکھنا، طرح طرح کے ہولناک طریقوں سے مجرموں کو ہلاک کرنا، زندہ انسانوں کو درندوں کے سامنے ڈال دینا، آباد شہروں کو بلاوجہ جلا کر خاکستر کر دینا، اپنی قوم کے علاوہ تمام انسانوں کو غلام سمجھنا اور غلام بنا کر رکھنا، رحم و محبت اور علم و شفقت کی جگہ قلبی قساوت و بے رحمی پر فخر کرنا، رومی تمدن کا اخلاق اور مصری اور آشوری دیوتاؤں کا پسندیدہ طریقہ تھا!

ضرورت تھی کہ نوع انسانی کی ہدایت کیلئے ایک ایسی ہستی مبعوث ہو جو سر تا سر رحمت و محبت کا پیام ہو، اور جو انسانی زندگی کے تمام گوشوں سے قطع نظر کر کے، صرف اُسکی قلبی و معنوی حالت کی اصلاح و

تزکیہ پر اپنی تمام پیغمبرانہ ہمت مبذول کرتے۔ چنانچہ حضرت مسیح کی شخصیت میں وہ ہستی نمودار ہوگئی اُس نے جسم کی جگہ روح پر، زبان کی جگہ دل پر، اور ظاہر کی جگہ باطن پر نوع انسانی کو توجہ دلائی، اور انسانیت اعلیٰ کا فراموش شدہ سبق تازہ کر دیا!

معمولی سے معمولی کلام بھی بشرطیکہ بلیغ ہو، اپنی بلاغت کے مجازات رکھتا ہے۔ قدرتی طور پر اس الہامی بلاغت کے بھی مجازات تھے جو اُنکی تاثیر کا زیور اور اُنکی دلنشینی کی خوبروئی ہیں، لیکن افسوس کہ وہ دنیا جو اقانیم ثلاثہ اور کفارہ جیسے دور از کار عقائد پیدا کر لینے والی تھی، اُنکے مواعظ کا مقصد و محل نہ سمجھ سکی، اور مجازات کو حقیقت سمجھ کر غلط فہمیوں کا شکار ہو گئی۔

اُنھوں نے جہاں کہیں یہ کہا ہو کہ "تم دشمنوں کو پیار کرو" تو یقیناً اسکا یہ مطلب نہ تھا کہ ہر انسان کو چاہیئے، اپنے دشمنوں کا عاشق زار ہو جائے، بلکہ سیدھا سادہ مطلب یہ تھا کہ تم میں غیظ و غضب اور نفرت و انتقام کی جگہ ترحم و محبت کا پر جوش جذبہ پیدا ہونا چاہیئے، اور ایسا ہونا چاہیئے کہ دوست تو دوست دشمن تک کے ساتھ عفو و درگزر سے پیش آؤ۔ اس مطلب کیلئے کہ رحم کرو، بخشدو، انتقام کے پیچھے نہ پڑو، یہ ایک نہایت ہی بلیغ اور موثر پیرایۂ بیان ہے کہ "دشمنوں تک کو پیار کرو" ایک ایسے گردو پیش میں جہاں اپنوں اور عزیزوں کے ساتھ بھی رحم کا محبت کا برتاؤ نہ کیا جاتا ہو، یہ کہنا کہ اپنے دشمنوں سے بھی نفرت نہ کرو، رحم و محبت کی ضرورت کا ایک اعلیٰ اور کامل ترین تخیل پیدا کر دیتا تھا:

شنیدم کہ مردانِ راہِ خدا   دلِ دشمناں ہم نہ کردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام   کہ با دوستانت خلاف ست و جنگ

یا مثلاً اگر انھوں نے کہا "اگر کوئی تمہارے ایک گال پر طمانچہ مارے تو دوسرا گال بھی آگے کر دو" تو یقیناً اس کا مطلب یہ نہ تھا کہ سچ مچ کو تم اپنا گال آگے کر دیا کرو، بلکہ صریح مطلب یہ تھا کہ انتقام کی جگہ عفو و درگزر کی راہ اختیار کرو۔ بلاغتِ کلام کے یہ وہ مجازات ہیں جو ہر زبان میں یکساں طور پر پائے جاتے ہیں، اور یہ ہمیشہ بڑی ہی جہالت و ناواقفی کی بات سمجھی جاتی ہو کہ انکے مقصود و مفہوم کی جگہ اُن کے منطوق پر زور دیا جائے۔ اگر ہم اس طرح کے مجازات کو انکے ظواہر پر محمول کرنے لگیں گے تو نہ صرف تمام الہامی تعلیمات ہی درہم برہم ہو جائیں گی، بلکہ انسان کا وہ تمام کلام جو ادب و بلاغت کے ساتھ دنیا کی تمام زبانوں میں کہا گیا ہے، ایک قلم مختل ہو جائے گا!

باقی رہی یہ بات کہ حضرت مسیح نے سزا کی جگہ محض رحم و درگزر ہی پر زور دیا، تو انکے مواعظ کی اصلی نوعیت سمجھ لینے کے بعد یہ بات بھی بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ بلاشبہ شرائع نے تعزیر و عقوبت کا حکم دیا تھا

لیکن اس لیے نہیں کہ تعزیر و عقوبت فی نفسہ کوئی مستحسن عمل ہے، بلکہ اس لیے کہ معیشت انسانی کی بعض ناگزیر حالتوں کے لیے یہ ایک ناگزیر علاج ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ ایک کم درجہ کی برائی تھی جو اس لیے گوارا کر لی گئی کہ بڑے درجے کی برائیاں روکی جا سکیں۔ لیکن دنیا نے اسے علاج کی جگہ ایک پسندیدہ مشغلہ بنا لیا اتنا ہی نہیں، بلکہ رفتہ رفتہ انسان کی تعذیب و ہلاکت کا ایک خوفناک آلہ بن گئی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ انسانی قتل و غارتگری کی کوئی ہولناکی ایسی نہیں، ہو جو شریعت اور قانون کے نام سے نہ کی گئی ہو، اور جو فی الحقیقت اسی بدلہ لینے اور سزا دینے کے حکم کا ظالمانہ استعمال نہ ہو۔ اگر تاریخ سے پوچھا جائے کہ انسانی ہلاکت کی سب سے بڑی قوتیں، میدانہائے جنگ سے باہر کون کون سی رہی ہیں؟ تو یقیناً اس کی انگلیاں ان عدالت گاہوں کی طرف اٹھ جائیں گی جو مذہب اور قانون کے ناموں سے قائم کی گئیں اور جنہوں نے ہمیشہ اپنے ہم جنسوں کی تعذیب و ہلاکت کا عمل انکی ساری وحشت انگیزیوں اور ہولناکیوں کے ساتھ جاری رکھا۔ ۞ پس اگر حضرت مسیح نے تعزیر و عقوبت کی جگہ سر تا سر رحم و درگزر پر زور دیا، تو یہ اس لیے نہیں تھا کہ وہ نفس تعزیر و سزا کے خلاف کوئی نئی تشریع کرنی چاہتے تھے، بلکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ اس ہولناک غلطی سے انسان کو نجات دلائیں جس میں تعزیر و عقوبت کے غلو نے مبتلا کر رکھا ہے۔ وہ دنیا کو بتلانا چاہتے تھے کہ اعمال انسانی کا اصل عمل رحم و محبت ہے۔ نفرت و انتقام نہیں ہے۔ اور اگر تعزیر و سیاست جائز رکھی گئی ہے تو صرف اس لیے کہ بطور ایک ناگزیر علاج کے عمل میں لائی جائے۔ یہ مقصود نہ تھا کہ تمہارے دل رحم و محبت کی جگہ سزا و نفرت و انتقام کا آشیانہ بن جائیں!

شریعت موسوی کے پیروؤں نے شریعت کو صرف سزا دینے کا آلہ بنا لیا تھا۔ حضرت مسیح نے بتلایا کہ شریعت سزا دینے کے لیے نہیں بلکہ نجات کی راہ دکھانے آئی ہے، اور نجات کی راہ سر تا سر رحمت و محبت کی راہ ہے!

دراصل اس بارے میں انسان کی بنیادی غلطی یہ رہی ہے کہ وہ عمل میں اور عامل میں امتیاز قائم نہیں رکھتا۔ حالانکہ جہاں تک مذہب کی تعلیم کا تعلق ہے، اس بات میں کہ ایک عمل کیسا ہے اور اس میں کہ کرنے والا کیسا ہے، بہت بڑا فرق ہے، اور دونوں کا حکم ایک نہیں۔ بلاشبہ تمام مذاہب کا یہ عالمگیر مقصد رہا ہے کہ بد عملی اور گناہ کی طرف سے انسان کے دل میں نفرت پیدا کر دیں، لیکن یہ انہوں نے کبھی گوارا نہیں کیا

۞ شاید انسانی گمراہی کی عجیبیوں کی اس سے بہتر مثال نہیں مل سکتی کہ جس انجیل کی تعلیم کا یہ مطلب سمجھا گیا تھا کہ وہ کسی حال میں بدلہ لینے اور سزا دینے کی اجازت نہیں دیتی، اسی انجیل کے پیروؤں نے نوع انسانی کی تعذیب و ہلاکت کا عمل ایسی وحشت و بے رحمی کے ساتھ صدیوں تک جاری رکھا کہ آج ہم اس کا تصور بھی بغیر وحشت و ہراس کے نہیں کر سکتے، اور یہ جو کچھ کیا گیا انجیل اور اس کے مقدس نام پر کیا گیا۔

کہ خود انسان کی طرف سے انسان کے اندر نفرت پیدا ہو جائے۔ یقیناً اُنہوں نے اِس بات پر زور دیا کہ گناہ سے نفرت کرو، لیکن یہ کبھی نہیں کہا ہے کہ گنہگار سے نفرت کرو۔ اُنکی مثال ایسی ہے جیسے ایک طبیب ہمیشہ لوگوں کو بیماریوں سے ڈراتا رہتا ہے، اور بسا اوقات اُنکے مہلک نتائج کا ایسا ہولناک نقشہ کھینچ دیتا ہے کہ دیکھنے والے سہم کر رہجاتے ہیں، لیکن یہ تو وہ کبھی نہیں کہتا کہ جو لوگ بیمار ہو جائیں اُن سے ڈرنے اور نفرت کرنے لگے، یا لوگوں سے کہے کہ ڈرو اور نفرت کرو؟ اتنا ہی نہیں، بلکہ اُسکی تو ساری توجہ اور شفقت کا مرکز بیمار ہی کا وجود ہوتا ہے۔ جو انسان جتنا زیادہ بیمار ہوگا، اُتنا ہی زیادہ اُسکی توجہ اور شفقت کا مستحق ہو جائے گا!

پس جس طرح جسم کا طبیب بیماریوں کیلئے نفرت لیکن بیمار کیلئے شفقت و ہمدردی کی تلقین کرتا ہو، ٹھیک اُسی طرح روح و دل کے طبیب بھی گناہوں کے لیے نفرت لیکن گنہگاروں کے لیے سرتا پا رحمت و شفقت کا پیام ہوتے ہیں۔ یقیناً وہ چاہتے ہیں کہ گناہوں سے (جو روح و دل کی بیماریاں ہیں) ہم میں دہشت و نفرت پیدا کردیں، لیکن گناہوں سے پیدا کردیں، گنہگار انسانوں سے نہیں، اور یہی وہ نازک مقام ہے جہاں ہمیشہ پیروانِ مذاہب نے ٹھوکر کھائی ہے۔ مذاہب نے چاہا تھا کہ اُنہیں بُرائی سے نفرت کرنا سکھلائیں، لیکن بُرائی سے نفرت کرنے کی جگہ اُنہوں نے اُن انسانوں سے نفرت کرنا سیکھ لیا جنہیں وہ اپنے خیال میں بُرائی کا مجرم تصور کرتے ہیں!

حضرت مسیح کی تعلیم سرتا سر اِسی حقیقت کی دعوت تھی۔ گناہوں سے نفرت کرو مگر اُن انسانوں سے نفرت نہ کرو جو گناہوں میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ اگر ایک انسان گنہگار ہے، تو اسکے معنی یہ ہیں کہ اُسکی روح و دل کی تندرستی باقی نہ رہی۔ لیکن اگر اُس نے بدبختانہ اپنی تندرستی ضائع کردی ہے تو تم اُس سے نفرت کیوں کرو؟ وہ تو اپنی تندرستی کھو کر اور زیادہ تمہارے رحم و شفقت کا مستحق ہو گیا ہے۔ تم اپنے بیمار بھائی کی تیمارداری کروگے، یا اُسے جلاد کے تازیانے کے حوالے کروگے؟ وہ موقع یاد کرو، جس کی تفصیل ہمیں سینٹ لوقائی زبانی معلوم ہوتی ہے۔ جب ایک گناہگار عورت حضرت مسیح کی خدمت میں آئی اور اُس نے اپنے بالوں کی لٹوں سے اُن کے پاؤں پونچھے، تو اس پر ریاکار فریسیوں کو (اور اب فریسیت کے معنی ہی ریاکاری کے ہو گئے ہیں Pharisaism) سخت تعجب ہوا لیکن اُنہوں نے کہا طبیب بیماروں کے لیے ہوتا ہے، نہ کہ تندرستوں کے لیے۔ پھر خدا اور اُسکے گناہگار بندوں کا رشتہ رحمت واضح کرنیکے لیے ایک نہایت ہی مؤثر اور دلنشین مثال بیان کی۔ فرض کرو، ایک ساہوکار کے دو قرضدار تھے۔ ایک پچاس روپیہ کا، ایک ہزار روپیہ کا۔ ساہوکار نے دونوں کا قرض معاف کردیا۔ بتلاؤ اکس قرضدار کو

اُس کا احسان زیادہ ہوا، اور کون اُس سے زیادہ محبت کرے گا؟ وہ جسے پچاس روپے معاف کر دیے گئے، یا وہ جسے ہزار روپے؟ سب کو جواب میں کہنا پڑا "وہ جسے زیادہ رقم معاف کر دی گئی"!

نصیب ماست بہشت اے خدا شناس برو
کہ مستحق کرامت گناہگارانند

یہی حقیقت ہے جسکی طرف بعض ائمۂ تابعین نے اشارہ کیا ہے: انکسار العاصین احب الی اللّٰہ من صولة المطیعین۔ خدا کو فرمانبردار بندوں کی تمکنت سے کہیں زیادہ گناہگار بندوں کا عجز و انکسار محبوب ہے!

گدایاں را ازیں معنی خبر نیست
کہ سلطان جہاں با ماست امروز

اور پھر یہی حقیقت ہے کہ ہم قرآن میں دیکھتے ہیں، جہاں کہیں خدا نے گناہگار انسانوں کو مخاطب کیا ہے، یا انکا ذکر کیا ہے، تو عموماً اپنے نسبت کے ساتھ کیا ہے جو تشریف و محبت پر دلالت کرتی ہے۔ قل یعبادی الذین اسرفوا علی انفسہم (۳۹: ۵۳) ءانتم اضللتم عبادی (۲۵: ۱۸) وقلیل من عبادی الشکور (۳۴: ۱۳) اسکی مثال بالکل ایسی ہے جیسے ایک باپ جوش محبت میں اپنے بیٹے کو پکارتا ہے، تو خصوصیت کے ساتھ اپنے رشتۂ پدری پر زور دیتا ہے۔ "اے میرے بیٹے! اے میرے فرزند!" حضرت امام جعفر صادق (علیہ علی آبائہ وجدہ الصلوٰۃ والسلام) نے سورۂ زمر کی آیۂ رحمت کی تفسیر کرتے ہوئے کیا خوب فرمایا ہے "جب ہم اپنی اولاد کو اپنی طرف نسبت دیکر مخاطب کرتے ہیں تو وہ بے خوف و خطر ہماری طرف دوڑنے لگتے ہیں، کیونکہ سمجھ جاتے ہیں کہ ہم اُن پر غضبناک نہیں ہیں اگر غضبناک ہوتے تو اس طرح نہ پکارتے۔ قرآن میں خدا نے بیس سے زیادہ موقعوں پر ہمیں یعبادی کہکر اپنی طرف نسبت دی ہے، اور سخت سے سخت گناہگار انسانوں کو بھی یعبادی کہکر پکارا ہے۔ کیا اس سے بھی بڑھکر اُسکی رحمت و آمرزش کا کوئی پیام ہو سکتا ہے؟"

صحیح مسلم کی مشہور حدیث کا مطلب کس طرح واضح ہو جاتا ہے جب ہم اس روشنی میں اُس کا مطالعہ کرتے ہیں:

والذی نفسی بیدہ، لو لم تذنبوا! لذھب اللّٰہ بکم ولجآء بقوم یذنبون فیستغفرون (مسلم	اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر تم لوگوں سے گناہ بالکل سرزد نہ ہو، تو خدا تمہیں زمین سے ہٹا دے، اور تمہاری جگہ ایک دوسری قوم پیدا کر دے جنکا شیوہ یہ ہو کہ گناہوں میں مبتلا

عن ابی هریرة (مخ) ۱؎ — ہوں اور بخدا تجھ سے بخشش و مغفرت کے طلبگار ہوں!

خدائے شیوۂ رحمت کہ در لباس بہار
بعذر خواہیٔ رندانِ بادہ نوش آمد!

بس فی الحقیقت حضرت مسیح (علیہ السلام) کی تعلیم میں اور قرآن کی تعلیم میں اصلاً کوئی فرق نہیں ہے۔ دونوں کا معیارِ احکام ایک ہی ہے۔ فرق صرف محلِ بیان اور پیرایۂ بیان کا ہو۔ حضرت مسیح نے صرف اخلاق اور تزکیۂ قلب پر زور دیا، کیونکہ شریعت موسوی موجود تھی اور وہ اسکا ایک نقطہ بھی بدلنا نہیں چاہتے تھے۔ لیکن قرآن کو اخلاق اور قانون، دونوں کے احکام بیک وقت بیان کرنے تھے اس لیے قدرتی طور پر اُس نے پیرایۂ بیان ایسا اختیار کیا جو مجازات و متشابہات کی جگہ احکام و قوانین کا صاف صاف جچا تلا پیرایۂ بیان تھا۔ اُس نے سب سے پہلے عفو و درگزر پر زور دیا، اور اُسے نیکی و فضیلت کی اصل قرار دیا۔ ساتھ ہی بدلہ لینے اور سزا دینے کا دروازہ بھی کھلا رکھا۔ کہ ناگزیر حالتوں میں اسکے بغیر چارہ نہیں لیکن نہایت قطعی اور واضح لفظوں میں بار بار کہدیا کہ بدلے اور سزا میں کسی طرح کی ناانصافی اور زیادتی نہیں ہونی چاہیئے۔ یقیناً دنیا کے تمام نبیوں اور شریعتوں کے احکام کا ماحصل یہی تین اصول رہے ہیں:

وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا	اور دیکھو برائی کے لیے بدلہ ہو۔ ٹھیک ٹھیک ویسی ہی اور اتنی ہی جتنی
فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ	برائی کی گئی ہو۔ لیکن جو کوئی بخش دے اور بگاڑنے کی جگہ سنوار دے
إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ۔ وَلَمَنِ	تو یقین کرو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔ بلاشبہ اللہ ان لوگوں کو دوست
انتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهِ فَأُولَٰئِكَ مَا	نہیں رکھتا جو زیادتی کرنے والے ہیں۔ مگر جس کسی کا معاملہ یہ ہو
عَلَيْهِم مِّن سَبِيلٍ ۔ إِنَّمَا السَّبِيلُ	جو کہ اُس پر ظلم کیا گیا ہو، اور وہ ظلم کے بعد اس کا بدلہ لے تو ایسوں
عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَ	کے لیے کوئی الزام نہیں۔ الزام اُن لوگوں کے لیے ہے جو انسانوں
يَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ	پر ظلم کرتے ہیں اور بغیر کسی حق کے ناانصافی و فساد کا باعث ہوتے
أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۔ وَلَمَن	ہیں تو یقیناً یہی لوگ ہیں جو عذاب الیم کے مستحق ہیں۔ لیکن جو کوئی

۱؎ وایضاً عن انس قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: والذی نفسی بیده، لو اخطأتم حتی تملأ خطایاکم ما بین السماء والارض ثم استغفرتم الله لغفر لکم، والذی نفسی بیده، لو لم تخطئوا لجاء الله بقوم یخطئون ثم یستغفرون فیغفر لهم۔ اخرجه احمد وابو یعلی باسناد رجاله ثقات۔ وعن ابن عمر رفعه قال لو لم تذنبوا لخلق الله خلقاً یذنبون ثم یغفر لهم۔ اخرجه احمد والبزار ورجاله ثقات۔ واخرج البزار من حدیث ابی سعید نحو حدیث ابی هریرة فی الصحیح، وفی اسناده یحیی بن بکیر و هو ضعیف۔

صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝	بدلہ لینے کی جگہ برائی برداشت کر جائے اور بخش دے، تو یقیناً یہ بڑی ہی اولو العزمی کی بات ہو!

(۴۲ : ۴۰)

اسلوب بیان پر غور کرو، اگرچہ ابتدا میں صاف صاف کہہ دیا تھا کہ "فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ" اور بظاہر عفو و درگزر کیلئے اتنا کہہ دینا کافی تھا، لیکن آخر میں پھر دوبارہ اس پر زور دیا: "وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ" یہ تکرار اسلئے ہو کہ عفو و درگزر کی اہمیت واضح ہو جائے یعنی یہ حقیقت اچھی طرح آشکارا ہو جائے کہ اگرچہ بدلے اور سزا کا دروازہ کھلا رکھا گیا ہے، لیکن نیکی و فضیلت کی راہ عفو و درگزر ہی کی راہ ہے!

ایک اعتراض ممکن ہے، بعض طبیعتیں یہاں ایک خدشہ محسوس کریں۔ اگر فی الحقیقت قرآن کی تمام تعلیم کا اصل اصول رحمت ہی ہو، تو پھر اس نے اپنے مخالفوں کی نسبت زجر و توبیخ کا سخت پیرایہ کیوں اختیار کیا؟ اسکا مفصل جواب تو اپنے محل میں آئے گا، لیکن تکمیل بحث کیلئے ضروری ہے کہ یہاں مختصر اشارہ کر دیا جائے۔ بلاشبہ قرآن میں ایسے مقامات موجود ہیں جہاں اس نے مخالفین کیلئے شدت و غلظت کا اظہار کیا ہے۔ لیکن سوال یہ ہو کہ کن مخالفین کیلئے؟ اُن مخالفین کیلئے جن کی مخالفت محض اختلافِ فکر و اعتقاد کی مخالفت تھی؟ یعنی ایسی مخالفت جو معاندانہ اور جارحانہ نوعیت نہیں رکھتی تھی؟ ہمیں اس سے قطعاً انکار ہے۔ ہم پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ تمام قرآن میں شدت و غلظت کا ایک لفظ بھی نہیں ملسکتا جو اس طرح کے مخالفین کیلئے استعمال کیا گیا ہو۔ اس نے جہاں کہیں بھی مخالفین کا ذکر کرتے ہوئے سختی کا اظہار کیا ہے، اُس کا تمام تر تعلق اُن مخالفین سے ہو، جنکی مخالفت بغض و عناد اور ظلم و شرارت کی جارحانہ معاندت تھی، اور ظاہر ہے کہ اصلاح و ہدایت کی کوئی تعلیم بھی اس صورتِ حال سے گریز نہیں کر سکتی۔ اگر ایسے مخالفین کے ساتھ بھی نرمی و شفقت ملحوظ رکھی جائے تو بلاشبہ یہ رحمت کا سلوک ہوگا، مگر انسانیت کیلئے نہیں ہوگا۔ ظلم و شرارت کیلئے ہوگا، اور یقیناً رحمت کا معیار یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ وہ ظلم و فساد کی پرورش کرے۔ ابھی چند صفحوں کے بعد تمہیں معلوم ہوگا کہ قرآن نے صفاتِ الٰہی میں رحمت کے ساتھ عدالت کو بھی اُسکی جگہ دی ہو، اور سورۂ فاتحہ میں ربوبیت اور رحمت کے بعد عدالت ہی کی صفت جلوہ گر ہوئی ہو۔ یہ اسی لئے ہو کہ وہ رحمت سے عدالت کو الگ نہیں کرتا، بلکہ اُسے عین رحمت کا مقتضا قرار دیتا ہو۔ وہ کہتا ہے، تم انسانیت کے ساتھ رحم و محبت کا برتاؤ نہیں کر سکتے اگر ظلم و شرارت کیلئے تم میں سختی نہیں ہو۔ انجیل میں ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مسیح بھی

اپنے مخالفوں کو سانپ کے بچو اور ڈنگوؤں کا مجمع کہنے پر مجبور ہوئے۔

قرآن نے "کفر" کا لفظ انکار کے معنی میں استعمال کیا ہے، اور انکار دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ انکارِ محض ہو، ایک یہ کہ جارحانہ ہو۔ انکارِ محض سے مقصود یہ ہے کہ ایک شخص تمہاری تعلیم قبول نہیں کرتا، کیونکہ سچائی اُس کی سمجھ میں نہیں آتی، یا اسلئے کہ اُسمیں طلب صادق نہیں ہے۔ یا اسلئے کہ جو راہ وہ چل رہا ہے، اُسی پر قانع ہے۔ بہرحال کوئی وجہ ہو، لیکن وہ تم سے متفق نہیں ہے۔ جارحانہ انکار سے مقصود وہ حالت ہے جو صرف انکار ہی پر قناعت نہیں کرتی، بلکہ اُنہیں تمہارے خلاف ایک طرح کی کدّ اور ضد پیدا ہوجاتی ہے، اور پھر یہ ضد بڑھتے بڑھتے بغض و عناد اور ظلم و شرارت کی سخت سے سخت صورتیں اختیار کرلیتی ہے۔ اس طرح کا مخالف صرف یہی نہیں کرتا کہ تم سے اختلاف رکھتا ہو، بلکہ اسکے اندر تمہارے لیئے بغض و عناد کا ایک غیر محدود جوش پیدا ہوجاتا ہے۔ وہ اپنی زندگی اور زندگی کی ساری قوتوں کے ساتھ تمہاری بربادی و ہلاکت کے درپے ہوجائیگا۔ تم کتنی ہی اچھی بات کہو، وہ تمہیں جھٹلائیگا۔ تم کتنا ہی اچھا سلوک کرو، وہ تمہیں اذیت پہنچائیگا۔ تم اگر کہو، روشنی تاریکی سے بہتر ہے، تو وہ کہے، تاریکی سے بہتر کوئی چیز نہیں۔ تم اگر کہو کڑواہٹ سے مٹھاس اچھی ہے، تو وہ کہے، نہیں، کڑواہٹ ہی میں دنیا کی سب سے بڑی لذت ہے۔ یہی حالت ہے جسے قرآن انسانی فکر و بصیرت کے تعطل سے تعبیر کرتا ہے، اور اسی نوعیت کے مخالفین ہیں جن کے لیئے اُسکے تمام زواجر و قوارع ظہور میں آئے ہیں:

لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا ۚ أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ

(۷ : ۱۷۹)

ان کے پاس دل ہیں، مگر سوچتے نہیں، اُن کے پاس آنکھیں ہیں، مگر دیکھتے نہیں۔ اُن کے پاس کان ہیں مگر سنتے نہیں۔ اُنکی حالت ایسی ہے جیسے چارپائے ہوتے ہیں۔ نہیں، بلکہ چارپایوں سے بھی زیادہ کھوئے ہوئے۔ بلاشبہ یہی لوگ ہیں جو غفلت میں ڈوب گئے ہیں!

مفسرین اسی دوسری حالت کو "کفر جحود" سے تعبیر کرتے ہیں۔

دنیا میں جب کبھی سچائی کی کوئی دعوت ظاہر ہوئی ہے، تو کچھ لوگوں نے اُسے قبول کرلیا ہو، کچھ نے انکار کیا ہے، لیکن کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں، جنہوں نے اُسکے خلاف طغیان و جحود اور ظلم و شرارت کی جتھا بندی کرلی ہو۔ قرآن کا جب ظہور ہوا، تو اُس نے بھی یہ تینوں جماعتیں اپنے سامنے پائیں۔ اُس نے پہلی جماعت کو اپنی آغوشِ تربیت میں لے لیا، دوسری کو دعوت و تذکیر کا مخاطب بنایا، مگر تیسری کے ظلم و طغیان پر حسبِ حالت و ضرورت زجر و توبیخ کی۔ مگر ایسے گروہ کے لیئے بھی اُسکے لب و لہجہ کی سختی "رحمت" کے

کے خلاف ہو، تو بلاشبہ اس معنی میں قرآن رحمت کا معترف نہیں، اور یقیناً اس ترازو سے اسکی رحمت نہیں تولی جاسکتی۔ تم بار بار سن چکے ہو کہ وہ دین حق کے معنوی قوانین کو کائنات فطرت کے عام قوانین سے الگ نہیں قرار دیتا، بلکہ اسی کا ایک گوشہ قرار دیتا ہے۔ فطرتِ کائنات کا اپنے فعل وظہور کے ہر گوشہ میں کیا حال ہو؟ یہ حال ہے کہ وہ اگرچہ سرتاسر رحمت ہو، لیکن رحمت کے ساتھ عدالت، اور بخشش کے ساتھ جزا و سزا کا قانون بھی رکھتی ہے۔ پس قرآن کہتا ہو، میں فطرت سے زیادہ کچھ نہیں دیکھتا۔ تمہارے جس زعومہ رحمت سے فطرت کا خزانہ خالی ہے، یقیناً تمہیں میرے آستینِ دامن میں نہیں مل سکتی:

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ	اللہ کی فطرت، جس پر اللہ نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی بناوٹ
لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ	میں کبھی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ یہی (اللہ کی ٹھہرائی ہوئی فطرت)
الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ	سچا اور ٹھیک ٹھیک دین ہے، لیکن اکثر انسان ایسے ہیں جو اس
لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ (۳۰ : ۲۹)	حقیقت سے بے خبر ہیں!

قرآن کے ان تمام مقامات پر اگر نظر ڈالی جائے جہاں اُس نے سختی کے ساتھ مخالفین کا ذکر کیا ہے تو یہ یک نظر یہ حقیقت واضح ہوجائے گی۔ سورۂ انفال کے مقدمہ میں ہم قرآن کے احکام جنگ پر نظر ڈالیں گے اور اس سلسلہ میں بحث کے اس پہلو پر بھی روشنی پڑ جائے گی۔

(۵) مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ

ربوبیت اور رحمت کے بعد جس صفت کا ذکر کیا گیا ہے، وہ عدالت ہو، اور اس کے لیے "مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" کی تعبیر اختیار کی گئی ہے۔

الدّین "دین" کے معنی عربی میں بدلہ اور مکافات کے ہیں۔ خواہ اچھائی کا بدلہ ہو خواہ بُرائی کا:

ستعلم لیلیٰ ایَّ دینٍ تدایَنت
وایَّ غریمٍ فی التقاضی غریمُھا

پس "مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" کے معنی ہوئے، وہ، جو جزا و سزا کے دن کا حکمران ہو یعنی روزِ قیامت کا۔

اس سلسلہ میں کئی باتیں قابلِ غور ہیں:

اوّلاً قرآن نے نہ صرف اس مقام پر بلکہ عام طور پر جزا و سزا کے لیے "الدِّين" کا لفظ اختیار کیا ہے، اور اسی پر وہ قیامت کو بھی عموماً "يَوْمِ الدِّيْنِ" کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے۔ یہ تعبیر اسلیے اختیار کی گئی کہ جزا و سزا کے بارے میں جو اعتقاد پیدا کرنا چاہتا تھا، اُسکے لیے یہی تعبیر سب سے زیادہ موزوں اور واقعی تعبیر تھی

وہ جزاؤ سزا کو اعمال کا قدرتی نتیجہ اور مکافات قرار دیتا ہے۔

نزول قرآن کے وقت تمام پیروان مذاہب کا عالمگیر اعتقاد یہ تھا کہ جزاؤ سزا محض خدا کی خوشنودی اور اُسکے قہر و غضب کا نتیجہ ہے۔ اعمال کے نتائج کو اسمیں کوئی دخل نہیں۔ الوہیت پر شاہیت کا تشابُہ، تمام مذہبی تصورات کی طرح اِس معاملہ میں بھی گمراہیِ فکر کا موجب ہوا تھا۔ لوگ دیکھتے تھے کہ ایک مطلق العنان بادشاہ کبھی خوش ہوکر انعام و اکرام دینے لگتا ہے، کبھی بگڑ کر سزائیں دینے لگتا ہے۔ اسلیئے خیال کرتے تھے کہ خدا کا بھی ایسا ہی حال ہے۔ وہ کبھی ہم سے خوش ہو جاتا ہے۔ کبھی غیظ و غضب میں آجاتا ہے۔ طرح طرح کی قربانیوں اور چڑھاوؤں کی رسم اسی اعتقاد سے پڑی تھی۔ لوگ دیوتاؤں کا جوش غضب ٹھنڈا کرنیکے لیئے قربانیاں کرتے، اور اُنکی نظرِ التفات حاصل کرنے کیلئے نذریں چڑھاتے۔

یہودیوں اور عیسائیوں کا عام تصوّر دیوتائی تصورات سے بلند ہو گیا تھا، لیکن جہاں تک اِس معاملہ کا تعلق ہے، اُن کے تصوّر نے بھی کوئی وسیع ترقی نہیں کی تھی۔ یہودی بہت سے دیوتاؤں کی جگہ خاندانِ اسرائیل کے ایک خدا کو مانتے تھے، لیکن پرانے دیوتاؤں کی طرح یہ خدا بھی شاہی اور مطلق العنانی کا خدا تھا۔ وہ کبھی خوش ہو کر انھیں اپنی چہیتی قوم بنا لیتا۔ کبھی جوشِ انتقام میں آکر بربادی و ہلاکت کے حوالہ کر دیتا۔ عیسائیوں کا اعتقاد تھا کہ آدم کے "گناہ" کی وجہ سے اُسکی پوری نسل مغضوب ہوگئی، اور جب تک خدا نے اپنی صفت ابنیت کو بشکل مسیح قربان نہیں کر دیا، اُسکے نسلی گناہ اور مغضوبیت کا کفارہ نہ ہو سکا!

لیکن قرآن نے جزاؤ سزا کا اعتقاد ایک دوسری ہی شکل و نوعیت کا پیش کیا ہے۔ وہ اُسے خدا کا کوئی ایسا فعل نہیں قرار دیتا جو کائناتِ خلقت کے عام قوانین و نظام سے الگ ہو، بلکہ اُسی کا ایک قدرتی گوشہ قرار دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے، کائنات ہستی کا عالمگیر قانون یہ ہے کہ ہر حالت کوئی نہ کوئی اثر رکھتی ہے، اور ہر چیز کا کوئی نہ کوئی خاصہ ہے۔ ممکن نہیں، یہاں کوئی شے اپنا وجود رکھتی ہو اور اثرات و نتائج کے سلسلے سے باہر ہو۔ پس جس طرح خدا نے اجسام و مواد میں خواص و نتائج رکھے ہیں، اُسی طرح اعمال میں بھی خواص و نتائج ہیں، اور جس طرح جسم انسانی کے قدرتی انفعالات ہیں، اُسی طرح روحِ انسانی کے لیئے بھی قدرتی انفعالات ہیں۔ جسمانی مؤثرات جسم پر مرتب ہوتے ہیں، معنوی مؤثرات سے روح متاثر ہوتی ہے۔ اعمال کے بھی قدرتی خواص و نتائج ہیں جنھیں جزا و سزا سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اچھے عمل کا نتیجہ اچھائی ہے اور یہ ثواب ہے۔ بُرے عمل کا نتیجہ بُرائی ہے اور یہ عذاب ہے۔

ثواب اور عذاب کے اِن اثرات کی نوعیت کیا ہوگی؟ وحی الٰہی نے ہماری فہم و استعداد کے مطابق اُس کا نقشہ کھینچا ہے۔ اس نقشے میں ایک مرقع بہشت کا ہے، ایک دوزخ کا۔ بہشت کے نعائم انکے لیے ہیں جن کے اعمال بہشتی ہونگے۔ دوزخ کی عقوبتیں اُن کے لیے ہیں جن کے اعمال دوزخی ہونگے:

لَا يَسْتَوِي أَصْحٰبُ النَّارِ وَأَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ أَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَائِزُونَ ۝ (۵۹ : ۲۰)
اصحاب جنت اور اصحاب دوزخ اپنے اعمال و نتائج میں ایک سا نہیں ہو سکتے۔ کامیاب انسان وہی ہیں جو اصحاب جنت ہیں!

وہ کہتا ہے، تم دیکھتے ہو کہ فطرت ہر گوشۂ وجود میں اپنا قانونِ مکافات رکھتی ہو۔ ممکن نہیں کہ اسمیں تغیر یا تساہل ہو۔ فطرت نے آگ میں یہ خاصہ رکھا ہے کہ جلائے۔ اب سوزش و تپش فطرت کی وہ مکافات ہوگئی جو ہر اُس انسان کے لیے ہو جو آگ کے شعلوں میں ہاتھ ڈالدے گا۔ ممکن نہیں کہ تم آگ میں کودو اور اس فعل کے مکافات سے بچ جاؤ۔ پانی کا خاصہ ٹھنڈک اور رطوبت ہو۔ یعنی ٹھنڈک اور رطوبت وہ مکافات ہو جو فطرت نے پانی میں ودیعت کر دی ہے۔ اب ممکن نہیں کہ تم دریا میں اترو، اور اُس مکافات سے بچ جاؤ۔ پھر جو فطرت کائناتِ ہستی کی ہر چیز اور ہر حالت میں مکافات رکھتی ہو، کیونکر ممکن ہے کہ انسان کے اعمال کیلئے مکافات نہ رکھے؟ یہی مکافات جزا و سزا ہے۔

آگ جلاتی ہو، پانی ٹھنڈک پیدا کرتا ہے، سنکھیا کھانے سے موت، دودھ سے طاقت اور کونین سے بخار رک جاتا ہو۔ جب اشیاء کی اِن تمام مکافات پر تمھیں تعجب نہیں ہوتا کیونکہ یہ تمہاری زندگی کی یقینیات ہیں، تو پھر اعمال کے مکافات پر کیوں تعجب ہوتا ہے؟ افسوس تم پر، تم اپنے فیصلوں میں کتنے ناہموار ہو!

تم گیہوں بوتے ہو، اور تمہارے دل میں کبھی یہ خدشہ نہیں گزرتا کہ گیہوں پیدا نہیں ہوگا۔ اگر کوئی تم سے کہے، ممکن ہے گیہوں کی جگہ جوار پیدا ہو جائے تو تم اُسے پاگل سمجھو گے۔ کیوں؟ اس لیے کہ فطرت کے قانونِ مکافات کا یقین تمہاری طبیعت میں راسخ ہو گیا ہے۔ تمہارے وہم و گمان میں بھی یہ خطرہ نہیں گزر سکتا کہ فطرت گیہوں لیکر اُسکے بدلے میں جوار دیدیگی۔ اتنا ہی نہیں، بلکہ تم یہ بھی نہیں مان سکتے کہ اچھے قسم کا گیہوں لیکر بُرے قسم کا گیہوں دیدے گی۔ تم جانتے ہو کہ وہ بدلہ دینے میں قطعی اور شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ پھر بتلاؤ، جو فطرت گیہوں کے بدلے گیہوں اور جوار کے بدلے جوار دے رہی ہو، کیونکر ممکن ہے کہ اچھے عمل کے بدلے اچھا اور بُرے عمل کے بدلے بُرا نتیجہ نہ رکھتی ہو؟

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ
جو لوگ برائیاں کرتے ہیں، کیا وہ سمجھتے ہیں ہم انہیں اُن لوگوں

أَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝ وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ (۴۵ : ۲۰)

جیسا کہ وہ لوگ جو ایمان رکھتے ہیں اور جن کے اعمال اچھے ہیں؟ اور دونوں برابر ہو جائیں، زندگی میں بھی اور موت میں بھی؟ اگر ان لوگوں کی فہم و دانش کا یہی فیصلہ ہے تو افسوس ان کے فیصلہ پر! اور دیکھو! یہ اس لیے ہے کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو بیکار و عبث نہیں بنایا ہے بلکہ حکمت و مصلحت کے ساتھ بنایا ہے اور اس لیے بنایا ہے کہ ہر جان کو اس کی کمائی کے مطابق بدلہ دیا جائے۔ ان کی کوئی چیز ضائع نہیں جائے گی اور نتیجے کے مرتب ہونے میں ان کے ساتھ کوئی ناانصافی نہیں ہوگی۔

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے جزاء و سزا کے لیے اَلدِّيْن کا لفظ اختیار کیا، کیونکہ مکافاتِ عمل کا مفہوم ادا کرنے کے لیے سب سے زیادہ موزوں لفظ یہی تھا۔

اور پھر یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں، اُس نے اچھے برے کام کرنے کو جابجا "کسب" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے؛ "کسب" کے معنی عربی میں ٹھیک ٹھیک وہی ہیں جو اُردو میں کمائی کے ہیں۔ یعنی ایسا کام جس کے نتیجہ سے تم کوئی فائدہ حاصل کرنا چاہو، اگرچہ فائدہ کی جگہ نقصان بھی ہو جائے۔ مطلب یہ ہوا کہ انسان کے لیے جزاء اور سزا، خود انسان ہی کی کمائی ہے۔ جیسی کسی کی کمائی ہوگی ویسا ہی نتیجہ پیش آئیگا۔ اگر ایک انسان نے اچھے کام کرکے اچھی کمائی کرلی ہے، تو اس کے لیے اچھائی ہے۔ اگر کسی نے برائی کرکے برائی کمائی ہے تو اُس کے لیے برائی ہے:

كُلُّ امْرِئٍۭ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ۝ (۵۲ : ۲۱) ہر انسان اُس نتیجے کے ساتھ جو اس کی کمائی ہے بندھا ہوا ہے!

سورۂ بقرہ میں جزاء و سزا کا قاعدہ کلیہ بتلادیا:

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۝ (۲ : ۲۸۶)

ہر انسان کیلئے وہی ہے جیسی کچھ اس کی کمائی ہوگی۔ جو کچھ اُسے پانا ہے وہ بھی اس کی کمائی ہے اور جو کچھ اسے بھگتنا ہے وہ بھی اس کی کمائی ہے۔

اسی طرح قوموں اور جماعتوں کی نسبت بھی ایک عام قاعدہ بتلادیا:

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (۲ : ۱۳۴)

یہ ایک اُمت تھی جو گزر چکی۔ اُس کے لیے وہ نتیجہ تھا جو اس نے کمایا، اور تمہارے لیے وہ نتیجہ ہے جو تم کماؤ گے۔

علاوہ بریں، صاف صاف لفظوں میں جابجا یہ حقیقت واضح کردی کہ اگر دین اچھی نیک عملی کی ترغیب دیتا ہے، اور بدعملی سے روکتا ہے، تو یہ صرف اس لیے ہے کہ انسان نقصانات و ہلاکت سے بچے اور نجات و سعادت حاصل کرے۔ یہ بات نہیں ہے کہ خدا کا غضب و قہر اُسے عذاب دینا چاہتا ہو اور

اُس سے بچنے کیلئے مذہبی ریاضتوں اور عبادتوں کی ضرورت ہو:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۔ (۴۱ : ۴۶)

جس کسی نے نیک کام کیا، تو اپنے لیے کیا، اور جس کسی نے برائی کی تو خود اسی کے آگے آئی، اور یاد رکھو تمہارا پروردگار اپنے بندوں کے لیے ظالم نہیں ہے کہ انہیں اپنے قہر و غضب کا نشانہ بنائے۔

ایک مشہور حدیثِ قدسی میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

يا عبادي لو ان اولكم وآخركم وانسكم وجنكم كانوا على اتقى قلب رجل واحد منكم ما زاد في ملكي شيئا۔ يا عبادي، لو ان اولكم وآخركم وانسكم وجنكم كانوا على افجر قلب رجل واحد منكم ما نقص ذلك من ملكي شيئا۔ يا عبادي، لو ان اولكم وآخركم وانسكم وجنكم قاموا في صعيد واحد فسألوني فاعطيت كل انسان مسألته، ما نقص ذلك مما عندي الا كما ينقص المخيط اذا ادخل البحر۔ يا عبادي انما هي اعمالكم احصيها لكم ثم اوفيكم اياها، فمن وجد خيرا فليحمد الله، ومن وجد غير ذلك فلا يلومن الا نفسه۔ (مسلم عن ابی ذرؓ)

اے میرے بندو! اگر تم میں سے سب انسان جو پہلے گزر چکے اور وہ سب جو بعد کو پیدا ہوں گے، اور تمام انس اور تمام جن، اس شخص کی طرح نیک ہو جاتے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے، تو یاد رکھو، اس سے میری خداوندی میں کچھ بھی اضافہ نہ ہوتا۔ اے میرے بندو! اگر وہ سب جو پہلے گزر چکے اور وہ سب جو بعد کو پیدا ہوں گے، اور تمام انس اور تمام جن اس شخص کی طرح بدکار ہو جاتے جو تم میں سب سے زیادہ بدکار ہے، تو اس سے میری خداوندی میں کچھ بھی نقصان نہ ہوتا۔ اے میرے بندو! اگر وہ سب جو پہلے گزر چکے اور وہ سب جو بعد کو پیدا ہوں گے، ایک مقام پر جمع ہو کر مجھ سے سوال کرتے، اور میں ہر انسان کو اس کی منہ مانگی مراد بخش دیتا، تو میری رحمت و بخشش کے خزانہ میں اس سے زیادہ کمی نہ ہوتی جتنی کسی سوئی کے ناکے جتنا پانی نکل جانے سے سمندر میں ہو سکتی ہے۔ اے میرے بندو! یاد رکھو، یہ تمہارے اعمال ہی ہیں جنہیں میں تمہارے لیے انضباط اور نگرانی میں رکھتا ہوں، اور پھر انہیں کے نتائج بغیر کسی کمی بیشی کے تمہیں واپس دیتا ہوں۔ پس جو کوئی تم میں سے اچھائی پائے، چاہیے کہ اللہ کی حمد و ثنا کرے، اور جس کسی کو برائی پیش آئے تو چاہیے کہ خود اپنے وجود کے سوا اور کسی کو ملامت نہ کرے۔

یہاں یہ خدشہ کسی کے دل میں واقع نہ ہو کہ خود قرآن نے بھی تو جا بجا خدا کی خوشنودی اور نارضامندی کا ذکر کیا ہے؟ بلاشبہ کیا ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ وہ انسان کی نیک عملی کا اعلیٰ درجہ بھی

قرار دیتا ہے کہ جو کچھ کرے، صرف اللہ کی خوشنودی ہی کے لیے کرے۔ لیکن خدا کے جس رضا و غضب کا وہ اثبات کرتا ہے، وہ جزاؤ سزا کی علت نہیں ہے بلکہ جزاؤ سزا کا قدرتی نتیجہ ہے۔ یعنی یہ نہیں کہتا کہ جزاؤ سزا محض خدا کی خوشنودی اور ناراضگی کا نتیجہ ہے۔ نیک و بد اعمال کا نتیجہ نہیں ہے۔ بلکہ وہ کہتا ہے جزاؤ سزا تمام تر انسان کے اعمال کا نتیجہ ہے، اور خدا نیک عمل سے خوشنود ہوتا ہے۔ بد عملی ناپسند کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ تعلیم قدیم اعتقاد سے نہ صرف مختلف ہے، بلکہ یکسر متضاد ہے۔

بہر حال جزاؤ سزا کی اس حقیقت کیلئے "اَلدِّیْن" کا لفظ نہایت موزوں لفظ ہے، اور ان تمام گمراہیوں کی راہ بند کر دیتا ہے جو اس بارے میں پھیلی ہوئی تھیں۔ سورۂ فاتحہ میں مجرد اس لفظ کے استعمال نے جزاؤ سزا کی اصلی حقیقت آشکارا کر دی۔

ثانیاً، یہی وجہ ہے کہ مذہب و قانون کے لیے بھی "اَلدِّیْن" کا لفظ استعمال کیا گیا۔ کیونکہ مذہب کا بنیادی اعتقاد مکافاتِ عمل کا اعتقاد ہے، اور قانون کی بنیاد بھی تعزیر و سیاست پر ہے۔ سورۂ یوسف میں جہاں یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ حضرت یوسف (علیہ السلام) نے اپنے چھوٹے بھائی کو اپنے پاس روک لیا تھا، وہاں فرمایا: مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلِكِ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ (۱۲: ۷۶) یہاں بادشاہ مصر کے دین سے مقصود اسکا قانون ہے۔

ثالثاً، یہاں ربوبیت اور رحمت کے بعد صفات قہر و جلال میں سے کسی صفت کا ذکر نہیں کیا گیا، بلکہ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ کی صفت بیان کی گئی، جس سے عدالت الٰہی کا تصور ہمارے ذہن میں پیدا ہو جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن نے خدا کی صفات کا جو تصور قائم کیا ہے اس میں قہر و غضب کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ البتہ عدالت ضرور ہے، اور صفات قہریہ جس قدر بیان کی گئی ہیں، در اصل اسی کی مظاہر ہیں۔ اگر یہاں مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ کی جگہ کوئی ایسی صفت نمودار ہوتی جو صفات سلبیہ قہر پر دلالت کرتی، تو ظاہر ہے کہ یہ حقیقت واضح نہ ہوتی اور خدا کا تصور قہر و غضب سے آلودہ ہو جاتا۔

فی الحقیقت صفات الٰہی کے تصور کا یہی مقام ہے جہاں فکر انسانی نے ہمیشہ ٹھوکر کھائی۔ دیکھا یہ کہ فطرت کائنات، ربوبیت و رحمت کے ساتھ، اپنے مجازات بھی رکھتی ہے، اور اگر ایک طرف اس میں پرورش و بخشش ہے تو دوسری طرف مواخذہ و مکافات بھی ہے۔ فکر انسانی کے لیے فیصلہ طلب امر یہ تھا کہ فطرت کے مجازات اسکے قہر و غضب کا نتیجہ ہیں یا عدل و قسط کے؟ اسکا فکر نارسا عدل و قسط کی حقیقت معلوم نہ کر سکا۔ اس نے مجازات کو قہر و غضب پر محمول کر لیا، اور یہیں سے خدا کی صفات میں

خوف و دہشت کا تصور پیدا ہوگیا۔ حالانکہ اگر وہ فطرتِ کائنات کو زیادہ قریب ہو کر دیکھ سکتا، تو معلوم کر لیتا کہ جن مظاہر کو قہر و غضب پر محمول کر رہا ہے، وہ قہر و غضب کا نتیجہ نہیں ہیں بلکہ عین مقتضاءِ رحمت ہیں۔ اگر فطرتِ کائنات میں مکافات کا مواخذہ نہ ہوتا، یا تعمیر کی تحسین و تکمیل کیلئے تخریب نہ ہوتی، تو میزانِ عدل قائم نہ رہتا، اور تمام نظامِ ہستی درہم و برہم ہو جاتا۔

رابعاً، جس طرح کارخانۂ خلقت اپنے وجود و بقا کے لیئے ربوبیت اور رحمت کا محتاج ہے، اسی طرح عدالت کا بھی محتاج ہے۔ یہی تین معنوی عنصر ہیں جن سے خلقت و ہستی کا قوام ظہور میں آیا ہے۔ ربوبیت پرورش کرتی ہے، رحمت افادہ و فیضان کا سرچشمہ ہے، اور عدالت سے بناؤ اور خوبی ظہور میں آتی اور نقصان و فساد سے محفوظ رہتی ہے۔

تم نے ابھی ربوبیت اور رحمت کے مقامات کا مشاہدہ کیا ہے۔ اگر ایک قدم آگے بڑھو تو اسی طرح عدالت کا مقام بھی نمودار ہو جائے۔ تم دیکھو گے کہ اس کارخانۂ ہستی میں بناؤ، سلجھاؤ، خوبی اور جمال میں سے جو کچھ بھی ہے، وہ اسکے سوا کچھ نہیں ہے کہ عدل و توازن کی حقیقت کا ظہور ہے۔ اسی ظہور کو تم اسکی بے شمار شکلوں میں دیکھتے ہو، اور اسلیئے بیشمار ناموں سے پکارتے ہو، لیکن اگر حقیقت کا سراغ لگاؤ، تو دیکھ لو کہ ایجابی حقیقت یہاں صرف ایک ہی ہے، اور وہ عدل و اعتدال ہے!

عدل کے معنی یہ ہیں کہ برابر ہونا، کم زیادہ نہ ہونا۔ اسی لیئے معاملات اور قضایا میں فیصلہ کر دینے کو عدالت کہتے ہیں کہ حاکم دو فریقوں کی باہمی زیادتیاں دور کر دیتا ہے۔ ترازو کی تول کو بھی معادلہ کہتے ہیں، کیونکہ وہ دونوں پلوں کا وزن برابر کر دیتا ہے۔ یہی عدالت جب اشیاء میں نمودار ہوتی ہے تو انکی کمیت اور کیفیت میں تناسب پیدا کر دیتی ہے۔ ایک جزء کا دوسرے جزء سے کمیت و کیفیت میں متناسب و موزوں ہونا، عدالت ہے۔

اب غور کرو، کارخانۂ ہستی میں بناؤ اور خوبی کے جسقدر بھی مظاہر ہیں، کس طرح اسی حقیقت سے ظہور میں آتے ہیں؟ وجود کیا ہے؟ حکیم بتلاتا ہے کہ عناصر کی ترکیب کا اعتدال ہے۔ اگر اس اعتدالی حالت میں ذرا بھی فتور واقع ہو جائے، وجود کی نمود معدوم ہو جائے۔ جسم کیا ہے؟ جسمانی مواد کی ایک خاص اعتدالی حالت ہے۔ اگر اسکا کوئی ایک جزء بھی غیر معتدل ہو جائے، جسم کی ہیئتِ ترکیبی بگڑ جائے۔ صحت و تندرستی کیا ہے؟ اخلاط کا اعتدال ہے۔ جہاں اسکا قوام بگڑا، صحت میں انحراف ہوگیا۔ حسن و جمال کیا ہے؟ تناسب و اعتدال کی ایک کیفیت ہے۔ اگر انسان میں ہے، تو خوبصورت انسان ہے۔ نباتات میں ہے تو خوشنما پھول ہے۔ عمارت میں ہے تو تاج محل ہے۔ نغمہ کی حلاوت کیا ہے؟ سُروں کی ترتیب کا

تناسب اعتدال ہے۔ اگر ایک سُر بھی بے میل ہوا، نغمہ کی کیفیت جاتی رہی!

پھر کچھ اشیاء و اجسام ہی پر موقوف نہیں ہے۔ کارخانۂ ہستی کا تمام نظام ہی عدل و توازن پر قائم ہے۔ اگر ایک لمحہ کے لیے یہ حقیقت غیر موجود ہو جائے، تمام نظام عالم درہم برہم ہو جائے۔ یہ کیا بات ہے کہ نظام شمسی کا ہر کُرہ اپنی اپنی جگہ معلق ہے، اپنے اپنے دائروں میں حرکت کر رہا ہے، اور ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ ذرا بھی انحراف و میلان واقع ہو؟ یہی عدالت کا قانون ہے جس نے سب کو ایک خاص نظم کے ساتھ جکڑ بند کر رکھا ہے۔ تمام کُرّے اپنی اپنی کشش رکھتے ہیں، اور اُن کے مجموعی جذب و انجذاب کے توازن سے ایسی حالت پیدا ہو گئی ہے کہ ہر کُرہ اپنی جگہ قائم و معلق ہے۔ اگر کوئی کُرہ اس قانون عدالت سے باہر ہو جائے، تو معًا دوسرے کُروں سے ٹکرا جائے اور تمام نظام شمسی مختل ہو جائے۔

اعداد کے تناسب کی عظیم الشان صداقت جس پر ریاضی اور حساب کے تمام حقائق کا دارومدار ہے، کیا ہے؟ یہی عدل و تعادل کی حقیقت ہے۔ جس دن یہ حقیقت ذہن انسانی پر کھلی تھی، علوم و معارف کے تمام دروازے باز ہو گئے تھے۔

چنانچہ قرآن نے اس حقیقت کی طرف جا بجا اشارات کیے ہیں:

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ۝ أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ (۵۵: ۷)

اور آسمان کو دیکھو، جسے اس نے بلند کر دیا، اور اجرام سماویہ کے قیام کے لیے قانون عدالت کا میزان بنا دیا!

یہ "الْمِيزَان" یعنی ترازو کیا ہے؟ تعادل و توازن کا قانون ہے، جو تمام اجرام سماویہ کو اُن کی مقررہ جگہ میں تھامے ہوئے ہے، اور کبھی ایسا نہیں ہو سکتا کہ اُن کے توازن کا پلہ کسی ایک طرف ہی کو جھک پڑے۔ اجرام سماویہ کا یہی وہ غیر مرئی ستون ہے جس کی نسبت سورۂ رعد میں فرمایا:

اللَّهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمَاوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا (۱۳: ۲)

اللہ، جس نے آسمانوں کو (یعنی اجرام سماویہ کو تم پر) بغیر کسی ستون کے بلند کر دیا ہے اور تم (اس کی یہ حکمت) دیکھ رہے ہو!

اور سورۂ لقمان میں بھی اسی کی طرف اشارہ کیا ہے:

خَلَقَ السَّمَاوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا (۳۱: ۹)

اس نے آسمانوں کو (یعنی اجرام سماویہ کو) پیدا کر دیا، اور تم دیکھ رہے ہو کہ کوئی ستون انہیں تھامے ہوئے نہیں ہے!

یہ کہنا ضروری نہیں کہ عدل و تعادل کی حقیقت سمجھانے کیلئے میزان یعنی ترازو سے بہتر کوئی عام فہم اور واضح تعبیر نہیں ہو سکتی تھی۔

اسی طرح سورۂ آل عمران کی مشہور آیت شہادت میں قَائِمًا بِالْقِسْطِ (۳: ۱۶) کہہ کر اسی

حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یعنی کائنات خلقت میں اسکے تمام کام عدالت کے ساتھ قائم ہیں اور اس نے قیام ہستی کے لیئے یہی قانون ٹھہرا دیا ہے۔

قرآن کہتا ہے، جب عدالت کا یہ قانون کائنات خلقت کے ہر گوشہ میں نافذ ہو تو کیونکر ممکن ہو کہ انسان کے افکار و اعمال کے لیئے بے اثر ہو جائے؟ پس اس گوشہ میں بھی وہی فکر و عمل مقبول ہوتا ہے جو افراط و تفریط اور میل و انحراف کی جگہ فطرت کے عدل و قسط پر مبنی ہوتا ہے اور اسی کو وحی الٰہی قول ثابت اور عمل صالح کے نام سے تعبیر کرتی ہے۔ اگر تعمیر و جمال کے سینکڑوں ناموں سے تمہیں مغالطہ نہیں ہو جاتا، اور یہ بات پا لیتے ہو کہ ان سب میں اصل حقیقت ایک ہی ہے اور وہ عدالت ہے، تو اس گوشہ میں ایمان و عمل کی اصطلاح سے تمہیں کیوں توحش ہو؟ اور کیوں بے تحاشا انکار کر بیٹھو؟

أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ

(۳: ۸۳)

کیا یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کا ٹھہرایا ہوا دین چھوڑ کر کوئی دوسرا دین تلاش کریں؟ حالانکہ آسمان اور زمین میں جو کوئی بھی ہے، سب اسی کے حکم کی اطاعت کرتے ہیں، خوشی سے ہو یا ناخوشی سے (مگر سب کو اسی کے چلنے ہی کے ٹھہرائے ہوئے قانون پر چلنا ہے) اور بالآخر سب اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں!

یہی وجہ ہے کہ قرآن نے بدعملی اور برائی کے لیئے جتنی تعبیرات اختیار کی ہیں، سب ایسی ہیں کہ اگر انکے معانی پر غور کیا جائے تو عدل و توازن کی ضد اور مخالف ثابت ہونگی۔ گویا قرآن کے نزدیک برائی کی حقیقت اسکے سوا کچھ نہیں ہے کہ حقیقت عدل سے انحراف ہو۔ مثلاً ظلم، طغیان، اسراف، تبذیر، افساد، اعتدا، عدوان وغیر ذلک۔

ظلم کے معنی وضع الشئ فی غیر موضعہ کے ہیں۔ یعنی جو بات جس جگہ ہونی چاہیئے اگر وہاں نہ ہو، بے محل ہو، تو لغت میں اس حالت کو ظلم کہیں گے۔ اسی لیئے قرآن نے شرک کو ظلم عظیم کہا ہے کیونکہ اس سے زیادہ کوئی بے محل بات نہیں ہو سکتی، اور یہ ظاہر ہے کہ کسی چیز کا اپنی صحیح جگہ میں نہ ہونا ایک ایسی حالت ہے، جو حقیقت عدل کے عین منافی ہے۔

طغیان کے معنی یہ ہیں کہ کسی چیز کا اپنی حد سے گزر جانا۔ دریا کا پانی اپنی حد سے بلند ہو جاتا ہے تو کہتے ہیں طغی الماء۔ ظاہر ہے کہ حد سے تجاوز عین عدالت کی ضد ہے۔

اسراف "سرف" سے ہے۔ سرف کے معنی یہ ہیں کہ جو چیز جتنی مقدار میں جہاں خرچ کرنی چاہیئے اس سے زیادہ خرچ کر دی جائے۔

تبذیر کے معنی کسی چیز کو ایسی جگہ خرچ کرنا ہے جہاں خرچ نہ کرنا چاہیے۔ اسراف اور تبذیر میں مقدار اور محل کا فرق ہے۔ کھانے میں خرچ کرنا، خرچ کا صحیح محل ہے، لیکن اگر ضرورت سے زیادہ خرچ کیا جائے تو یہ اسراف ہوگا۔ دریا میں روپیہ پھینک دینا روپیہ خرچ کرنے کا صحیح محل نہیں ہے۔ اگر تم روپیہ پانی میں پھینک دو تو یہ فعل تبذیر ہوگا۔ دونوں صورتیں عدالت کے منافی ہیں۔ کیونکہ حقیقتِ عدل، مقدار اور محل، دونوں میں تناسب چاہتی ہے۔

فساد کے معنی ہیں خروج الشیء عن الاعتدال کے ہیں۔ یعنی کسی چیز کا حالتِ اعتدال سے باہر ہو جانا۔

اعتداء اور عدوان ایک ہی مادہ سے ہیں، اور دونوں کے معنی حد سے گزر جانا ہے۔

قرآن اور صفاتِ الٰہی کا تصور

قرآن نے خدا کی صفات کا جو تصور قائم کیا ہے، سورہ فاتحہ اس کی سب سے پہلی رونمائی ہے۔ ہم اس مرقع میں وہ شبیہ دیکھ لے سکتے ہیں جو قرآن نے نوعِ انسانی کے سامنے پیش کی ہے۔ یہ ربوبیت، رحمت، اور عدالت کی شبیہ ہے۔ انہی تین صفتوں کے تفکر سے ہم اس کے تصورِ الٰہی کی معرفت حاصل کر سکتے ہیں۔

خدا کا تصور ہمیشہ انسان کی روحانی و اخلاقی زندگی کا محور رہا ہے۔ یہ بات کہ ایک عہد کا معنوی اور نفسیاتی مزاج کیسا ہے، اور وہ اپنے پیرؤوں کے لیے کس طرح کے اثرات رکھتا ہے؟ صرف یہ بات دیکھ کر معلوم کر لی جا سکتی ہے کہ اس کے تصورِ الٰہی کی نوعیت کیا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ علم الاجتماع کے مفکرین خصوصیت کے ساتھ اس پہلو پر زور دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں، کسی جماعت کی ذہنی و اخلاقی رفتارِ ترقی معلوم کرنے کے لیے سب سے پہلے اس بات کا سراغ لگاؤ کہ اس نے اپنے خدا کو کس شکل و شباہت میں دیکھا تھا؟ اسی شکل و شباہت میں تمہیں خود اس جماعت کے ذہن و اخلاق کی صورت نظر آجائے گی!

جب ہم نوعِ انسانی کے تصوراتِ الوہیت کا اس کے مختلف عہدوں میں مطالعہ کرتے ہیں، تو ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے تغیرات کی کچھ عجیب رفتار رہی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے، گویا انسان کے ذہنی تصورات کی طرح اس کے خدا پرستانہ تصور میں بھی ایک طرح کے تدریجی ارتقاء کا سلسلہ جاری رہا اور بتدریج ادنٰی سے اعلٰی اور پستی سے بلندی کی طرف ترقی ہوتی رہی۔ بلاشبہ یہ مشکل ہے کہ ہم اس سلسلہ کی

سب سے ابتدائی کڑیاں متعین کرسکیں، کیونکہ جس قدر ماضی کی طرف بڑھتے ہیں، تاریخ کی روشنی دھندلی پڑتی جاتی ہے، اور وحی و نبوت کی زبانیں بھی تفصیلات سے خاموش ہیں۔ تاہم اقوام و جماعات کے مختلف عہد ہمارے سامنے ہیں، اور اُن سے اِس سلسلہ کی مختلف کڑیاں بہم پہنچائی جا سکتی ہیں اگر یہ تمام کڑیاں تاریخی ترتیب کے ساتھ یکجا کردی جائیں، تو صاف نظر آجائے کہ اِس سلسلہ کی سب سے آخری اور سب سے زیادہ ترقی یافتہ کڑی وہی ہے جو قرآن نے نوعِ انسانی کے سامنے پیش کی ہے۔

لیکن یاد رہے، یہاں خدا کے تصور سے مقصود اُسکی صفات کا تصور ہے۔ اُسکی ہستی کا اعتقاد نہیں ہے۔ خدا کی ہستی کا اعتقاد انسان کے ذہن کی پیداوار نہ تھا کہ ذہنی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ وہ بھی بدلتا رہتا، بلکہ وہ اُسکی فطرت کا ایک وجدانی احساس تھا۔ وجدانی احساسات میں نہ تو ذہنی فکر کے سوالات مداخلت کرسکتے ہیں، نہ باہر کے اثرات سے ان میں تبدیلی ہوسکتی ہے۔

لیکن انسان کی عقل "ذاتِ مجرد" کے تصور سے عاجز ہے۔ وہ جب کسی چیز کا تصور کرنا چاہتی ہے تو گو تصور ذات کا کرنا چاہے لیکن تصور میں صفات و عوارض ہی آتے ہیں، اور صفات ہی کے جمع و تفرقہ سے وہ ہر چیز کا تصور آراستہ کرتی ہے۔ پس جب فطرت کے اندرونی جذبہ نے ایک بالاتر ہستی کے اعتراف کا ولولہ پیدا کیا، تو ذہن نے چاہا، اُسکا تصور آراستہ کرے، لیکن جب تصور کیا، تو یہ اُسکی ذات کا تصور نہ تھا۔ اُسکی صفات کا تصور تھا۔ اور صفات میں سے بھی اُنہی صفات کا، جن کا ذہن انسانی کا تخیل کرسکا تھا۔ یہیں سے خدا پرستی کے فطری جذبہ میں ذہن و فکر کی مداخلت شروع ہوگئی۔

عقلِ انسانی کا ادراک محسوسات کے دائرہ میں محدود ہے۔ اسلئے اسکا تصور اِس دائرہ سے باہر قدم نہیں نکال سکتا۔ وہ جب کسی اَن دیکھی اور غیر محسوس چیز کا تصور کرے گی، تو ناگزیر ہے کہ تصور میں وہی صفات آئیں، جنہیں وہ دیکھتی اور سنتی ہے، اور جو اُسکے حاسۂ ذوق و لمس کی دسترس سے باہر نہیں ہیں پھر اُسکے ذہن و تفکر کی جتنی بھی رسائی ہے، یہ یک قلم ظہور میں نہیں آئی ہے، بلکہ ایک طول طویل عرصہ نشو و ارتقا کا نتیجہ ہے۔ ابتدا میں اُسکا ذہن عہدِ طفولیت میں تھا۔ اسلئے اُس کے تصورات بھی اِسی نوعیت کے ہوتے تھے۔ پھر جوں جوں اُسمیں اور اُسکے ماحول میں ترقی ہوتی گئی، اُسکا ذہن بھی ترقی کرتا گیا، اور ذہن کی ترقی و ترکیب کے ساتھ، اُسکے تصورات میں بھی پختگی اور بلندی آتی گئی۔

اِس صورتِ حال کا قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ انسانی ذہن نے ہمیشہ خدا کی ویسی ہی صورت بنائی جیسی صورت خود اُس نے اور اُسکے ماحول نے پیدا کرلی تھی۔ جوں جوں اُسکا معیارِ فکر بدلتا گیا، وہ اپنے معبود کی شکل و شباہت بھی بدلتا گیا۔ اُسے اپنے آئینۂ تفکر میں ایک صورت نظر آتی تھی۔ وہ سمجھتا تھا، یہ اُس کے

معبود کی صورت ہو۔ حالانکہ وہ اُسکے معبود کی صورت نہ تھی، خود اُسی کے ذہن صفات کا عکس تھا!
فکرِ انسانی کی سب سے پہلی درماندگی یہی ہے جو اس راہ میں پیش آئی!

حرم جویاں درے را می پرستند — فقیہاں دفترے را می پرستند!
برافگن پردہ تا معلوم گردد — کہ یاراں دیگرے را می پرستند!

بہرحال انسان کے تمام تصورات کی طرح صفاتِ الٰہی کا تصور بھی اسکی ذہنی و معنوی ترقی کے ساتھ ساتھ ترقی کرتا رہا ہے۔ انبیائے کرام (علیہم السلام) کی دعوت کی ایک بنیادی اصل یہ رہی ہے کہ انہوں نے ہمیشہ خدا پرستی کی تعلیم ویسی ہی شکل و اسلوب میں دی جیسی شکل و اسلوب کے فہم و تحمل کی استعداد مخاطبین میں پیدا ہو گئی تھی۔ وہ جمع انسانی کے معلم و مربی تھے۔ معلم کا فرض ہے کہ متعلمین میں جس درجہ کی استعداد پائی جائے، اُسی درجہ کا سبق دے۔ پس انبیائے کرام نے بھی وقتاً فوقتاً خدا کی صفات کیلئے جو پیرایۂ تعلیم اختیار کیا، وہ اس سلسلۂ ارتقاء سے باہر نہ تھا، بلکہ اسی کی مختلف کڑیاں مہیا کرتا ہے۔

اس سلسلۂ ارتقاء کی تمام کڑیوں پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں اور اُنکے فکری عناصر کی تحلیل کرتے ہیں، تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ اسکی بے شمار نوعیتیں قرار دی جا سکتی ہیں، لیکن ارتقائی نقطے ہمیشہ تین ہی رہے ہیں، اور انہی سے اس سلسلہ کی بدایت و نہایت معلوم کی جا سکتی ہے:

(۱) تجسّم[1] سے تنزیہ کی طرف۔

(۲) تعدّد و اشراک سے توحید کی طرف۔

(۳) صفاتِ قہر و جلال سے صفاتِ رحمت و جمال کی طرف۔

یعنی تجسّم اور صفاتِ قہریہ کا تصور اسکا ابتدائی درجہ ہے، اور تنزیہ اور صفاتِ رحمت و جمال سے اتصاف، اعلیٰ و کامل درجہ۔ جو تصور جس قدر ابتدائی اور کم ترقی یافتہ ہے، اُتنا ہی تجسّم اور صفاتِ قہریہ کا عنصر اسمیں زیادہ ہے۔ جو تصور جس قدر زیادہ ترقی یافتہ ہے، اُتنا ہی زیادہ منزّہ اور صفاتِ رحمت و جمال سے متصف ہے۔

انسان کا تصور صفاتِ قہریہ و سلبیہ کے تخیل سے کیوں شروع ہوا؟ اسکی علت اغلب یہ ہے کہ فطرت کائنات کی تعمیر، تخریب کے نقاب میں پوشیدہ ہے۔ انسانی فکر کی طفولیت تعمیر کا حسن نہ دیکھ سکی، تخریب کی

---

[1] تجسّم سے مقصود یہ ہے کہ خدا کی نسبت یہ تصور قائم کرنا کہ وہ مخلوق کی طرح جسم و صورت رکھتا ہے، یا اسکی صفات بھی ویسی ہی ہیں جیسی مخلوقات کی ہیں۔ تنزیہ سے مقصود یہ ہے کہ اُن تمام باتوں سے جو اسکے تقدس سے منافی ہوں، یا اس کی پاکی و قدوسیت اور عظمت و کبریائی کے منافی ہوں، اُسے منزّہ یقین کرنا۔

ہولناکیوں سے سہم گئی۔ تعمیر کا حُسن و جمال دیکھنے کیلئے عقل کی وہ دور رس نگاہ مطلوب تھی، اور وہ ابھی اُسکی آنکھوں نے پیدا نہیں کی تھی۔

دنیا میں ہر چیز کی طرح ہر فعل کی نوعیت بھی اپنا مزاج رکھتی ہے۔ بناؤ ایک ایسی حالت ہے جس کا مزاج سرتاسر سکون اور خاموشی ہے، اور بگاڑ ایک ایسی حالت ہے کہ اُس کا مزاج سرتاسر شورش اور ہولناکی ہے۔ بناؤ ایجابی ہے، نظم ہے، جمع و ترتیب ہے۔ بگاڑ، سلبی ہے، برہمی ہے، تفرقہ و اختلال ہے۔ جمع و نظم کی حالت سکون کی حالت ہوتی ہے، اور تفرقہ و برہمی کی حالت ہی شورش و انفجار کی حالت ہے۔ دیوار جب بنتی ہے تو تمہیں کوئی شورش محسوس نہیں ہوتی، لیکن جب گرتی ہے تو دھماکا ہوتا ہے، اور تم بے اختیار چونک اُٹھتے ہو۔ اِس صورتِ حال کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ حیوانی طبیعت سلبی افعال سے فوراً متاثر ہو جاتی ہے کیونکہ اُن کی نمود میں شورش اور ہولناکی ہے، لیکن ایجابی افعال سے متاثر ہونے میں دیر لگاتی ہے کیونکہ اُن کا حُسن و جمال یکایک مشاہدہ میں نہیں آجاتا اور اُن کا مزاج شورش کی جگہ خاموشی اور سکون ہے۔ چنانچہ تم دیکھتے ہو کہ انسان کے بچے ہوں یا حیوان کے، ڈرتے زیادہ ہیں اور اُنس دیر میں پکڑتے ہیں۔ پہلا اثر جو وہ قبول کریں گے، خوف کا ہوگا۔ اُنس و محبت کا نہ ہوگا۔

اسی بنا پر عقلِ انسانی نے جب اپنے عہدِ طفولیت میں آنکھیں کھولیں، تو فطرتِ کائنات کے سلبی مظاہر کی دہشت سے معاً متاثر ہو گئی، کیونکہ زیادہ نمایاں اور پُرشور تھے، اور ایجابی و تعمیری حقیقت سے متاثر ہونے میں بہت دیر لگ گئی، کیونکہ اُن میں شورش اور ہنگامہ نہ تھا۔ بادلوں کی گرج، بجلی کی کڑک، آتش فشاں پہاڑوں کا انفجار، زمین کا زلزلہ، آسمان کی ژالہ باری، دریا کا سیلاب، سمندر کا تلاطم، اِن تمام سلبی مظاہر میں اُسکے لیے رعب و ہیبت تھی، اور اسی ہیبت کے اندر وہ ایک غضبناک خدا کی ڈراؤنی صورت دیکھنے لگا تھا۔ اُسے بجلی کی کڑک میں کوئی حُسن محسوس نہیں ہوتا تھا۔ وہ بادلوں کی گرج میں کوئی شانِ محبوبیت نہیں پاتا تھا۔ وہ آتش فشاں پہاڑوں کی سنگ باری سے پیار نہیں کر سکتا تھا۔ اور اُسکی عقل ابھی خدا کے رحمی کاموں سے آشنا ہوئی تھی!

خود اُسکی ابتدائی معیشت کی نوعیت بھی ایسی ہی تھی کہ اُنس و محبت کی جگہ خوف و دہشت کے جذبات برانگیختہ ہوتے۔ وہ کمزور اور نہتا تھا، اور دنیا کی ہر چیز اُسے دُشمنی اور ہلاکت پر تُلی نظر آتی تھی۔ دلدل کے مچھروں کے جھنڈ چاروں طرف منڈلا رہے تھے، زہریلے جانور ہر طرف رینگ رہے تھے، درندوں کے حملوں سے ہر وقت مقابل رہنا پڑتا تھا۔ سر پر سورج کی تپش بے پناہ تھی، اور چاروں طرف موسم کے اثرات ہولناک تھے۔ غرضکہ اُسکی زندگی سرتاسر جنگ و محنت تھی، اور اس احوال کا قدرتی نتیجہ تھا کہ اُس کا

ذہن، خدا کا تصور کرتے ہوئے، خدا کی ہلاکت آفرینیوں کی طرف جاتا، رحمت و فیضان کا ادراک نہ کر سکتا۔

لیکن جوں جوں انہیں اور انکے ماحول میں تبدیلی ہوتی گئی، انکے تصور میں بھی یک گونہ وحشت کی جگہ امید و رحمت کا عنصر شامل ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ معبودیت کے تصور میں صفات رحمت و جمال نے بھی ویسی ہی جگہ پالی جیسی صفات قہر و جلال کے لئے تھی۔ چنانچہ اگر قدیم اقوام کے اصنام پرستانہ تصورات کا مطالعہ کریں تو ہم دیکھیں گے کہ اُن کی ابتدا ہر جگہ صفات قہر و غضب کے تصور ہی سے ہوتی ہے، اور پھر آہستہ آہستہ صفات رحمت و جمال کی طرف قدم اٹھتا ہے۔ آخری کڑیاں وہ نظر آئیں گی جن میں صفات قہر و غضب کے ساتھ رحمت و جمال کا تصور بھی مساویانہ حیثیت سے قائم ہو گیا ہے۔ مثلاً قہر و ہلاکت کے دیوتاؤں اور قوتوں کے ساتھ زندگی، رزق، دولت اور حسن و علم کے دیوتاؤں کی بھی پرستش شروع ہو گئی ہے۔ یونان کا علم الاصنام اپنے لطافت تخیل کے لحاظ سے تمام اصنامی تخیلات میں اپنی خاص جگہ رکھتا ہے، لیکن اسکی پرستش کے بھی قدیم معبود وہی تھے جو قہر و غضب کی خوفناک قوتیں سمجھی جاتی تھیں۔ ہندوستان میں اس وقت تک زندگی اور بخشش کے دیوتاؤں سے کہیں زیادہ ہلاکت کے دیوتاؤں کی پرستش ہوتی ہے۔

بہر حال ہمیں غور کرنا چاہیئے کہ ظہور قرآن کے وقت خدا کے تصور کی عام نوعیت کیا تھی، اور قرآن نے جو تصور پیش کیا، اسکی حیثیت کیا ہے؟

نزول قرآن کے وقت چار مذہبی تصور فکر انسانی پر حکمران تھے: ہندوستانی، مجوسی، یہودی، اور مسیحی۔

ہندوستانی تصور میں سب سے پہلے اوپنشدوں کا فلسفۂ الٰہی نمایاں ہوتا ہے۔ اوپنشدوں کے مطالب کی نوعیت کے بارے میں زمانہ حال کے شارحوں اور نقادوں کی رائیں متفق نہیں ہیں۔ تاہم ایک بات بالکل واضح ہے، یعنی اوپنشد مسئلہ وحدۃ الوجود کا سب سے قدیم سرچشمہ ہیں، اور گیتا کا زمانہ تصنیف کچھ ہی کیوں نہ ہو، لیکن وہ بھی اوپنشدوں ہی کی صدائوں کی بازگشت ہے۔ مسئلہ وحدۃ الوجود خدا کی ہستی و صفات کا جو تصور پیدا کرتا ہے، اسکی نوعیت کچھ عجیب طرح کی واقع ہوتی ہے۔ ایک طرف

۵۵ اوپنشدوں کے متعلق ہماری جسقدر بھی معلومات ہیں، تمام تر مستشرقین یورپ کی تحقیقات سے ماخوذ ہیں۔ مسٹر گف کی رائے میں اوپنشد روحانیت سے خالی ہیں، لیکن پال ڈیوسن میکس مولر اور ہاپکنز، انھیں روحانیت کا سرچشمہ کہتے ہیں۔ مشہور جرمن حکیم شوپنہاور تو اس درجہ معترف ہوا کہ اس کا یہ جملہ مشہور ہو گیا ہے: "اوپنشد زندگی بھر میرے لیے تشفی کا سامان رہے، اور دم آخر بھی مجھے انہی سے تشفی ملے گی"۔ ۱۲

تو وہ ہر وجود کو خدا قرار دیتا ہے کیونکہ وجودِ حقیقی کے علاوہ اور کوئی وجود موجود ہی نہیں۔ دوسری طرف خدا کے لیے کوئی محدود اور متعین تخیل بھی قائم نہیں کرتا۔ بہر حال جو کچھ بھی ہو، یہ تصور اپنی نوعیت میں اس درجہ فلسفیانہ قسم کا تھا کہ کسی عہد اور ملک میں بھی عامۃ الناس کا عقیدہ نہ بن سکا۔ خود ہندوستان میں بھی اس کی حیثیت فلسفۂ الٰہیات کے ایک مذہب (اسکول) سے زیادہ نہیں رہی۔ بہترین تعبیر جو اس صورتِ حالات کی کی گئی ہو، یہ ہے کہ عوام کے لیے اصنام پرستی قرار دی گئی تھی اور خواص کیلئے وحدۃ الوجود کا اعتقاد تھا۔

اوپنشدوں کے بعد بُدھ مذہب کی تعلیم نمایاں ہوتی ہے، اور ظہورِ قرآن کے وقت ہندوستان کا عام مذہب یہی تھا۔ بُدھ مذہب کی بھی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں۔ مستشرقین کا ایک گروہ اسے اوپنشدوں کی تعلیم ہی کی ایک عملی شکل قرار دیتا ہے اور کہتا ہے "نروان" میں جذب و انفصال کا عقیدہ پوشیدہ ہے۔ یعنی جس سرچشمۂ الوہیت سے ہستیِ انسانی نکلی ہے، پھر اسی میں واصل ہو جانا نروان ہے۔ لیکن دوسرا گروہ اس سے انکار کرتا ہے۔ اس گروہ کی رائے میں بُدھ مذہب خدا کی ہستی کا کوئی تصور ہی نہیں رکھتا۔ وہ دنیا کا تنہا مذہب ہے جس نے فلسفیانہ عقائد کو مذہب کا جامہ پہنا دیا۔ وہ صرف پراکرتی یعنی مادۂ ازلی کا ذکر کرتا ہے۔ جسے طبیعت اور نفسِ حرکت کہتے ہیں۔ "نروان" سے مقصود یہ ہے کہ ہستی کی انانیت فنا ہو جائے اور زندگی کے عذاب سے چھٹکارا مل جائے۔ ہم جب اُن تصریحات کا مطالعہ کرتے ہیں جو براہِ راست گوتم بُدھ کی طرف منسوب ہیں، تو ہمیں دوسری تفسیر زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔

جہاں تک فطرتِ کائنات کی صفات کا تعلق ہے، گوتم بُدھ دنیا میں درد و اذیت کے سوا کچھ نہیں دیکھتا۔ زندگی اُسکے نزدیک سرتاسر عذاب ہے۔ وہ کہتا ہے، زندگی کی بڑی اذیتیں چار ہیں: پیدائش، بڑھاپا، بیماری، موت، اور نجات کی راہ اشٹانگ مارگ ہے۔ یعنی آٹھ راہوں کا سفر یا آٹھ عملوں سے مقصود علمِ صحیح، رحم و شفقت، قربانی، ہوا و ہوس سے آزادی، اور انانیت فنا کر دینا ہے۔[1]

عملی نقطۂ خیال سے بُدھ مذہب کی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے تعزیر و سزا کی جگہ سرتاسر رحم و ہمدردی پر زور دیا۔ "کسی جاندار کو دکھ نہ پہنچاؤ" اس کی بنیادی تعلیم ہے۔

مجوسی تصور کی بنیاد ثنویت پر ہے یعنی خیر و شر کی دو الگ الگ قوتیں تسلیم کی گئی ہیں

---

[1] ڈیوڈز آرلی بدھازم ۱۲

یزدان نور اور خیر کا خدا ہے۔ اہرمن تاریکی و بدی کا۔ عبادت کی بنیاد آتش پرستی اور آفتاب پرستی پر رکھی گئی کہ روشنی یزدانی صفت کی سب سے بڑی مظہر ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ ایران نے خیر و شر کی کشمکش کی گتھی یوں سلجھائی کہ الوہیت کی قوت دو متقابل خداؤں میں تقسیم کر دی۔

یہودیوں کا تصور تجسّم اور تنزہ کے بین بین تھا، اور صفاتِ الٰہی میں غالب عنصر قہر و غضب کا تھا۔ خدا کا گاہ گاہ متشکل ہو کر نمودار ہونا، مخاطبات الالٰہیہ کا سر تا سر انسانی صفات و جذبات پر مبنی ہونا، قہر و انتقام کی شدت، اور ادنیٰ درجہ کا تمثیلی اسلوب، تورات کے صفحات کا عام تصور ہے۔

مسیحی تصور رحم و محبت کا پیام تھا، اور خدا کے لیے باپ کی محبت و شفقت کا تصور پیدا کرنا چاہتا تھا۔ تجسّم و تنزہ کے لحاظ سے اس نے کوئی قدم آگے نہیں بڑھایا۔ گویا اس کی سطح وہیں تک رہی، جہاں تک تورات کا تصور پہنچ چکا تھا۔ لیکن حضرت مسیح کے بعد جب مسیحی عقائد کا رومی اصنام پرستی کے تخیلات سے امتزاج ہوا، تو اقانیم ثلاثہ، کفارہ، اور مریم پرستی کے عقائد پیدا ہو گئے۔ نزول قرآن کے وقت بہ حیثیت مجموعی مسیحی تصور، ترحم و محبت کے ساتھ، کفارہ، تجسّم، اور مریم پرستی کا مخلوط تصور تھا۔

ان تصورات کے علاوہ، ایک تصور فلاسفۂ یونان کا بھی ہے جو اگرچہ مذاہب کے تصورات کی طرح قوموں کا تصور نہ ہو سکا، تاہم اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ تقریباً پانچ سو برس قبل از مسیح یونان میں توحید و تنزیہہ کا اعتقاد نشوونما پانے لگا تھا۔ اس کی سب سے بڑی معلم شخصیت سقراط کی حکمت میں نمایاں ہوئی۔ سقراط کے تصورِ الٰہی کا جب ہم سراغ لگاتے ہیں، تو ہمیں افلاطون کی شہرۂ آفاق کتاب جمہوریت میں حسب ذیل مکالمہ ملتا ہے[1]:

---

[1] افلاطون کی جمہوریت مکالمہ کے پیرایہ میں ہے۔ مکالمہ یوں شروع ہوتا ہے کہ ایک عید کے موقع پر سقراط اور گلوکن سیفالس کے مکان میں جمع ہوتے ہیں۔ سیفالس کا لڑکا پولی مارکس، اڈیمنٹس اور تھریسی ماکس بھی موجود تھے۔ اثنائے گفتگو میں سوال پیدا ہو گیا کہ عدالت کی حقیقت کیا ہے؟ اس پر پولی مارکس اور بعض حاضرین نے یکے بعد دیگرے عدالت کی تعریف بیان کی، لیکن سقراط انہیں روکتا رہا۔ پھر بات میں سے بات نکلتے ہوئے حکومت و قوانین کی نوعیت تک پہنچ گئی اور یہی کتاب کا اصلی موضوع ہے۔ پوری کتاب دس ابواب میں منقسم ہے۔

واقعی اس مکالمہ میں گلوکن اور اڈیمنٹس افلاطون کے بھائی ہیں۔ گلوکن کا ذکر خود افلاطون نے اپنے مقالات میں کیا ہے۔ خلفائے عباسیہ کے عہد کے مترجمین نے جمہوریت کا بھی ترجمہ کیا تھا جیسا کہ ... ابن رشد نے اس کی شرح لکھی۔ شرح کے دیباچہ میں تصریح کی ہے کہ میں نے ارسطو کی کتاب السیاست کی شرح لکھنی چاہی تھی لیکن اندلس میں اس کا کوئی نسخہ نہیں ملا۔ مجبوراً افلاطون کی کتاب شرح کے لیے منتخب کرتا ہوں۔ ابو نصر فارابی نے گو تصریح نہیں کی ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ المدینۃ الفاضلہ کا تخیل اسے افلاطون کی جمہوریت ہی سے ہوا تھا۔ ابن رشد کی شرح کے عبرانی اور لاطینی تراجم ہو چکے (دیکھیے آئندہ)

"اڈیمنٹس نے سوال کیا کہ شعراء کو الوہیت کا ذکر کرتے ہوئے کیا پیرایۂ بیان اختیار کرنا چاہیئے"؟

سقراط: ہر حال میں خدا کی ایسی توصیف کرنی چاہیئے جیسی کہ وہ اپنی ذات میں ہے۔ خواہ قصصی شعر ہو، خواہ غنائی۔ علاوہ بریں اس میں کوئی شبہ نہیں کہ خدا کی ذات صالح ہو پس ضروری ہے کہ اس کی صفات بھی صلاح وحق پر مبنی ہوں۔

اڈیمنٹس: یہ درست ہو۔

سقراط: اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جو وجود صالح ہوگا، اُس سے کوئی بات مُفسد صادر نہیں ہوسکتی، اور جو ہستی غیر مُفسد ہوگی، وہ کبھی شر کی صانع نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح یہ بات بھی ظاہر ہے کہ جو ذات صالح ہوگی، ضروری ہے کہ نافع بھی ہو۔ پس معلوم ہوا کہ خدا صرف خیر کی علت ہو۔ شر کی علت نہیں ہوسکتا۔

اڈیمنٹس: درست ہو۔

سقراط: اور یہیں سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ خدا کا تمام حوادث وافعال کی علت ہونا ممکن نہیں جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے، بلکہ وہ انسانی حالات کے بہت ہی تھوڑے حصہ کی علت ہو۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں، ہماری بُرائیاں بھلائیوں سے کہیں زیادہ ہیں، اور برائیوں کی علت خدا کی صالح ونافع ہستی نہیں ہوسکتی۔ پس چاہیئے کہ صرف اچھائی ہی کو اس کی طرف نسبت دیں اور بُرائی کی علت کسی دوسری جگہ ڈھونڈھیں۔

اڈیمنٹس: میں محسوس کرتا ہوں کہ یہ امر بالکل واضح ہے۔

سقراط: تو اب ضروری ہوا کہ ہم شعراء کے ایسے خیالات سے متفق نہ ہوں جیسے خیالات ہومر کے حسب ذیل اشعار میں ظاہر کیئے گئے ہیں: "مشتری[۵۱] کی ڈیوڑھی میں دو پیالے رکھے ہیں۔ ایک خیر کا ہے

(بقیہ صفحہ ۱۰۹) کتب قانون میں موجود ہیں، لیکن اصل عربی ناپید ہے۔ یورپ کی زبانوں کے موجودہ تراجم براہ راست یونانی سے ہوئے ہیں۔ ہمارے پیش نظر اے۔ ای۔ ٹیلر کا انگریزی ترجمہ ہے۔

یاد رہے کہ "ری پبلک" کے لیے "جمہوریہ" کا لفظ موجودہ عہد کی اصطلاح نہیں ہو بلکہ اسی عہد کے مترجمین کے اختیارات میں ہو۔

[۵۱] مشتری (Jupiter) یونان کے جتنے دیوتا تھے ان میں رب الارباب یعنی سب سے بڑا دیوتا تھا۔ ہومر نے ایلیڈ میں دیوتاؤں کی جو مجلس آراستہ کی ہے، اس میں صدر نشین بحیثیت مشتری ہی کی ہے۔ اس کی بیوی (Junon) جو الی منزلہ اور ازدواج کی دیوی تھی۔ اپالون (Apallon) روشنی کا دیوتا تھا۔ اثینہ یا منروا (Minerva) حکمت کی دیوی تھی۔ مریخ (Mars) جنگ کا دیوتا تھا۔ زہرہ (Venus) حسن وغرام کی دیوی تھی۔ ہیڈیس (Hades) تاریکی اور موت کا دیوتا تھا اور جہنم کا پاسبان یقین کیا جاتا تھا۔ عطارد یا ہرمیس (Hermes) کی نسبت ان کا خیال تھا کہ دیوتاؤں کا پیغامبر ہے۔

ایک شرکا، اور یہی انسان کی بھلائی اور بُرائی کی تمام تر علت ہیں۔ جس انسان کے حصہ میں پیالۂ خیر کی شراب آگئی، اُسکے لئے تمام تر خیر ہے۔ جسکے حصہ میں شر کا گھونٹ آگیا، اُسکے لیے تمام تر شر ہے۔ الخ پھر جس کسی کو دونوں پیالوں کا ملا جلا گھونٹ مل گیا، اُسکے حصہ میں اچھائی بھی آگئی، بُرائی بھی آگئی۔

پھر آگے چلکر تجسّم کی طرف اشارہ کیا ہے، اور اُس سے انکار کیا ہے کہ "خدا ایک بازیگر اور بہروپیے کی طرح کبھی ایک بھیس میں نمودار ہوتا ہے، کبھی دوسرے بھیس میں"۔[۱]

حکماء یونان کے تصورِ الٰہی کی یہ سب سے بہتر شبیہ ہے جو افلاطون کے قلم سے نکلی ہو۔ یہ خدا کے تشکل سے انکار کرتی ہے، اور صفاتِ رذیلہ و خسیسہ سے بھی ایک منزہ تخیل پیش کرتی ہے لیکن بہ حیثیت مجموعی صفاتِ حسنہ کا کوئی ارفع و اعلیٰ تصور نہیں رکھتی، اور خیر و شر کی گتھی سلجھانے سے یک قلم عاجز ہے۔ اِسے مجبوراً یہ اعتقاد پیدا کرنا پڑا کہ حوادثِ عالم اور افعالِ انسانی کا غالب حصہ خدا کے دائرۂ تصرف سے باہر ہے، کیونکہ دنیا میں غلبہ شر کو ہے۔ نہ کہ خیر کو، اور خدا کو شر کا صانع نہیں ہونا چاہیئے!

بہرحال چھٹی صدی مسیحی میں دنیا کی خدا پرستانہ زندگی کے تصورات اس حد تک پہنچے تھے کہ قرآن کا نزول ہوا۔

اب غور کرو کہ قرآن کے تصورِ الٰہی کا کیا حال ہے؟ جب ہم اِن تمام تصورات کے مطالعہ کے بعد قرآن کے تصور پر نظر ڈالتے ہیں، تو صاف نظر آجاتا ہے کہ تصورِ الٰہی کے تمام عناصر میں اُسکی جگہ

---

[۱] یہ اشعار الیڈ کے ہیں۔ سلیمان البستانی نے اپنے عدیم النظیر ترجمۂ عربی میں اِن کا ترجمہ حسب ذیل کیا ہے:

وبأعتاب زفس قد أودونا | ذي لخير وذي لشر الهوان
فيهما كل قسمة الانسان
فالذي صب ما مزجنا آنالا | زفس يلقى خيراً ويلقى وبالا
والذي لا ينال الا من الشر | فتنتابه الخطوب انثيالا

بطواه يطوي البلاد كليلا | تائهاً في عرض الفلاة ذليلا
من بني الخلد والورى مخذولا | (الياذه نشيد ۲۴، صفحہ ۱۱۳)

اِن اشعار میں "زفس" سے مقصود مشتری ہے۔

[۲] دی رپبلک ترجمہ ٹیلر۔ باب دوم۔

سب سے الگ اور سب سے بلند تر ہے۔ اس سلسلہ میں حسب ذیل امور قابل غور ہیں:

اوّلاً، تجسّم اور تنزیہہ کے لحاظ سے قرآن کا تصورِ تنزیہہ کی ایسی تکمیل ہے جس کی کوئی نمود اُس وقت دنیا میں موجود نہیں تھی۔ قرآن سے پہلے تنزیہہ کا بڑے سے بڑا مرتبہ جس کا ذہنِ انسانی متحمّل ہو سکا تھا، یہ تھا کہ اصنام پرستی کی جگہ ایک ان دیکھے خدا کی پرستش کی جائے، لیکن جہاں تک صفاتِ الٰہی کا تعلق ہے، انسانی اوصاف و جذبات کی مشابہت اور جسم و ہیئت کے تمثّل سے کوئی تصور بھی خالی نہ تھا۔ یہودی تصور جس نے اصنام پرستی کی کوئی شکل بھی جائز نہیں رکھی تھی، اس طرح کے تشبّہ و تمثّل سے یکسر آلودہ ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کا خدا کو بھرے کے بلوطوں میں دیکھنا، خدا کا حضرت یعقوبؑ سے کشتی لڑنا، مصر سے خروج کے وقت بدلی اور آگ کا ستون بنکر رہنمائی کرنا، کوہِ طور پر شعلوں کے اندر نمودار ہونا، حضرت موسیٰؑ کا خدا کو پیچھے سے دیکھنا، خدا کا جوشِ غضب میں آکر کوئی کام کر بیٹھنا اور پھر پچھتانا، بنی اسرائیل کو اپنی چہیتی بیوی بنا لینا اور پھر اُسکی بدچلنی پر ماتم کرنا، ہیکل کی تباہی پر اُس کا نوحہ، اُسکی انتڑیوں میں درد کا اٹھنا اور کلیجہ میں سوراخ پڑجانا، تورات کا عام اُسلوبِ بیان ہے۔

اصل یہ ہے کہ قرآن سے پہلے فکرِ انسانی اس درجہ بلند نہیں ہوا تھا کہ تمثیل کا پردہ ہٹا کر صفاتِ الٰہی کا جلوہ دیکھ لیتا۔ اسلئے ہر تصور کی بنیاد تمام تر تمثیل و تشبیہہ ہی پر رکھنی پڑی۔ مثلاً تورات میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک طرف زبور کے ترانوں اور امثالِ سلیمان میں خدا کے لئے شائستہ صفات کا تخیل موجود ہے، لیکن دوسری طرف خدا کا کوئی مخاطبہ ایسا نہیں جو سرتا سر انسانی اوصاف و جذبات کی تشبیہ سے ملوث نہ ہو۔ حضرت مسیحؑ نے جب چاہا کہ رحمتِ الٰہی کا عالمگیر تصور پیدا کریں، تو وہ بھی مجبور ہوئے کہ خدا کے لئے باپ کی تشبیہ سے کام لیں۔ اسی تشبیہ سے ظاہر پرستوں نے ٹھوکر کھائی، اور ابنیتِ مسیح کا عقیدہ پیدا کر لیا۔

لیکن ان تمام تصورات کے بعد جب ہم قرآن کی طرف رُخ کرتے ہیں، تو ایسا معلوم ہوتا ہے گویا اچانک فکر و تصور کی ایک بالکل نئی دنیا سامنے آگئی۔ یہاں تمثیل و تشبیہ کے تمام پردے یک قلم اٹھ جاتے ہیں، انسانی اوصاف و جذبات کی مشابہت مفقود ہو جاتی ہے، ہر گوشہ میں مجاز کی جگہ حقیقت کا جلوہ نمایاں ہو جاتا ہے، اور تجسّم کا شائبہ تک باقی نہیں رہتا۔ تنزیہہ اس مرتبۂ کمال تک پہنچ جاتی ہے کہ:

لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ (۴۲: ۱۱) اُس کے مثل کوئی شے نہیں، کسی حیثیت سے بھی تم اسے مشابہ نہیں ٹھہرا سکتے!

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ ۖ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ

انسان کی نگاہیں اُسے نہیں پا سکتیں، لیکن وہ انسان کی نگاہوں کو دیکھ رہا ہے!

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۝ اللَّهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ ۝ وَلَمْ يُولَدْ ۝ وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ ۝ (۱۱۲: ۱-۴)

اللہ کی ذات یگانہ ہے، بے نیاز ہے، اُسے کسی کی احتیاج نہیں۔ نہ تو اس سے کوئی پیدا ہوا، نہ وہ کسی سے پیدا ہوا! اور نہ کوئی ہستی اُس کے درجہ اور برابری کی ہے!

یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں، قرآن کا اُسلوب بیان اُس تمثیلی اُسلوب سے بالکل مختلف ہے جو تورات و انجیل وغیرہا میں پایا جاتا ہے۔ وہ ہر موقع پر تمثیل و مجاز کی جگہ حقیقت کا تصور پیدا کرنا چاہتا ہے، اور تشبیہ کی جگہ تنزیہ کے اعتقاد پر زور دیتا ہے۔ وہ نہ تو خدا کی ہستی کو مادّہ کی طرح اجسام و اشکال کی اصل قرار دیتا ہے، نہ تورات کی طرح شوہر کی تشبیہ اختیار کرتا ہے، نہ انجیل کی طرح باپ کے رشتہ سے مشابہت پیدا کرتا ہے، بلکہ براہ راست ایک خالق اور مالک ہستی کا تصور پیدا کرتا ہے، اور پھر اسکی ربوبیت و رحمت اور صفات کاملہ و حسنہ کا ایک مکمل نقشہ کھینچ دیتا ہے۔ یہ گویا اس تعلیم کا سب سے اعلیٰ سبق تھا۔ پچھلے دَوروں میں نوعِ انسانی کی ذہنی استعداد اس درجہ شائستہ نہیں ہوئی تھی کہ تمثیلوں کے بغیر حقیقت کا تصور پیدا کر سکتی۔ لامحالہ پیرایۂ تعلیم بھی تمام تر تشبیہ و مجاز پر مبنی ہوتا تھا لیکن جب تعلیم اپنے درجۂ کمال تک پہنچ گئی، تو تمثیلوں کی ضرورت باقی نہ رہی۔ ضروری ہوگیا کہ اب حقیقت براہ راست اپنا جلوہ دکھلا دے!

تورات اور قرآن کے جو مقامات مشترک ہیں، وقتِ نظر کے ساتھ ان کا مطالعہ کرو۔ تورات میں جہاں کہیں خدا کی براہ راست نمود کا ذکر کیا گیا ہے، قرآن وہاں خدا کی تجلی کا ذکر کرتا ہے۔ تورات میں جہاں یہ پاؤ گے کہ خدا متشکل ہو کر اترا، قرآن اس موقع کی یوں تعبیر کرے گا کہ خدا کا فرشتہ متشکل ہو کر نمودار ہوا۔ بطور مثال کے صرف ایک مقام پر نظر ڈال لی جائے۔ تورات میں ہے:

”خداوند نے کہا، اے موسیٰ دیکھ، یہ جگہ میرے پاس ہے، تو اس چٹان پر ٹھہر رہ، اور یوں ہوگا کہ جب میرے جلال کا گزر ہوگا تو میں تجھے اُس چٹان کی دراڑ میں رکھوں گا، اور جب تک گزر لونگا، تجھے اپنی ہتھیلی سے ڈھانپے رہونگا۔ پھر ایسا ہوگا کہ میں ہتھیلی اٹھا لونگا اور تو میرا پیچھا دیکھ لیگا، لیکن تو میرا چہرہ نہیں دیکھ سکتا۔“ (خروج ۳۳: ۲۰)

”تب خداوند بدلی کے ستون میں ہو کر اُترا اور خیمہ کے دروازے پر کھڑا رہا ...... اُس نے کہا کہ میرا بندہ موسیٰ اپنے خداوند کی شبیہ دیکھے گا۔“ (گنتی ۱۲: ۵)

اِسی معاملہ کی تعبیر قرآن نے یوں کی ہے:

قَالَ رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْکَ قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ وَلٰکِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ (۷: ۱۴۳)	موسیٰ نے کہا: اے پروردگار! مجھے اپنا جلوہ دکھا تاکہ میں تیری طرف نگاہ کر سکوں۔ فرمایا: نہیں، تو کبھی مجھے نہیں دیکھے گا، لیکن ہاں، اس پہاڑ کی طرف دیکھ۔

البتہ یاد رہے کہ تنزیہہ اور تعطیل میں فرق ہے۔ تنزیہہ سے مقصود یہ ہو کہ جہاں تک عقل بشری کی پہنچ ہے، صفاتِ الٰہی کو مخلوقات کی مشابہت سے پاک اور بلند رکھا جائے۔ تعطیل کے معنی یہ ہیں کہ تنزیہہ کے منع و نفی کو اس حد تک پہنچا دیا جائے کہ فکرِ انسانی کے تصور کے لیے کوئی بات باقی ہی نہ رہے۔ قرآن کا تصورِ تنزیہہ کی تکمیل ہے تعطیل کی ابتدا نہیں ہو۔

اگر خدا کے تصور کے لیے صفات و اعمال کی کوئی ایسی صورت باقی ہی نہ رہے جسکا فکرِ انسانی ادراک کر سکتی ہے، تو نتیجہ یہ نکلیگا کہ تنزیہہ کے معنی نفیِ وجود کے ہو جائیں گے۔ مثلاً اگر کہا جائے کہ خدا کیلئے کوئی صفت نہیں قرار دی جا سکتی، اسلئے کہ جو صفت بھی قرار دی جائیگی اُس میں مخلوقات کے اوصاف سے مشابہت پیدا ہو جائے گی، تو ظاہر ہے کہ عقل انسانی کسی ایسی ذات کا تصور ہی نہیں کر سکتی۔ یا مثلاً اگر نفیِ مماثلت میں اس درجہ غلو کیا جائے کہ خدا کی ہستی اثبات کی جگہ سر تا سر نفی ہو جائے، تو عقلِ انسانی کے لیے بجز اسکے کیا رہ جائے گا کہ وجود کی جگہ عدم کا تصور کرے؟ پس قرآن نے تنزیہہ کا جو مرتبہ قرار دیا ہو، وہ یہ ہے کہ فرداً فرداً تمام صفات و افعال کا اثبات کرتا ہے، مگر ساتھ ہی اصلاً مماثلت کی نفی بھی کر دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے، خدا خوبی و جمال کی تمام صفتوں سے متصف ہو۔ وہ زندہ ہے، قادر ہے، پروردگار ہو، رحیم ہے، سُننے والا ہو، دیکھنے والا ہے، سب کچھ جاننے والا ہے۔ اتنا ہی نہیں، بلکہ انسان کی بول چال میں قدرت و ارادہ و فعل کی جتنی شائستہ تعبیرات ہیں، انہیں بھی بلا تامل استعمال کرتا ہے۔ مثلاً کہتا ہے خدا کے ہاتھ کشادہ ہیں: بَلْ یَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ (۵: ۶۴) اُسکے تختِ حکومت کے تصرف سے کوئی گوشہ باہر نہیں: وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (۲: ۲۵۵) وہ اپنے عرشِ جلال پر متمکن ہو: اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى (۲۰: ۵) لیکن ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیتا ہے کہ جتنی چیزیں کائنات ہستی میں موجود ہیں یا جتنی چیزوں تک بھی تم تصور کر سکتے ہو، اُن میں سے کوئی چیز نہیں جو اسکے مثل ہو: لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ (۴۲: ۱۱) تمہاری نگاہ اُسے پا ہی نہیں سکتی: لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ (۶: ۱۰۳) یعنی یہ کہ اُسکا زندہ ہونا ہمارے زندہ ہونے کی طرح نہیں ہو سکتا۔ اُسکی ربوبیت، ہماری ربوبیت کی سی

نہیں ہو سکتی۔ اُس کا جاننا، دیکھنا، سننا ویسا نہیں ہو سکتا، جیسا ہمارا جاننا، دیکھنا، اور سننا ہے۔ اُسکی قدرت و بخشش کا ہاتھ اور کبریائی و جلال کا عرش ضرور ہے، لیکن یقیناً اُنکا مطلب وہ نہیں ہو سکتا جو ان الفاظ سے ہمارے ذہن میں منتقل ہو جاتا ہے!

اسلامی فرقوں میں سے جہمیہ اور باطنیہ نے جو صفات کی نفی کی تھی، تو وہ اسی غلطی کے مرتکب ہوئے تھے۔ وہ تنزیہہ اور تعطیل میں فرق نہ کر سکے[1]

ثانیاً تنزیہہ کی طرح صفاتِ رحمت و جمال کے لحاظ سے بھی قرآن کے تصور پر نظر ڈالی جائے، تو اُسکی شانِ تکمیل نمایاں ہے۔ تنزیلِ قرآن کے وقت یہودی تصور میں قہر و غضب کا عنصر غالب تھا۔ مجوسی تصور نے نور و ظلمت کی دو مساویانہ قوتیں الگ الگ بنالی تھیں۔ مسیحی تصور نے رحم و محبت پر زور دیا تھا۔ لیکن جزا و سزا کی حقیقت مستور ہو گئی تھی۔ اسی طرح بُدھ مذہب نے بھی صرف رحم و محبت پر زور دیا۔ عدالت پر اسکی نظر نہیں پڑی۔ گویا جہاں تک رحمت و جمال کا تعلق ہے، یا تو قہر و غضب کا عنصر غالب تھا، یا مساوی تھا، یا پھر رحمت و محبت آئی تھی، تو اس طرح آئی تھی، کہ عدالت کے لیے کوئی جگہ باقی نہیں رہی تھی۔

لیکن قرآن نے ایک طرف تو رحمت و جمال کا ایسا کامل تصور پیدا کر دیا کہ قہر و غضب کے لیے کوئی جگہ ہی نہ رہی، دوسری طرف جزا و سزا کا سررشتہ بھی ہاتھ سے نہیں دیا، کیونکہ جزا و سزا کا اعتقاد قہر و غضب کی بنا پر نہیں بلکہ عدالت کی بنا پر قائم کر دیا۔ چنانچہ صفاتِ الٰہی کے بارے میں اس کا عام اعلان یہ ہے:

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ۭ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى (۱۷: ۱۱۰)	اے پیغمبر! ان سے کہدو، تم خدا کو اللہ کے نام سے پکارو، یا رحمٰن کہہ کر پکارو، جس صفت سے بھی پکارو، اُسکی ساری صفتیں حُسن و خوبی کی صفتیں ہیں!

یعنی وہ خدا کی تمام صفتوں کو "اسماءِ حسنیٰ" قرار دیتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خدا کی کوئی صفت نہیں جو حسن و خوبی کی صفت نہ ہو۔ یہ صفتیں کیا کیا ہیں؟ قرآن نے پوری وضاحت کے ساتھ انہیں جا بجا بیان کیا ہے۔ اُن میں ایسی صفتیں بھی ہیں جو قہر و جلال کی صفتیں ہیں۔ مثلاً جبار، قہار، لیکن قرآن کہتا ہے

---

[1] مسئلۂ صفات میں محدثین و سلف کا متکلمین سے اختلاف بھی درحقیقت اسی اصل پر مبنی تھا۔ یہ بات نہ تھی کہ وہ تجسیم کی طرف مائل تھے جیسا کہ اُن کے متعصب مخالفوں نے مشہور کیا۔ متاخرین میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اس مسئلہ پر نہایت شرح و بسط کے ساتھ بحث کی ہے۔ ان کے شاگرد امام ابن قیم کی کتاب جیوش بھی اسی موضوع پر ہے ... اس باب میں کفایت کرتی ہے۔

ان کی پوجا کی ہو۔ لیکن اس بات سے وہ بھی نہ بچ سکے کہ اپنے نبیوں کی قبروں پر ہیکل تعمیر کرکے انہیں عبادت گاہوں کی سی شان و تقدیس دیدیتے تھے۔ گوتم بُدھ کی نسبت معلوم ہے کہ اسکی تعلیم میں اصنام پرستی کیلئے کوئی جگہ نہ تھی۔ اسکی آخری وصیت جو ہم تک پہنچی ہے، یہ تھی "ایسا نہ کرنا کہ میری نعش کی راکھ کی پوجا شروع کردو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو یقین کرو، نجات کی راہ تم پر بند ہوجائے گی"[1] لیکن اس وصیت پر جیسا کچھ عمل کیا گیا، وہ دُنیا کے سامنے ہے۔ نہ صرف بُدھ کی خاک اور یادگاروں پر معبد تعمیر کیے گئے، بلکہ مذہب کی اشاعت کا ذریعہ ہی یہ سمجھا گیا کہ اُسکے مجسموں سے زمین کا کوئی گوشہ خالی نہ رہے۔ یہ واقعہ ہے کہ دنیا میں کسی معبود کے بھی اتنے مجسمے نہیں بنائے گئے، جتنے گوتم بُدھ کے بنائے گئے ہیں۔ حد ہوگئی کہ فارسی زبان میں بودھ (بُت) کا لفظ ہی صنم کے معنوں میں بولا جانے لگا۔ اسی طرح ہمیں معلوم ہے کہ مسیحیت کی حقیقی تعلیم سرتاسر توحید کی تعلیم تھی، لیکن ابھی اسکے ظہور پر پورے سو برس بھی نہیں گزرے تھے کہ اُلوہیت مسیح کا عقیدہ نشوونما پا چکا تھا۔

لیکن قرآن نے توحید فی الصفات کا ایسا کامل نقشہ کھینچ دیا کہ اس طرح کی لغزشوں کے تمام دروازے بند ہوگئے۔ اُس نے صرف توحید ہی پر زور نہیں دیا، بلکہ شرک کی بھی راہیں مسدود کردیں، اور یہی اس باب میں اسکی خصوصیت ہے۔

وہ کہتا ہے، ہر طرح کی عبادت اور نیاز کی مستحق صرف خدا ہی کی ذات ہے۔ پس اگر تم نے عابدانہ عجز و نیاز کے ساتھ کسی دوسری ہستی کے سامنے سر جھکایا، تو توحید الٰہی کا اعتقاد باقی نہ رہا۔ وہ کہتا ہے یہ اسی کی ذات ہے جو انسانوں کی پکار سُنتی اور اُنکی دعائیں قبول کرتی ہے۔ پس اگر تم نے اپنی دعاؤں اور طلبگاریوں میں کسی دوسری ہستی کو بھی شریک کرلیا، تو گویا تم نے اُسے خدا کی خدائی میں شریک کرلیا۔ وہ کہتا ہے، دعا، استعانت، رکوع و سجود، عجز و نیاز، اعتماد و توکل، اور اس طرح کے تمام عبادت گزارانہ اور نیازمندانہ اعمال، وہ اعمال ہیں جو خدا اور اسکے بندوں کا باہمی رشتہ قائم کرتے ہیں۔ پس اگر ان اعمال میں تم نے کسی دوسری ہستی کو بھی شریک کرلیا، تو خدا کے رشتۂ معبودیت کی یگانگی باقی نہ رہی۔ اسی طرح عظمتوں، کبریائیوں، کارسازیوں، اور بے نیازیوں کا جو اعتقاد تمہارے اندر خدا کی ہستی کا تصور پیدا کرتا ہے، وہ صرف خدا ہی کے لیئے مخصوص ہونا چاہیئے۔ اگر تم نے ویسا ہی اعتقاد کسی دوسری ہستی کے لیئے بھی پیدا کرلیا، تو تم نے اُسے خدا کا ند یعنی شریک ٹھہرالیا، اور توحید کا اعتقاد درہم برہم ہوگیا!

[1] آر. ڈی. بودھ ازم ۱۲

یہی وجہ ہے کہ سورۂ فاتحہ میں اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کی تلقین کی گئی جس میں اوّل تو عبادت کے ساتھ استعانت کا بھی ذکر کیا گیا، پھر دونوں جگہ مفعول کو مقدم کیا جو مفید اختصاص ہے۔ یعنی صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھی سے مدد طلب کرتے ہیں۔ اسکے علاوہ تمام قرآن میں اس کثرت کے ساتھ توحید فی الصفات اور رد اشراک پر زور دیا گیا ہے کہ شاید ہی کوئی سورۃ بلکہ کوئی صفحہ اس سے خالی ہو۔

سب سے زیادہ اہم مسئلہ مقام نبوت کی حد بندی کا تھا۔ یعنی معلم کی شخصیت کو اسکی اصلی جگہ میں محدود کر دینا، تاکہ شخصیت پرستی کا ہمیشہ کے لیے سد باب ہو جائے۔ اس بارے میں قرآن نے جس طرح صاف اور قطعی لفظوں میں جابجا پیغمبر اسلام کی بشریت اور بندگی پر زور دیا ہے، محتاج بیان نہیں۔ ہم یہاں صرف ایک بات کی طرف توجہ دلائیں گے۔ اسلام نے اپنی تعلیم کا بنیادی کلمہ جو قرار دیا، وہ سب کو معلوم ہے: اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ یعنی "میں اقرار کرتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، اور میں اقرار کرتا ہوں کہ محمد (صلعم) خدا کے بندے اور اسکے رسول ہیں"۔ اس اقرار میں جس طرح خدا کی توحید کا اعتراف کیا گیا ہے۔ ٹھیک اسی طرح پیغمبر اسلام کی بندگی اور درجۂ رسالت کا بھی اعتراف ہے۔ غور کرنا چاہیے کہ ایسا کیوں کیا گیا؟ صرف اسلیے کہ پیغمبر اسلام کی بندگی اور درجۂ رسالت کا اعتقاد اسلام کی اصل اساس بن جائے، اور اس کا کوئی موقع باقی ہی نہ رہے کہ عبدیت کی جگہ معبودیت کا اور رسالت کی جگہ اوتار کا تخیل پیدا ہو۔ ظاہر ہے کہ اس سے زیادہ اس معاملہ کا تحفظ کیا کیا جا سکتا تھا؟ کوئی شخص دائرہ اسلام میں داخل ہی نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ خدا کی توحید کی طرح پیغمبر اسلام کی بندگی کا بھی اقرار نہ کرلے!

یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں، پیغمبر اسلام (صلعم) کی وفات کے بعد مسلمانوں میں بہتیرے اختلافات پیدا ہوئے، لیکن انکی شخصیت کے بارے میں کبھی کوئی سوال پیدا نہیں ہوا۔ ابھی ان کی وفات پر چند گھنٹے بھی نہیں گزرے تھے کہ حضرت ابوبکرؓ نے برسر منبر اعلان کر دیا تھا:

مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ! (بخاری)	جو کوئی تم میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پرستش کرتا تھا، سو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ محمدؐ نے وفات پائی۔ اور جو کوئی تم میں سے اللہ کی پرستش کرتا تھا، تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ کی ذات ہمیشہ زندہ ہے۔ اسکے لیے موت نہیں!

رابعاً، قرآن سے پہلے علوم و فنون کی طرح مذہبی اعتقاد میں بھی خاص و عام کا امتیاز

ملحوظ رکھا جاتا تھا، اور خیال کیا جاتا تھا کہ خدا کا ایک تصور تو حقیقی ہے اور خواص کے لیے ہے، ایک تصور عملی ہے اور عوام کے لیے ہے۔ چنانچہ ہندوستان میں خدا شناسی کے تین درجے قرار دیئے گئے تھے: عوام کیلئے دیوتاؤں کی پرستش، خواص کیلئے براہ راست خدا کی پرستش، اخص الخواص کیلئے وحدۃ الوجود کا مشاہدہ۔ یہی حال فلاسفۂ یونان کا تھا۔ وہ خیال کرتے تھے کہ ایک غیر مرئی اور غیر مجسم خدا کا تصور صرف اہل علم و حکمت ہی کر سکتے ہیں۔ عوام کیلئے اسی میں امن ہے کہ دیوتاؤں کی پرستاری میں مشغول رہیں۔

لیکن قرآن نے حقیقت و عمل یا خاص و عام کا کوئی امتیاز باقی نہ رکھا۔ اس نے سب کو خدا پرستی کی ایک ہی راہ دکھائی، اور سب کے لیے صفات الٰہی کا ایک ہی تصور پیش کیا۔ وہ حکماء و عرفاء سے لیکر جہال و عوام تک، سب کو حقیقت کا ایک ہی جلوہ دکھاتا ہے، اور سب پر اعتقاد و ایمان کا ایک ہی دروازہ کھولتا ہے۔ اس کا تصور جس طرح ایک حکیم و عارف کے لیے سرمایۂ تفکر ہے، اسی طرح ایک چرواہے اور دہقان کے لیے سرمایۂ تسکین!

خامساً، قرآن نے تصور الٰہی کی بنیاد نوع انسانی کے عالمگیر وجدانی احساس پر رکھی ہے۔ یہ نہیں کیا ہے کہ اسے نظر و فکر کی کاوشوں کا ایک ایسا معما بنا دیا ہو جسے کسی خاص گروہ اور طبقہ کا ذہن ہی حل کر سکے۔ انسان کا عالمگیر وجدانی احساس کیا ہے؟ یہ ہے کہ کائنات ہستی خود بخود پیدا نہیں ہو گئی، پیدا کی گئی ہے۔ اور اسلیئے ضروری ہے کہ ایک صانع ہستی موجود ہو۔ بس قرآن بھی اس بارے میں جو کچھ بتلاتا ہے، صرف اتنا ہی ہے۔ وہ نہ تو توحید وجودی[1] کا ذکر کرتا ہے نہ توحید شہودی[2] کا۔ وہ صرف ایک خالق کائنات ہستی کا ذکر کرتا ہے جو خوبی و کمال کی تمام صفتوں سے متصف اور نقص و زوال کی تمام باتوں سے منزہ ہے، اور اس سے زیادہ فکر انسانی پر کوئی بوجھ نہیں ڈالتا!

---

[1] توحید وجودی سے مقصود وحدۃ الوجود کا عقیدہ ہے۔ یعنی خدا کی ہستی کے سوا کوئی ہستی وجود نہیں رکھتی، وجود ایک ہی ہے۔ باقی جو کچھ ہے، تعینات کا فریب ہے:

> گو کثرتِ اشیاء نقیضِ وحدت ہست
>
> تو در حقیقتِ اشیا نظر فگن، ہمہ اوست!

توحید شہودی یہ ہے کہ موجودات خلقت کو بحیثیت موجودات تسلیم کرتے ہیں لیکن کہتے ہیں جب انہیں وجودِ حق کی نمود میں دیکھا جاتا ہے تو ان کی ہستی کیلئے کوئی نمایاں جگہ باقی نہیں رہتی، گویا غیر موجود ہیں۔ بلکہ اسلیئے کہ سورج نکل آیا اور اسکی سطوت تجلی میں ستارے ناپید ہو گئے!

> فلما استبان الصبح ادرج ضوءہ   باسفارہ اضواء نور الکواکب!

سادساً: جس ترتیب کے ساتھ سورۂ فاتحہ میں تینوں صفتیں بیان کی گئی ہیں، وہ اصل فکر انسانی کے طلبِ معرفت کی قدرتی منزلیں ہیں، اور اگر غور کیا جائے، تو اسی ترتیب سے پیش آتی ہیں۔ سب سے پہلے ربوبیت کا ذکر کیا گیا۔ کیونکہ کائنات ہستی میں سب سے زیادہ ظاہر نمود اسی صفت کی ہے، اور ہر وجود کو سب سے زیادہ اسی کی احتیاج ہے۔ ربوبیت کے بعد رحمت کا ذکر کیا گیا، کیونکہ اسکی حقیقت بمقابلہ ربوبیت کے مطالعہ و تفکر کی محتاج ہے، اور ربوبیت کے مشاہدات سے جب نظر آگے بڑھتی ہے تب رحمت کا جلوہ نمودار ہوتا ہے۔ رحمت کے بعد عدالت کی صفت بیان کی گئی، کیونکہ یہ اس سفر کی آخری منزل ہے۔ رحمت کے مشاہدات سے جب نظر آگے بڑھتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہاں عدالت کی بھی نمود ہر جگہ موجود ہے، اور اسلئے موجود ہے کہ ربوبیت اور رحمت کا مقتضا یہی ہے۔

(۶) اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ

ہدایت

ہدایت کے معنی رہنمائی کرنے، راہ دکھانے، راہ پر لگا دینے کے ہیں۔ اجمالاً اس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ یہاں ہم چاہتے ہیں، ہدایت کے مختلف مراتب و اقسام پر نظر ڈالیں جن کا قرآن حکیم نے ذکر کیا ہے، اور جن میں سے ایک خاص مرتبہ "وحی و نبوت کی ہدایت" کا ہے۔

تم ابھی پڑھ چکے ہو کہ خدا کی ربوبیت نے جس طرح مخلوقات کو انکے مناسب حال جسم و قویٰ دیئے ہیں، اسی طرح انکی ہدایت کا فطری سامان بھی مہیا کر دیا ہے۔ فطرت کی یہی ہدایت ہر جوہر وجود کو زندگی و معیشت کی راہ پر لگاتی اور ضروریاتِ زندگی کی جستجو میں رہنما ہوتی ہے۔ اگر فطرت کی یہ ہدایت موجود نہ ہوتی تو ممکن نہ تھا کہ کوئی مخلوق بھی زندگی و بقا کا سامان بہم پہنچا سکتی۔ چنانچہ قرآن نے جا بجا اس حقیقت پر توجہ دلائی ہے۔ وہ کہتا ہے، ہر وجود کے بننے اور درجۂ تکمیل تک پہنچنے کے مختلف مراتب ہیں، اور ان میں آخری مرتبہ ہدایت کا مرتبہ ہے۔ سورۂ اعلیٰ میں بالترتیب چار مرتبوں کا ذکر کیا ہے:

الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی ۝ وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی ۝ (۸۷: ۲)

وہ پروردگار جس نے ہر چیز پیدا کی، پھر اسے درست کیا، پھر ہر چیز کے لئے ایک اندازہ ٹھہرا دیا، پھر اس پر راہ (عمل) کھول دی!

یعنی ہر وجود کے چار مرتبے ہوئے: تخلیق، تسویہ، تقدیر، ہدایت۔

تخلیق کے معنی پیدا کرنے کے ہیں۔ یہ بات کہ کائنات خلقت اور اس کے ہر جزو کا مواد عدم سے وجود میں آگیا، تخلیق ہے۔

تسویہ کے معنی یہ ہیں کہ ایک چیز کو جس طرح ہونا چاہیے ٹھیک ٹھیک اسی طرح درست اور آراستہ کر دینا۔

تقدیر کے معنی اندازہ ٹھہرا دینے کے ہیں۔ اس کی شرح اوپر گزر چکی ہے۔

ہدایت سے مقصود یہ ہے کہ ہر وجود پر اس کی زندگی و معیشت کی راہ کھول دی جائے۔ اس کی تشریح بھی ربوبیت کے بحث میں گزر چکی ہے۔

مثلاً مخلوقات میں ایک خاص قسم پر عمل ہے۔ یہ بات کہ اسکا مادہ خلقت ظہور میں آگیا تخلیق ہے؛ یہ بات کہ انکے تمام ظاہری و باطنی قویٰ اس طرح بنا دیئے گئے کہ ٹھیک ٹھیک قوام و اعتدال کی حالت پیدا ہو گئی، تسویہ ہے۔ یہ بات کہ انکے ظاہری و باطنی قویٰ کے اعمال کے لیے ایک خاص طرح کا اندازہ ٹھہرا دیا گیا ہے جس سے وہ باہر نہیں جا سکتے، تقدیر ہے۔ مثلاً یہ کہ ہوا میں اڑ سکتے۔ مچھلیوں کی طرح پانی میں تیر نہیں سکتے۔ یہ بات کہ انکے اندر وجدان و حواس کی روشنی پیدا ہوگئی جو انہیں زندگی کی راہیں دکھاتی، اور سامان حیات کے طلب و حصول میں رہنمائی کرتی ہے، ہدایت ہے!

قرآن کہتا ہے، خدا کی ربوبیت کا مقتضیٰ یہی تھا کہ جس طرح اس نے ہر وجود کو اسکا جامۂ ہستی عطا فرمایا، اور اسکے ظاہری و باطنی قویٰ درست کر دیئے، اور انکے اعمال کے لیے ایک مناسب حال اندازہ ٹھہرا دیا اسی طرح اس کی ہدایت کا بھی سر و سامان کر دیا:

رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَہٗ ثُمَّ ھَدٰی (۲۰: ۵۰)

ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی بناوٹ دی پھر اس پر راہ عمل کھول دی!

قرآن نے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) اور انکی قوم کا جو مکالمہ جا بجا نقل کیا ہے، اس میں حضرت ابراہیم اپنے عقیدہ کا اعلان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰہِیْمُ لِاَبِیْہِ وَقَوْمِہٖٓ اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ فَاِنَّہٗ سَیَھْدِیْنِ ۝ (۴۳: ۲۶)

اور جب ابراہیم نے اپنے باپ اور قوم سے کہا تھا: جن کی تم پرستش کرتے ہو مجھے ان سے کوئی سروکار نہیں! میرا رشتہ صرف اس ذات سے ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے، اور وہی میری رہنمائی کرے گی۔

"اَلَّذِیْ فَطَرَنِیْ فَاِنَّہٗ سَیَھْدِیْنِ" یعنی جس خالق نے مجھے جسم و وجود عطا فرمایا ہے ضروری ہے کہ اس نے میری ہدایت کا بھی سامان کر دیا ہو۔ سورۂ شعراء میں یہی بات زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے:

اَلَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَھُوَ یَھْدِیْنِ ۙ وَالَّذِیْ ھُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ ۙ وَاِذَا مَرِضْتُ فَھُوَ یَشْفِیْنِ ۙ (۲۶: ۷۹)

جس پروردگار نے مجھے پیدا کیا ہے، وہی میری ہدایت کرے گا اور پھر وہی ہے جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے، اور جب بیمار ہوتا ہوں تو شفا بخشتا ہے۔

یعنی جس پروردگار کی پروردگاری نے میری تمام ضروریاتِ زندگی کا سامان کر دیا ہے، جو مجھے بھوک کے لیے غذا، پیاس کے لیے پانی، اور بیماری میں شفا عطا فرماتا ہے، کیونکر ممکن ہو کہ اُس نے مجھے پیدا تو کر دیا ہو، لیکن میری ہدایت کا سامان نہ کیا ہو؟ اگر اُس نے مجھے پیدا کیا ہے تو یقیناً وہی ہے جو طلب و سعی میں میری رہنمائی بھی کرے۔ سورۂ صافات میں یہی مطلب ان لفظوں میں ادا کیا گیا ہے:

اِنِّیْ ذَاھِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَھْدِیْنِ (۳۷: ۹۹)

میں (ہر طرف سے کٹ کر) اپنے پروردگار کا رخ کرتا ہوں۔ وہ میری ہدایت کرے گا!

"رَبِّیْ" کے لفظ پر غور کرو، وہ میرا "رب" ہے، اور جب وہ "رب" ہے تو ضروری ہے کہ وہی مجھ پر راہِ عمل بھی کھول دے!

ہدایت کے ابتدائی تین مرتبے

پھر ہدایت کے بھی مختلف مراتب ہیں جو ہم حیوانات میں محسوس کرتے ہیں۔ سب سے پہلا مرتبہ **وجدان** کی ہدایت کا ہے۔ وجدان طبیعتِ حیوانی کا فطری و اندرونی الہام ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک بچہ پیدا ہوتے ہی غذا کے لیے رونے لگتا ہے، اور پھر بغیر اس کے کہ خارج کی کوئی رہنمائی اُسے ملی ہو، ماں کی چھاتی مُنہ میں لیتے ہی اُسے چوستا اور اپنی غذا حاصل کر لیتا ہے۔

وجدان کے بعد حواس کی ہدایت کا مرتبہ ہے، اور وہ اس سے بلند تر ہے۔ یہیں دیکھنے، سُننے، چکھنے، چھونے، اور سُونگھنے کی توفیق بخشتی ہے، اور انہی کے ذریعہ ہم خارج کا علم حاصل کرتے ہیں۔

ہدایتِ فطرت کے یہ دونوں مرتبے انسان اور حیوان سب کے لیے ہیں، لیکن جہاں تک انسان کا تعلق ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ ایک تیسرا مرتبۂ ہدایت بھی موجود ہے، اور وہ عقل کی ہدایت ہے۔ فطرت کی یہی ہدایت ہے جس نے انسان کے آگے غیر محدود ترقیات کا دروازہ کھول دیا ہے، اور اُس نے کائناتِ ارضی میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ مخلوق کی حیثیت حاصل کر لی ہے۔

وجدان کی ہدایت اُس میں سعی و طلب کا ولولہ پیدا کرتی ہے، حواس اس کے لیے معلومات بہم پہنچاتے ہیں، اور عقل نتائج و احکام مرتب کرتی ہے۔ حیوانات کو اس آخری مرتبہ کی ضرورت نہ تھی، اس لیے اُن کا قدم وجدان اور حواس سے آگے نہیں بڑھا۔ لیکن انسان میں یہ تینوں مرتبے جمع ہو گئے۔

جوہر عقل کیا ہے؟ دراصل اُسی قوت کی ایک ترقی یافتہ حالت ہے جس نے حیوانات میں وجدان اور حواس کی روشنی پیدا کر دی ہے۔ جس طرح انسان کا جسم اجسام ارضی کی سب سے اعلیٰ کڑی ہے، اُسی طرح اسکی معنوی قوت بھی تمام معنوی قوتوں کا برترین جوہر ہے۔ روح حیوانی کا وہ جوہر ادراک، جو نباتات میں مخفی، اور حیوانات کے وجدان و مشاعر میں نمایاں تھا، انسان کے رتبے میں پہنچکر درجہ کمال تک پہنچ گیا، اور جوہر عقل کے نام سے پکارا گیا:

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ ہدایت فطرت کے ان تینوں مرتبوں میں سے ہر مرتبہ اپنی قوت و عمل کا ایک خاص دائرہ رکھتا ہے۔ اُس سے آگے نہیں بڑھ سکتا، اور اگر اُس مرتبہ سے ایک دوسرا بلند مرتبہ موجود نہ ہوتا تو ہماری معنوی قوتیں اُس حد تک ترقی نہ کر سکتیں، جس حد تک فطرت کی رہنمائی سے ترقی کر رہی ہیں۔ وجدان کی ہدایت ہم میں طلب و سعی کا جوش پیدا کرتی ہے اور مطلوبات زندگی کی راہ پر لگاتی ہے۔ لیکن ہمارے وجود سے باہر جو کچھ موجود ہے، اُسکا ادراک حاصل نہیں کر سکتی یہ کام مرتبہ حواس کی ہدایت کا ہے۔ آنکھ دیکھتی ہے۔ کان سنتا ہے۔ زبان چکھتی ہے۔ ہاتھ چھوتا ہے۔ ناک سونگھتی ہے، اور اس طرح ہم اپنے وجود سے باہر کی تمام محسوس اشیاء کا ادراک حاصل کر لیتے ہیں۔

لیکن حواس کی ہدایت بھی ایک خاص حد تک ہی کام دے سکتی ہے۔ اُس سے آگے نہیں بڑھ سکتی۔ آنکھ دیکھتی ہے مگر صرف اُسی حالت میں جبکہ دیکھنے کی تمام شرطیں موجود ہوں۔ اگر کوئی ایک شرط بھی نہ پائی جائے، مثلاً روشنی نہ ہو، یا فاصلہ زیادہ ہو، تو ہم آنکھ رکھتے ہوئے بھی ایک موجود چیز کو براہ راست نہیں دیکھ سکتے۔ علاوہ بریں حواس کی ہدایت صرف اتنا ہی کر سکتی ہے کہ اشیاء کا احساس پیدا کر دے، لیکن مجرد احساس کافی نہیں ہے۔ ہمیں استنباط و استنتاج کی ضرورت ہے، احکام کی ضرورت ہے، کلیات کی ضرورت ہے۔ اور یہ کام عقل کی ہدایت کا ہے۔ وہ اُن تمام مدرکات کو جو حواس کے ذریعہ حاصل ہوتی ہیں، ترتیب دیتی ہے، اور اُن سے احکام و کلیات کا استنباط کرتی ہے۔

علاوہ بریں جس طرح وجدان کی تکمیل کے لیے حواس و مشاعر کی ضرورت تھی، اُسی طرح حواس کی تصحیح و نگرانی کے لیے عقل کی ضرورت تھی۔ حواس کا ذریعہ ادراک نہ صرف محدود ہی ہے، بلکہ بسا اوقات غلطی و گمراہی سے بھی محفوظ نہیں۔ ہم دور سے ایک چیز دیکھتے ہیں، اور محسوس کرتے ہیں کہ ایک سیاہ نقطہ سے زیادہ حجم نہیں رکھتی۔ حالانکہ وہ ایک عظیم الشان گنبد ہوتا ہے۔ ہم بیماری کی حالت میں شہد جیسی میٹھی چیز چکھتے ہیں، لیکن ہمارا حاسۂ ذوق یقین دلاتا ہے کہ مزہ کڑوا ہے۔ ہم تالاب میں ایک لکڑی کا عکس دیکھتے ہیں۔ لکڑی مستقیم ہوتی ہے لیکن عکس میں ٹیڑھی دکھائی دیتی ہے۔ بارہا ایسا ہوتا ہے کہ

کسی عارضہ کی وجہ سے کان بجنے لگتے ہیں، اور ہمیں ایسی صدائیں سنائی دیتی ہیں جن کا خارج میں کوئی وجود نہیں۔ اگر مرتبۂ حواس سے ایک بلند تر مرتبۂ ہدایت موجود نہ ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ ہم حواس کی ان درماندگیوں میں حقیقت کا سراغ پاسکتے۔ لیکن ان تمام حالتوں میں عقل کی ہدایت نمودار ہوتی ہے وہ حواس کی درماندگیوں میں ہماری رہنمائی کرتی ہے۔ وہ ہمیں بتلاتی ہے کہ سورج ایک عظیم الشان کرہ ہے۔ اگرچہ ہماری آنکھ اُسے سپر سے زیادہ محسوس نہیں کرتی۔ وہ ہمیں بتلاتی ہے کہ شہد کا مزہ ہر حال میں میٹھا ہے، اور اگر ہمیں کڑوا محسوس ہوا ہے تو یہ اس لئے ہوا کہ ہمارے مُنہ کا مزہ بگڑ گیا ہے۔ اسی طرح وہ ہمیں بتلاتی ہے کہ بعض اوقات خشکی بڑھ جانے سے کان بجنے لگتے ہیں، اور اس حالت میں جو صدائیں سنائی دیتی ہیں وہ خارج کی صدائیں نہیں ہوتیں، خود ہمارے ہی دماغ کی گونج ہوتی ہے۔

ہدایت فطرت کا چوتھا مرتبہ

لیکن جس طرح وجدان کے بعد حواس کی ہدایت نمودار ہوتی، کیونکہ وجدان کی ہدایت ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھ سکتی تھی، اور جس طرح حواس کے بعد عقل کی ہدایت نمودار ہوتی، کیوں کہ حواس کی ہدایت بھی ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھ سکتی تھی، ٹھیک اُسی طرح ہم محسوس کرتے ہیں کہ عقل کی ہدایت کے بعد بھی ہدایت کا کوئی مزید مرتبہ ہونا چاہیے، کیونکہ عقل کی ہدایت بھی ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھ سکتی، اور اُسکے دائرۂ عمل کے بعد بھی ایک دائرہ باقی رہ جاتا ہے۔ عقل کی کارفرمائی جیسی کچھ اور جتنی کچھ بھی ہے، محسوسات کے دائرہ میں محدود ہے۔ یعنی وہ صرف اُسی حد تک کام دے سکتی ہے، جس حد تک ہمارے حواس تحصیل معلومات بہم پہنچاتے رہتے ہیں۔ لیکن محسوسات کی سرحد سے آگے کیا ہے؟ اُس پردے کے پیچھے کیا ہے جس سے آگے ہماری چشم حواس نہیں بڑھ سکتی؟ یہاں پہنچکر عقل بالکل درماندہ و معطل ہو جاتی ہے۔ اُسکی ہدایت ہمیں کوئی روشنی نہیں دے سکتی!

علاوہ بریں جہاں تک انسان کی عملی زندگی کا تعلق ہے، عقل کی ہدایت نہ تو ہر حال میں کافی ہے اور نہ ہر حال میں مؤثر۔ نفس انسانی طرح طرح کی خواہشوں اور جذبوں سے کچھ اس طرح معمور واقع ہوا ہے کہ جب کبھی عقل اور جذبات میں کشمکش ہو جاتی ہے، تو اکثر حالتوں میں فتح جذبات ہی کے لیے ہوتی ہے۔ بسا اوقات عقل ہمیں یقین دلاتی ہے کہ فلاں فعل مضر و مہلک ہے، لیکن جذبات ہمیں ترغیب دیتے ہیں، اور ہم اُسکے ارتکاب سے اپنے آپ کو نہیں روک سکتے۔ عقل کی بڑی سے بڑی دلیل بھی ہمیں ایسا نہیں بنا دے سکتی کہ غصہ کی حالت میں بے قابو نہ ہو جائیں، اور بھوک کی حالت میں مضر غذا کی طرف ہاتھ نہ بڑھائیں!

اچھا، اگر خدا کی ربوبیت کے لیے ضروری تھا کہ وہ ہمیں وجدان کے ساتھ حواس بھی دے، کیونکہ وجدان کی ہدایت ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھ سکتی، اور اگر ضروری تھا کہ حواس کے ساتھ عقل بھی دے،

کیونکہ حواس کی ہدایت بھی ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھ سکتی، تو کیا یہ ضروری نہ تھا کہ عقل کے ساتھ کچھ اور بھی ہے، کیونکہ عقل کی ہدایت بھی ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھ سکتی، اور اعمال کی درستگی و انضباط کے لیے کافی نہیں؟

قرآن کہتا ہے کہ ضروری تھا، اور اسی لیے اللہ کی ربوبیت نے انسان کے لیے ایک چوتھے مرتبۂ ہدایت کا بھی سامان کر دیا۔ یہی مرتبۂ ہدایت ہو جسے وہ وحی و نبوت کی ہدایت سے تعبیر کرتا ہو۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں، اُس نے جا بجا ان مراتب ہدایت کا ذکر کیا ہے، اور انہیں ربوبیت الٰہی کی سب سے بڑی بخشش و رحمت قرار دیا ہے:

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ۝ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ۝ (۷۶: ۲)

ہم نے انسانوں کو ملے جلے نطفہ سے پیدا کیا ہے (یا ایک کے بعد ایک مختلف حالتوں میں پلٹتے ہیں) پھر اُسے ایسا بنا دیا کہ سننے والا اور دیکھنے والا وجود ہو گیا ہم نے اس پر راہ عمل کھول دی ہو اب یہ اسکا کام ہو کہ یا تو شکر کرنے والا ہو یا ناشکرا (یعنی یا تو خدا کی دی ہوئی قوتیں ٹھیک ٹھیک کام میں لائے اور فلاح و سعادت کی راہ اختیار کرے

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۝ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ۝ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۝ (۹۰: ۶)

کیا ہم نے اُسے ایک جوڑ دو آنکھیں نہیں دی ہیں جن سے وہ دیکھتا ہے؟ اور زبان اور ہونٹ نہیں دیئے ہیں (جو گویائی کا ذریعہ ہیں)؟

وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ (۱۶: ۸۰)

اور اللہ نے تمہیں سننے اور دیکھنے کو حواس دیئے، اور سوچنے کے لیے دل دیئے (یعنی عقل دی[۱]) تاکہ تم شکر گزار ہو، (یعنی اُس کی دی ہوئی قوتیں ٹھیک طریقہ پر کام میں لاؤ)

ان آیات اور ان کی ہم معنی آیات میں حواس و مشاعر اور عقل و فکر کی ہدایت کی طرف اشارات کئے گئے ہیں، لیکن وہ تمام مقامات جہاں انسان کی روحانی سعادت و شقاوت کا ذکر کیا گیا ہے، وحی و نبوت کی ہدایت سے متعلق ہیں مثلاً:

اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ۝ وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى ۝

بلاشبہ یہ ہمارا کام ہو کہ ہم رہنمائی کریں، اور یقیناً آخرت اور دنیا، دونوں ہمارے ہی لیے ہیں (دلیں جو کوئی سیدھی راہ چلیگا اسکے لیے دونوں جگہ

---

[۱] یاد رہے کہ عربی میں قلب اور فؤاد کے معنی محض اُس عضو ہی کے نہیں ہیں جسے اردو میں دل کہتے ہیں، بلکہ اسکا اطلاق عقل و فکر پر بھی ہوتا ہے، قرآن میں جہاں کہیں سمع و بصر وغیرہ کے ساتھ قلب و فؤاد کہا گیا ہو، اس سے مقصود جوہر عقل ہو۔

کا میابی ہے؛ اور جو منحرف ہوگا اسکے لیے دوسری جگہ مقرر دی!)

(۹۲: ۱۳)

وَأَمَّا ثَمُودُ فَهَدَيْنَاهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمَىٰ عَلَى الْهُدَىٰ (۴۱: ۱۶)

اور باقی رہی قوم ثمود، تو اُسے بھی ہم نے راہ (حق) دکھلا دی تھی لیکن اس نے اندھے پن کا شیوہ پسند کیا، اور ہدایت کی راہ نہ چلی۔

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ ۔

(۲۹: ۶۹)

اور جن لوگوں نے ہماری راہ میں سعی و جانفشانی کی، تو ضروری ہے کہ ہم بھی اُن پر اپنی راہیں کھول دیں، اور بلاشبہ اللہ اُن لوگوں کا ساتھی اور مددگار ہے جو نیک عمل ہیں!

اَلْھُدیٰ چنانچہ اس سلسلہ میں وہ اللہ کی ایک خاص ہدایت کا ذکر کرتا ہے، اور اسے "اَلْھُدیٰ" کے نام سے پکارتا ہے۔ یعنی الف لام تعریف کے ساتھ:

قُلْ إِنَّ هُدَى اللَّهِ هُوَ الْهُدَىٰ ۖ وَأُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۔

(۶: ۷۰)

(اے پیغمبر! ان سے) کہدو، یقیناً اللہ کی ہدایت ہی "اَلْھُدیٰ" ہے (یعنی انسان کے لیے حقیقی ہدایت ہے) اور ہم سب کو اسی بات کا حکم دیا گیا ہے کہ تمام کائناتِ خلقت کے پروردگار کے آگے سرِ عبودیت جھکا دیں۔

وَلَن تَرْضَىٰ عَنكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۗ قُلْ إِنَّ هُدَى اللَّهِ هُوَ الْهُدَىٰ ۗ

(۲: ۱۲۰)

اور (یاد رکھو) یہودی تم سے خوش ہونے والے نہیں جب تک کہ تم اُنکی ملّت کی پیروی نہ کرو، اور یہی حال نصاریٰ کا ہے۔ (اے پیغمبر! تم اُن سے) کہدو، "اَلْھُدیٰ" (یعنی حقیقی ہدایت) تو وہی ہے جو اللہ کی ہدایت ہے (پس تمہاری مذہبی گروہ بندیوں کی ملتوں کی میں کیونکر پیروی کر سکتا

یہ "اَلْھُدیٰ" یعنی ہدایت کی حقیقی راہ، کونسی راہ ہے؟ قرآن کہتا ہے: وحی الٰہی کی وہ عالمگیر ہدایت ہی جو اوّل دن سے دنیا میں موجود ہے، اور بلا تفریق و امتیاز تمام نوعِ انسانی کے لیے ہے۔ وہ کہتا ہے، جس طرح خدا نے وجدان، حواس، اور عقل کی ہدایت میں نہ تو نسل و قوم کا امتیاز رکھا ہے، نہ زمان و مکان کا، اسی طرح اُسکی ہدایت وحی بھی ہر طرح کے تفرقہ و امتیاز سے پاک ہے۔ وہ سب کے لیے ہے اور سب کو دی گئی ہے، اور اس ایک ہدایت کے سوا اور جتنی ہدایتیں بھی انسانوں نے سمجھ رکھی ہیں، سب انسانی بناوٹ کی راہیں ہیں۔ خدا کی ٹھہرائی ہوئی راہ، صرف یہی ایک راہ ہے۔

اسی لیے وہ ہدایت کی اُن تمام صورتوں سے یک قلم انکار کرتا ہے جو اس اصل سے منحرف ہو کر طرح طرح کی مذہبی گروہ بندیوں اور مختلف ٹولیوں میں بٹ گئی ہیں، اور سعادت و نجات کی عالمگیر حقیقت خاص خاص گروہوں اور حلقوں کی میراث بنالی گئی ہے۔ وہ کہتا ہے، انسانی بناوٹ کی یہ الگ الگ راہیں "ہدایت" کی راہ نہیں ہو سکتیں۔ ہدایت کی راہ تو یہی عالمگیر ہدایت کی راہ ہے۔ اُسی عالمگیر ہدایت وحی کو وہ "الدّین"

کے نام سے پکارتا ہے یعنی نوع انسانی کے لیے حقیقی دین۔ اور اسی کا نام اُس کی زبان میں "الاسلام" ہے۔

وحدتِ دین کی اصلِ عظیم اور قرآنِ حکیم

یہ اصلِ عظیم قرآن کی دعوت کی سب سے پہلی بنیاد ہے۔ وہ جو کچھ بھی بتلانا اور سکھانا چاہتا ہے، تمام تر اسی اصل پر مبنی ہے۔ اگر اس اصل سے قطع نظر کر لی جائے تو اس کا تمام کارخانۂ دعوت درہم برہم ہو جائے گا۔ لیکن تاریخِ عالم کے عجائبِ تصرفات میں سے یہ واقعہ بھی سمجھنا چاہیے کہ جس درجہ قرآن نے اس اصل پر زور دیا تھا، اتنا ہی زیادہ دنیا کی نگاہوں نے اس سے اعراض کیا حتیٰ کہ کہا جا سکتا ہے، آج قرآن کی کوئی بات بھی دنیا کی نظروں سے اس درجہ پوشیدہ نہیں ہے، جس قدر کہ یہ اصلِ عظیم ہے۔ اگر ایک شخص ہر طرح کے خارجی اثرات سے خالی الذہن ہو کر قرآن کا مطالعہ کرے، اور اُس کے صفحات میں جابجا اس اصلِ عظیم کے قطعی اور واضح اعلانات پڑھے، اور پھر دنیا کی طرف نظر اٹھائے جو قرآن کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں سمجھتی کہ بہت سے مذہبی حلقوں کی طرح وہ بھی ایک مذہبی حلقہ ہے تو یقیناً وہ حیران ہو کر پکار اُٹھے گا، یا تو اُس کی نگاہیں اُسے دھوکا دے رہی ہیں، یا دنیا ہمیشہ آنکھیں کھولے بغیر ہی اپنے فیصلے صادر کر دیا کرتی ہے!

اس حقیقت کی توضیح کے لیے ضروری ہے کہ ایک مرتبہ تفصیل کے ساتھ یہ بات واضح کر دی جائے کہ جہاں تک وحی و نبوت کا، یعنی دین کا تعلق ہے، قرآن کی دعوت کیا ہے، اور کس راہ کی طرف نوعِ انسانی کو لے جانا چاہتی ہے! بہت ممکن ہے، یہ تفصیل اُس حد سے متجاوز ہو جائے جو ہم ترجمان القرآن کی توضیحات کے لیے قرار دے چکے ہیں، لیکن اس سوال کی غیر معمولی اہمیت دیکھتے ہوئے ہم محسوس کرتے ہیں، ہمیں اتنی سختی کے ساتھ عنانِ فکر نہیں کھینچنی چاہیے کہ مطالبِ قرآنی کے بنیادی مباحث تشنہ رہ جائیں۔

اس باب میں قرآن نے جو کچھ بیان کیا ہے، اُس کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے:

وہ کہتا ہے، ابتدا میں انسانی جمعیت کا یہ حال تھا کہ لوگ قدرتی زندگی بسر کرتے تھے۔ اُن میں نہ تو کسی طرح کا باہمی اختلاف تھا، نہ کسی طرح کی مخاصمت۔ سب کی زندگی ایک ہی طرح کی تھی اور سب اپنی قدرتی سادگی پر قانع تھے۔ پھر ایسا ہوا کہ نسلِ انسانی کی کثرت اور ضروریاتِ معیشت کی وسعت سے طرح طرح کے اختلافات پیدا ہو گئے، اور اختلافات نے تفرقہ و انقطاع اور ظلم و فساد کی صورت اختیار کر لی۔ ہر گروہ دوسرے گروہ سے نفرت کرنے لگا، اور ہر زبردست زیردست کے حقوق پامال کرنے لگا۔ جب یہ صورتِ حال پیدا ہوئی، تو ضروری ہوا کہ نوعِ انسانی کی ہدایت اور عدل و صداقت کے قیام کے لیے وحیِ الٰہی کی روشنی نمودار ہو۔ چنانچہ یہ روشنی نمودار ہوئی، اور خدا کے رسولوں کی دعوت

و تبلیغ کا سلسلہ قائم ہو گیا۔ وہ اُن تمام رہنماؤں کو جن کے ذریعہ اس ہدایت کا سلسلہ قائم ہوا، "رسول" کے نام سے تعبیر کرتا ہے۔ کیونکہ وہ خدا کی سچائی کا پیغام پہنچانے والے تھے، اور "رسول" کے معنی پیغام پہنچانے والے کے ہیں:

وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا ۚ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيمَا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ (۱۰ : ۳۰)

اور ابتدا میں تمام انسانوں کا ایک ہی گروہ تھا (الگ الگ گروہ ہو کر) متفرق نہ تھے، پھر ایسا ہوا کہ وہ باہم مختلف ہو گئے۔ اور اگر اس بارے میں تمہارے پروردگار نے پہلے سے ایک فیصلہ نہ کر دیا ہوتا (یعنی یہ کہ انسانوں میں اختلاف ہوگا، اور مختلف راہیں لوگ اختیار کریں گے) تو

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَأَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ (۲ : ۲۱۳)

ابتدا میں تمام انسان ایک ہی گروہ تھے (پھر ان میں اختلاف پیدا ہوا اور ایک دوسرے کے مخالف ہو گئے) پس اللہ نے (یکے بعد دیگرے) نبیوں کو مبعوث کیا۔ وہ (نیک عمل کے نتائج کی) بشارت دیتے اور (بد عملی کے نتائج سے) ڈراتے۔ نیز ان کے ساتھ الکتاب (یعنی وحی الٰہی سے لکھی ہوئی تعلیم) نازل کی تاکہ جن باتوں میں لوگ اختلاف کرنے لگے تھے، ان میں

یہ ہدایت کسی خاص ملک، قوم یا عہد کے لیے مخصوص نہ تھی، بلکہ تمام نوع انسانی کیلئے تھی۔ چنانچہ ہر زمانے اور ہر ملک میں، یکساں طور پر اس کا ظہور ہوا۔ قرآن کہتا ہے، دنیا کا کوئی گوشہ نہیں جہاں نسل انسانی آباد ہوئی ہو، اور خدا کا کوئی رسول مبعوث نہ ہوا ہو:

وَإِن مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ (۳۵ : ۲۵)

اور کوئی قوم دنیا کی ایسی نہیں ہے جس میں (بد عملیوں کے نتائج سے) ڈرانے والا (خدا کا کوئی رسول) نہ گزرا ہو۔

إِنَّمَا أَنتَ مُنذِرٌ ۖ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (۱۳ : ۹)

(اے پیغمبر) بلاشبہ تم اس کے سوا اور کیا ہو کہ (بد عملیوں کے نتائج سے) خبردار کرنے والے رسول ہو، اور دنیا میں ہر قوم کے لیے ایک ہدایت کرنے والا ہوا ہے۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ ۖ فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ (۱۰ : ۴۸)

اور ہر قوم کے لیے ایک رسول ہوا، پس جب رسول (اپنی تعلیم حق کے ساتھ) ظاہر ہوتا ہے تو اس قوم کے تمام نزاعوں (ظلم و فساد) کا انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔

وہ کہتا ہے، نسل انسانی کے ابتدائی عہدوں میں کتنے ہی پیغمبر گزرے ہیں جو یکے بعد دیگرے مبعوث ہوئے اور قوموں کو پیغام حق پہنچایا:

وَكَمْ أَرْسَلْنَا مِن نَّبِيٍّ فِي

اور کتنے ہی نبی ہیں جو ہم نے پچھلوں میں (یعنی ابتدائی عہد کی قوموں میں)

الْأَوَّلِينَ ۝ ! (۴۳ : ۵)

میں مبعوث کیے !

وہ کہتا ہے، یہ بات عدلِ الٰہی کے خلاف ہے کہ ایک گروہ اپنے اعمالِ بد کیلئے جواب دہ ٹھہرایا جائے، حالانکہ اسکی ہدایت کیلئے کوئی رسول نہ بھیجا گیا ہو:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا ۝ (۱۷ : ۱۶)

اور ہمارا قانون یہ ہے کہ جب تک ہم ایک پیغمبر مبعوث کر کے راہِ ہدایت نہ دکھا دیں، اسوقت تک (پاداشِ عمل میں) عذاب بھیجنے والے نہیں

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ حَتَّىٰ يَبْعَثَ فِي أُمِّهَا رَسُولًا يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرَىٰ إِلَّا وَأَهْلُهَا ظَالِمُونَ ۝ (۲۸ : ۵۹)

اور یاد رکھو تمہارے پروردگار کا قانون یہ ہے کہ وہ کبھی انسان کی بستیوں کو (پاداشِ عمل میں) ہلاک نہیں کرتا جب تک کہ ان میں ایک پیغمبر مبعوث نہ کر دے، اور وہ خدا کی آیتیں پڑھ کر انہیں سنا دے۔ اور ہم کبھی بستیوں کو ہلاک کرنے والے نہیں مگر صرف اسی حالت میں کہ انکے باشندوں نے ظلم کا شیوہ اختیار کر لیا ہو (یعنی ہمارے قوانین کی رو سے مستوجبِ ہلاکت ہو گئی ہوں)

خدا کے ان رسولوں اور دینِ الٰہی کے داعیوں میں سے بعض کا ذکر قرآن میں کیا گیا ہے، بعض کا ذکر نہیں کیا گیا:

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ مِنْهُم مَّن قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُم مَّن لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ۗ (۴۰ : ۷۸)

اور (اے پیغمبر!) ہم نے تم سے پہلے کتنے ہی پیغمبر مبعوث کیے۔ ان میں سے کچھ ایسے ہیں جنکے حالات تمہیں سنا دیے ہیں، کچھ ایسے ہیں جنکے حالات نہیں سنائے (یعنی قرآن میں انکا ذکر نہیں کیا گیا)

قومِ نوح اور عاد و ثمود کے بعد کتنی ہی قومیں گزر چکی ہیں، اور ان میں کتنے ہی رسول مبعوث ہو چکے ہیں، جن کا ٹھیک ٹھیک حال اللہ ہی کو معلوم ہے:

أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبَأُ الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ ۛ وَالَّذِينَ مِن بَعْدِهِمْ ۛ لَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا اللَّهُ ۚ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَرَدُّوا أَيْدِيَهُمْ فِي أَفْوَاهِهِمْ (۱۴ : ۹)

تم سے پہلے جو قومیں دنیا میں گزر چکی ہیں کیا تم تک انکی خبر نہیں پہنچی؟ قومِ نوح، قومِ عاد، قومِ ثمود، اور وہ قومیں جو انکے بعد ہوئیں جنکی ٹھیک ٹھیک تعداد اللہ ہی کو معلوم ہے۔ ان سب میں انکے پیغمبر سچائی کی روشنیوں کے ساتھ مبعوث ہوئے، مگر انہوں نے جہل و سرکشی سے تعلیمِ الٰہی پر لوٹا دی، اور کان دھرنے سے انکار کر دیا!

فطرتِ الٰہی کی راہ، کائناتِ ہستی کے ہر گوشہ میں ایک ہی ہے۔ وہ نہ تو ایک سے زیادہ ہو سکتی ہے، نہ باہمدگر مختلف۔ بس ضروری تھا کہ ہدایت بھی اول دن سے ایک ہی ہوتی، اور ایک ہی طرح پر تمام انسانوں کو مخاطب کرتی۔ چنانچہ قرآن کہتا ہے، خدا کے جتنے پیغمبر پیدا ہوئے، خواہ وہ کسی

اور ایک دوسرے سے نفرت کرتے رہو۔ ایسی حالت میں بتلاؤ، وہ رشتہ کونسا رشتہ ہے جو اتنے اختلافات رکھنے پر بھی انسانوں کو ایک دوسرے سے جوڑ دے، اور انسانیت کا بچھڑا ہوا گھرانا پھر از سر نو آباد ہو جائے؟ وہ کہتا ہے، صرف ایک ہی رشتہ باقی رہ گیا ہے، اور وہ خدا پرستی کا مقدس رشتہ ہے۔ تم کتنے ہی الگ الگ ہو گئے ہو، لیکن تمہارے لیے خدا الگ الگ نہیں ہو جا سکتے۔ تم سب ایک ہی پروردگار کے بندے ہو، تم سب کی بندگی و نیاز کے لیے ایک ہی معبود کی چوکھٹ ہے۔ تم بے شمار اختلافات رکھنے پر بھی ایک ہی رشتۂ عبودیت میں جکڑے ہوئے ہو۔ تمہاری کوئی نسل ہو، تمہارا کوئی وطن ہو، تمہاری کوئی قومیت ہو، تم کسی درجہ اور کسی حلقے کے انسان ہو، لیکن جب ایک ہی پروردگار کے آگے سرِ نیاز جھکا دو گے، تو یہ آسمانی رشتہ، تمہارے تمام ارضی اختلافات مٹا دے گا، تم سب کے بچھڑے ہوئے دل ایک دوسرے سے جڑ جائیں گے۔ تم محسوس کرو گے کہ تمام دنیا تمہارا وطن ہے، تمام نسلِ انسانی تمہارا گھرانا ہے، اور تم سب ایک ہی رب العالمین کی عیال ہو!

چنانچہ وہ کہتا ہے، خدا کے جتنے رسول بھی پیدا ہوئے، سب کی تعلیم یہی تھی کہ "الدین" پر یعنی نوع انسانی کے ایک ہی عالمگیر دین پر قائم رہو، اور اس راہ میں ایک دوسرے سے الگ الگ نہ ہو جاؤ!

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ (۴۲ : ۱۳)

(اور دیکھو) اس نے تمہارے لیے دین کی وہی راہ ٹھہرا دی ہے جس کی وصیت نوح کو کی گئی تھی اور جس پر چلنے کا حکم ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا تھا۔ (ان سب کی تعلیم یہی تھی) کہ الدین (یعنی خدا کا ایک ہی دین) قائم رکھو اور اس راہ میں الگ الگ نہ ہو!

اسی بنا پر وہ بطور ایک دلیل کے اس بات پر زور دیتا ہے کہ اگر تمہیں میری تعلیم کی سچائی سے انکار ہے، تو تم کسی مذہب کی الہامی کتاب سے بھی ثابت کر دکھاؤ کہ دینِ حقیقی کی راہ اس کے سوا کچھ اور بھی ہو سکتی ہے۔ تم جس مذہب کی بھی حقیقی تعلیم دیکھو گے، تمہیں اصل و بنیاد دین یہی ملے گی:

قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ

(اے پیغمبر! ان سے) کہہ دو (اگر تمہیں میری تعلیم سے انکار ہے، تو تم اپنی دلیل پیش کرو، یہ کلام الٰہی موجود ہے جس پر میرے ساتھی یقین رکھتے ہیں، اور اسی طرح وہ کلام بھی موجود ہے جو مجھ سے پہلوں پر نازل ہو چکا۔ (تم ثابت کر دکھاؤ کہ ان میں کوئی بھی میری تعلیم کے خلاف تعلیم دے رہا ہے، اصل یہ ہے) کہ ان منکرینِ حق میں اکثر ایسے ہیں جنہیں سرے سے علمِ حق کی خبر ہی

إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ۝ (۲۱ : ۲۵)

نہیں، اور اسلیے حقیقت کیطرف سے گردن موڑے ہوئے ہیں۔ (اے پیغمبر یقین کرو) ہم نے تم سے پہلے کوئی پیغمبر بھی ایسا نہیں بھیجا ہو جسے اس بات کے

اتنا ہی نہیں، بلکہ وہ کہتا ہے، کسی الہامی کتاب سے، کسی مذہب کی تعلیم سے، علم و بصیرت کے کسی قول اور روایت سے تم ثابت کر دکھاؤ کہ میری تعلیم سچائی کی تعلیم نہیں ہے!

اِئْتُونِي بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ (۴۶ : ۴)

اگر تم اپنے انکار میں سچے ہو، تو ثبوت میں کوئی کتاب پیش کرو جو اس سے پہلے نازل ہوئی ہو، یا (کم از کم) علم و بصیرت کی کوئی پچھلی روایت ہی دکھلا دو جو تمہارے پاس موجود ہو!

اسی بنا پر وہ تمام مذاہب عالم کی باہمدگر تصدیق کو بھی بطور ایک دلیل کے پیش کرتا ہے۔ یعنی وہ کہتا ہے، ان میں سے ہر تعلیم دوسری تعلیم کی تصدیق کرتی ہے جھٹلاتی نہیں۔ اور جب ہر تعلیم دوسری تعلیم کی تصدیق کرتی ہے، تو اس سے معلوم ہوا، ان تمام تعلیمات کے اندر کوئی ایک ہی ثابت و قائم حقیقت ضرور کام کر رہی ہے۔ کیونکہ اگر مختلف وقتوں، مختلف گوشوں، مختلف قوموں مختلف ناموں، مختلف پیرایوں، اور مختلف زبانوں سے کوئی بات کہی گئی ہو، اور باوجود ان تمام اختلافات کے بات ہمیشہ ایک ہی ہو، اور ایک ہی مقصد پر زور دیتی ہو، تو قدرتی طور پر تمہیں ماننا پڑے گا کہ یہی بات اصلیت سے خالی نہیں ہو سکتی!

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ (۳ : ۳)

(اے پیغمبر) اللہ نے تم پر یہ کتاب سچائی کے ساتھ نازل کی ہے جو ان کتابوں کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں، اور اسی طرح لوگوں کی ہدایت کیلئے اس نے تورات اور انجیل نازل کی تھی۔

وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ (۵ : ۴۶)

اور ہم نے عیسیٰ کو انجیل عطا کی۔ اس میں انسان کے لیے ہدایت اور روشنی ہے۔ اور اس سے پہلے جو تورات نازل ہو چکی تھی وہ اس کی تصدیق کرتی ہے (اُسے جھٹلاتی نہیں)

یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں اُسکے بیان و موعظت کا ایک بڑا موضوع پچھلے عہدوں کی ہدایتوں اور رسالتوں کا تذکرہ ہے۔ وہ اُنکی یکسانی، ہم آہنگی، اور وحدتِ تعلیم سے مذہبی صداقت کے تمام مقاصد پر استشہاد کرتا ہے۔

"الدین" اور "شرع"

اچھا، اگر تمام نوع انسانی کے لیے دین ایک ہی ہے، اور تمام بانیان مذاہب نے

ایک ہی اصل و قانون کی تعلیم دی ہے، تو پھر مذاہب میں اختلاف کیوں ہوا؟ کیوں تمام مذہبوں میں ایک ہی طرح کے احکام، ایک ہی طرح کے اعمال، ایک ہی طرح کے رسوم و ظواہر نہیں ہوئے، کسی مذہب میں عبادت کی ایک خاص شکل اختیار کی گئی ہے، کسی میں دوسری۔ کسی مذہب کے ماننے والے ایک طرف رُخ کرکے عبادت کرتے ہیں، کسی مذہب کے ماننے والے دوسری طرف۔ کسی کے یہاں احکام و قوانین ایک خاص طرح کی نوعیت کے ہیں، کسی کے یہاں دوسری طرح کے۔

قرآن کہتا ہے، مذاہب کا اختلاف دو طرح کا ہے۔ ایک اختلاف تو وہ ہے جو پیروانِ مذاہب نے مذہب کی حقیقی تعلیم سے منحرف ہو کر پیدا کر لیا ہے، یہ اختلاف مذاہب کا اختلاف نہیں ہے بلکہ پیروانِ مذاہب کی گمراہی کا نتیجہ ہے۔ دوسرا اختلاف وہ ہے، جو فی الحقیقت مذاہب کے احکام و اعمال میں پایا جاتا ہے۔ مثلاً ایک مذہب میں عبادت کی کوئی خاص شکل اختیار کی گئی ہے، دوسرے میں کوئی دوسری شکل۔ تو یہ اختلاف اصل و حقیقت کا اختلاف نہیں ہے، محض فروع و ظواہر کا اختلاف ہے، اور ضروری تھا کہ ظہور میں آتا۔

وہ کہتا ہے، مذاہب کی تعلیم دو قسم کی باتوں سے مرکب ہے۔ ایک قسم تو وہ ہے جو انکی روح و حقیقت ہے۔ دوسری وہ ہے جس سے اُن کی ظاہری شکل و صورت آراستہ کی گئی ہے۔ پہلی چیز اصل ہے۔ دوسری فرع ہے۔ پہلی چیز کو وہ "دین" سے تعبیر کرتا ہے۔ دوسری کو "شرع" اور "نسک" سے، اور اس کے لیے "منہاج" کا لفظ بھی استعمال کیا گیا ہے۔ "شرع" اور "منہاج" کے معنی راہ کے ہیں، اور "نسک" سے مقصود عبادت کا طور طریقہ ہے۔ وہ کہتا ہے، مذاہب میں جسقدر بھی اختلاف، اُن کا اصلی اختلاف ہے، وہ "دین" کا اختلاف نہیں ہے۔ محض شرع و منہاج کا اختلاف ہے، یعنی اصل کا نہیں فرع کا ہے، حقیقت کا نہیں ہے، ظواہر کا ہے۔ روح کا نہیں ہے، صورت کا ہے۔ اور ضروری تھا کہ یہ اختلاف ظہور میں آتا۔ مذہب کا مقصود انسانی جمعیت کی سعادت و اصلاح ہے، لیکن انسانی جمعیت کے احوال و ظروف ہر عہد اور ہر ملک میں یکساں نہیں رہے ہیں، اور نہ یکساں رہ سکتے تھے۔ کسی زمانے کی معاشرت اور ذہنی استعداد ایک خاص طرح کی نوعیت رکھتی تھی، کسی زمانے میں ایک خاص طرح کی۔ کسی ملک کے حالات ایک خاص طرح کی معیشت چاہتے ہیں، کسی دوسرے ملک کے دوسری طرح کی۔ پس جس مذہب کا ظہور جیسے زمانہ میں اور جیسی استعداد و طبیعت کے لوگوں میں ہوا، اُسی کے مطابق شرع و منہاج کی صورت بھی اختیار کی گئی۔ جس عہد اور جس ملک میں جو صورت اختیار کی گئی، وہی اُس عہد اور اُس ملک کیلئے موزوں تھی اس لیے ہر صورت اپنی جگہ بہتر اور حق ہے، اور یہ اختلاف اس سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا جتنی

اہمیت نوعِ بشری کے تمام معاشرتی اور طبیعی اختلافات کو دی جا سکتی ہے:

لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُسْتَقِيمٍ ۝ (۲۲ : ۶۶)

(اے پیغمبر) ہم نے ہر گروہ کے لیے عبادت کا ایک خاص طور طریقہ ٹھہرا دیا ہے جس پر وہ عمل کرتا ہو، پس لوگوں کو چاہیے اس معاملہ میں جھگڑا نہ کریں۔ تم لوگوں کو اپنے پروردگار کی طرف دعوت دو (کہ اصلی چیز یہی ہے) یقیناً تم ہدایت کے سیدھے رستے پر گامزن ہو۔

جب تحویلِ قبلہ کا معاملہ پیش آیا، یعنی پیغمبرِ اسلام (صلعم) بیت المقدس کی جگہ خانۂ کعبہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنے لگے، تو یہ بات یہودیوں اور عیسائیوں پر بہت شاق گزری۔ ان کے نزدیک مذہب کا تمام تر دارومدار اسی طرح کی ظاہری اور رسمی باتوں پر تھا، اور انہی کو حق و باطل کا معیار سمجھتے تھے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں، قرآن نے اس معاملہ کو بالکل دوسری ہی نظر سے دیکھا ہے۔ وہ کہتا ہے، تم اس طرح کی باتوں کو اس قدر اہمیت کیوں دیتے ہو؟ یہ نہ تو حق و باطل کا معیار ہیں، اور نہ مذہب کی اصل حقیقت میں انہیں کوئی دخل ہے۔ ہر زمانے نے اپنے حالات و مقتضیات کے مطابق کوئی ایک طریقہ عبادت کا اختیار کر لیا تھا، اور اس پر لوگ کاربند ہو گئے۔ مقصود اصلی سب کا ایک ہی ہے، اور وہ خدا پرستی اور نیک عملی ہے۔ پس جو شخص سچائی کا طلبگار ہے، اُسے چاہیے کہ اصل مقصود پر نظر رکھے، اور اُسی کے لحاظ سے ہر بات کو جانچے اور پرکھے۔ ان باتوں کو حق و باطل کا معیار نہ بنائے:

وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللَّهُ جَمِيعًا إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ (۲ : ۱۴۸)

(اور دیکھو) ہر گروہ کے لیے کوئی نہ کوئی سمت ہے جس کی طرف عبادت کرتے ہوئے وہ اپنا منہ کر لیتا ہے۔ پس (اس معاملہ کو اس قدر طول نہ دو) نیکی کی راہ میں ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے کی کوشش کرو (کہ اصلی کام یہی ہے) تم کسی جگہ بھی ہو، اللہ تم سب کو پالے گا۔ یقیناً اللہ کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں!

پھر اسی سورت میں آگے چل کر صاف صاف لفظوں میں واضح کر دیا ہے کہ اصل دین کیا ہے، اور کن باتوں سے ایک انسان دین کی سعادت و فلاح حاصل کر سکتا ہے؟ وہ کہتا ہے، دین محض اس طرح کی باتوں میں نہیں ہے کہ ایک شخص نے عبادت کے وقت پچھم کی طرف منہ کر لیا یا پورب کی طرف۔ اصل دین تو یہ ہے کہ دیکھا جائے، خدا پرستی اور نیک عملی کے لحاظ سے ایک انسان کا کیا حال ہے؟ پھر تفصیل کے ساتھ بتلایا ہے کہ خدا پرستی اور نیک عملی کی اصلی باتیں کیا کیا ہیں:

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ

(اور دیکھو) نیکی یہ نہیں ہے کہ تم نے عبادت کے وقت اپنا

ظہور ہوا تو دنیا کا یہ حال تھا کہ تمام پیروانِ مذاہب، مذہب کو صرف اُنکے ظواہر و رسوم ہی میں دیکھتے تھے، اور مذہبی اعتقاد کا تمام جوش و خروش اسی طرح کی باتوں میں سمٹ آیا تھا۔ ہر گروہ یقین کرتا تھا کہ دوسرا گروہ نجات سے محروم ہے۔ کیونکہ وہ دیکھتا تھا، دوسرے کے اعمال و رسوم ویسے نہیں ہیں، جیسے خود اُس نے اختیار کر رکھے ہیں۔ لیکن قرآن کہتا ہے کہ نہیں، یہ اعمال و رسوم نہ تو دین کی اصل و حقیقت ہیں، نہ اُن کا اختلاف حق و باطل کا اختلاف ہے۔ یہ محض مذہب کی عملی زندگی کا ظاہری ڈھانچا ہے۔ لیکن روح و حقیقت ان سے بالاتر ہے، اور وہی اصل دین ہے۔ یہ اصل دین کیا ہے؟ ایک خدا کی پرستش اور نیک عملی کی زندگی۔ یہ کسی ایک گروہ ہی کی میراث نہیں ہو کہ اُسکے سوا کسی انسان کو نہ ملی ہو۔ یہ تمام مذاہب میں یکساں طور پر موجود ہے۔ چونکہ یہ اصل دین ہے، اسلیئے نہ تو اسمیں تغیر ہوا، اور نہ کسی طرح کا اختلاف۔ اعمال و رسوم فروع ہیں، اسلیئے ہر زمانے اور ہر ملک کی حالت کے مطابق بدلتے رہے، اور جس قدر بھی اختلاف ہوا، انھی میں ہوا۔

پھر وہ کہتا ہے، اعمال و رسوم کے اس اختلاف کو تم اسقدر اہمیت کیوں دے رہے ہو؟ خدا نے ہر زمانے اور ہر ملک کیلئے ایک خاص طرح کا طور طریقہ ٹھہرا دیا ہے جو اسکی حالت اور ضرورت کے مطابق مناسب تھا، اور وہ اُسپر کار بند ہے۔ اگر خدا چاہتا تو تمام نوعِ انسانی کو ایک ہی قوم و جماعت بنا دیتا، اور فکر و عمل کا کوئی اختلاف وجود ہی میں نہ آتا۔ لیکن معلوم ہو کہ خدا نے ایسا نہیں چاہا۔ اُسکی حکمت کا مقتضا یہی ہوا کہ فکر و عمل کی مختلف حالتیں پیدا ہوں۔ پس اس اختلاف کو حق و باطل کا اختلاف کیوں بنا لیا جائے؟ کیوں اس اختلاف کی بنا پر ایک جماعت دوسری جماعت سے برسرِ پیکار رہے؟ اصل چیز جس پر تمام تر توجہ مبذول کرنی چاہیئے "خیرات" ہے۔ یعنی نیکی کے کام ہیں، اور تمام اعمال و رسوم انھی کے لیئے ہیں۔

غور کرو، اس آیت میں لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا کہا۔ یعنی تم میں سے ہر جماعت کے لیئے ہم نے ایک "شرع" اور "منہاج" ٹھہرا دی ہے۔ یہ نہیں کہا کہ ایک "دین" ٹھہرا دیا ہے۔ کیونکہ دین تو سب کیلیئے ایک ہی ہے۔ اسمیں تعدد اور تنوع نہیں ہو سکتا۔ البتہ شرع و منہاج سب کیلئے یکساں نہیں ہو سکتے تھے۔ ضروری تھا کہ ہر عہد اور ہر ملک کے احوال و ظروف کے مطابق الگ الگ ہوں۔ پس مذاہب کا اختلاف، اصل کا اختلاف نہیں ہوا۔ محض فروع کا اختلاف ہوا۔

اس موقع پر یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ جہاں کہیں قرآن نے اس بات پر زور دیا ہو کہ "اگر خدا چاہتا تو تمام انسان ایک ہی راہ پر جمع ہو جاتے" یا "ایک ہی قوم بن جاتے" جیسا کہ آیت مندرجۂ صدر میں

تو ان سب سے مقصود اسی حقیقت کا اظہار ہے۔ وہ چاہتا ہے، یہ بات لوگوں کے دل میں اتار دے کہ فکر و عمل کا اختلاف طبیعت بشری کا قدرتی خاصہ ہے، اور جس طرح ہر گوشہ میں موجود ہے، اسی طرح مذہب کے معاملہ میں بھی موجود ہے پس اس اختلاف کو حق و باطل کا معیار نہیں سمجھنا چاہیے۔ وہ کہتا ہے، جب خدا نے انسان کی طبیعت ہی ایسی بنائی ہے کہ ہر انسان، ہر قوم، ہر عہد اپنی اپنی سمجھ، اپنی اپنی پسند اور اپنا اپنا طور طریقہ رکھتا ہے، اور ممکن نہیں، کسی ایک چھوٹی سے چھوٹی بات میں بھی تمام انسانوں کی طبیعت ایک طرح کی ہو جائے، تو پھر کیونکر ممکن تھا کہ مذہبی اعمال و رسوم کی راہیں مختلف نہ ہوتیں، اور سب ایک ہی طرح کی وضع و حالت اختیار کر لیتے؟ یہاں بھی اختلاف ہونا تھا، اور اختلاف ہوا، کسی نے ایک طریقہ سے اصل مقصود حاصل کرنا چاہا، کسی نے دوسرے طریقہ سے۔ لیکن اصل مقصود، یعنی خدا پرستی اور نیک عملی کی تعلیم، تو اس میں سب متفق رہے۔ کسی مذہب نے بھی یہ تعلیم نہیں دی کہ خدا کی بندگی نہیں کرنی چاہیے کسی نے بھی یہ نہیں سکھلایا کہ جھوٹ بولنا سچ بولنے سے بہتر ہے۔ پس جب اصل مقصود سب کا ایک ہے تو محض ظواہر و اعمال کے اختلاف سے کیوں ایک دوسرے کا مخالف و معاند ہو جائے؟ کیوں ہر گروہ دوسرے گروہ کو جھٹلائے؟ کیوں مذہبی سچائی کسی ایک ہی نسل و گروہ کی میراث سمجھ لی جائے؟

چنانچہ ایک موقع پر خود پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مخاطب کرتے ہوئے وہ کہتا ہے تم جوش دعوت میں چاہتے ہو، تمام لوگوں کو راہ حق دکھلا دو۔ لیکن تمہیں یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ اختلاف فکر و عمل طبیعت انسانی کا قدرتی خاصہ ہے۔ تم بہ جبر کسی کے اندر ایک بات نہیں اتار دے سکتے:

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ؕ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ (۱۰ : ۹۹)

اور اگر تمہارا پروردگار چاہتا، تو زمین میں جتنے بھی انسان ہیں، سب ایمان لے آتے (لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ اس کی حکمت کا فیصلہ یہی ہوا کہ ہر انسان اپنی اپنی سمجھ اور اپنی اپنی راہ رکھے) پھر کیا تم چاہتے ہو لوگوں کو مجبور کرو کہ وہ سب مومن ہو جائیں؟

وہ کہتا ہے، انسان کی طبیعت ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ ہر جماعت کو اپنا ہی طور طریقہ اچھا دکھائی دیتا ہے۔ وہ اپنی باتوں کو دوسروں کی مخالفانہ نگاہ سے نہیں دیکھ سکتی۔ جس طرح تمہاری نظر میں سب سے بہتر راہ تمہاری ہے، ٹھیک اسی طرح دوسروں کی نظر میں سب سے بہتر راہ انکی ہے۔ پس اس کے سوا چارہ نہیں کہ اس بارہ میں رواداری اور وسعت نظر پیدا کرو:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ

اور دیکھو، جو لوگ خدا کو چھوڑ کر دوسرے معبودوں کو پکارتے ہیں، تو تم انہیں برا نہ کہو، کیونکہ نتیجہ یہ نکلے گا کہ یہ لوگ بھی حد سے گزر کر نادانی سے خدا کو برا

عَمَلَهُمْ ۪ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

(۶ : ۱۰۸)

بھلا کہنے لگیں گے۔ (دیکھو) ہم نے انسان کی طبیعت ہی ایسی بنائی ہے کہ ہر گروہ کو اپنا ہی عمل بھلا دکھائی دیتا ہے۔ پھر بالآخر سب کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹنا ہے، اور وہیں ہر گروہ پر اُس کے اعمال کی حقیقت کھلنے والی ہے۔

تشیّع اور تحزّب کی گمراہی اور تجدیدِ دعوت کی ضرورت

اچھا، جب تمام مذاہب کا اصل مقصد ایک ہی ہے، اور سب کی بنیاد سچائی پر ہے، تو پھر قرآن کے ظہور کی ضرورت کیا تھی؟

وہ کہتا ہے، اسلئے، کہ اگرچہ تمام مذاہب سچے ہیں، لیکن تمام مذاہب کے پیرو سچائی سے منحرف ہوگئے ہیں۔ اسلئے ضروری ہے کہ سب کو انکی گم شدہ سچائی پر از سرِ نو جمع کر دیا جائے!

اِس سلسلہ میں اُس نے پیروانِ مذاہب کی تمام گمراہیاں ایک ایک کرکے گنائی ہیں۔ وہ اعتقادی اور عملی دونوں طرح کی ہیں۔ من جملہ انکے ایک سب سے بڑی گمراہی جس پر جا بجا زور دیتا ہو، وہ ہے، جسے اُس نے "تشیّع" اور "تحزّب" کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ عربی میں "تشیّع" اور "تحزّب" کے معنی یہ ہیں کہ الگ الگ جتھے اور جماعتیں بنا لینی، اور ان میں ایسی روح کا پیدا ہو جانا جسے اُردو میں گروہ پرستی کی روح سے تعبیر کیا جا سکتا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ۭ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝

(۶ : ۱۶۰)

جن لوگوں نے اپنے ایک ہی دین کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے، اور الگ الگ گروہ بندیوں میں بٹ گئے، تمہیں ان سے کوئی واسطہ نہیں۔ اُن کا معاملہ خدا کے حوالے ہے۔ جیسے کچھ اُن کے عمل رہے ہیں، وہ سب خدا انہیں بتلا دے گا۔

فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝

(۲۳ : ۵۳)

پھر لوگوں نے ایک دوسرے سے کٹ کر جدا جدا دین بنا لئے، ہر ٹولی کے پلے جو کچھ پڑ گیا ہے، اُسی میں مگن ہے!

"تشیّع" اور "تحزّب" کی گمراہی سے کیا مقصود ہے؟ اسے پوری وضاحت کے ساتھ سمجھ لینا چاہیئے۔ وہ کہتا ہے، خدا کے ٹھہرائے ہوئے دین کی حقیقت تو یہ تھی کہ وہ نوعِ انسانی پر خدا پرستی اور نیک عملی کی راہ کھولتا تھا۔ یعنی خدا کے اُس قانونِ عمل کا اعلان کرتا تھا کہ دنیا کی ہر چیز کی طرح انسانی اعمال کے بھی خواص و نتائج ہیں۔ اچھے عمل کا بدلہ اچھا ہے، اور برے عمل کا بدلہ برا ہے۔ لیکن لوگوں نے یہ حقیقت

فراموش کردی، اور دین و مذہب کو نسلوں، قوموں، ملکوں، اور طرح طرح کی رسموں اور رواجوں کا ایک جتھا بنا لیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اب انسان کی نجات و سعادت کی راہ یہ نہیں سمجھی جاتی کہ کس کا اعتقاد اور عمل کیسا ہے؟ بلکہ سارا دارومدار اسپر آکے ٹھہر گیا ہے کہ کون کس جتھے اور گروہ بندی میں داخل ہے، اور کون داخل نہیں ہے؟ اگر ایک آدمی کسی خاص مذہبی گروہ بندی میں داخل ہے، تو یقین کیا جاتا ہے کہ وہ نجات یافتہ ہے اور دین کی سچائی اُسے مل گئی ہے۔ اگر داخل نہیں ہے تو یقین کیا جاتا ہے کہ نجات کا دروازہ اُسپر بند ہو گیا ہے، اور دین کی سچائی میں اُسکا کوئی حصہ نہیں۔ گویا دین کی سچائی، آخرت کی نجات، اور حق و باطل کا معیار تمام تر گروہ بندی اور گروہ پرستی ہو گئی۔ اعتقاد اور عمل کوئی چیز نہیں ہے۔ پھر باوجودیکہ تمام مذاہب کا مقصود اصلی ایک ہی ہے، اور سب ایک ہی پروردگار عالم کی پرستش کرنے والے ہیں، لیکن ہر گروہ یقین کرتا ہے کہ دین کی سچائی صرف اُسی کے حصہ میں آئی ہے۔ باقی تمام نوع انسانی اس سے محروم ہے۔ چنانچہ ہر مذہب کا پیرو دوسرے مذہب کے خلاف نفرت و تعصب کی تعلیم دیتا ہے، اور دنیا میں خدا پرستی اور دین داری کی راہ، سرتاسر بغض و عداوت، نفرت و توحش، اور قتل و خونریزی کی راہ بن گئی ہے!

اس سلسلہ میں قرآن نے جن مقامات پر زور دیا ہے، اُن میں تین باتیں سب سے زیادہ نمایاں ہیں:

(۱) انسان کی نجات و سعادت کا دارومدار اعتقاد و عمل پر ہے۔ نہ کہ کسی خاص گروہ بندی پر۔

(۲) نوع انسانی کے لیے دین الٰہی ایک ہی ہے، اور یکساں طور پر سب کو اسی کی تعلیم دی گئی ہے۔ پس یہ جو پیروان مذاہب نے دین کی وحدت اور عالمگیر حقیقت ضائع کرکے بہت سے متخالف اور متخاصم جتھے بنا لیے ہیں، یہ صریح گمراہی ہے۔

(۳) اصل دین توحید ہے۔ یعنی ایک پروردگار عالم کی براہ راست پرستش کرنی، اور تمام بانیان مذاہب نے اسی کی تعلیم دی ہے۔ اسکے خلاف جسقدر عقائد اور اعمال اختیار کر لیے گئے ہیں، اصلیت سے انحراف کا نتیجہ ہیں۔

چنانچہ آیات مندرجہ صدر کے علاوہ حسب ذیل آیات میں بھی اسی حقیقت پر زور دیا گیا ہے:

وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۔ بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِنْدَ	اور یہود اور نصاریٰ نے کہا جنت میں کوئی انسان داخل نہیں ہو سکتا جب تک یہودی اور نصرانی نہ ہو (یعنی جب تک یہودیت و نصرانیت کی گروہ بندیوں میں داخل نہ ہو) یہ اُن لوگوں کی (دل بستہ) امنگیں ہیں (نہ کہ حقیقت) (اے پیغمبر) ان سے کہدو، اگر تم اپنے اس زعم باطل میں سچے ہو تو تمہاری دلیل کیا ہے؟ ہاں (بلاشبہ نجات کی راہ کھلی ہوئی ہے) مگر وہ کسی

رَبِّہٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ (۲ : ۱۰۶)

خاص گروہ بندی کی راہ نہیں ہو سکتی۔ وہ تو ایمان و عمل کی راہ ہے۔ جس کسی نے بھی خدا کے آگے سر جھکا دیا، اور وہ نیک عمل بھی ہوا تو خواہ وہ یہودی اور نصرانی ہو، خواہ کوئی ہو، وہ اپنے پروردگار سے اپنا اجر پائیگا، اور نہ اُس کے لیے کسی طرح کا کھٹکا ہو، نہ کسی طرح کی غمگینی!

سورۂ بقرہ میں یہی حقیقت زیادہ واضح لفظوں میں بیان کی گئی ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ (۲ : ۵۹)

جو لوگ (پیغمبر اسلام پر) ایمان لا چکے ہیں، وہ ہوں، یا وہ لوگ جو یہودی کہلاتے ہیں۔ یا نصاریٰ، اور صابی ہوں (کوئی بھی ہو) کسی گروہ بندی سے تعلق رکھتا ہو، لیکن خدا کا قانون نجات یہ ہے کہ جو بھی اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا، اور اس کے کام بھی اچھے ہوئے تو وہ اپنے ایمان و عمل کا اجر اپنے پروردگار سے ضرور پائیگا۔ اس کے لیے نہ تو کسی طرح کا کھٹکا ہے، نہ کسی طرح کی غمگینی!

یعنی دین سے مقصود تو خدا پرستی اور نیک عمل کی راہ تھی۔ وہ کسی خاص حلقہ بندی کا نام نہ تھا۔ کوئی انسان ہو، کسی نسل و قوم سے ہو، کسی نام سے پکارا جاتا ہو، لیکن اگر خدا پرست اور نیک عمل ہے تو دینِ الٰہی پر چلنے والا ہے اور اس کے لیے نجات ہو۔ لیکن یہودیوں اور عیسائیوں نے ایک خاص طرح کی نسلی اور جماعتی گروہ بندی کا قانون بنا دیا۔ یہودیوں نے گروہ بندی کا ایک دائرہ کھینچا اور اُس کا نام "یہودیت" رکھدیا۔ جو اس دائرہ کے اندر ہو، وہ سچائی پر ہے اور اس کے لیے نجات ہو۔ جو اس سے باہر ہے، وہ باطل پر ہے، اور اُس کے لیے نجات نہیں۔ اسی طرح عیسائیوں نے بھی ایک دائرہ کھینچ لیا، اور اُس کا نام "مسیحیت" یا کلیسا رکھدیا۔ جو اس میں داخل ہو صرف وہی سچائی پر ہے، اور صرف اُسی کے لیے نجات ہو۔ جو اس سے باہر ہے اس کا سچائی میں کوئی حصہ نہیں، اور نجات سے قطعاً محروم ہے۔ باقی رہا عمل، تو اس کا قانون یک قلم غیر موثر ہو گیا ہے۔ ایک شخص کتنا ہی خدا پرست اور نیک عمل ہو، لیکن اگر "یہودیت" کی نسلی گروہ بندی یا "مسیحیت" کی جماعتی گروہ بندی میں داخل نہیں، تو اُسے کوئی یہودی اور عیسائی ہدایت یافتہ انسان تسلیم نہیں کر سکتا۔ لیکن ایک سخت سے سخت بد عمل انسان بھی نجات یافتہ سمجھ لیا جائیگا، اگر ان گروہ بندیوں میں داخل ہوگا۔ قرآن اُن کے اسی اعتقاد کو ان لفظوں میں نقل کرتا ہے: كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا۔ یعنی ہدایت کی راہ اعتقاد اور عمل کی راہ نہیں ہے، بلکہ یہودیت اور نصرانیت کی گروہ بندی کی راہ ہو۔ جب تک کوئی یہودی یا نصرانی نہ ہو جائے، ہدایت یافتہ نہیں ہو سکتا۔ پھر اس کا رد کرتے ہوئے کہتا ہے، خدا کی ہدایت جو دنیا کا

ایک عالمگیر قانون ہے، وہ بھلا ان خود ساختہ گروہ بندیوں میں کیونکر محدود ہو جا سکتی ہے؟ بَلٰی مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ کے زور اور عموم پر غور کرو۔ کوئی انسان ہو، کسی نسل و قوم اور گروہ بندی کا ہو لیکن جس کسی نے بھی اللہ کے آگے عبودیت کا سر جھکا دیا، اور نیک عملی کی زندگی اختیار کی، اس نے دین کی نجات و سعادت پالی، اور اس کے لیے کوئی غم اور کھٹکا نہیں!

غور کرو، مذہبی صداقت کی عالمگیر وسعت کا اس سے زیادہ واضح اور ہمہ گیر اعلان اور کیا ہو سکتا ہے؟

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّقَالَتِ النَّصَارٰى لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُونَ الْكِتٰبَ ۗ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ○

اور یہودیوں نے کہا عیسائیوں کا دین کچھ نہیں ہے۔ اسی طرح عیسائیوں نے کہا، یہودیوں کے پاس کیا دھرا ہے؟ حالانکہ دونوں اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں (اور دونوں کا سرچشمہ دین ایک ہی ہے) ٹھیک ایسی ہی بات ان لوگوں نے بھی کہی جو (مقدس نوشتوں کا) علم نہیں رکھتے (یعنی مشرکین عرب کہ وہ بھی صرف اپنے ہی کو نجات کا وارث سمجھتے ہیں) اچھا جس بات میں یہ باہم جھگڑ رہے ہیں، قیامت کے دن اللہ اس کا فیصلہ کر دے گا۔ (اور اس وقت حقیقت حال سب پر کھل جائے گی)

(۲ : ۱۱۳)

یعنی باوجودیکہ خدا کا دین ایک ہی ہے، اور کتاب الٰہی یعنی تورات دونوں کے سامنے ہے، بایں ہمہ مذہبی گروہ بندی کا نتیجہ یہ ہے کہ باہم گر مخالف اور مکذب جتھے قائم ہو گئے ہیں، ہر جتھا دوسرے جتھے کو جھٹلا رہا ہے، اور ہر جتھا صرف اپنے ہی کو نجات و سعادت کا مالک سمجھتا ہے!

سوال یہ ہے کہ جب دین کی راہ، ایک ہونے کی جگہ بے شمار جتھوں اور ٹولیوں میں تقسیم ہو گئی، اور ہر جتھا ایک ہی طریقہ پر اپنی سچائی کا مدعی ہے اور ایک ہی طریقہ پر دوسروں کو جھٹلاتا ہے تو اب اس بات کا فیصلہ کیونکر ہو کہ فی الحقیقت سچائی ہے کہاں؟ قرآن کہتا ہے، سچائی ہر ایک کے پاس ہے مگر عملاً سب نے کھو دی ہے۔ سب کو ایک ہی دین کی تعلیم دی گئی تھی، اور سب کے لیے ایک ہی عالمگیر قانون ہدایت تھا۔ لیکن سب نے اصل حقیقت ضائع کر دی، اور دین الٰہی پر مستقیم رہنے کی جگہ الگ الگ گروہ بندیاں کر لیں۔ اب ہر گروہ دوسرے گروہ سے لڑ رہا ہے، اور سمجھتا ہے، دین کی سعادت اور نجات صرف اسی کے ورثہ میں آئی ہے۔ دوسروں کا اس میں کوئی حصہ نہیں!

سورۂ بقرہ میں مندرجۂ صدر آیت کے بعد ہی حسب ذیل بیان شروع ہو جاتا ہے:

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا ۚ أُولَٰئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَائِفِينَ ۚ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ○ (۲ : ۱۱۴)

اور غور کرو، اُس سے بڑھکر ظلم کرنے والا انسان کون ہو سکتا ہے جو اللہ کی عبادت گاہوں میں اُسکے نام کی یاد سے مانع آئے اور اُنکی ویرانی میں کوشاں ہو؟ جن لوگوں کے ظلم و شرارت کا یہ حال ہو یقیناً وہ اس لائق نہیں کہ خدا کی عبادت گاہوں میں قدم رکھیں بجز اس حالت کے کہ دوسروں کو اپنی طاقت سے ڈرانے کی جگہ خود دوسروں کی طاقت سے ڈرے سہمے ہوں اور ظلم و شرارت کی جرأت ان میں باقی نہ رہے۔ یاد رکھو ایسے لوگوں کیلئے دنیا میں بھی رسوائی ہو اور آخرت میں بھی

یعنی مذہبی گروہ بندی کی گمراہی کا نتیجہ یہ ہے کہ خدا کی عبادت گاہیں تک الگ ہو گئی ہیں اور باوجودیکہ تمام پیروان مذاہب ایک ہی خدا کے نام لیوا ہیں، لیکن ممکن نہیں، ایک مذہب کا پیرو دوسرے مذہب کی بنائی ہوئی عبادت گاہ میں جا کر خدا کا نام لے سکے۔ اتنا ہی نہیں، بلکہ ہر گروہ صرف اپنی ہی عبادتگاہ کو خدا کی عبادت گاہ سمجھتا ہے۔ اور دوسرے گروہ کی عبادت گاہ اُسکی نظروں میں کوئی احترام نہیں رکھتی۔ حتیٰ کہ بسا اوقات وہ مذہب کے نام پر اٹھتا ہے اور دوسروں کی عبادت گاہیں خراب و برباد کر ڈالتا ہے۔ قرآن کہتا ہے، اس سے بڑھکر انسان کا ظلم اور کیا ہو سکتا ہے کہ خدا کے بندوں کو خدا کی یاد سے روکا جائے اور صرف اس لیے روکا جائے کہ وہ ایک دوسرے مذہبی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں؟ یا ایک عبادت گاہ ڈھا دی جائے، اور اسلیے ڈھا دی جائے کہ وہ ہماری بنائی ہوئی نہیں ہے۔ دوسرے گروہ کی بنائی ہوئی ہے؟ کیا تمہارے بنائے ہوئے مذہبی جتھوں کے اختلاف سے خدا بھی مختلف ہو گئے؟ اور اس لیے ایک جتھے کی بنائی ہوئی عبادت گاہ تو خدا کی عبادت گاہ ہے، مگر دوسرے کی بنائی ہوئی عبادت گاہ خدا کی عبادت گاہ نہیں؟

وَلَا تُؤْمِنُوا إِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِينَكُمْ قُلْ إِنَّ الْهُدَىٰ هُدَى اللَّهِ أَنْ يُؤْتَىٰ أَحَدٌ مِثْلَ مَا أُوتِيتُمْ أَوْ يُحَاجُّوكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۗ قُلْ إِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ○ (۳ : ۷۳)

اور یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے سے کہتے ہیں، یہ بات کبھی نہ مانو کہ دین کی جو سعادت تمہیں دی گئی ہو (یعنی یہودیوں کو دی گئی ہو) وہ کسی دوسرے انسان کو بھی مل سکے، یا اللہ کے حضور تمہارے خلاف کسی کو حجت مل سکے۔ (اے پیغمبر) تم ان لوگوں سے کہدو، ہدایت تو وہی ہے جو اللہ کی ہدایت ہو، اور اسکی راہ سب کیلئے کھلی ہوئی ہو، یہ بخشش کسی ایک گروہ کیلئے نہیں ہو۔ اور فضل و بخشش کا سر رشتہ تمہارے ہاتھ نہیں ہو، اللہ کے ہاتھ ہو وہ جسے چاہے دیدے۔ اور وہ اپنے فضل میں بڑی ہی وسعت رکھنے والا اور

یعنی یہودیوں کا اعتقاد یہ ہے کہ وحی و نبوت کی ہدایت جو انہیں دی گئی ہے، وہ صرف انہی کے لیے ہے، ممکن نہیں، کسی دوسرے انسان یا قوم کو یہ بات حاصل ہو سکے۔ چنانچہ اسی بنا پر وہ کہتے ہیں اپنے مذہب کے آدمیوں کے علاوہ اور کسی آدمی کی سچائی اور بزرگی تسلیم نہ کرو، اور نہ یہ بات مانو کہ تمہارے خلاف (یعنی یہودیوں کے خلاف) کسی آدمی کی کوئی دلیل خدا کے حضور مقبول ہو سکتی ہے۔ قرآن اس زعم باطل کو رد کرتا ہے، اور کہتا ہے "اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ"۔ ہدایت کی راہ تو وہی ہے جو اللہ کی ہدایت ہو۔ اور اللہ کا فضل کسی ایک انسان یا گروہ ہی کے لیے نہیں ہے۔ سب کے لیے ہے، پس جو انسان بھی ہدایت کی راہ پر چلے گا ہدایت یافتہ انسان ہوگا، خواہ یہودی ہو یا کوئی ہو۔

یہودیوں کی گروہ بندی کا غرور یہاں تک بڑھ گیا تھا کہ وہ کہتے تھے، خدا نے دوزخ کی آگ ہم پر حرام کر دی ہے۔ اگر ہم میں سے کوئی آدمی جہنم میں ڈالا بھی جائے گا، تو اس لیے نہیں کہ اسے عذاب میں ڈالا جائے، بلکہ اس لیے کہ گناہ کے داغ دھبوں سے پاک صاف کر دیا جائے، اور وہ پھر جنت میں جا داخل ہو۔ قرآن ان کا یہ زعم باطل جا بجا نقل کرتا ہے، اور پھر اس کا رد کرتے ہوئے پوچھتا ہے، یہ بات تمہیں کہاں سے معلوم ہو گئی کہ یہودی گروہ بندی کا ہر فرد نجات یافتہ ہے؟ اور عذاب اخروی سے اسے چھٹکارا مل چکا ہے؟ کیا تمہیں خدا نے غیر مشروط نجات کا کوئی پٹہ لکھ کر دیدیا ہے کہ جہاں ایک انسان یہودی ہوا اور آتش دوزخ اس پر حرام ہو گئی؟ اگر نہیں دیا ہے تو پھر بتلاؤ، ایسا اعتقاد رکھنا خدا پر افترا کرنا نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ اس کے بعد صاف صاف لفظوں میں خدا کے قانون عمل کا اعلان کرتا ہے "جس کسی نے بھی اپنے عمل سے برائی کمائی، اس کے لیے برائی ہے، جس کسی نے بھی بھلائی کمائی اس کے لیے بھلائی ہے"۔ یعنی جس طرح سنکھیا کھانے سے ہر کھانے والا ہلاک ہو جاتا ہے، خواہ یہودی ہو یا غیر یہودی ہو، اور دودھ پینے سے صحت و توانائی ملتی ہے، خواہ پینے والا کسی نسل و قوم اور گروہ سے تعلق رکھتا ہو، اسی طرح عالم معنویات میں بھی ہر عمل کا ایک خاصہ ہے، اور وہ اس لیے بدل نہیں جا سکتا کہ عمل کرنے والے کی نسل یا گروہ بندی کیا ہے۔ چنانچہ سورۂ بقرہ میں ہے:

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا	اور ان لوگوں نے (یعنی یہودیوں نے) کہا، ہمیں جہنم کی آگ کبھی چھونے
مَّعْدُوْدَةً ۭ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ	والی نہیں، اور اگر چھوئے بھی تو اس سے زیادہ نہیں کہ چند گنے ہوئے دن۔ (اے پیغمبر!) ان سے کہو، یہ جو تم کہتے ہو، تو کیا تم نے خدا سے کوئی
اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ	قول و قرار کرا لیا ہے، اور اب خدا اپنے قول و قرار سے پھر نہیں سکتا،
اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝	یا پھر تم خدا کے نام سے ایک ایسی جھوٹی بات کہہ رہے ہو جس کا تمہیں کوئی
بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ	

خَطِيْٓـَٔتُهٗ فَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

(۲ : ۷۴ - ۷۵)

علم نہیں؟ نہیں! خدا کا قانون تو یہ ہے کہ کسی شخص یا کسی گروہ کا انسان ہو۔ لیکن جس کسی نے بھی برائی کمائی، اور اپنے گناہوں میں گھر گیا، وہ دوزخی گروہ میں سے ہے۔ ہمیشہ دوزخ میں رہنے والا۔ اور جس کسی نے بھی ایمان کی راہ اختیار کی اور نیک عمل ہوا، تو بہشتی گروہ میں سے ہے۔ ہمیشہ بہشت میں رہنے والا!

سورۂ نساء میں نہ صرف یہودیوں اور عیسائیوں کو، بلکہ سب کو مخاطب کرکے صاف صاف اعلان کردیا ہے۔ ایسا اعلان، جسکے بعد کسی طرح کے شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہی:

لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَھْلِ الْكِتٰبِ ۭ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْۗءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝ (۴ : ۱۲۳)

(مسلمانو! یاد رکھو، نجات اور سعادت) نہ تو تمہاری آرزوؤں پر موقوف ہے، نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر۔ خدا کا قانون تو یہ ہے کہ جو کوئی بھی برائی کرے گا، اس کا نتیجہ اسکے سامنے آئیگا، اور پھر نہ تو کسی کی دوستی اسے عذاب الٰہی سے بچا سکے گی، نہ کسی طاقت کی مددگاری!

اسی مذہبی گروہ بندی کا نتیجہ تھا کہ یہودی سمجھتے تھے، سچائی اور دیانت داری کے جسقدر بھی احکام ہیں، وہ اسلئے نہیں ہیں کہ تمام انسانوں کے ساتھ دیانت اور راستبازی برتنی چاہیئے، بلکہ محض اس لیئے ہیں کہ ایک یہودی دوسرے یہودی کے ساتھ برائی نہ کرے۔ وہ کہتے تھے اگر ایک آدمی ہمارا ہم مذہب نہیں ہے، تو ہمارے لیئے جائز ہے کہ جس طرح بھی چاہیں، اس سے فائدہ اٹھائیں۔ کچھ ضروری نہیں کہ راست بازی و دیانت کے اصول محفوظ رکھے جائیں۔ چنانچہ لین دین میں سود لینے کی ممانعت کو انہوں نے صرف اپنے ہم مذہبوں کے ساتھ مخصوص کردیا تھا، اور آج تک ان کا طرز عمل یہی ہے۔ وہ کہتے ہیں ایک یہودی کو دوسرے یہودی سے ظالمانہ سود نہیں لینا چاہیئے، لیکن ایک یہودی، غیر یہودی سے لے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ قرآن انکے اس عقیدہ کا ذکر کرتا، اور اسے ان کی بہت بڑی گمراہی قرار دیتا ہے:

وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُھُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۝ (۴ : ۱۶۱)

اور ان کا سود کھانا، حالانکہ وہ اس سے روک دیئے گئے تھے۔ اور نیز یہ بات کہ لوگوں کا مال ناجائز طریقے پر کھا لیتے تھے۔

اسی طرح جو یہودی عرب میں آباد تھے، وہ کہتے تھے، عرب کے ان پڑھ باشندوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں راست بازی و دیانت داری کچھ ضروری نہیں ہے۔ یہ لوگ بت پرست ہیں۔ ہم ان لوگوں کا مال جس طرح بھی کھالیں، ہمارے لیئے جائز ہے:

ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا

(یہودیوں کی یہ بدمعاملگی) اس لیئے ہے کہ وہ کہتے ہیں، ان اَن پڑھ

فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ ۚ وَيَقُولُونَ
عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝
بَلَىٰ مَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ وَاتَّقَىٰ فَإِنَّ اللَّهَ
يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ

(۳ : ۷۰)

لوگوں سے (یہ معاملہ کرتے ہیں) ہمارے لیے کوئی باز پرس نہیں ہوگی (جس طرح بھی ہم چاہیں۔ ان کا مال کھا سکتے ہیں) حالانکہ ایسا کہتے ہوئے وہ صریح اللہ پر افترا کرتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اللہ کے دین کا یہ حکم نہیں ہو سکتا۔ ہاں (البتہ باز پرس ہوگی اور ضرور ہوگی) کیونکہ اللہ کا قانون تو یہ ہے کہ جو کوئی اپنا قول و قرار سچائی کے ساتھ پورا کرتا ہو اور برائی سے بچتا ہو تو یقیناً [illegible]

یعنی ایسا عقیدہ رکھنا خدا کے دین پر صریح افترا ہے۔ خدا کا دین تو یہ ہے کہ ہر انسان کے ساتھ نیکی کرنی چاہیے، اور ہر حال میں راست بازی و دیانت داری کی راہ چلنی چاہیے، خواہ کوئی انسان ہو، اور کسی عقیدہ اور گروہ کا ہو، کیونکہ سفید ہر حال میں سفید ہے، اور سیاہ ہر حال میں سیاہ۔ کوئی سفید چیز اسلیے کالی نہیں ہو جا سکتی کہ کسی آدمی کو دی گئی ہے، اور کوئی کالی چیز اسلیے سفید نہیں ہو جا سکتی کہ کسی خاص نسل یا کسی خاص گروہ کے ہاتھوں نکلی ہے۔ پس دیانت داری ہر حال میں دیانت داری ہے اور بددیانتی ہر حال میں بددیانتی۔

نزول قرآن کے وقت بڑے مذہبی گروہ عرب میں تین تھے۔ یہودی، عیسائی اور مشرکین عرب، اور یہ تینوں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی شخصیت کو یکساں طور پر عزت و احترام کی نظر سے دیکھتے تھے، کیونکہ تینوں گروہوں کے مورث اعلیٰ وہی تھے۔ پس قرآن مذہبی گروہ بندی کی گمراہی واضح کرنے کے لیے ایک نہایت سیدھا سادہ سوال ان تینوں کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اگر دین کی سچائی گروہ بندیوں کے ساتھ وابستہ ہے، تو بتلاؤ حضرت ابراہیمؑ کس گروہ بندی کے آدمی تھے؟ یہ ظاہر ہے کہ اسوقت تک نہ تو یہودیت کا ظہور ہوا تھا، نہ مسیحیت کا، اور نہ کوئی دوسری گروہ بندی موجود تھی۔ پھر اگر حضرت ابراہیمؑ کسی گروہ بندی میں داخل نہ ہونے پر بھی دین حق کی راہ پر تھے، تو بتلاؤ، وہ راہ کونسی تھی؟ قرآن کہتا ہے وہ اُسی دین حقیقی کی راہ تھی جو تمہاری تمام بنائی ہوئی گروہ بندیوں سے بالاتر، اور نوع انسانی کے لیے عالمگیر قانون نجات ہے۔ یعنی ایک خدا کی سیدھی سادی پرستش اور نیک عملی کی زندگی:

وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ
تَهْتَدُوا ۗ قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ
حَنِيفًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ

(۲ : ۱۳۹)

اور یہودی کہتے ہیں، یہودی ہو جاؤ، ہدایت پاؤ گے۔ نصاریٰ کہتے ہیں نصرانی ہو جاؤ، ہدایت پاؤ گے۔ اے پیغمبر! تم کہو، نہیں، ہدایت اللہ کی عالمگیر ہدایت ہے جو کسی خاص گروہ بندی کی پابند نہیں ہو سکتی۔ ہدایت کی راہ تو وہی حنیفی راہ ہے جو ابراہیم کا طریقہ تھا، اور یقیناً وہ مشرکوں میں سے نہ تھا (اگرچہ آج کل نسل عرب میں جتھا شرک ہو گئی)

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَاۗجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ (۳ : ۵۸)	اے اہل کتاب! تم ابراہیمؑ کے بارے میں کیوں حجت کرتے ہو؟ حالانکہ یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ تورات اور انجیل اس کے بہت بعد نازل ہوئی ہیں۔ کیا تم اتنی موٹی بات سمجھنے کے لیے بھی عقل نہیں رکھتے؟

یعنی وہ یہودیوں اور عیسائیوں سے سوال کرتا ہے۔ تمہاری اِن گروہ بندیوں کی تاریخ زیادہ سے زیادہ تورات اور انجیل کے ظہور تک جا سکتی ہے۔ اچھا، بتلاؤ، تورات سے پہلے بھی ہدایت یافتہ انسان گزرے تھے یا نہیں؟ اگر تھے تو اُن کی راہ کیا تھی؟ خود تمہارے اسرائیلی گھرانے کے تمام نبیوں کی راہ کیا تھی؟ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹوں اور پوتوں کو جس دین کی تلقین کی، وہ دین کون سا تھا؟ حضرت یعقوبؑ جب بستر مرگ پر تھے اور اپنے بیٹوں کو دینِ الٰہی پر قائم رہنے کی وصیت کر رہے تھے، تو اس وصیت سے مقصود کون سا دین تھا؟ یہ تو ظاہر ہے کہ وہ یہودیت یا مسیحیت کی گروہ بندی نہیں ہو سکتی، کیونکہ یہ دونوں گروہ بندیاں حضرت موسیٰؑ اور حضرت مسیحؑ کے نام پر کی گئی ہیں، اور وہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت یعقوبؑ وغیرہم سے کئی سو برس بعد پیدا ہوئے۔ پس معلوم ہوا، تمہارے اِن خود ساختہ حلقہ ہائے نجات سے بھی کوئی بالاتر راہِ نجات موجود ہے، جو اُس وقت بھی نوعِ انسانی کے سامنے موجود تھی۔ جب اِن حلقہ بندیوں کا نام و نشان تک نہ تھا۔ قرآن کہتا ہے، یہی راہِ نجات، دین کی اصلی راہ ہے، اور اسے حاصل کرنے کے لیے کسی گروہ بندی کی نہیں بلکہ اعتقاد اور عمل کی ضرورت ہے:

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاۗءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ۭ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَاۗىِٕكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰــهًا وَّاحِدًا ښ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (۲ : ۱۳۷)	پھر کیا تم اُس وقت موجود تھے جب یعقوبؑ کے سرہانے موت آ کھڑی ہوئی تھی، اور اُس نے اپنی اولاد سے پوچھا تھا، بتلاؤ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ انھوں نے جواب میں کہا تھا، ہم اُسی ایک خدا کی عبادت کریں گے جس کی تو نے عبادت کی ہے، اور تیرے بزرگوں ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ اور اسحٰقؑ نے عبادت کی ہے، اور ہم خدا کے حکموں کے فرمانبردار ہیں!

وہ کہتا ہے، دینِ الٰہی کی اصل، نوعِ انسانی کی اخوت و وحدت ہے، نہ کہ تفرقہ و منافرت۔ خدا کے جتنے بھی رسول دنیا میں آئے، سب نے یہی تعلیم دی تھی کہ تم سب اصلاً ایک ہی اُمت اور ایک ہی گروہ ہو، اور تم سب کا پروردگار ایک ہی پروردگار ہے۔ پس چاہیے کہ سب اسی ایک پروردگار کی بندگی کریں، اور ایک گھرانے کے بھائیوں کی طرح مل جل کر رہیں۔ اگرچہ ہر مذہب کے داعی نے اسی راہ کی تعلیم دی تھی، لیکن ہر مذہب کے پیروؤں نے

اس سے انحراف کیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ہر ملک، ہر قوم، ہر نسل نے اپنے اپنے جتھے الگ الگ بنا لیے، اور ہر جتھا اپنے طور طریقہ میں مگن ہوگیا۔

قرآن نے پچھلے رسولوں اور مذاہب کے بانیوں میں سے جن جن رہنماؤں کے مواعظ نقل کیے ہیں، ان سب میں بھی اصل اصول یہی حقیقت ہے، اور عموماً اکثر مواعظ کا خاتمہ دین کی وحدت اور انسان کی عالمگیر اخوت کی تعلیم ہی پر ہوتا ہے۔ مثلاً سورۂ مومنوں میں سب سے پہلے حضرت نوح (علیہ السلام) کی دعوت کا ذکر کیا ہے: وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ أَفَلَا تَتَّقُونَ ۞ (۲۳: ۲۳) اس کے بعد ان دعوتوں کی طرف اشارہ کیا ہے جو حضرت نوح کے بعد ظاہر ہوتی رہیں: ثُمَّ أَنشَأْنَا مِن بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ فَأَرْسَلْنَا فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ (۳۲) پھر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا ذکر کیا ہے: ثُمَّ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ وَأَخَاهُ هَارُونَ (۴۵) حضرت موسیٰ کے بعد حضرت مسیح (علیہ السلام) کی دعوت نمایاں ہوئی: وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً (۵۰) پھر ان تمام دعوتوں کے بعد یہ صدائے حق بلند ہوتی ہے:

يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا ۖ إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ۞ وَإِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ ۞ فَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُم بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۖ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ۞

اور ہم نے تمام رسولوں کو یہی حکم دیا تھا کہ پاک و صاف چیزیں کھاؤ اور نیک عملی کی زندگی بسر کرو۔ تم جو کچھ کرتے ہو اس سے میں بے خبر نہیں ہوں (اور دیکھو) یہ تمہارا گروہ درحقیقت ایک ہی گروہ ہے، اور میں تم سب کا پروردگار ہوں (پس الگ الگ نہ ہو اور) نافرمانی سے بچو۔ لیکن پھر ایسا ہوا کہ لوگوں نے ایک دوسرے سے کٹ کر جدا جدا دین بنا لیے۔ ہر ٹولی کے پلے جو کچھ پڑ گیا ہے، وہ اسی میں مگن ہے!

(۲۳: ۵۳)

یعنی تمام رسولوں نے یکے بعد دیگرے یہی تعلیم دی تھی کہ خدا کی بندگی کرو اور نیک عملی کی زندگی اختیار کرو۔ تم سب خدا کے نزدیک ایک ہی امت اور گروہ ہو اور تم سب کا پروردگار ایک ہی پروردگار ہے۔ تم میں سے کوئی گروہ دوسرے گروہ کو اپنے سے الگ نہ سمجھے، نہ کوئی گروہ دوسرے گروہ کا مخالف ہوجائے۔ فَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُم بَيْنَهُمْ زُبُرًا، لیکن لوگوں نے یہ تعلیم فراموش کردی اور اپنی الگ الگ ٹولیاں بنا لیں۔ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ، اب ہر ٹولی اسی میں مگن ہے جو اس کے پلے پڑ گیا ہے!

مذہبی گروہ بندی کی رسموں اور راہوں میں سے ایک رسم وہ ہے جو عیسائی کلیسا نے اختیار کر رکھی ہے اور جسے وہ اصطباغ (بپتسما) سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ درحقیقت ایک یہودی رسم تھی جو اس وقت ادا کی جاتی تھی

جب لوگ گناہوں سے توبہ کیا کرتے تھے، اور اسلیئے فی نفسہ ایک مقررہ رسم سے زیادہ وہ اہمیت نہیں رکھتی لیکن عیسائیوں نے اسے انسانی نجات وسعادت کی بنیاد سمجھ لیا ہے۔ جب تک ایک شخص مسیح علیہ السلام کے نام پر اصطباغ نہ لے، وہ نیک اور دیندار انسان نہیں سمجھا جاتا، اور نہ آخرت کی نجات اسے مل سکتی ہے۔ قرآن کہتا ہے، یہ کیسی گمراہی ہے کہ انسانی نجات وسعادت جس کا دارومدار عمل پر ہے، محض ایک مقررہ رسم کے ساتھ وابستہ کر دی جائے؟ انسانوں کا یہ ٹھہرایا ہوا اصطباغ اللہ کا اصطباغ نہیں ہے۔ اللہ کا اصطباغ تو یہ ہے کہ تمہارے دل خداپرستی کے رنگ میں رنگ جائیں:

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ۝

یہ اللہ کا رنگ ہے (یعنی دین الٰہی کا قدرتی اصطباغ ہے) اور اللہ سے بہتر رنگ دینے میں اور کون ہو سکتا ہے؟ ہم تو اسی کی بندگی کرنے والے ہیں!

(۲: ۱۳۸)

اسی طرح وہ سورۂ بقرہ میں بار بار کہتا ہے، دین الٰہی عمل کا قانون ہے، اور ہر انسان کے لیے وہی ہوتا ہے جو اسکے عمل کی کمائی ہے۔ یہ بات کہ ایک گروہ میں بہت سے نبی اور برگزیدہ انسان ہو چکے ہیں، یا نیک انسانوں کی نسل میں سے ہو، یا کسی پچھلی قوم سے رشتۂ قرابت رکھتا ہے، نجات وسعادت کے لیے کچھ سود مند نہیں:

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

یہ ایک امت تھی جو گزر چکی۔ اسکے لیے وہ تھا، جو اس نے اپنے عمل سے کمایا، اور تمہارے لیے وہ ہے، جو تم اپنے عمل سے کماؤ۔ ان کے کاموں کے لیے تم سے باز پرس نہیں ہوگی!

(۲: ۱۳۹)

قرآن کی دعوت

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں، کوئی بات بھی قرآن کے صفحوں پر اس درجہ نمایاں نہیں ہے جس قدر یہ بات ہے۔ اس نے بار بار صاف اور قطعی لفظوں میں اس حقیقت کا اعلان کر دیا ہے کہ وہ کسی نئی مذہبی گروہ بندی کی دعوت لیکر نہیں آیا ہے، بلکہ وہ چاہتا ہے، تمام مذہبی گروہ بندیوں کی جنگ و نزاع سے دنیا کو نجات دلائے، اور سب کو اسی ایک راہ پر جمع کر دے جو سب کی مشترک اور متفقہ راہ ہو!

وہ بار بار کہتا ہے، جس راہ کی میں دعوت دیتا ہوں، وہ کوئی نئی راہ نہیں ہے، اور نہ سچائی کی راہ نئی ہو سکتی ہے۔ یہ تو وہی راہ ہے جو اول دن سے موجود ہے، اور تمام مذاہب کے بانیوں نے اسی کی طرف بلایا ہے:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ

اور (دیکھو) اس نے تمہارے لیے دین کی وہی راہ ٹھہرائی ہے جس کی

نُوحًا وَّالَّذِیٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ وَمَا وَصَّیْنَا بِہٖٓ اِبْرٰہِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰٓی اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ (۴۲ : ۱۳)

وصیت نوح کو کی گئی تھی، اور جس پر چلنے کا ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم دیا تھا (وہ سب کی تعلیم یہی تھی) کہ الدین (یعنی خدا کا ایک ہی دین) قائم رکھو، اور اس راہ میں الگ الگ نہ ہو جاؤ!

سورۂ نسا میں ہے:

اِنَّآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ کَمَآ اَوْحَیْنَآ اِلٰی نُوْحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنْۢ بَعْدِہٖ وَاَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اِبْرٰہِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِیْسٰی وَاَیُّوْبَ وَیُوْنُسَ وَہٰرُوْنَ وَسُلَیْمٰنَ وَاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۝ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰہُمْ عَلَیْکَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْہُمْ عَلَیْکَ (۴ : ۱۶۳)

(اے پیغمبر!) ہم نے تمہیں اسی طرح اپنی وحی سے مخاطب کیا ہے جس طرح نوح کو کیا تھا، اور اُن تمام نبیوں کو کیا تھا جو نوح کے بعد ہوئے۔ نیز جس طرح ابراہیم، اسمٰعیل، اسحٰق، یعقوب، اولادِ یعقوب، عیسیٰ، ایوب، یونس، ہارون، سلیمان (علیہم السلام) کو مخاطب کیا، اور داؤد کو زبور عطا کی۔ علاوہ بریں وہ رسول جن میں سے بعض کا حال ہم تمہیں پہلے سنا چکے ہیں، اور بعض ایسے ہیں جن کا حال تمہیں نہیں سنایا گیا۔

سورۂ انعام میں پچھلے رسولوں کا ذکر کر کے پیغمبر اسلام کو مخاطب کیا ہے، اور کہا ہے:

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ ہَدَی اللّٰہُ فَبِہُدٰىہُمُ اقْتَدِہْ (۶ : ۹۰)

یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے راہِ حق دکھلائی، پس (اے پیغمبر) تم بھی انہی کی ہدایت کی پیروی کرو۔

اسی لیے اس کی دعوت کی پہلی بنیاد یہی ہے کہ تمام بانیانِ مذاہب اور تمام آسمانی کتابوں کی یکساں طور پر تصدیق کی جائے، یعنی یقین کیا جائے کہ سب حق پر تھے، سب خدا کی سچائی کے پیغامبر تھے اور سب نے ایک ہی اصل و قانون کی تعلیم دی ہے، اور ان سب کی متفقہ تعلیم پر کاربند ہونا ہی ہدایت و سعادت کی حقیقی راہ ہے:

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓی اِبْرٰہِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی وَالنَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّہِمْ ۪ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ

(اے پیغمبر!) کہہ دو، ہمارا طریقہ تو یہ ہے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں، اور جو کچھ ہم پر نازل کیا ہے اس پر ایمان لائے ہیں۔ نیز جو کچھ ابراہیم، اسمٰعیل، اسحٰق، یعقوب اور اولادِ یعقوب پر نازل ہوا ہے، اُن سب پر ایمان رکھتے ہیں۔ اسی طرح جو کچھ موسیٰ اور عیسیٰ کو اور دنیا کے تمام نبیوں کو اُن کے پروردگار سے دیا گیا ہے، سب پر ہمارا ایمان ہے۔ ہم ان میں سے کسی ایک کو بھی دوسرے

وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ۝
(۳ : ۸۴)

جدا نہیں کرتے (کہ کسی ایک کو مانیں، دوسروں کو نہیں۔ ہم سب کی یکساں طور پر تصدیق کرتے ہیں) اور ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں (کہ سچائی جہاں کہیں بھی اور جس کسی کی زبانی بھی آئی ہو، اُس پر ہمارا ایمان ہے)۔

قرآن نے اس آیت میں اور نیز متعدد موقعوں پر "تفریق بین الرسل" کو ایک بہت بڑی گمراہی قرار دیا ہے، اور سچائی کی راہ یہ بتلائی ہے کہ "تفریق بین الرسل" سے انکار کیا جائے۔ "تفریق بین الرسل" کے معنی یہ ہیں کہ خدا کے رسولوں میں باعتبار تصدیق کے تفرقہ و امتیاز کرنا، یعنی ایسا سمجھنا کہ ان میں سے فلاں سچا تھا، فلاں سچا نہ تھا۔ یا کسی ایک کی تصدیق کرنی، باقی سب سے انکار کر دینا۔ یا سب کی تصدیق کرنی، کسی ایک سے انکار کر دینا۔ قرآن کہتا ہے، ہر راست باز انسان کا جو خدا کے سچے دین پر چلنا چاہتا ہے، یہ شیوہ ہے کہ بلا کسی فرق و امتیاز کے تمام رسولوں، تمام کتابوں، تمام مذہبی دعوتوں پر ایمان لائے، اور کسی ایک کا بھی انکار نہ کرے۔ اُس کا شیوہ یہ ہونا چاہیے کہ وہ کہے، سچائی جہاں کہیں بھی ظاہر ہوتی ہے اور جس کسی کی زبان پر بھی ظاہر ہوتی ہے، سچائی ہے، اور میرا اُس پر ایمان ہے:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۣ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۣ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝
(۲ : ۲۸۵)

اللہ کا رسول اُس (کلامِ حق) پر ایمان رکھتا ہے جو اُس کے پروردگار کی طرف سے اُس پر نازل ہوا ہے، اور وہ لوگ بھی جو ایمان لائے ہیں۔ یہ سب اللہ پر، اُس کے ملائکہ پر، اُس کی کتابوں پر، اور اُس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ (اُن کے ایمان کا دستور العمل یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں) ہم اللہ کے رسولوں میں کسی کو دوسرے سے جدا نہیں کرتے (کہ کسی ایک کو مانیں، دوسروں کو جھٹلائیں۔ ہم سب کی یکساں طور پر تصدیق کرتے ہیں)، اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب انہیں وحیٔ حق نے پکارا، تو اُنھوں نے کہا، خدایا! ہم نے تیرا پیامِ حق سُنا اور تیری فرمانبردار ہوگئے۔ ہمیں تیری مغفرت نصیب ہو، اور ہم سب کو بالآخر تیرے ہی طرف لوٹنا ہے!

وہ کہتا ہے، خدا ایک ہے، اُس کی سچائی ایک ہے، لیکن سچائی کا پیغام بہت سی زبانوں سے پہنچا ہے۔ پھر اگر تم کسی ایک پیغامبر کی تصدیق کرتے ہو، دوسروں کا انکار کر دیتے ہو، تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ ایک ہی حقیقت کو ایک جگہ مان لیتے ہو، دوسری جگہ ٹھکرا دیتے ہو۔ یا ایک ہی بات کو مانتے بھی ہو، رد بھی کرتے ہو۔ ظاہر ہے، کہ ایسا ماننا، ماننا نہیں ہے، بلکہ ایک زیادہ بُری قسم کا انکار ہے!

وہ کہتا ہے، خدا کی سچائی، اُس کی ساری باتوں کی طرح، اُس کی عالمگیر بخشش ہے۔ وہ نہ تو کسی خاص نسل و قوم

وابستہ کی جا سکتی ہے، نہ کسی خاص نسل و قوم سے، اور نہ ہی کسی خاص مذہبی گروہ بندی سے۔ تم نے اپنے لیے طرح طرح کی قومیتیں اور جغرافیائی اور نسلی حد بندیاں بنا لی ہیں، لیکن تم خدا کی سچائی کیلئے کوئی ایسا امتیاز نہیں گڑھ سکتے۔ اُسکی نہ تو کوئی قومیت ہے، نہ نسل ہے، نہ جغرافیائی حد بندی ہے، نہ جماعتی حلقہ بندی۔ وہ خدا کے سورج کی طرح ہر جگہ چمکتی اور نوعِ انسانی کے ہر فرد کو روشنی بخشتی ہے۔ اگر تم خدا کی سچائی کی ڈھونڈھ میں ہو، تو اُسکو کسی ایک ہی گوشہ میں نہ ڈھونڈھو۔ وہ ہر جگہ نمودار ہوتی ہے، اور ہر عہد میں اپنا ظہور رکھتی ہے۔ تمہیں زمانوں کا، قوموں کا، وطنوں کا، زبانوں کا، اور طرح طرح کی گروہ بندیوں کا پرستار نہیں ہونا چاہیئے، بلکہ صرف خدا کا اور اُسکی عالمگیر سچائی کا پرستار ہونا چاہیئے۔ اُسکی سچائی جہاں کہیں بھی آئی ہو اور جس جس میں بھی آئی ہو، تمہاری متاع ہے، اور تم اُسکے وارث ہو!

چنانچہ اُس نے جابجا "تفریق بین الرسل" کی راہ کو انکار کی راہ قرار دیا ہے، اور ایمان کی راہ یہ بتلائی ہے کہ بلا تفریق سب کی تصدیق کیجائے۔ وہ کہتا ہے، یہاں راہیں صرف دو ہی ہیں۔ تیسری نہیں ہو سکتی۔ ایمان کی راہ یہ ہے کہ سب کو مانو۔ انکار کی راہ یہ ہے کہ سب کا یا کسی ایک کا انکار کرو۔ یہاں کسی ایک کا انکار بھی وہی حکم رکھتا ہے جو سب کے انکار کا ہے!

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا ۝ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا ۚ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ أُولَٰئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ أُجُورَهُمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝ (۴: ۱۴۹)

جو لوگ اللہ اور اس کے پیغمبروں سے برگشتہ ہیں، اور چاہتے ہیں اللہ اور اسکے رسولوں میں تفرقہ کریں، یعنی کسی کو خدا کا رسول مانیں کسی کو نہ مانیں، اور کہتے ہیں، ان میں سے بعض کو ہم مانتے ہیں، بعض کا انکار کرتے ہیں، اور پھر اس طرح چاہتے ہیں کہ کفر اور ایمان کے درمیان کوئی تیسری راہ اختیار کریں، تو یقین کرو، ایسی لوگ ہیں کہ ان کے کفر میں کوئی شک نہیں۔ اور جن لوگوں کی راہ کفر کی راہ ہے، تو اُن کے لیے رسوا کُن عذاب تیار ہے۔ لیکن جو لوگ اللہ اور اسکے تمام پیغمبروں پر ایمان لائے اور کسی ایک پیغمبر کو بھی دوسرے سے جدا نہیں کیا (یعنی کسی ایک کی سچائی سے بھی انکار نہیں کیا)، تو بلاشبہ یہی لوگ ہیں جنہیں عنقریب اللہ اُن کے اجر عطا فرمائے گا، اور وہ بڑا ہی بخشنے والا رحمت والا ہے!

سورۂ بقرہ میں جو سورۂ فاتحہ کے بعد قرآن کی پہلی سورۃ ہے، سچے مومنوں کی راہ یہ بتلائی ہے:

وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْآخِرَةِ

اور وہ لوگ جو اُس سچائی پر ایمان لائے جو پیغمبر اسلام پر نازل ہوئی ہے اور اُن تمام سچائیوں پر جو اُن سے پہلے دنیا میں نازل ہو چکی ہیں اور نیز

هُمْ يُوقِنُونَ ۝ أُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ (۲ : ۳)

آخرت کی زندگی پر بھی یقین رکھتے ہیں، تو یہی لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کی ٹھہرائی ہوئی ہدایت پر ہیں، اور یہی ہیں جنھوں نے فلاح پائی۔

وہ کہتا ہے، اگر تمھیں اس بات سے انکار نہیں کہ تمام کارخانۂ ہستی کا خالق ایک ہی خالق ہے اور اُسی کی پروردگاری یکساں طور پر ہر مخلوق کو پرورش کر رہی ہے، تو پھر تمھیں اس بات سے کیوں انکار ہو کہ اس کا روحانی سچائی کا قانون بھی ایک ہی ہو، اور وہ ایک ہی طرح پر تمام نوعِ انسانی کو دیا گیا ہے؟ وہ کہتا ہے، تم سب کا پروردگار ایک ہی ہے، تم سب ایک ہی خدا کے نام لیوا ہو، تم سب کے رہنماؤں نے تمھیں ایک ہی راہ دکھلائی ہے۔ پھر یہ کیسی گمراہی کی انتہا اور عقل کی موت ہو کہ رشتہ ایک ہے، مقصد ایک ہو، راہ ایک ہو، لیکن ہر گروہ دوسرے گروہ کا دشمن ہے، اور ہر انسان دوسرے انسان سے متنفر۔ اور پھر یہ تمام جنگ نزاع کس کے نام پر کی جا رہی ہے؟ اُسی خدا کے نام پر، اور اُسی خدا کے دین کے نام پر، جس نے سب کو ایک ہی چوکھٹ پر جھکایا تھا، اور سب کو ایک ہی رشتۂ اخوت میں جکڑ دیا تھا؟

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ (۵ : ۶۴)

ان لوگوں سے کہو کہ اے اہلِ کتاب! تم جو ہماری مخالفت میں کمربستہ ہوگئے ہو، تو بتلاؤ، اس کے سوا ہمارا جرم کیا ہے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں، اور جو کچھ ہم پر نازل ہوا ہے اور جو کچھ ہم سے پہلے نازل ہو چکا ہے، سب پر ایمان رکھتے ہیں؟ (پھر کیا خداپرستی اور خدا کے رسولوں کی تصدیق تمھارے نزدیک جرم ہو گئی؟) افسوس تم پر! تم میں اکثر ایسے ہی ہیں جو راہِ حق سے یکسر برگشتہ ہیں!

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ (۱۹ : ۳۶)

دیکھو، خدا تو میرا اور تمھارا، دونوں کا پروردگار ہے۔ پس اُسی کی بندگی کرو۔ یہی دین کی سیدھی راہ ہے!

قُلْ اَتُحَاۗجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَھُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ۝ (۲ : ۱۳۹)

(اے پیغمبر! ان سے) کہو، کیا تم خدا کے بارے میں ہم سے جھگڑتے ہو؟ حالانکہ ہمارا اور تمھارا، دونوں کا پروردگار وہی ہے۔ اور ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں، تمھارے لیے تمھارے اعمال (یعنی ہر انسان کو اس کے عمل کے مطابق نتیجہ ملنا ہے۔ پھر اس بارے میں جھگڑا کیوں ہو؟)

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ قرآن میں جہاں کہیں اس طرح کے خطابات ہیں، جیسا کہ آیاتِ متذکرۂ صدر میں ہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ، اللہ ہمارا اور تمھارا دونوں کا پروردگار ہے۔ یا اِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ

وَاحِدٌ۔ "ہمارا اور تمہارا، دونوں کا خدا ایک ہی ہے" یا "اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ" "کیا تم خدا کے بارے میں ہم سے جھگڑا کرتے ہو حالانکہ ہمارا تمہارا سب کا پروردگار وہی ہے اور ہمارے لیے ہمارے عمل ہیں تمہارے لیے تمہارے۔" تو ان تمام مخاطبات سے مقصود اسی حقیقت پر زور دینا ہے۔ یعنی جب سب کا پروردگار ایک ہی، اور ہر انسان کے لیے ویسا ہی نتیجہ ہو جیسا اس کا عمل ہو، تو پھر خدا اور مذہب کے نام پر یہ عالمگیر جنگ و جدال کیوں ہو رہا ہے؟ وہ بار بار کہتا ہے، میری تعلیم اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ خدا پرستی اور نیک عملی کی طرف بلاتا ہوں۔ میں کسی مذہب کو نہیں جھٹلاتا، میں کسی رہنما سے انکار نہیں کرتا۔ "سب کی یکساں تصدیق" اور "سب کی مشترکہ اور متفقہ تعلیم" میرا دستور العمل ہے۔ پھر میرے خلاف تمام پیروان مذہب نے کیوں اعلان جنگ کر دیا ہے؟

اور یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں، اس نے کسی مذہب کے پیرو سے بھی یہ مطالبہ نہیں کیا کہ وہ کوئی نیا عقیدہ یا نیا اصول قبول کرلے، بلکہ ہر گروہ سے یہی مطالبہ کرتا ہے کہ اپنے اپنے مذہب کی حقیقی تعلیم پر سچائی کے ساتھ کاربند ہو جائے۔ وہ کہتا ہے، اگر تم نے ایسا کر لیا، تو میرا کام پورا ہو گیا، کیونکہ میرا پیام کوئی نیا پیام نہیں ہے، وہی قدیم اور عالمگیر پیام ہے جو تمام بانیان مذاہب دے چکے ہیں:

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَیْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۚ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

(۵: ۶۸)

اے اہل کتاب! بے شک تم تورات اور انجیل پر اور ان تمام صحیفوں پر جو تم پر نازل ہوئے ہیں، ٹھیک ٹھیک کاربند نہ ہو جاؤ، اس وقت تک تمہارے پاس دین میں سے کچھ بھی نہیں ہے، اور (اے پیغمبر!) تمہارے پروردگار کی طرف سے جو کچھ تم پر نازل ہوا ہے (بجائے اس کے کہ یہ لوگ اس سے ہدایت حاصل کریں) تم دیکھو گے کہ ان میں سے بہتوں کا کفر و سرکشی اس کی وجہ سے اور زیادہ بڑھ جائے گا، تو جن لوگوں نے (راست بازی کی جگہ) انکار حق کی راہ اختیار کر لی ہو (اور وہ کبھی ماننے والے نہیں) تم ان کی حالت پر بیکار کو غم نہ کھاؤ۔ جو لوگ تم پر ایمان لائے ہیں، جو یہودی ہیں، جو صابی ہیں، جو نصاریٰ ہیں، ان میں سے کوئی ہو، خدا کا قانون یہ ہے کہ جو کوئی بھی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لائے گا اور اس کے عمل بھی نیک ہوں، تو اس کے لیے نہ تو کسی طرح کا خوف ہے اور نہ کسی طرح کی غمگینی!

یہی وجہ ہے کہ قرآن نے ان راست باز انسانوں کے ایمان و عمل کا پوری فراخ دلی کے ساتھ اعتراف کیا ہے، جو نزول قرآن کے وقت مختلف مذاہب میں موجود تھے، اور جنہوں نے اپنے مذہبوں کی حقیقی روح ضائع

نہیں کی تھی۔ البتہ وہ کہتا ہے، ایسے لوگوں کی تعداد بہت ہی کم ہے۔ غالب تعداد انہی لوگوں کی ہے جنہوں نے دین الٰہی کی اعتقادی اور عملی حقیقت یک قلم ضائع کر دی ہے:

لَيْسُوا سَوَآءً ۗ مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ أُمَّةٌ
قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ
وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ۝ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ
وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ
فِي الْخَيْرٰتِ ۗ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝
وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ۗ
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ۝

(۳ : ۱۱۳)

یہ بات نہیں ہے کہ سب ایک ہی طرح کے ہوں۔ انہی اہل کتاب میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ اصل دین پر قائم ہیں، وہ راتوں کو اللہ کے کلام کی تلاوت کرتے ہیں اور اس کے سامنے جھکے ہوتے ہیں! وہ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، نیکی کا حکم دیتے ہیں، برائی سے روکتے ہیں، نیکی کی راہوں میں تیزگام ہیں، اور بلاشبہ نیک انسانوں میں سے ہیں۔ اور (یاد رکھو) یہ لوگ جو کچھ بھی نیکی کرتے ہیں، تو ہرگز ایسا نہیں ہوگا کہ اس کی قدر نہ کی جائے (اور وہ رائیگاں جائے) اللہ کے علم سے انسانوں کا حال مخفی نہیں ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کون پرہیزگار ہے اور کون نہیں ہے!)

مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ۗ وَكَثِيْرٌ
مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ۝

(۵ : ۶۶)

ان میں ایک گروہ ایسے لوگوں کا ہے جو میانہ رو ہیں، لیکن بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے کہ جو کچھ بھی کرتے ہیں، بہت ہی برا کرتے ہیں!

یہ جو قرآن جابجا اس بات پر زور دیتا ہے کہ وہ پچھلی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے۔ جھٹلانے والا نہیں ہے، اور اہل کتاب کو بار بار کہتا ہے: وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ (۲ : ۴۱) اُس کتاب پر ایمان لاؤ جو تمہاری کتاب کی تصدیق کرتی ہوئی نمایاں ہوئی ہے، تو اس سے مقصود بھی اسی حقیقت پر بھی زور دینا ہے۔ یعنی جب میری تعلیم تمہارے مقدس نوشتوں کے خلاف کوئی نئی بات پیش نہیں کرتی، اور نہ اُن سے تمہیں منحرف کرانا چاہتی ہے، بلکہ سرتاسر اُنکی مصدق اور مؤید ہے، تو پھر تم میں اور مجھ میں نزاع کیوں ہو؟ کیوں تم میرے خلاف اعلان جنگ کرو؟

اور پھر یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں، اُس نے نیکی کے لیے "معروف" کا اور برائی کے لیے "منکر" کا لفظ اختیار کیا ہے۔ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ (۳۱ : ۱۷) معروف "عرف" سے ہے جس کے معنی پہچاننے کے ہیں۔ پس "معروف" وہ بات ہوئی جو جانی پہچانی ہوئی بات ہو۔ "منکر" کے معنی انکار کرنے کے ہیں۔ یعنی ایسی بات جس سے عام طور پر انکار کیا گیا ہو۔ پس قرآن نے نیکی اور برائی کے لیے یہ الفاظ اسلیے اختیار کیے کہ وہ کہتا ہے، دنیا میں عقائد و افکار کا کتنا ہی اختلاف ہو لیکن کچھ باتیں ایسی بھی

جن کے اچھے ہونے پر سب کا اتفاق ہے، اور کچھ باتیں ایسی ہیں، جنکے برے ہونے پر سب متفق ہیں، مثلاً اس بات میں سب کا اتفاق ہے کہ سچ بولنا اچھا ہے۔ جھوٹ بولنا برا ہے۔ اسمیں سب کا اتفاق ہے کہ دیانت داری اچھی بات ہے۔ بددیانتی برائی ہے۔ اس سے کسی کو اختلاف نہیں کہ ماں باپ کی خدمت، ہمسایوں سے سلوک، مسکینوں کی خبرگیری، مظلوم کی دادرسی، انسان کے اچھے اعمال ہیں، اور ظلم اور بدسلوکی برے اعمال ہیں۔ گویا یہ وہ باتیں ہوئیں، جن کی اچھائی عام طور پر جانی بوجھی ہوئی ہے، اور جنکے خلاف جانا عام طور پر قابل انکار و اعتراض ہے۔ دنیا کے تمام مذاہب، دنیا کے تمام اخلاق، دنیا کی تمام حکمتیں، دنیا کی تمام جماعتیں دوسری باتوں میں کتنا ہی اختلاف رکھتی ہوں، لیکن جہاں تک ان اعمال کا تعلق ہے، سب ہم آہنگ ہمراستے ہیں:

قرآن کہتا ہے، یہ اعمال جن کی اچھائی عام طور پر نوع انسانی سے جانی بوجھی ہوئی ہے، دین الٰہی کے مطلوبہ اعمال ہیں۔ اسی طرح وہ اعمال جن سے عام طور پر انکار کیا گیا ہے، اور جن کی برائی پر تمام مذاہب متفق ہیں، دین الٰہی کے ممنوعہ اعمال ہیں۔ یہ بات چونکہ دین کی اصل حقیقت تھی، اس لیے اسمیں اختلاف نہ ہو سکا، اور مذہبی گروہوں کی بے شمار گمراہیوں اور حقیقت فراموشیوں پر بھی ہمیشہ مسلم و مسلّم رہی۔ ان اعمال کی اچھائی اور برائی پر نوع انسانی کے تمام عہدوں، تمام مذہبوں، اور تمام قوموں کا عالمگیر اتفاق، اُن کی الہامی اصلیت پر ایک بہت بڑی دلیل ہے۔ پس جہاں تک اعمال کا تعلق ہے، میں انہی باتوں کے کرنے کا حکم دیتا ہوں، جن کی اچھائی عام طور پر جانی بوجھی ہوئی ہے۔ اور انہی باتوں سے روکتا ہوں جن سے عام طور پر نوع انسانی نے انکار کیا ہے۔ یعنی میں **معروف** کا حکم دیتا ہوں، **منکر** سے روکتا ہوں۔ پس جب میری دعوت کا یہ حال ہے، تو پھر کسی انسان کو بھی جسے نیکی اور راستی سے اختلاف نہیں، کیوں مجھ سے اختلاف ہو؟

وہ کہتا ہے، یہی راہ عمل، نوع انسانی کے لیے خدا کا ٹھہرایا ہوا فطری دین ہے، اور فطرت کے قوانین میں کبھی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ یہی "**الدین القیم**" ہے۔ یعنی سیدھا اور درست دین جس میں کسی طرح کی کجی اور خامی نہیں۔ یہی "دین حنیف" ہے جس کی دعوت حضرت ابراہیم نے دی تھی۔ اسی کا نام میری اصطلاح میں "**الاسلام**" ہے۔ یعنی خدا کے ٹھہرائے قوانین کی فرمانبرداری:

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا	دین کی راہ میں ہر طرف سے منہ پھیر کر صرف ایک خدا ہی کی طرف رخ کر لو
فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا	یہی خدا کی بناوٹ ہے جس پر اس نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی بناوٹ میں
لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ	کبھی تبدیلی نہیں۔ یہی دین کا سیدھا راستہ ہے، لیکن اکثر انسان ایسے ہیں

اُس نے دین کے لیے "الاسلام" کا لفظ اسی لیے اختیار کیا ہے کہ "اسلام" کے معنی کسی بات کے مان لینے اور فرماں برداری کرنے کے ہیں۔ وہ کہتا ہے دین کی حقیقت یہی ہے کہ خدا نے جو قانونِ سعادت انسان کے لیے ٹھہرا دیا ہے، اُس کی ٹھیک ٹھیک اطاعت کی جائے۔ وہ کہتا ہے، یہ کچھ انسان ہی کے لیے نہیں ہے، بلکہ تمام کائناتِ ہستی اسی اصل پر قائم ہے۔ سب کے بقا و قیام کے لیے خدا نے کوئی نہ کوئی قانونِ عمل ٹھہرا دیا ہے، اور سب اسکی اطاعت کر رہے ہیں۔ اگر ایک لمحہ کے لیے بھی روگردانی کریں، تو تمام کارخانۂ ہستی درہم برہم ہو جائے:

أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ۝ (۳ : ۸۳)

پھر کیا یہ لوگ چاہتے ہیں، اللہ کا ٹھہرایا ہوا دین چھوڑ کر کوئی دوسرا دین ڈھونڈھ نکالیں، حالانکہ آسمان اور زمین میں جو کوئی بھی مخلوق ہے سب چار و ناچار اُسی کے ٹھہرائے ہوئے قانونِ عمل کے آگے جھکی ہوئی ہے اور بالآخر سب کو اُسی کی طرف لوٹنا ہے!

وہ جب کہتا ہے: "الاسلام" کے سوا کوئی دین اللہ کے نزدیک مقبول نہیں، تو اسکا مطلب یہی ہوتا ہے کہ دینِ حقیقی کے سوا، جو ایک ہی ہے اور تمام رسولوں کی مشترک تعلیم ہے، انسانی ساخت کی کوئی گروہ بندی مقبول نہیں۔ سورۂ آل عمران میں جہاں یہ بات بیان کی ہے کہ دینِ حقیقی کی راہ تمام مذہبی رہنماؤں کی تصدیق اور پیروی کی راہ ہے، وہیں متصلاً یہ بھی کہدیا ہے:

وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝ (۳ : ۸۴)

اور جو کوئی اسلام کے سوا (یعنی عالمگیر سچائی اور تصدیق کی راہ کے سوا) کوئی دوسرا دین چاہے گا، تو یاد رکھو، اس کی راہ کبھی قبول نہ کی جائے گی، اور وہ آخرت میں دیکھے گا کہ اُس کی جگہ کمانے والوں میں نہیں بلکہ نقصان اُٹھانے والوں میں ہے!

اور اسی لیے وہ تمام پیروانِ دعوت کو بار بار متنبہ کرتا ہے کہ دین میں تفرقہ اور گروہ بندی سے بچیں، اور اسی گمراہی میں پھر مبتلا نہ ہو جائیں جس سے قرآن نے نجات دلائی ہے۔ وہ کہتا ہے: میری دعوت نے تمام انسانوں کو جو مذہب کے نام پر ایک دوسرے کے دشمن ہو رہے تھے، خدا پرستی کی راہ میں اس طرح جوڑ دیا، کہ ایک دوسرے کے جاں نثار بھائی بن گئے۔ ایک یہودی جو پہلے حضرت مسیح کا نام سنتے ہی نفرت سے بھر جاتا تھا، ایک عیسائی جو ہر یہودی کے خون کا پیاسا تھا، ایک مجوسی جسکے نزدیک تمام غیر مجوسی ناپاک تھے، ایک عرب جو اپنے سوا سب کو انسانی شرف و محاسن سے تہی دست سمجھتا تھا، ایک صابی جو یقین کرتا تھا کہ دنیا کی قدیم سچائی صرف اُسی کے حصے میں آئی ہے! ان سب کو دعوتِ قرآنی نے

ایک صف میں کھڑا کر دیا ہے، اور اب یہ سب ایک دوسرے سے نفرت کرنے کی جگہ، ایک دوسرے کے مذہبی رہنماؤں کی تصدیق کرتے، اور سب کی بتلائی ہوئی متفقہ راہِ ہدایت پر گامزن ہیں:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۪ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝

(۳ : ۹۸)

اور (دیکھو) سب مل جل کر اللہ کی رسّی مضبوط پکڑ لو، اور جدا جدا نہ ہو۔ اللہ نے تم پر جو فضل و کرم کیا ہے، اُسے یاد کرو۔ تمہارا حال یہ تھا کہ ایک دوسرے کے دشمن ہو رہے تھے، لیکن اللہ نے تمہارے دلوں کو باہمدگر الفت پیدا کر دی، اور پھر ایسا ہوا کہ بھائی بھائی ہو گئے! اور (دیکھو) تمہارا تو یہ حال تھا، گویا آگ سے بھرا ہوا ایک گڑھا ہے اور تم کنارے کھڑے ہو، لیکن اللہ نے تمہیں اس مصیبت سے بچا لیا (اور زندگی و کامرانی کی شاہراہ پر پہنچا دیا) اللہ اسی طرح اپنی کارفرمائیوں کی نشانیاں تم پر واضح کرتا ہے، تاکہ ہدایت پاؤ (اور گمراہی سے محفوظ رہو)

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَھُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَھُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝

(۳ : ۱۰۱)

اور (دیکھو) ان لوگوں کی سی چال اختیار نہ کر لینا جو ایک دین پر قائم رہنے کی جگہ، جدا جدا ہو گئے اور اختلافات میں پڑ گئے، باوجودیکہ روشن دلیلیں ان کے سامنے آ چکی تھیں (یاد رکھو) یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے (کامیابی و فلاح کی جگہ) بڑا بھاری عذاب ہے!

وَاَنَّ ھٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝

(۶ : ۱۵۵)

اور (دیکھو) یہ میری راہ ہے، بالکل سیدھی راہ۔ پس اسی ایک راہ پر چلو، اور طرح طرح کی راہوں کے پیچھے نہ پڑ جاؤ کہ وہ تمہیں خدا کی راہ سے ہٹا کر جدا جدا کر دیں گی۔ یہی بات ہے جس کا خدا تمہیں حکم دیتا ہے تاکہ تم (نافرمانی سے) بچو۔

قرآن اور اُس کے مخالفوں میں بنائے نزاع

اب چند لمحوں کے لیے اُس نزاع پر غور کرو جو قرآن اور اُس کے مخالفوں میں پیدا ہو گئی تھی۔ یہ مخالف کون تھے؟ پچھلے مذاہب کے پیرو تھے۔ جن میں سے بعض کے پاس کتاب تھی، بعض کے پاس نہ تھی۔

اچھا، بنائے نزاع کیا تھی؟

کیا یہ تھی کہ قرآن نے اُن کے بانیوں اور رہنماؤں کو جھٹلایا تھا، یا اُن کی مقدس کتابوں سے انکار

کیا تھا؟ اور اس لیے وہ اس کی مخالفت میں کمربستہ ہوگئے تھے؟

کیا یہ تھی کہ اس نے دعویٰ کیا تھا، خدا کی سچائی صرف میرے ہی حصہ میں آئی ہے، اور تمام پیروانِ مذاہب کو چاہیے، اپنے اپنے مذہبوں کی دعوت سے برگشتہ ہوجائیں؟

یا پھر اس نے دین کے نام سے کوئی ایسی بات پیش کر دی تھی جو پیروانِ مذاہب کے لیے بالکل نئی بات تھی، اور اس لیے قدرتی طور پر انہیں ماننے میں تامل تھا؟

قرآن کے صفحے کھلے ہوئے ہیں، اور اس کے نزول کی تاریخ بھی دنیا کے سامنے ہے۔ یہ دونوں بتلاتے ہیں کہ ان تمام باتوں میں سے کوئی بات بھی نہ تھی، اور نہ ہو سکتی تھی۔ اس نے نہ صرف ان تمام رہنماؤں کی تصدیق کی جن کے نام لیوا اس کے سامنے تھے، بلکہ صاف صاف لفظوں میں کہہ دیا، مجھ سے پہلے جتنے بھی رسول اور مذاہب کے بانی آچکے ہیں، میں سب کی تصدیق کرتا ہوں، اور ان میں سے کسی ایک کے انکار کو بھی خدا کی سچائی کا انکار سمجھتا ہوں۔ اس نے کسی مذہب کے ماننے والے سے یہ مطالبہ نہیں کیا کہ وہ اپنے مذہب کی تعلیم سے انکار کردے، بلکہ جب کبھی مطالبہ کیا تو یہی کیا کہ اپنے اپنے مذہبوں کی حقیقی تعلیم پر کاربند ہو جاؤ، کیونکہ تمام مذہبوں کی اصل تعلیم ایک ہی ہے۔ اس نے نہ تو کوئی نیا اصول پیش کیا، نہ کوئی نیا عمل بتلایا، اس نے ہمیشہ انہیں باتوں پر زور دیا جو دنیا کے تمام مذاہب کی سب سے زیادہ جانی بوجھی ہوئی باتیں رہی ہیں، یعنی ایک پروردگارِ عالم کی پرستش اور نیک عملی کی زندگی۔ اس نے جب کبھی لوگوں کو اپنی طرف دعوت دی ہے تو یہی کہا ہے، اپنے اپنے مذہبوں کی حقیقی تعلیم از سرِ نو تازہ کر لو، تمہارا ایسا کرنا ہی مجھے قبول کر لینا ہے۔

سوال یہ ہے کہ جب قرآن کی دعوت کا یہ حال تھا، تو پھر آخر نزاع کس بات کی تھی، اور اس کے مخالفوں میں وجہ نزاع کیا تھی؟ ایک شخص جو کسی کو برا نہیں کہتا، سب کو مانتا اور سب کی تعظیم کرتا ہے، اور ہمیشہ انہی باتوں کی تلقین کرتا ہے جو سب کے یہاں مانی ہوئی ہیں، تو کوئی اس سے لڑے تو کیوں لڑے، اور کیوں لوگوں کو اس کا ساتھ دینے سے انکار ہو؟

کہا جا سکتا ہے کہ قریش مکہ کی مخالفت اس بنا پر تھی کہ قرآن نے بت پرستی سے انکار کر دیا تھا، اور وہ بت پرستی کے طریقوں سے مالوف ہو چکے تھے۔ بلاشبہ یہ ایک نزاع بھی ہے، لیکن صرف یہی وجہ نزاع نہیں ہو سکتی۔ سوال یہ ہے کہ یہودیوں نے کیوں مخالفت کی جو بت پرستی سے قطعاً کنارہ کش تھے؟ عیسائی کیوں برسرِ پیکار ہو گئے جنہوں نے کبھی بت پرستی کی حمایت کا دعویٰ نہیں کیا؟

اصل یہ ہے کہ پیروانِ مذاہب کی مخالفت اس لیے نہ تھی کہ وہ انہیں جھٹلاتا کیوں ہے، بلکہ اس لیے تھی کہ جھٹلاتا کیوں نہیں؟ ہر مذہب کا پیرو چاہتا تھا، وہ صرف اسی کو سچا کہے، باقی سب کو جھٹلائے، اور چونکہ وہ

یکساں طور پر سب کی تصدیق کرتا تھا، اسلیئے کوئی بھی اُس سے خوش نہیں ہو سکتا تھا۔ یہودی اس بات سے تو بہت خوش تھے کہ قرآن حضرت موسیٰؑ کی تصدیق کرتا ہے۔ لیکن وہ صرف اتنا ہی نہیں کرتا تھا۔ وہ حضرت مسیحؑ کی بھی تصدیق کرتا تھا۔ اور یہیں آکر انہیں اور یہودیوں میں نزاع شروع ہو جاتی تھی۔ عیسائیوں کو اسپر کیا اعتراض ہو سکتا تھا کہ حضرت مسیحؑ اور حضرت مریمؑ کی پاکی و صداقت کا اعلان کیا جائے؟ لیکن قرآن صرف اتنا ہی نہیں کرتا تھا، وہ یہ بھی کہتا تھا کہ نجات کا دار و مدار عمل پر ہے نہ کہ کفارہ اور اصطباغ پر، اور قانونِ نجات کی یہ عالمگیر وسعت عیسائی کلیسا کے لیئے ناقابل برداشت تھی۔

اسی طرح قریش مکہ کے لیئے اس سے بڑھکر کوئی دلخوش کن صدا نہیں ہو سکتی تھی کہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کی بزرگی کا اعتراف کیا جائے، لیکن جب وہ دیکھتے تھے کہ قرآن جس طرح ان دونوں کی بزرگی کا اعتراف کرتا ہے، اُسی طرح یہودیوں کے پیغمبروں اور عیسائیوں کے داعی کا بھی معترف ہے، تو ان کے نسلی اور جاہلی غرور کو ٹھیس لگتی تھی۔ وہ کہتے تھے، ایسے لوگ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کے پیرو کیونکر ہو سکتے ہیں، جو انکی بزرگی اور صداقت کی صف میں دوسروں کو بھی لا کھڑا کرتے ہیں؟

مختصراً یوں سمجھنا چاہیئے کہ قرآن کے تین اصول ایسے تھے، جو اُس میں اور تمام پیروانِ مذاہب میں وجہ نزاع ہو گئے:

(۱) وہ مذہبی گروہ بندی کی روح کا مخالف تھا، اور دین کی وحدت یعنی ایک ہونے کا اعلان کرتا تھا۔ اگر پیروانِ مذاہب یہ مان لیتے، تو انہیں تسلیم کر لینا پڑتا کہ دین کی سچائی کسی ایک ہی گروہ کے حصہ میں نہیں آئی ہے۔ سب کو یکساں طور پر ملی ہے، لیکن یہی ماننا انکی گروہ پرستی پر شاق گزرتا تھا۔

(۲) قرآن کہتا تھا، نجات اور سعادت کا دار و مدار عمل پر ہے۔ نسل، قوم، گروہ بندی اور ظاہری رسم و ریت پر نہیں ہے۔ اگر یہ اصل وہ تسلیم کر لیتے، تو پھر نجات کا دروازہ بلا امتیاز، تمام نوعِ انسانی پر کھل جاتا، اور کسی ایک مذہبی حلقہ کی ٹھیکہ داری باقی نہ رہتی، لیکن اس بات کے لیئے اُن میں سے کوئی بھی تیار نہ تھا۔

(۳) وہ کہتا تھا، اصل دین خدا پرستی ہے، اور خدا پرستی یہ ہے کہ ایک خدا کی براہ راست پرستش کی جائے، لیکن دنیا کے تمام مذہبی گروہوں نے کسی نہ کسی شکل میں شرک و بت پرستی کے طریقے اختیار کر لیئے تھے۔ اور گو انہیں اس سے انکار نہ تھا کہ اصل دین خدا پرستی ہی ہے اور خدا ایک ہی ہے، لیکن یہ

بات شاق گزرتی تھی کہ اپنے مالوف و معتاد طریقوں سے دست بردار ہو جائیں۔

خلاصۂ بحث | متذکرۂ صدر تفصیلات کا ماحصل حسب ذیل دفعات میں بیان کیا جا سکتا ہے:

(۱) نزول قرآن کے وقت دنیا کا مذہبی تخیل اس سے زیادہ وسعت نہیں رکھتا تھا کہ نسلوں، خاندانوں، اور قبیلوں کی معاشرتی حد بندیوں کی طرح، مذہب کی بھی ایک خاص گروہ بندی کر لی گئی تھی۔ ہر گروہ بندی کا آدمی سمجھتا تھا، دین کی سچائی صرف اسی کے حصہ میں آئی ہے۔ جو انسان اس کی مذہبی حد بندی داخل ہو، نجات یافتہ ہے، جو داخل نہیں ہے، نجات سے محروم ہے۔

(۲) ہر گروہ کے نزدیک مذہب کی اصل و حقیقت محض اسکے ظاہری اعمال و رسوم تھے۔ جونہی ایک انسان انہیں اختیار کر لیتا، یقین کیا جاتا کہ نجات و سعادت اسے حاصل ہو گئی۔ مثلاً عبادت کی شکل و طریقہ، قربانیوں کے رسوم و عوائد، کسی خاص طعام کا کھانا یا نہ کھانا، کسی خاص وضع و قطع کا اختیار کرنا یا نہ کرنا۔

(۳) چونکہ یہ اعمال و رسوم ہر مذہب میں الگ الگ تھے، اسلئے ہر مذہب کا پیرو یقین کرتا تھا کہ دوسرا مذہب مذہبی صداقت سے خالی ہے۔ کیونکہ اُسکے اعمال و رسوم ویسے نہیں ہیں، جیسے خود اُس نے اختیار کر رکھے ہیں۔

(۴) ہر مذہبی گروہ کا دعویٰ صرف یہی نہ تھا کہ وہ سچا ہے، بلکہ یہ بھی تھا کہ دوسرا جھوٹا ہے۔ نتیجہ یہ تھا کہ ہر گروہ صرف اتنے ہی پر قانع نہیں رہتا کہ اپنی سچائی کا اعلان کرے، بلکہ یہ بھی ضروری سمجھتا کہ دوسروں کے خلاف تعصب و نفرت پھیلائے۔ اس صورتِ حال نے نوعِ انسانی کو ایک دائمی جنگ و جدال کی حالت میں مبتلا کر رکھا تھا۔ مذہب اور خدا کے نام پر ہر گروہ دوسرے گروہ سے نفرت کرتا اور اُسکا خون بہانا جائز سمجھتا۔

(۵) لیکن قرآن نے نوعِ انسانی کے سامنے مذہب کی عالمگیر سچائی کا اصول پیش کیا:

(الف) اُس نے نہ صرف یہی بتلایا کہ ہر مذہب میں سچائی ہے، بلکہ صاف صاف کہہ دیا کہ تمام مذاہب سچے ہیں۔ اُس نے کہا کہ دین خدا کی عالمگیر بخشش ہے اس لئے ممکن نہیں کہ کسی ایک قوم اور جماعت ہی کو دیا گیا ہو، اور دوسروں کا اس میں کوئی حصہ نہ ہو۔

(ب) اُس نے کہا، خدا کے تمام قوانینِ فطرت کی طرح انسان کی روحانی سعادت کا قانون بھی ایک ہی ہے، اور سب کے لئے ہے۔ پس پیروانِ مذاہب کی سب سے بڑی گمراہی

یہ ہے کہ انھوں نے دینِ الٰہی کی وحدت فراموش کرکے الگ الگ گروہ بندیاں کرلی ہیں، اور ہر گروہ بندی دوسری گروہ بندی سے لڑ رہی ہے۔

(ج) اُس نے بتلایا کہ خدا کا دین اسلیئے تھا کہ نوعِ انسانی کا تفرقہ اور اختلاف دُور ہو۔ اِس لیئے نہ تھا کہ تفرقہ و نزاع کی ایک علت بن جائے۔ پس اِس سے بڑھکر گمراہی اور کیا ہو سکتی ہے کہ جو چیز تفرقہ دور کرنیکے لیئے آئی تھی، اُسی کو تفرقہ کی بنیاد بنالیا ہے؟

(د) اُس نے بتلایا کہ ایک چیز دین ہے، ایک شرع و منہاج ہے۔ دین ایک ہی ہے، اور ایک ہی طرح پر سب کو دیا گیا ہے۔ البتہ شرع و منہاج میں اختلاف ہوا، اور یہ اختلاف ناگزیر تھا۔ کیونکہ ہر عہد اور ہر قوم کی حالت یکساں نہ تھی، اور ضروری تھا کہ جیسی جس کی حالت ہو، ویسے ہی احکام و اعمال اُسکے لیئے اختیار کیئے جائیں۔ پس شرع و منہاج کے اختلاف سے اصل دین مختلف نہیں ہو جا سکتے۔ تم نے دین کی حقیقت تو فراموش کر دی ہے۔ محض شرع و منہاج کے اختلاف پر ایک دوسرے کو جھٹلا رہے ہو۔

(ہ) اُس نے بتلایا کہ تمہاری مذہبی گروہ بندیوں اور اُنکے ظواہر و رسوم کو انسانی نجات و سعادت میں کوئی دخل نہیں۔ یہ گروہ بندیاں تمہاری بنائی ہوئی ہیں ورنہ خدا کا ٹھہرایا ہوا دین تو ایک ہی ہے۔ وہ دینِ حقیقی کیا ہے؟ وہ کہتا ہے ایک خدا کی پرستش اور نیک عملی کی زندگی۔ جو انسان بھی ایمان اور نیک عملی کی راہ اختیار کرے گا، اُسکے لیئے نجات ہے، خواہ وہ تمہاری گروہ بندیوں میں داخل ہو یا نہ ہو۔

(و) اُس نے صاف صاف لفظوں میں اعلان کر دیا کہ اُسکی دعوت کا مقصد اِسکے سوا کچھ نہیں ہے کہ تمام مذاہب اپنی مشترک و متفقہ سچائی پر جمع ہو جائیں۔ وہ کہتا ہے، تمام مذاہب سچے ہیں، لیکن پیروانِ مذاہب سچائی سے منحرف ہو گئے ہیں۔ اگر وہ اپنی فراموش کردہ سچائی ازسرِ نو اختیار کرلیں، تو میرا کام پورا ہو گیا اور انھوں نے مجھے قبول کر لیا۔ تمام مذاہب کی یہی مشترک اور متفقہ سچائی ہے جسے "اَلدِّین" اور "الاسلام" کے نام سے پکارتا ہے۔

(ز) وہ کہتا ہے، خدا کا دین اسلیئے نہیں ہو کہ ایک انسان دوسرے انسان سے

نفرت کرے، بلکہ ایسا ہو کہ ہر انسان دوسرے سے محبت کرے، اور سب ایک ہی پروردگار کے رشتۂ عبودیت میں بندھ کر ایک ہو جائیں۔ وہ کہتا ہے، جبکہ سب کا پروردگار ایک ہی، جب سب کا مقصود اسی کی بندگی ہے، جب ہر انسان کیلئے وہی ہونا ہے، جیسا اس کا عمل ہو، تو پھر خدا اور مذہب کے نام پر یہ تمام جنگ نزاع کیوں ہو؟

(۶) مذاہب عالم کا اختلاف صرف اختلاف ہی کی حد تک نہیں رہا ہے، بلکہ باہمی نفرت و مخاصمت کا ذریعہ بن گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ مخاصمت کیونکر دور ہو؟ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ تمام پیروان مذاہب اپنے دعوے میں سچے مان لیے جائیں، کیونکہ ہر مذہب کا پیرو صرف اسی بات کا مدعی نہیں ہے کہ وہ سچا ہے، بلکہ اسکا بھی مدعی ہے کہ دوسرے جھوٹے ہیں۔ پس اگر انکے دعاوی مان لیے جائیں تو تسلیم کرنا پڑیگا کہ ہر مذہب بہ یک وقت سچا بھی ہے اور جھوٹا بھی ہے۔ یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ سب کو جھوٹا قرار دیا جائے کیونکہ اگر تمام مذاہب جھوٹے ہیں، تو پھر مذہب کی سچائی ہے کہاں؟ پس اگر کوئی صورت رفع نزاع کی ہو سکتی ہے، تو وہ وہی ہے جس کی دعوت لیکر قرآن نمودار ہوا ہے۔ تمام مذاہب سچے ہیں کیونکہ اصل دین ایک ہی ہے اور وہ سب کو دیا گیا ہے، لیکن تمام پیروان مذاہب سچائی سے منحرف ہو گئے ہیں کیونکہ انھوں نے دین کی حقیقت اور وحدت ضائع کر دی ہے، اور اپنی گمراہیوں کی الگ الگ ٹولیاں بنالی ہیں۔ اگر ان گمراہیوں سے لوگ باز آجائیں، اور اپنے اپنے مذہب کی حقیقی تعلیم پر کاربند ہو جائیں، تو مذاہب کی تمام نزاعات ختم ہو جائیں گی۔ ہر گروہ دیکھ لیگا کہ اسکی راہ بھی اصلاً وہی ہے جو اور تمام گروہوں کی راہ ہے۔ قرآن کہتا ہے، تمام مذاہب کی یہی مشترک اور متفقہ حقیقت "الدین" ہے۔ یعنی نوع انسانی کے لیے حقیقی دین، اور اسی کو وہ "الاسلام" کے نام سے پکارتا ہے!

(۷) نوع انسانی کی باہمی یگانگت اور اتحاد کے جتنے رشتے بھی ہو سکتے تھے، سب انسان کے ہاتھوں ٹوٹ چکے۔ سب کی نسل ایک تھی، مگر ہزاروں نسلیں بن گئیں۔ سب کی قومیت ایک تھی، مگر بے شمار قومیتیں بن گئیں۔ سب کی جنسیت ایک تھی، لیکن سیکڑوں جنسیتوں میں بٹ گئے۔ سب کا درجہ ایک تھا، لیکن امیر و فقیر، شریف و وضیع، اور ادنیٰ و اعلیٰ کے بہت سے درجے ٹھہرا لیے گئے۔ ایسی حالت میں کون سا رشتہ ہے جو ان تمام تفرقوں پر غالب آسکتا ہے اور تمام انسانوں کو ایک ہی صف میں کھڑے ہونے دے سکتا ہے؟ قرآن کہتا ہے کہ خدا پرستی کا رشتہ۔ یہی ایک رشتہ ہے جو انسانیت کا بچھڑا ہوا گھرانا پھر آباد کر دے سکتا ہے۔ یہ اعتقاد کہ ہم سب کا پروردگار ایک ہی پروردگار ہے اور ہم سب کے سر اسی ایک کی چوکھٹ پر جھکے ہوتے ہیں، یک جہتی و یگانگت کا ایسا جذبہ پیدا کر دیتا ہے، کہ ممکن نہیں انسان کے بنائے ہوئے تفرقے اس پر غالب آسکیں۔

صراطِ مستقیم

چنانچہ اسی بنا پر سورۂ فاتحہ میں جس دعا کی تلقین کی گئی وہ "صراطِ مستقیم" پر چلنے کی طلبگاری ہے۔ "صراط" کے معنی راہ کے ہیں، اور "مستقیم" کے سیدھا ہونے کے۔ پس صراطِ مستقیم ایسی راہ ہوئی جو سیدھی ہو۔ کسی طرح کا پیچ و خم نہ ہو۔ پھر اس راہ کی پہچان یہ بتلائی کہ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ۔ یعنی ان لوگوں کی راہ جن پر خدا کا انعام ہوا۔ ان کی راہ نہیں جو مغضوب ہوئے، نہ ان کی جو گمراہ ہیں۔

یہ انعام یافتہ انسان کون ہیں جن کی راہ سیدھی راہ ہوئی؟ قرآن نے جابجا واضح کیا ہے کہ خدا کے تمام رسول اور راست باز انسان جو دنیا کے مختلف عہدوں اور گوشوں میں گزر چکے ہیں، انعام یافتہ انسان ہیں، اور انہیں کی راہ صراطِ مستقیم ہے:

وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ ۚ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا (۴: [illegible])

اور جس کسی نے اللہ اور رسول کی اطاعت کی، تو بلاشبہ وہ ان لوگوں کا ساتھی ہے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے۔ اور یہ انعام یافتہ جماعت نبیوں کی ہے، صدیقوں کی ہے، شہیدوں کی ہے، نیک عمل انسانوں کی ہے، اور جس کے ساتھی ایسے لوگ ہوں تو کیا ہی اچھی اُنکی رفاقت ہو!

اس آیت میں بالترتیب چار جماعتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور انہیں انعام یافتہ قرار دیا ہے۔ انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین۔ "انبیاء" سے مقصود خدا کی سچائی کے تمام پیغامبر ہیں جو نوعِ انسانی کی ہدایت کیلئے پیدا ہوئے۔ "صدیق" سے مقصود ایسے انسان ہیں جو کامل معنوں میں سچے ہوں۔ یعنی اُنکی فطرت سچائی کے سانچے میں کچھ اس طرح ڈھلی ہوئی ہو کہ سچائی کے خلاف کوئی بات اُس میں اتر ہی نہ سکے۔ "شہید" کے معنی گواہ کے ہیں۔ یعنی ایسے انسان جو اپنے قول و فعل سے حق و صداقت کا اعلان کرنے والے ہوں۔ "صالحین" سے مقصود وہ تمام انسان ہیں جو نیک عملی کی راہ میں استقامت رکھیں، اور برائی کی راہوں سے کنارہ کش ہوں۔ پس معلوم ہوا، انعام یافتہ انسانوں سے مقصود دنیا کے تمام رسول اور داعیانِ حق ہیں جو قرآن کے نزول سے پہلے دنیا میں پیدا ہو چکے تھے، اور تمام راست باز انسان ہیں جو نوعِ انسانی میں گزر چکے تھے۔ اس میں نہ تو کسی خاص نسل و قوم کی خصوصیت رکھی گئی ہے، نہ کسی خاص مذہب اور اُسکے پیروؤں کی۔ دنیا کے تمام نبی، تمام صدیق، تمام شہدائے حق، تمام صالح انسان، خواہ کسی ملک و قوم میں ہوئے ہوں، قرآن کے نزدیک انعام یافتہ انسان ہیں، اور انہی کی راہ صراطِ مستقیم ہے۔

خدا کے ان تمام رسولوں اور نوعِ انسانی کے راست باز افراد کی راہ کونسی راہ تھی؟ وہی راہ جسے قرآن دینِ حقیقی کی راہ قرار دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے، دنیا میں جسقدر بھی سچائی کے داعی آئے سب نے یہی تعلیم دی کہ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ! "خدا کا ایک ہی دین قائم رکھو، اور اس راہ میں جُدا جُدا نہ ہو جاؤ" یہی راہ سچائی کی سیدھی راہ ہے۔

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے جا بجا دینِ حقیقی کو صراطِ مستقیم سے بھی تعبیر کیا ہے۔ سورۂ شوریٰ میں پیغمبرِ اسلام کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے، تم صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت کرنیوالے ہو، اور صراطِ مستقیم ہی صراطُ اللہ ہے۔ یعنی اللہ کی ٹھہرائی ہوئی راہِ عمل:

وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ صِرَاطِ اللَّهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ أَلَا إِلَى اللَّهِ تَصِيرُ الْأُمُورُ ۝ (٤٢ : ٥٣)	اور (اے پیغمبر) بلاشبہ تم صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت کرنے والے ہو، صراطُ اللہ یعنی اللہ کی راہ کی طرف۔ وہ اللہ کہ آسمان و زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے۔ ہاں، یاد رکھو کہ کائناتِ خلقت کے تمام کاموں کا مرجع اسی کی ذات ہو!

اسی طرح وہ جا بجا کہتا ہے کہ خدا کے تمام رسولوں کی دعوت صراطِ مستقیم کی دعوت تھی۔ سورۂ نحل میں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی نسبت ہو: وَهَدَاهُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝ (١٦ : ١٢١) سورۂ زخرف میں حضرت مسیح (علیہ السلام) کی زبانی سُنتے ہیں: إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۚ هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ۝ (٤٣ : ٦٤) سورۂ انعام میں پہلے حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیمؑ کا ذکر کیا ہے، پھر سلسلۂ ابراہیمی کے بہت سے نبیوں کا جو تورات کی مشہور شخصیتیں ہیں، خصوصیت کے ساتھ نام لیا ہے۔ اسکے بعد کہا ہے: وَاجْتَبَيْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ (٦ : ٨٠

اصل یہ ہو کہ خدا کے عالمگیر دین کی حقیقت ظاہر کرنیکے لیے صراطِ مستقیم سے بہتر تعبیر نہیں ہوسکتی تھی۔ تم کسی خاص مقام تک پہنچنے کے لیے کتنی ہی راہیں نکال لو، لیکن سیدھی راہ ہمیشہ ایک ہی ہوگی، اور اسی پر چلکر ہر مسافر منزلِ مقصود تک بحفاظت و امن پہنچ سکے گا۔ علاوہ بریں، سیدھی راہ ہی ہمیشہ شاہراہِ عام کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ تمام مسافر خواہ کسی گوشے کے رہنے والے ہوں، لیکن سب مل جُلکر وہی راہ اختیار کرینگے، اور کبھی یہ نہ کرینگے کہ الگ الگ ٹولیاں بنا کر ٹیڑھی ترچھی راہوں میں متفرق ہو جائیں۔ قرآن کہتا ہے کہ ٹھیک اسی طرح دین کی سیدھی راہ بھی ایک ہی ہے، بہت سی نہیں ہوسکتیں، اور وہ اوّل دن سے موجود ہے۔ ہر عہد، ہر قوم، ہر ملک، اور ہر گروہ اُسی پر چلکر منزلِ مقصود تک پہنچا ہو: بعد کو پیروانِ مذہب نے ایسا کیا کہ بہت سی ٹیڑھی ترچھی راہیں نکال لیں، اور ایک راہ پر متفق رہنے کی

جگہ، الگ الگ ٹولیاں بنکر، متفرق ہو گئے۔ وہ کہتا ہے، اب اگر تم چاہتے ہو کہ منزل مقصود کا سراغ پاؤ، تو چاہیے کہ اُسی سیدھی راہ پر لگے ہو جاؤ۔ فهو طريقاً مستقيماً، سهلاً، مسلوكاً، واسعاً، موصلاً الى المقصود!

وَأَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ (۶ : ۱۵۳)

اور دیکھو، یہ میری راہ ہے۔ بالکل سیدھی راہ۔ پس اسی ایک راہ پر چلو اور طرح طرح کے رستوں کے پیچھے نہ پڑو۔ وہ تمہیں خدا کی سیدھی راہ سے ہٹاکر، جدا جدا کر دیں گے۔ یہی بات ہے جس کا خدا تمہیں حکم دیتا ہے تاکہ تم گمراہی سے بچو!

چنانچہ یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے جب "صراط مستقیم" کی اُس تفسیر پر نظر ڈالی جائے جو خود پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمائی ہے:

عن ابن مسعود رضـ قال خط لنا رسول الله صلى الله عليه وسلم خطا بيده ثم قال هذا سبيل الله مستقيما ثم خط خطوطا عن يمين ذلك الخط وعن شماله ثم قال وهذه السبل ليس منها سبيل الا عليه شيطان يدعو اليه ثم قرأ هذه الآية (اخرجه النسائي واحمد والبزاز وابن المنذر وابو الشيخ والحاكم وصححه)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلی سے ایک لکیر کھینچی اور فرمایا "یہ سمجھو کہ یہ لکیر اللہ کا ٹھہرایا ہوا راستہ ہے۔ بالکل سیدھا" پھر اس لکیر کے دونوں طرف بہت سی ترچھی لکیریں کھینچ دیں، اور فرمایا "یہ طرح طرح کے راستے ہیں جو بنا لیے گئے ہیں، اور ان میں کوئی راستہ نہیں جس کی طرف بلانے کیلئے ایک شیطان موجود نہ ہو۔" پھر یہ آیت پڑھی۔ وَأَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا الی آخرہ۔

اس سے معلوم ہوا، تمام اِدھر اُدھر کے ٹیڑھے ترچھے رستے "سُبل متفرقہ" ہیں جو جمعیت بشری کو متحد کرنے کی جگہ متفرق کر دیتے ہیں، اور درمیان کی ایک ہی سیدھی راہ "صراط مستقیم" ہے۔ یہ متفرق کرنے کی جگہ تمام رہروانِ منزل کو ایک ہی شاہراہ پر جمع کر دیتی ہے!

یہ سُبلِ متفرقہ کیا ہیں؟ اُسی گمراہی کا نتیجہ ہیں، جسے قرآن نے "تشیّع" اور "تحزّب" کی گمراہی سے تعبیر کیا ہے، اور تشریح اسکی اوپر گزر چکی۔

دینِ حقیقی کی راہ کا سیدھا ہونا، اور "سُبل متفرقہ" یعنی خود ساختہ گروہ بندیوں کی راہوں کا

بوجھ و خم ہونا، ایک ایسی حقیقت ہے جسے ہر انسان بغیر کسی عقلی کاوش کے سمجھ سکتا ہے۔ خدا کا دین اگر انسان کی ہدایت کیلئے ہو تو ضروری ہے کہ خدا کے تمام قوانین کی طرح یہ بھی صاف اور واضح ہو، اس میں کوئی راز نہ ہو، کوئی پیچیدگی نہ ہو، ناقابلِ حل معمّا نہ ہو۔ اعتقاد میں سہل ہو اور عمل میں ہلکا۔ ہر عقل اسے بوجھ لے۔ اور ہر طبیعت اس پر مطمئن ہو جائے۔ اچھا، اب غور کرو، یہ تعریف کس راہ پر صادق آتی ہے؟ ان مختلف راہوں پر جو پیروانِ مذاہب نے الگ الگ گروہ بندیاں کر کے نکال لی ہیں یا اس ایک ہی راہ پر جسے قرآن اصل دین کی راہ بتلاتا ہے؟ ان گروہ بندیوں میں سے کوئی گروہ بندی بھی ایسی نہیں ہے جو اپنے بوجھل عقیدوں، ناقابلِ فہم معتقدوں، اور ناقابلِ برداشت عملوں کی ایک طویل فہرست نہ رکھتی ہو۔ ہم یہاں تفصیلات میں نہیں جائیں گے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ دنیا کے تمام پیروانِ مذاہب کے مزعومہ عقائد و اعمال کا کیا حال ہے، اور ان کی نوعیت کیسی ہے؟ مذہب کا عقل کیلئے معمّا اور طبیعت کے لیے بوجھ ہونا، ایک ایسی بات ہو جو عام طور پر مذاہب کا خاصّہ تسلیم کر لی گئی ہے لیکن قرآن جس راہ کو دینِ حقیقی کی راہ کہتا ہے، اس کا کیا حال ہے؟ اس کی راہ تو اتنی واضح، اتنی ٹھیک اتنی سہل، اتنی مختصر ہے، کہ عقائد و اعمال کی پوری فہرست صرف دو لفظوں میں ختم کر دی جا سکتی ہے: ایمان اور عملِ صالح یعنی خدا پرستی اور نیک عملی۔ اس کے عقائد میں عقل کے لیے کوئی بوجھ نہیں، اس کے اعمال میں طبیعت کیلئے کوئی سختی نہیں۔ ہر طرح کے پیچ و خم سے پاک۔ ہر معنی میں اعتقاد و عمل کی سیدھی سے سیدھی بات۔ حنیفیۃ السمحۃ، لیلھا کنہارھا! اس کی رات بھی اس کے دن کی طرح روشن ہے!

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا — ہر طرح کی ستائش اللہ ہی کے لیے ہے جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی، اور اس میں کسی طرح کی کجی نہ رکھی۔

(۱۸ : ۱)

بہر حال، قرآن کا پیرو وہ ہے جو دین کی سیدھی راہ پر چلنے والا ہے۔ وہ راہ نہیں جو کسی خاص گروہ، کسی خاص نسل، کسی خاص قوم، کسی خاص عہد کی راہ ہے، بلکہ خدا کی عالمگیر سچائی کی راہ جو ہر جگہ اور ہر عہد میں نمایاں ہوتی ہے، اور ہر طرح کی جغرافیائی اور جماعتی حد بندیوں کے امتیازات سے پاک ہے:

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ — اللہ میرا اور تمہارا، دونوں کا پروردگار ہے، پس اسی کی عبادت کرو، یہی صراطِ مستقیم ہے! ([illegible])

علاوہ بریں بحث و نظر کے بعض دوسرے پہلو بھی ہیں جو اس موقع پر پیشِ نظر رہنے چاہئیں:

اولاً فلاح و سعادت کی راہ کو "سیدھی راہ" سے تعبیر کیا گیا، اور "سیدھی راہ" پر چلنا ایک ایسی

بات ہے جس کی سمجھ اور طلب بالطبع ہر انسان کے اندر موجود ہے۔ پھر اِسکی پہچان بتلاتے ہوئے کوئی اس طرح کی تعریف نہیں کی گئی جسکے سمجھنے اور منطبق کرنے میں ذہنی کاوشوں کی ضرورت ہو، بلکہ ایک خاص طرح کے انسانوں کی طرف انگلی اٹھا دی کہ صراطِ مستقیم اِن لوگوں کی راہ ہے۔ اس اسلوبِ بیان نے ہر انسان کے سامنے صراطِ مستقیم کو ایک محسوس و مشہود صورت میں نمایاں کردیا۔ ہر انسان خواہ کسی عہد اور کسی ملک و قوم سے تعلق رکھتا ہو، لیکن اس بات سے بے خبر نہیں ہو سکتا کہ یہاں دو طرح کے انسان موجود ہیں۔ ایک وہ ہیں جن کی راہ سعادت و کامیابی کی راہ ہے۔ ایک وہ ہیں جن کے حصے میں محرومی و شقاوت آتی ہے۔ پس کامیابی کی راہ کی پہچان اس سے زیادہ بہتر اور مؤثر طریقہ سے بیان نہیں کی جا سکتی کہ وہ کامیاب انسانوں کی راہ ہے۔ اگر اس کی پہچان منطقی تعریفوں کی طرح بیان کیجاتی تو ظاہر ہے کہ نہ تو ہر انسان بغیر کاوش و فکر کے سمجھ سکتا، اور نہ قطعی طور پر کسی ایک راہ پر منطبق کی جا سکتی۔

ثانیاً جہاں تک انسانی فلاح و سعادت کا تعلق ہے، صراطِ مستقیم کی تعبیر ہی ہر لحاظ سے حقیقی اور قدرتی تعبیر ہو سکتی تھی۔ انسان کے فکر و عمل کا کوئی گوشہ ہو، لیکن صحت و درستگی کی راہ ہمیشہ وہی ہوگی جو سیدھی راہ ہو۔ جہاں انحراف و کجی پیدا ہوئی، نقص و فساد ظہور میں آگیا۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی تمام زبانوں میں سیدھا ہونا اور سیدھی چال چلنا، فلاح و سعادت کے معنوں میں عام طور پر بولا جاتا ہے، گویا اچھائی اور خوبی کے معنوں میں یہ ایک ایسی تعبیر ہے، جو تمام نوعِ انسانی کی عالمگیر تعبیر کہی جا سکتی ہے!

پس صراطِ مستقیم پر چلنے کی طلب، زندگی کی تمام راہوں میں درستگی و صحت کی راہ چلنے کی طلب ہوئی۔ اور اسی لیے، سعی و عمل کے ہر گوشہ میں، انعام یافتہ گروہ وہی ہو سکتا ہے جس کی راہ صراطِ مستقیم ہو!

المغضوب علیہم اور الضالین

پھر صراطِ مستقیم کی پہچان صرف اسکے مثبت پہلو ہی سے واضح نہیں کی گئی، بلکہ اس کا ضد و مخالف پہلو بھی واضح کردیا گیا: غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۝ ان کی راہ نہیں جو مغضوب ہوئے، اور نہ انکی جو گمراہ ہو کر بھٹک گئے۔

مغضوب علیہ گروہ "منعم علیہ" کی بالکل ضد ہے۔ کیونکہ انعام کی ضد غضب ہے۔ اور فطرتِ کائنات کا قانون یہ ہے کہ راست باز انسانوں کے حصے میں انعام آتا ہے، نافرمانوں کے حصے میں غضب۔ گمراہ وہ ہیں جو راہِ حق نہ پا سکے، اور انکی جستجو میں بھٹک گئے۔ پس مغضوب وہ ہوئے جنھوں نے راہ پائی

اور اسکی نعمتیں بھی پائیں، لیکن پھر اُس سے منحرف ہو گئے، اور نعمت کی راہ چھوڑ کر محرومی و شقاوت کی راہ اختیار کر لی۔ گمراہ وہ ہوئے جو راہ ہی نہ پا سکے، اس لیئے اِدھر اُدھر بھٹک رہے ہیں اور صراطِ مستقیم کی سعادتوں سے محروم ہیں۔

مغضوب علیہ کی محرومی، حصولِ معرفت کے بعد انکار کا نتیجہ ہے، اور گمراہ کی محرومی جہل کا نتیجہ۔ پہلے نے پاکر روگردانی کی، اس لیئے محروم ہوا، دوسرا پا ہی نہ سکا، اسلیئے محروم ہے۔ محروم دونوں ہوئے، مگر یہ ظاہر ہے کہ پہلے کی محرومی زیادہ مجرمانہ ہے۔ کیونکہ اُس نے نعمت حاصل کرکے پھر اُس سے روگردانی کی۔ اسی لیئے اُسے مغضوب کہا گیا، اور دوسرے کی حالت صرف گمراہی کے لفظ سے تعبیر کی گئی۔

ہم دیکھتے ہیں، دنیا میں فلاح و سعادت سے محروم آدمی ہمیشہ دو ہی طرح کے ہوتے ہیں جاحد اور جاہل۔ جاحد وہ ہوتا ہے جو حقیقت پالیتا ہے، بااینہمہ اُس سے روگردانی کرتا ہے۔ جاہل وہ ہوتا ہے جو حقیقت سے ناآشنا ہوتا ہے، اور اپنے جہل پر قانع ہو جاتا ہو پس صراطِ مستقیم پر چلنے کی طلبگاری کے ساتھ، محرومی و شقاوت کی اِن دونوں صورتوں سے بچنے کی طلب بھی سکھلا دی؟ تاکہ فلاح و سعادت کی راہ کا تصور ہر طرح کامل اور لغزشوں سے محفوظ ہو جائے۔

جہاں تک مذہبی صداقت کا تعلق ہے، دونوں طرح کی محرومیوں کی مثالیں قوموں کی تاریخ میں موجود ہیں۔ کتنی ہی قومیں ہیں جنکے قدم صراطِ مستقیم پر استوار ہو گئے تھے، اور فلاح و سعادت کی تمام نعمتیں انکے لیئے مہیا تھیں، بااینہمہ انہوں نے روگردانی کی، اور راہِ حق کی معرفت حاصل کرکے پھر اُس سے منحرف ہو گئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہی قوم جو کل تک دنیا کی انعام یافتہ جماعت تھی سب سے زیادہ محروم و نامراد جماعت ہو گئی۔ اسی طرح کتنی ہی جماعتیں ہیں، جن کے سامنے فلاح و سعادت کی راہ کھول دی گئی، لیکن انہوں نے معرفت کی جگہ جہل اور روشنی کی جگہ تاریکی پسند کی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ راہِ حق نہ پا سکے، اور نامرادی و محرومی کی وادیوں میں گم ہو گئے۔

احادیث و آثار میں اِسکی جو تفسیر بیان کی گئی ہے۔ اُس سے یہ حقیقت اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔ ترمذی اور امام احمد و ابن حبان وغیرہم کی مشہور حدیث ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: "المغضوب" یہودی ہیں اور "الضالین" نصاریٰ ہیں۔ یقیناً اس تفسیر کا مطلب یہ نہیں ہو سکتا کہ مغضوب سے مقصود صرف یہودی اور گمراہ سے مقصود صرف نصاریٰ ہیں۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ مغضوبیت اور گمراہی کی حالت واضح کرنیکے لیئے دو جماعتوں کا ذکر بطور مثال کے کر دیا جائے۔ چنانچہ اِن دونوں جماعتوں کی

تاریخ میں ہم محرومی کی دونوں حالتوں کا کامل نمونہ دیکھ لے سکتے ہیں۔ یہودیوں کی قومی تاریخ مغضوبیت کے لیئے اور عیسائیوں کی تاریخ گمراہی کے لیئے، عبرت و تذکیر کا بہترین سرمایہ ہے۔

قرآن کے قصص اور استقراء تاریخی

یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں، قرآن نے ہدایت و تذکیر امم کے لیئے جن جن اصلوں پر زور دیا ہے، اُن میں سب سے زیادہ نمایاں اصل، پچھلی قوموں کے ایام و وقائع اور اُن کے نتائج ہیں۔ وہ کہتا ہے، کائنات ہستی کے ہر گوشہ کی طرح قوموں اور جماعتوں کے لیئے بھی خدا کا قانون سعادت و شقاوت ایک ہی ہے، اور ہر عہد اور ہر ملک میں ایک ہی طرح کے احکام و نتائج رکھتا ہے اُس کے احکام میں کبھی تبدیلی نہیں ہو سکتی، اور اُنکے نتائج ہمیشہ اور ہر حال میں اٹل ہیں۔ جس طرح سنکھیا کی تاثیر اسلیئے بدل نہیں جاسکتی کہ وہ کس عہد اور کس سنہ میں استعمال کی گئی، اسی طرح قوموں اور جماعتوں کے اعمال کے نتائج بھی اس لیئے متغیر نہیں ہو جاسکتے کہ کس عہد اور کس ملک میں پیش آئے اگر ماضی میں ہمیشہ شہد، شہد کا خاصہ رکھتا آیا ہے، اور سنکھیا کی تاثیر سنکھیا ہی کی رہی ہے، تو مستقبل میں بھی ہمیشہ شہد، شہد ہی رہے گا، اور سنکھیا کی تاثیر سنکھیا ہی کی ہوگی۔ پس جو کچھ ماضی میں پیش آچکا ہے، ضروری ہے کہ مستقبل میں بھی پیش آئے:

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلُ ۖ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا (۳۳ : ۶۲)

جو لوگ تم سے پہلے گزر چکے ہیں، اُنکے لیئے اللہ کی سنت یہی رہی ہے۔ (یعنی اللہ کے قوانین و احکام کا دستور یہی رہا ہے) اور اللہ کی سنت میں تم کبھی رد و بدل نہیں پاؤگے!

فَهَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا سُنَّتَ الْأَوَّلِينَ ۚ فَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا ۖ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيلًا (۳۵ : ۴۳)

پھر یہ لوگ کس بات کی راہ تک رہے ہیں؟ کیا اُس سنت کی جو اگلے لوگوں کے لیئے رہ چکی ہے؟ تو یاد رکھو تم اللہ کی سنت کو کبھی بدلتے ہوا نہیں پاؤگے، اور نہ کبھی ایسا ہو سکتا ہے کہ اُسکی سنت کے احکام پھیر دیئے جائیں۔

سُنَّةَ مَن قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِن رُّسُلِنَا ۖ وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا (۱۷ : ۷۷)

(اے پیغمبر!) تم سے پہلے جن رسولوں کو ہم نے بھیجا ہے، اُنکے لیے ہماری سنت یہی رہی ہے، اور ہماری سنت کبھی ٹلنے والی نہیں!

چنانچہ وہ ایک طرف تو انعام یافتہ جماعتوں کی کامرانیوں کا بار بار ذکر کرتا ہے۔ دوسری طرف مغضوب اور گمراہ جماعتوں کی محرومیوں کی سرگزشتیں بار بار سناتا ہے، پھر جا بجا اُن سے عبرت و بصیرت کے نتائج اخذ کرتا ہے، جن پر اقوام و جماعات کا عروج و زوال موقوف ہے۔ وہ کھول کھول کر بتلاتا

ہے کہ انعام یافتہ جماعتوں کی سعادت و کامرانی ان کے اعمال کا لازمی نتیجہ تھی، مغضوب و گمراہ جماعتوں کی شقاوت و محرومی ان کی بد عملیوں کی پاداش تھی۔ اچھے نتائج کو "انعام" کہتا ہے، کیونکہ یہ فطرت الٰہی کی قبولیت ہے۔ برے نتائج کو "غضب" کہتا ہے، کیونکہ یہ قانون الٰہی کی پاداش ہے۔ وہ کہتا ہے، جن اسباب و علل سے دس مرتبہ ایک خاص قسم کا معلول پیدا ہو چکا ہے، تم کیونکر انکار کر سکتے ہو کہ گیارھویں مرتبہ بھی ویسا ہی معلول پیدا نہ ہوگا؟

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝

تم سے پہلے (قوموں میں) خدا کے (ٹھہرائے ہوئے) قوانین کے نتائج گزر چکے ہیں، پس ملکوں کی سیر کرو، دیکھو ان لوگوں کا انجام کیا ہوا جنہوں نے (ٹھہرائے ہوئے) قوانین کو جھٹلایا تھا!

(۳: ۱۳۷)

قرآن کی سورتوں میں ایک بڑی تعداد ایسی سورتوں کی ہے، جو تمام تر اسی مطلب پر مشتمل ہیں۔ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن میں جس قدر بیان بھی پچھلی قوموں کے نتائج و قصص کا ہے، وہ تمام تر سورۂ فاتحہ کی اسی آیت کی تفصیل ہے۔

سورۂ فاتحہ کی تعلیمی رُوح

اچھا، اب چند لمحوں کے لیے سورۂ فاتحہ کے مطالب پر بحیثیت مجموعی نظر ڈالو، اور دیکھو، اُسکی سات آیتوں کے اندر مذہبی عقائد و تصوّر کی جو روح مضمر ہے، وہ کس طرح کی ذہنیت پیدا کرتی ہے؟ سورۂ فاتحہ ایک دعا ہے۔ فرض کرو، ایک انسان کے دل و زبان سے شب و روز یہی دعا نکلتی رہتی ہے۔ اِس صورت میں اُسکے فکر و اعتقاد کا کیا حال ہوگا؟

وہ خدا کی حمد و ثنا میں زمزمہ سنج ہے، لیکن اُس خدا کی حمد میں نہیں جو نسلوں، قوموں اور مذہبی گروہ بندیوں کا خدا ہے، بلکہ رَبُّ الْعٰلَمِیْن کی حمد میں جو تمام کائنات خلقت کا پروردگار ہے، اور اس لیے تمام نوعِ انسانی کے لیے یکساں طور پر پروردگاری و رحمت رکھتا ہے۔ پھر وہ اُسے اُسکی صفتوں کے ساتھ پکارنا چاہتا ہے، لیکن اُسکی تمام صفتوں میں سے صرف رحمت اور عدالت ہی کی صفتیں اُسے یاد آتی ہیں، گویا خدا کی ہستی کی نمود اُسکے لیے سرتاسر رحمت و عدالت کی نمود ہے، اور وہ جو کچھ بھی اُسکی نسبت جانتا ہے، وہ رحمت و عدالت کے سوا کچھ نہیں ہے۔ پھر وہ اپنا سرِ نیاز جھکاتا، اور اُسکی عبودیت کا اقرار کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے، صرف تیری ہی ایک ذات ہے جس کے آگے بندگی و نیاز کا سر جھک سکتا ہے، اور صرف تو ہی ہے جو ہماری ساری درماندگیوں اور احتیاجوں میں مددگاری کا سہارا ہے۔ وہ اپنی عبادت اور استعانت، دونوں کو صرف ایک ہی ذات کے ساتھ وابستہ کر دیتا ہے، اور اس طرح دنیا کی ساری قوتوں اور ہر طرح کی انسانی فرمانروائیوں سے بے پروا ہو جاتا ہے۔ اب کسی چوکھٹ پر اُس کا سر جھک نہیں سکتا۔ اب کسی قوت سے وہ ہراساں نہیں ہو سکتا۔ اب کسی کے آگے اُس کا دستِ طلب دراز نہیں ہو سکتا!

پھر وہ خدا سے سیدھی راہ چلنے کی توفیق طلب کرتا ہے۔ یہی ایک دعا ہے جس سے زبانِ احتیاج آشنا ہوتی ہے۔ لیکن کونسی سیدھی راہ؟ کسی خاص نسل کی سیدھی راہ؟ کسی خاص قوم کی سیدھی راہ؟ کسی خاص مذہبی حلقہ کی سیدھی راہ؟ نہیں، وہ راہ جو دنیا کے تمام مذہبی رہنماؤں اور تمام راست باز انسانوں کی متفقہ راہ ہے، خواہ کسی عہد اور کسی قوم میں ہوئے ہوں۔ اسی طرح وہ محرومی اور گمراہی کی راہوں سے پناہ مانگتا ہے، لیکن یہاں بھی کسی خاص نسل و قوم یا کسی خاص مذہبی گروہ کا ذکر نہیں کرتا۔ بلکہ ان راہوں سے بچنا چاہتا ہے جو دنیا کے تمام محروم اور گمراہ انسانوں کی راہیں رہ چکی ہیں

گویا جس بات کا طلبگار ہے، وہ بھی نوعِ انسانی کی عالمگیر اچھائی ہے، اور جس بات سے پناہ مانگتا ہے، وہ بھی نوعِ انسانی کی عالمگیر بُرائی ہے۔ نسل، قوم، ملک، یا مذہبی گروہ بندی کے تفرقہ و امتیاز کی کوئی پرچھائیں اُس کے دل و دماغ پر نظر نہیں آتی!

غور کرو، مذہبی تصور کی یہ نوعیت انسان کے ذہنی عواطف کے لیے کس طرح کا سانچا مہیا کرتی ہے؟ جس انسان کا دل و دماغ ایسے سانچے میں ڈھل کر نکلے گا، وہ کس قسم کا انسان ہوگا؟ کم از کم دو باتوں سے تم انکار نہیں کر سکتے۔ ایک یہ کہ اس کی خدا پرستی، خدا کی عالمگیر رحمت و جمال کے تصور کی خدا پرستی ہوگی۔ دوسری یہ کہ کسی معنی میں بھی نسل و قوم یا گروہ بندیوں کا انسان نہیں ہوگا۔ عالمگیر انسانیت کا انسان ہوگا، اور دعوتِ قرآنی کی اصلی روح یہی ہے!

ترجمان القرآن

اَلْفَاتِحَةُ

مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سَبْعُ اٰيَاتٍ

سورۂ فاتحہ مکی۔ سات آیتیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے جو الرحمٰن اور الرحیم ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۵ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝

ہر طرح کی ستائشیں (یعنے حسن و جمال کے اعتراف اور کبریائی و کمال کے اعتقاد کے ساتھ جو کچھ بھی اور جیسا کچھ بھی کہا جائے) صرف اللہ ہی کے لئے ہیں۔ اللہ ہی کے لئے، جو تمام کائناتِ خلقت کا پروردگار ہے (جس کی پروردگاری کائناتِ خلقت کے ہر وجود کو زندگی اور بقا کا سروسامان بخشتی، اور پرورش کی ساری بخششیں مہیا کرتی رہتی ہے) جو رحمت والا ہے، اور جس کی رحمت تمام کائناتِ ہستی کو اپنی بخششوں سے مالا مال کر رہی ہے۔ جو جزا اور سزا کے دن کا مالک ہے۔ (اور جس کی عدالت نے ہر کام کے لئے بدلہ اور ہر بات کے لئے نتیجہ ٹھہرا دیا ہے) خدایا! ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں، اور صرف تو ہی ہے جس سے (زندگی اور آخرت کی ساری احتیاجوں میں) مدد مانگتے ہیں (تیرے سوا کوئی معبود نہیں جس کی بندگی کی جائے، اور طاقت و بخشش کا کوئی سہارا نہیں جس سے مدد مانگی جائے!) خدایا! ہم پر (فلاح و سعادت کی) سیدھی راہ کھول دے! وہ راہ، جو اُن لوگوں کی راہ ہے جن پر تیرا انعام ہوا۔ اُن کی نہیں جو تیرے حضور مغضوب ہوئے اور نہ اُن کی جو راہ سے بھٹک گئے اور منزل کا سراغ اُن پر گم ہو گیا!

سُورَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ مِائَتَانِ وَسِتٌّ وَثَمَانُونَ آيَةً

البقرۃ - مدنی - ۲۸۶ - آیتیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الۗمّۗ ۚ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ عَلٰي هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۤ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَاۗءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْھُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰي سَمْعِهِمْ ۭ وَعَلٰٓي اَبْصَارِهِمْ

یہ کتاب متقی انسانوں پر فلاح و سعادت کی راہ کھولنے والی ہے اور طبیعتِ حق کے لحاظ سے انسانوں کی پہلی قسم۔

الف۔ لام۔ میم۔ یہ کتاب الٰہی ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں متقی انسانوں پر (فلاح و سعادت کی) راہ کھولنے والی (متقی انسان) وہ ہیں، جو غیب (کی حقیقتوں) پر ایمان رکھتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، اور ہم نے جو کچھ روزی انھیں دے رکھی ہے، اُسے (نیکی کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔ نیز وہ لوگ جو اس (سچائی) پر ایمان رکھتے ہیں جو تم پر (یعنے پیغمبر اسلام پر) نازل ہوئی ہے، اور اُن تمام (سچائیوں) پر، جو تم سے پہلے (یعنے پیغمبر اسلام سے پہلے) نازل ہو چکی ہیں، اور (ساتھ ہی) آخرت (کی زندگی) کے لئے بھی اُنکے اندر یقین ہے۔ تو یہی لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کے (ٹھہرائے ہوئے) راستہ پر ہیں، اور یہی ہیں جو (دنیا و آخرت میں) کامیاب ہیں!

دوسری قسم منکرینِ حق کی، جو قبولیت کی استعداد کے لحاظ سے پہلی قسم کی ضد ہے۔

(لیکن) وہ لوگ جنھوں نے (ایمان کی جگہ) انکار کی راہ اختیار کی (اور سچائی کے سننے اور قبول کرنے کی استعداد کھو دی) تو (اُنکے لئے ہدایت کی تعلیم و صدائیں بیکار ہیں) (تم انھیں (انکارِ حق کے نتائج سے) ڈراؤ یا نہ ڈراؤ، وہ کبھی ماننے والے نہیں (اُنھوں نے روشنی کی طرف سے آنکھیں بند کر لی ہیں، اور اللہ کا قانون یہ ہے کہ جو آنکھیں بند کر لیتا ہے اس کے لئے تاریکی ہی تاریکی ہوتی ہے۔ پس اس صورت حال کا نتیجہ یہ ہے کہ) اُنکے دلوں اور کانوں پر اللہ نے مہر لگا دی، اور اُن کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا (کوئی بات کتنی ہی سچی ہو، سمجھ نہیں سکتے، کوئی آواز کتنی ہی اونچی ہو، سن نہیں سکتے، کوئی چیز کتنی ہی روشن ہو، دیکھ نہیں سکتے) سو جن لوگوں نے اپنا یہ حال بنا لیا ہو، وہ کبھی ہدایت نہیں پا سکتے۔ (کامیابی کی جگہ) اُنکے لئے عذاب جانکاہ ہو!

تیسری قسم اُن لوگوں کی، جو اگرچہ بظاہر ایمان کا دعویٰ

(ان دو قسم کے آدمیوں کے علاوہ) کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ اُنکے اندر

غِشَاوَةٌ ۡ وَّلَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ۝ وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّقُوۡلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَمَا هُمۡ
بِمُؤۡمِنِيۡنَ ۝ يُخٰدِعُوۡنَ اللّٰهَ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ۚ وَمَا يَخۡدَعُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡفُسَهُمۡ وَمَا يَشۡعُرُوۡنَ ۝ فِىۡ
قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ۙۢ بِمَا كَانُوۡا يَكۡذِبُوۡنَ ۝ وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ
لَا تُفۡسِدُوۡا فِى الۡاَرۡضِ ۙ قَالُوۡاۤ اِنَّمَا نَحۡنُ مُصۡلِحُوۡنَ ۝ اَلَاۤ اِنَّهُمۡ هُمُ الۡمُفۡسِدُوۡنَ وَلٰكِنۡ لَّا يَشۡعُرُوۡنَ ۝
وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ اٰمِنُوۡا كَمَاۤ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوۡاۤ اَنُؤۡمِنُ كَمَاۤ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ اَلَاۤ اِنَّهُمۡ هُمُ السُّفَهَآءُ
وَلٰكِنۡ لَّا يَعۡلَمُوۡنَ ۝ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا قَالُوۡاۤ اٰمَنَّا ۖۚ وَاِذَا خَلَوۡا اِلٰى شَيٰطِيۡنِهِمۡ ۙ قَالُوۡاۤ

کرتے ہیں مگر فی الحقیقت اس سے محروم ہیں	ایمان نہیں ہے۔ وہ (ایمان کا دعوٰی کر کے چاہتے ہیں) اللہ کو اور ایمان والوں کو دھوکا دیں، حالانکہ (دوسروں کو کیا دھوکا دینگے؟) وہ خود ہی دھوکے میں پڑے ہوئے

ہیں اگرچہ (جہل و سرکشی سے) اسکا شعور نہیں رکھتے (یہ لوگ ایمان کے مدعی تھے لیکن) انکے دلوں میں (انکار کا) روگ (چھپا ہوا) تھا۔ پس اللہ نے (دعوتِ حق کو کامیاب کر کے) اُن کا روگ اور زیادہ کر دیا (سو ایسے لوگوں کے لئے (بھی کامیابی کی جگہ) عذاب جانکاہ (کی نامرادی) ہے۔ اس لئے کہ وہ اپنی نمائش میں سچے نہیں ہیں!

وہ مفسد ہیں مگر اپنے آپکو مصلح سمجھتے ہیں	جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے، ملک میں خرابی نہ پھیلاؤ (اور بدعملیوں سے باز آجاؤ) تو کہتے ہیں: (ہمارے کام خرابی کا باعث کیسے ہو سکتے ہیں) ہم ہی تو سنوارنے

والے ہیں۔ یاد رکھو یہی لوگ ہیں جو خرابی پھیلانے والے ہیں اگرچہ (جہل و سرکشی سے اپنی حالت کا) شعور نہیں رکھتے

وہ راست بازوں کو بے وقوف اور نفاق کو دانشمندی سمجھتے ہیں	اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے (اپنی مفسدانہ روش سے باز آجاؤ، اور راست بازی کے ساتھ) ایمان کی راہ اختیار کرو جس طرح اور لوگوں نے اختیار کی ہے، تو کہتے ہیں کیا ہم بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح (یہ) بے وقوف آدمی ایمان لے آئے ہیں (یعنی جس طرح ان لوگوں نے اپنے دنیوی سود و زیاں کی کچھ پروا نہ کی

اور بے سرو سامانی و مظلومی کی حالت میں دعوتِ حق کا ساتھ دیدیا، اسی طرح ہم بھی بے وقوف بنکر ساتھ دیدیں؟) یاد رکھو یہی (دانشمندی کی ڈینگیں مارنے والے) فی الحقیقت بے وقوف ہیں، اگرچہ (جہل و غرور کی سرشاری میں) اپنی حالت کا شعور نہیں رکھتے!

راست بازوں کی تحقیر اور ایمان والوں کا تمسخر ان لوگوں کا شیوہ ہے	جب یہ لوگ اُن لوگوں سے ملتے ہیں جو (دعوتِ حق پر) ایمان لاچکے ہیں تو اپنے آپ کو مومن ظاہر کرتے ہیں۔ لیکن جب اپنے شیطانوں کے ساتھ اکیلے میں بیٹھتے ہیں تو کہتے ہیں ہم انکے ساتھ تمسخر کرتے تھے

إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ ۝ اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝ ۱۴
أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَت تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ۝ مَثَلُهُمْ ۱۵-۱۶
كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ
لَّا يُبْصِرُونَ ۝ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ۝ أَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ يَجْعَلُونَ ۱۷-۱۸
أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِم مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۚ وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ ۝ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ ۱۹

---

۱۴ (ویسے دل سے تو) تمہارے ہی ساتھ ہیں (یہ لوگ ایمان کے معاملہ میں تمسخر کرتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ خود انہی کے ساتھ تمسخر ہو رہا ہے کہ اللہ (کے قانون جزا و سزا) نے رسّی ڈھیلی چھوڑ رکھی ہے، اور وہ سرکشی کے طوفان میں بہکے چلے جا رہے ہیں!

۱۵ (یقین کرو) یہی لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی مول لی (اور سمجھے ہم بڑی ہی عقلمندی کی تجارت کر رہے ہیں) لیکن نہ تو انکی تجارت فائدہ مند نکلی، اور نہ ہدایت ہی پر قائم رہے!

تیسری قسم کے لوگوں کی محرومی کی ایک مثال

۱۶ ان لوگوں کی مثال ایسی ہے، جیسے ایک آدمی (رات کی تاریکی میں بھٹک رہا تھا۔ اس نے روشنی کے لئے) آگ سلگائی، لیکن جب (آگ سلگ گئی اور اسکے شعلوں سے) آس پاس روشن ہوگیا، تو قدرت الٰہی سے ایسا ہوا کہ (اچانک شعلے بجھ گئے، اور) روشنی جاتی رہی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ روشنی کے بعد پھر اندھیرا چھا گیا، اور آنکھیں اندھی ہوکر رہ گئیں کہ کچھ سوجھائی نہیں دیتا (سو یہی حال ان لوگوں کا ہے۔ انہوں نے دین الٰہی کی روشنی حاصل کی تھی، لیکن کچھ سود مند نہ ہوئی، اور پھر گمراہی میں پڑ کر سراسیمہ و سرگرداں ہوگئے۔

۱۷ کانوں سے) بہرے (زبان سے) گونگے (آنکھوں سے) اندھے! پس (جن لوگوں کی محرومی و شقاوت کا یہ حال ہوگیا ہو) وہ کبھی اپنی گم گشتگی سے لوٹ نہیں سکتے!

حق کے ظہور اور محروموں کی محرومی کی دوسری مثال۔ موسمات خلقت کی ہولناکیاں بھی خیر و برکت کے لئے ہیں لیکن محروموں کے حصے میں خوف و دہشت کے سوا کچھ نہیں آتا

۱۸ یا پھر ان لوگوں کی مثال یوں سمجھو، جیسے آسمان سے پانی کا برسنا (جب پانی برسنے کو ہوتا ہے تو طرح طرح کی ہولناک حالتیں پیش آتی ہیں، کالی گھٹاؤں سے تاریکی (پھیل جاتی ہے) بادلوں کی گرج (سے زمین کانپ اٹھتی ہے) بجلی کی چمک (سے نگاہیں خیرہ ہونے لگتی ہیں۔ فرض کرو، دنیا پانی کے لئے بے قرار تھی۔ اللہ نے اپنی رحمت سے بارش کا سماں باندھ دیا۔ تو اب ان لوگوں کا حال یہ ہو کہ بارش کی برکتوں کی جگہ صرف اسکی ہولناکیاں ہی انکے حصے میں آئی ہیں) بادل جب زور سے گرجتے ہیں تو موت کا ڈر انہیں دہلا دیتا ہے (اس کی گرج تو

كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُم مَّشَوْا فِيهِ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ ۚ
إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۔ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ
لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۔ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ
بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۖ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَندَادًا وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ۔ وَإِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ
مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ

روک سکتے نہیں) اپنے کانوں میں اُنگلیاں ٹھونسنے لگتے ہیں۔ حالانکہ (اگر بجلی گرنے والی ہی ہو تو انکے کان بند کر لینے سے رُک نہیں جائے گی) اللہ کی قدرت تو (ہر حال میں) انھیں گھیرے ہوئے ہے۔ (جب بجلی (زور سے) چمکتی ہے، تو ان کی خیرگی کا یہ حال ہوتا ہے، گویا) قریب ہے کہ بینائی اُچک لے۔ اُس کی چمک سے جب فضا روشن ہو جاتی ہے تو دو چار قدم چل لیتے ہیں۔ جب اندھیرا چھا جاتا ہے تو (ٹھٹک کر) رُک جاتے ہیں۔ (کانوں میں مارے دہشت کے اُنگلیاں ٹھنسی ہوئیں! آنکھوں تلے اندھیرا چھایا ہوا! پاؤں چلنے سے درماندہ! دل خوف سے لرزاں! تمام دنیا بارانِ رحمت کی برکتوں سے فیضیاب ہو رہی ہے، لیکن ان نامرادوں کے حصے میں جو کچھ آیا ہے، وہ صرف یہی ہے!) اگر اللہ چاہے، تو یہ بالکل بہرے اندھے ہو کر رہ جائیں (کانوں میں اُنگلیاں ٹھونسنے اور نگاہوں کے خیرہ ہونے کی ضرورت ہی نہ رہے) اور یقیناً اللہ ہر بات پر قادر ہے!

توحیدِ الٰہی کی تلقین اور خالقیت اور ربوبیت سے استدلال جس کا یقین انسان کی فطرت میں ہے

اے افرادِ نسلِ انسانی! اپنے پروردگار کی عبادت کرو (اُس پروردگار کی) جس نے تمھیں پیدا کیا، اور اُن سب کو بھی پیدا کیا جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں (اور اس لئے پیدا کیا) تاکہ اس کی نافرمانی سے بچو۔

وہ پروردگارِ عالم جس نے تمھارے لئے زمین فرش کی طرح بچھا دی، اور آسمان کو چھت کی طرح بلند کر دیا، اور (پھر تم دیکھ رہے ہو کہ وہی ہے) جو آسمان سے پانی برساتا ہے جس سے زمین شاداب ہو جاتی ہے، اور طرح طرح کے پھل تمھاری غذا کے لئے پیدا ہو جاتے ہیں۔ پس (جب خالقیت اُسی کی خالقیت ہے، اور ربوبیت اُس کی ربوبیت، تو) ایسا نہ کرو کہ اسکے ساتھ کسی دوسری ہستی کو شریک اور ہم پایہ بناؤ۔ اور تم جانتے ہو کہ اسکے سوا کوئی نہیں ہے!

صٰدِقِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۲۳
اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۝ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا ۲۴
الْاَنْهٰرُ ۭ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا ھٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ
مُتَشَابِهًا ۭ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ڎ وَّھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ ۲۵
مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ

رسالت اور وحی

۲۳ اور (دیکھو) اگر تمھیں اس (کلام) کی سچائی میں شک ہو جو ہم نے اپنے بندے پر (یعنے پیغمبر اسلام پر) نازل کیا ہے (اور تم خیال کرتے ہو یہ اللہ کی طرف سے نہیں ہے) یا تمھیں رسالت اور وحی ہی سے انکار ہے، تو (اس کا فیصلہ بہت آسان ہے۔ اگر محض ایک انسانی دماغ کی بناوٹ ہے، تو تم بھی انسان ہو۔ زیادہ نہیں) اُس کی سی ایک سورت ہی بنا لاؤ، اور اللہ کے سوا جن (طاقتوں) کو تم نے اپنا حامی سمجھ رکھا ہے، ان سب کو بھی اپنی مدد کے لئے بلا لو۔ پھر اگر تم ایسا نہ کر سکو، اور حقیقت یہ ہے کہ کبھی نہیں کر سکوگے، تو (چاہیے کہ سچائی کے انکار سے باز آؤ، اور اس کی پاداش سے ڈرو) اس آگ کے عذاب سے ڈرو، جو (لکڑی کی جگہ) انسان اور پتھر کے ایندھن سے سلگتی ہے، اور منکرین حق کے لئے طیار ہے!

۲۴ (لیکن ہاں) جن لوگوں نے (انکار و سرکشی کی جگہ) ایمان کی راہ اختیار کی، اور اُنکے اعمال بھی اچھے ہوئے، تو اُنکے لئے (آگ کی جگہ راحت و سرور ابدی کے) باغوں کی بشارت ہے۔ (سرسبز و شاداب باغ) جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں! (اور اس لئے وہ کبھی خشک ہونے والے نہیں) جب کبھی ان باغوں کا کوئی پھل اُنکے حصے میں آئے گا، (یعنے بہشتی زندگی کی کوئی نعمت اُنکے حصے میں آئے گی) تو بول اُٹھیں گے، یہ تو وہ نعمت ہے جو پہلے ہمیں دی جا چکی ہے (یعنے نیک عملی کا وہ اجر ہے جسکے ملنے کی ہمیں دنیا میں خبر دی جا چکی ہے) اور (یہ اس لئے کہینگے کہ) باہم ملتی جلتی ہوئی چیزیں انکے سامنے آئیں گی (یعنے جیسا کچھ اُن کا عمل تھا، ٹھیک ویسی ہی بہشتی زندگی کی نعمت بھی ہوگی) علاوہ بریں انکے لئے نیک اور پارسا بیویاں ہونگی، اور اُن کی راحت ہمیشگی کی راحت ہوگی کہ اُسے کبھی زوال نہیں!

سنت الٰہی یہ ہے کہ وحی کا کلام انسانی بول چال کے مطابق ہوتا ہے اور بیان حقائق کے لئے مثالیں مؤثر ہوتی ہیں۔

۲۵ اللہ کا کلام جو انسانوں کو ان کی سمجھ کے مطابق مخاطب کرنا چاہتا ہے، اس بات سے نہیں جھجکتا کہ کسی (حقیقت کے سمجھانے کے لئے کسی حقیر سے حقیر چیز کی مثال

كَثِيرًا ۙ وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ۝ الَّذِينَ يَنقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِن بَعْدِ مِيثَاقِهِ
وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَن يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝
كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ۖ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ
ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝ هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ۝ ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى
السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ
إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ۖ قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ

سے کام لے۔ مثلاً مچھر کی، یا اس سے بھی زیادہ کسی حقیر چیز کی (اس طرح کی مثالیں کلام حق میں جابجا آئنگی) پس جو لوگ ایمان رکھتے ہیں، وہ (مثالیں سنکر ان کی دانائی اور نصیحت میں غور کرتے ہیں، اور) جان لیتے ہیں کہ یہ جو کچھ ہے، انکے پروردگار کی طرف سے ہے۔ لیکن جن لوگوں نے انکار حق کی راہ اختیار کی ہے، تو وہ (جہل و کج فہمی سے حقیقت نہیں پاسکتے وہ) کہتے ہیں بھلا ایسی مثال بیان کرنے سے اللہ کا مطلب کیا ہوسکتا ہے؟ (حقیقت یہ ہے کہ تعلیم و نصیحت کی تمام باتوں کی طرح مثال بھی ایک بات ہے۔ جو کوئی راست بازی کے ساتھ غور کریگا ہدایت پالے گا، جو کج فہمی سے انکار کریگا، گمراہ ہوگا۔ پس) کتنے ہی انسان ہیں جن کے حصہ میں اس سے گمراہی آئیگی اور کتنے ہی ہیں جن پر اس (کے فہم و تدبر) سے راہ (سعادت) کھل جائے گی۔ اور (خدا کا قانون یہ ہے کہ) وہ گمراہ نہیں کرتا مگر انہی لوگوں کو جو (ہدایت کی تمام حدیں توڑکر) فاسق ہوگئے ہیں!

۲۷ (فاسق کون ہیں؟ فاسق وہ ہیں) جو احکام الٰہی کی اطاعت کا عہد و میثاق کرکے پھر اسے توڑ ڈالتے ہیں، اور جن رشتوں کے جوڑنے کا خدا نے حکم دیا ہے، انکے قطع کر دینے میں بے باک ہیں، اور (اپنی بدعملیوں اور سرکشیوں سے) ملک میں فساد پھیلاتے ہیں، سو (جن لوگوں کی شقاوتوں کا یہ حال ہے، وہ ہمیشہ گمراہی کی چال ہی چلیں گے۔ اور فی الحقیقت) یہی لوگ ہیں جن کے لئے سرتاسر نامرادی اور نقصان ہے!

آخرت کی زندگی، اور پہلی پیدائش سے دوسری پیدائش پر استدلال

۲۸ (اے افراد نسل انسانی!) تم کس طرح اللہ سے (اور اسکی عبادت سے) انکار کرسکتے ہو، جبکہ حالت یہ ہے کہ تمہارا وجود نہ تھا، اُسنے زندگی بخشی، پھر وہی ہے جو زندگی کے بعد موت طاری کرتا ہے اور موت کے بعد دوبارہ زندگی بخشے گا، اور بالآخر تم سب کو اُسی کے حضور لوٹنا ہے!

زمین کی مخلوقات میں نوع انسانی کی برتری اور مخلوقات ارضی کا

۲۹ (اور دیکھو، یہ اُسی (پروردگار) کی کار فرمائی ہے کہ اُسنے زمین کی ساری چیزیں تمہارے لئے پیدا کیں (تاکہ جس طرح چاہو

الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۖ قَالَ إِنِّيٓ أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ وَعَلَّمَ ۲۹
ءَادَمَ الْأَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ أَنۢبِـُٔونِي بِأَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ إِن
كُنتُمْ صٰدِقِينَ ۝ قَالُوا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَآ ۖ إِنَّكَ أَنتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ۝ ۳۰
قَالَ يٰٓـَٔادَمُ أَنۢبِئْهُم بِأَسْمَآئِهِمْ ۖ فَلَمَّآ أَنۢبَأَهُم بِأَسْمَآئِهِمْ قَالَ أَلَمْ أَقُل لَّكُمْ إِنِّيٓ أَعْلَمُ ۳۱
غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنتُمْ تَكْتُمُونَ ۝ وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ ۳۲

ہم نے ہر بات کا احسان تمہیں اپنے علم میں رکھا۔

اُن سے کام لو) پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا، اور سات آسمان درست کر دئے (جن سے طرح طرح کے فوائد تمہیں حاصل ہوتے ہیں) اور وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے!

> انسان کا زمین میں خدا کا خلیفہ ہونا۔ نوع انسانی کی معنوی تکمیل۔ آدم کا ظہور، اور قوموں کی وراثت و خلافت کی ابتدا۔

۲۸ اور اے پیغمبر! اس حقیقت پر غور کرو) جب ایسا ہوا تھا کہ تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا تھا: میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ فرشتوں نے کہا: کیا ایسی ہستی کو خلیفہ بنایا جا رہا ہے جو زمین میں خرابی پھیلائے گی اور خونریزی کرے گی، حالانکہ ہم تیری حمد و ثنا کرتے ہوئے تیری پاکی و قدوسی کا اقرار کرتے ہیں (کہ تیری مشیت برائی سے پاک اور تیرا کام نقصان سے منزہ ہے!) اللہ نے کہا: میری نظر جس حقیقت پر ہے، تمہیں اس کی خبر نہیں!

۲۹ (پھر جب ایسا ہوا کہ مشیت الٰہی نے جو کچھ چاہا تھا، ظہور میں آگیا) اور آدم نے (یہاں تک معنوی ترقی کی کہ) تعلیم الٰہی سے تمام چیزوں کے نام معلوم کر لئے، تو اللہ نے فرشتوں کے سامنے وہ (تمام حقائق) پیش کر دئے ۳۰ اور فرمایا، اگر تم (اپنے شبہ میں) درستی پر ہو تو بتلاؤ، ان (حقائق) کے نام کیا ہیں؟ فرشتوں نے عرض کیا: خدایا ساری پاکیاں اور بڑائیاں تیرے ہی لئے ہیں۔ ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں جتنا تو نے ہمیں سکھلا دیا ہے۔ علم تیرا ۳۱ علم ہے اور حکمت تیری حکمت! (جب فرشتوں نے اس طرح اپنے عجز کا اعتراف کر لیا، تو) حکم الٰہی ہوا: اے آدم! تم (اب) فرشتوں کو ان (حقائق) کے نام بتلا دو۔ جب آدم نے بتلا دئے، تو اللہ نے فرمایا: کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ آسمان و زمین کے تمام غیب مجھ پر روشن ہیں، اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو وہ بھی میرے علم میں ہے، اور جو کچھ تم چھپاتے تھے، وہ بھی مجھ سے مخفی نہیں!

> فرشتوں کا آدم کے سامنے سربسجود ہونا مگر ابلیس کا

۳۲ اور پھر (دیکھو) جب ایسا ہوا تھا کہ ہم نے فرشتوں کو حکم دیا تھا: آدم کے آگے سربسجود ہو جاؤ۔ وہ (فوراً) جھک گئے، مگر ابلیس کی گردن نہیں جھکی

۳۴ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ اَبٰی وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ۝ وَقُلْنَا یٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَیْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ
۳۶ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ فَاَزَلَّهُمَا الشَّیْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِیْهِ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ ۝
۳۷ فَتَلَقّٰٓی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ۝ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا

انکار کیا۔ آدم کی بہشتی زندگی اور شجر ممنوعہ

اس نے نہ مانا، اور گھمنڈ کیا، اور حقیقت یہ ہے کہ وہ کافروں میں سے تھا۔

۳۵ پھر ایسا ہوا کہ ہم نے آدم سے کہا۔ اے آدم، تم اور تمھاری بیوی، دونوں جنت میں رہو جس طرح چاہو، کھاؤ پیو، امن چین کی زندگی بسر کرو۔ مگر دیکھو، وہ جو ایک درخت ہے، تو کبھی اسکے پاس نہ پھٹکنا۔ اگر تم اس کے قریب گئے، تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ حد سے تجاوز کر بیٹھو گے، اور ان لوگوں میں سے ہو جاؤ گے جو زیادتی کرنے والے ہیں۔

آدم کی لغزش، اقرآنی قصہ اور تورات میں، اور ایک نئی زندگی کا آغاز

۳۶ پھر ایسا ہوا کہ شیطان کی وسوسہ اندازی نے ان دونوں کے قدم ڈگمگا دیئے، اور یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ جیسی کچھ (راحت و سکون کی) زندگی بسر کر رہے تھے اس سے نکلنا پڑا۔ خدا کا حکم ہوا۔ یہاں سے نکل جاؤ۔ تم میں سے ہر وجود دوسرے کا دشمن ہو۔ اب تمھیں (جنت کی جگہ) زمین میں رہنا ہے، اور ایک خاص وقت تک کے لئے (جو علم الٰہی میں مقرر ہو چکا ہے) اس سے فائدہ اٹھانا ہے۔

۳۷ پھر ایسا ہوا کہ آدم نے اپنے پروردگار کے الفاظ سے چند کلمات معلوم کر لئے (جن کے لئے اس کے حضور قبولیت تھی) پس اللہ نے اس کی توبہ قبول کر لی۔ اور بلاشبہ وہی ہے جو رحمت سے درگزر کرنے والا ہے، اور اس کے درگزر کی کوئی انتہا نہیں!

وحی الٰہی کی ہدایت اور انسان کی سعادت و شقاوت کا قانون

۳۸ (آدم کی توبہ قبول ہو گئی، لیکن جس زندگی سے وہ نکل چکا تھا دوبارہ نہیں مل سکتی تھی۔ پس) ہمارا حکم ہوا، اب تم سب یہاں سے نکل چلو (اور جس نئی زندگی کا دروازہ تم پر کھولا جا رہا ہے اسے اختیار کرو) لیکن (یاد رکھو) جب کبھی ایسا ہو گا کہ ہماری جانب سے تم پر راہ (حق) کھولی جائے گی، تو تمھارے لئے دو ہی راہیں ہونگی، جو کوئی ہدایت کی پیروی کریگا اسکے لئے (کامیابی و سعادت ہو گی) کسی طرح کا کھٹکا نہیں۔
۳۹ کسی طرح کی غمگینی نہیں۔ اور جو کوئی انکار کریگا اور ہماری نشانیاں جھٹلائیگا، وہ دوزخی گروہ میں سے ہوگا، ہمیشہ عذاب میں رہے گا!

جَمِيعًا ۚ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَوْفُوا بِعَهْدِي أُوفِ بِعَهْدِكُمْ وَإِيَّايَ فَارْهَبُونِ ۝ وَآمِنُوا بِمَا أَنزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُونُوا أَوَّلَ كَافِرٍ بِهِ ۖ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا وَإِيَّايَ فَاتَّقُونِ ۝ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

وحی الٰہی کی ہدایت کا جاری ہونا، اور اس سلسلہ میں بنی اسرائیل سے خطاب کہ کتاب اللہ کے سب سے پہلے حامل وہی سمجھے جاتے تھے

اے بنی اسرائیل! میری نعمت یاد کرو، وہ نعمت جس سے میں نے تمھیں سرفراز کیا تھا، اور دیکھو، اپنا عہد پورا کرو (جو ہدایت قبول کرنے اور اُس پر کاربند ہونے کا عہد ہے) میں بھی اپنا عہد پورا کرونگا (جو ہدایت پر کاربند ہونے والوں کے لئے کامرانی و سعادت کا عہد ہے) اور دیکھو، میرے سوا کوئی نہیں، پس دوسروں سے نہیں، صرف مجھی سے ڈرو!

اور اُس کلام پر ایمان لاؤ جو میں نے نازل کیا ہے، اور جو اُس کلام کی تصدیق کرتا ہوا نمایاں ہوا ہے جو تمھارے پاس (پہلے سے) موجود ہے، اور ایسا نہ کرو کہ اُس کے انکار میں (شقاوت کا) پہلا قدم جو اُٹھے، وہ تمھارا ہو۔ اور (دیکھو) میرے سوا کوئی نہیں، پس میری نافرمانی سے بچو!

اور ایسا نہ کرو کہ حق کو باطل کے ساتھ ملا کر مشتبہ بنا دو، اور حق کو چھپاؤ، حالانکہ تم جانتے ہو کہ حقیقت حال کیا ہے۔

نماز قائم کرو (جس کی حقیقت تم نے کھو دی ہے) زکوٰۃ ادا کرو (جس کا تم میں اخلاص باقی نہیں رہا) اور جب اللہ کے حضور جھکنے والے جھکیں تو اُن کے ساتھ تم بھی سرنیاز جھکا دو!

تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو مگر خود اپنی خبر نہیں لیتے کہ تمھارے اعمال کا کیا حال ہے، حالانکہ خدا کی کتاب تمھارے پاس ہے اور ہمیشہ تلاوت کرتے رہتے ہو۔ پھر کیا خدا کی کتاب کے علم و تلاوت کا نتیجہ یہی ہونا چاہئے کہ خود تلاوت کرنے والا تو اس پر عمل نہ کرے لیکن دوسروں کو عمل کرنے کا حکم دے؟ افسوس تمھاری عقلوں پر! کیا اتنی موٹی سی بات بھی تمھاری سمجھ میں نہیں آتی؟

صبر اور نماز، دو بڑی روحانی قوتیں ہیں جن سے اصلاح نفس اور انقلاب حال میں مدد مل سکتی ہے۔

اور (دیکھو) صبر اور نماز (کی قوتوں) سے (اپنی اصلاح میں) مدد لو۔ نفس کی برائیاں کتنی ہی سخت کیوں نہ ہوں لیکن صبر اور نماز کی روح انھیں مغلوب کرے گی

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِیْنَ ۝ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ
تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ
وَاِنَّهَا لَكَبِیْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ
یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَاَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ۝ وَاتَّقُوْا
یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْـًٔا وَّلَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا یُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ
وَّلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ۝ وَاِذْ نَجَّیْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ یُذَبِّحُوْنَ

لیکن (یاد رکھو) نماز ایک ایسا عمل ہے جو (انسان کی راحت طلب طبیعت پر) بہت ہی شاق گزرتا ہے۔ البتہ جن لوگوں کے دل اللہ کے حضور جھکے ہوئے ہیں اور جو سمجھتے ہیں انھیں اپنے پروردگار سے ملنا اور (بالآخر) اسکے حضور لوٹنا ہے، تو ان پر یہ عمل شاق نہیں گزر سکتا (وہ تو اس میں سرتاسر لذت و راحت محسوس کرتے ہیں!)

بنی اسرائیل کے ایام و وقائع کا تذکرہ اور قوموں کی ہدایت و ضلالت کے حقائق

اے بنی اسرائیل! میری نعمتیں یاد کرو جن سے میں نے تمھیں سرفراز کیا تھا اور (خصوصاً یہ (نعمت) کہ دنیا کی قوموں پر تمھیں فضیلت دی تھی (اس دن کے مواخذہ سے ڈرو جبکہ (انسان کی کوئی کوشش بھی اسے اعمال بد کے نتائج سے نہیں بچا سکے گی (اس دن) نہ تو کوئی انسان دوسرے انسان کے کام آئے گا، نہ کسی کی سعی و سفارش سنی جائے گی، نہ کسی طرح کا بدلہ قبول کیا جائے گا، اور نہ کہیں سے کسی طرح کی مدد ملے گی!

قوم کی مصر کی غلامی سے نجات اور کتاب و فرقان کا عطیہ جس نے بنی اسرائیل کو ... کی طرف مائل ہوئے، اور گوسالہ پرستی شروع کر دی۔

اور (اپنی تاریخ حیات کا) وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تمھیں خاندان فرعون (کی غلامی) سے جنھوں نے تمھیں نہایت سخت عذاب میں ڈال رکھا تھا، نجات دی تھی۔ وہ تمھارے لڑکوں کو بے دریغ ذبح کر ڈالتے (تاکہ تمھاری نسل و جمعیت نابود ہو جائے) اور تمھاری عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتے (تاکہ حکمران قوم کی لونڈیاں بنکر زندگی بسر کریں) اور فی الحقیقت اس صورت حال میں، تمھارے پروردگار کی طرف سے تمھارے لئے بڑی ہی آزمائش تھی!

اور پھر وہ وقت یاد کرو، جب (تم مصر سے نکلے تھے اور فرعون تمھارا تعاقب کر رہا تھا) ہم نے سمندر کا پانی اس طرح الگ الگ کر دیا کہ تم بچ نکلے، مگر فرعون کا گروہ غرق ہو گیا، اور تم (کنارے پر کھڑے) دیکھ رہے تھے!

اور (پھر وہ واقعہ بھی یاد کرو) جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا

أَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَآءَكُمْ ۚ وَفِي ذَٰلِكُم بَلَآءٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ ۝ وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَأَنجَيْنَاكُمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ ۝ وَإِذْ وَاعَدْنَا مُوسَىٰ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِن بَعْدِهِ وَأَنتُمْ ظَالِمُونَ ۝ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنكُم مِّن بَعْدِ ذَٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ وَإِذْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝ وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ إِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ أَنفُسَكُم بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوبُوا إِلَىٰ بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِندَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۚ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ

۴۷ ۴۸ ۴۹ ۵۰-۵۱

تھا۔ پھر (جب ایسا ہوا کہ وہ چالیس دن کے لئے تمھیں چھوڑ کر کوہ طور پر چلا گیا، تو اس کے جاتے ہی) تم نے ایک بچھڑے کی پرستش اختیار کر لی، اور تم راہ حق سے منحرف ہو گئے تھے۔ (یہ تمھاری بڑی ہی گمراہی تھی) لیکن ہم نے (اپنی رحمت سے) درگزر کی (اور اس گمراہی کے نتائج سے تمھیں بچا لیا) تاکہ اللہ کی بخشائشوں کی قدر کرو۔ ۴۹

اور پھر (وہ واقعہ بھی یاد کرو) جب ہم نے (چالیس راتوں والا وعدہ پورا کیا تھا اور) موسیٰ کو الکتاب (یعنی تورات) اور الفرقان (یعنی حق و باطل میں امتیاز کرنے والی قوت) عطا فرمائی تھی، تاکہ تم پر سعادت و فلاح کی راہ کھلے۔ ۵۰

اور (پھر وہ وقت) جب موسیٰ (کتاب الٰہی کا عطیہ لیکر پہاڑ سے آیا تھا، اور تمھیں ایک بچھڑے کی پوجا میں سرگرم دیکھ کر) پکار اٹھا تھا: اے میری قوم! (افسوس تمھاری حق فراموشی پر!) تم نے بچھڑے کی پوجا کر کے خود اپنے ہاتھوں اپنے کو تباہ کر دیا ہو۔ پس چاہئے کہ اپنے خالق کے حضور توبہ کرو، اور گوسالہ پرستی کے بدلے اپنی جانوں کو قتل کرو۔ اسی میں خدا کے نزدیک تمھارے لئے بہتری ہو۔ چنانچہ تمھاری توبہ قبول کر لی گئی، اور اللہ بڑا ہی رحمت والا اور رحمت سے درگزر کرنے والا ہو! ۵۱

بنی اسرائیل کی یہ گمراہی کہ آگے والوں میں وحی الٰہی پر کامل یقین نہ تھا

اور (پھر وہ واقعہ یاد کرو) جب تم نے کہا تھا: اے موسیٰ! ہم کبھی تم پر یقین کرنے والے نہیں جب تک کہ کھلے طور پر اللہ کو (تم سے کلام کرتا ہوا) نہ دیکھ لیں۔ پھر (تمھیں یاد ہو کہ اس گستاخانہ جسارت کا نتیجہ کیا نکلا تھا؟ یہ نکلا تھا کہ) بجلی کے کڑاکے نے (اچانک) آگھیرا، اور تم نظر اٹھائے تک رہے تھے! ۵۲

پھر ہم نے تمھیں اس ہلاکت کے بعد (دوبارہ) اٹھا کھڑا کیا (اور تم پر زندگی و فراخی کی راہ کھول دی) تاکہ اپنے آپ کو نعمت الٰہی کا قدر شناس ثابت کرو! ۵۳

وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَىٰ لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ نَرَى اللَّهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْكُمُ الصَّاعِقَةُ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ ۝ ثُمَّ بَعَثْنَاكُم مِّن بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ ۖ كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ۖ وَمَا ظَلَمُونَا وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝ وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا هَٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطَايَاكُمْ ۚ وَسَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ۝

صحرائے سینا کی بے آب و گیاہ سرزمین میں زندگی کی تمام ضروریات کا مہیا ہوجانا لیکن بنی اسرائیل کا کفرانِ نعمت کرنا

اور پھر جب ایسا ہوا تھا کہ صحرائے سینا کی بے آب و گیاہ سرزمین میں دھوپ کی شدت اور غذا کے نہ ملنے سے تم ہلاک ہوجانے والے تھے، تو ہم نے تمھارے سروں پر ابر کا سایہ پھیلا دیا اور منؔ اور سلویٰ کی غذا فراہم کردی (تم سے کہا گیا:) خدا نے تمھاری غذا کے لئے جو اچھی چیزیں مہیا کردی ہیں، انھیں بفراغت کھاؤ، اور کسی طرح کی تنگی و قلت محسوس نہ کرو (لیکن اس پر بھی تم اپنی بدعملیوں سے باز نہ آئے۔ غور کرو) تم نے (اپنی ناشکریوں سے) ہمارا کیا بگاڑا؟ خود اپنا ہی نقصان کرتے رہے!

بنی اسرائیل کی یہ گمراہی کہ جب انھیں فتح و کامرانی عطا کی گئی تو عبرت و بصیرت کی جگہ غفلت و غرور میں مبتلا ہوگئے۔

اور پھر (کیا اُس وقت کی یاد بھی تمھارے اندر عبرت و بصیرت پیدا نہیں کرسکتی) جب (ایک شہر کی آبادی تمھارے سامنے تھی، اور) ہم نے حکم دیا تھا کہ اس آبادی میں (فتح مندانہ) داخل ہوجاؤ، اور پھر (بہ حیثیت ایک فاتح قوم کے) کھاؤ پیو، آرام چین کی زندگی بسر کرو۔ لیکن (ساتھ ہی یہ بات بھی یاد رکھو کہ ایک مدت کے انتظار کے بعد فتح و کامرانی کا دروازہ تم پر کھلا ہو۔ پس چاہئے کہ) جب شہر کے دروازے میں قدم رکھو، تو تمھارے سر اللہ کے حضور جھکے ہوئے ہوں، اور تمھاری زبانوں پر توبہ و استغفار کا کلمہ جاری ہو کہ "حِطَّۃٌ! حِطَّۃٌ!" (خدایا! ہمیں گناہوں کی آلودگی سے پاک کردے! ہمیں گناہوں کی آلودگی سے پاک کردے!) اگر تم نے ایسا کیا، تو اللہ تمھاری خطائیں معاف کر دیگا، اور (اُس کا قانون یہی ہے کہ) نیک کردار انسانوں کے اعمال میں برکت دیتا ہے، اور اُنکے اجر میں فراوانی ہوتی رہتی ہے!

ؔ من ۔ ایک درخت کا شیرہ ہوتا ہے جو شبنم کی طرح جم جاتا ہے اور خوش ذائقہ اور مقوی ہوتا ہے۔ سلویٰ ایک پرندہ ہے۔ یہ دونوں چیزیں کوہِ طور کے اطراف و جوانب میں بکثرت ہوتی ہیں۔ یہ من وہ حلوا ہے جسے خود کھایا ہو ... کے یہودی بتلایا کرتے ہیں ۱۲

فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَنزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا رِجْزًا (۵۹)
مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ۝ وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِب (۶۰)
بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۖ فَانفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۖ قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۖ
كُلُوا وَاشْرَبُوا مِن رِّزْقِ اللَّهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۝ وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَىٰ (۶۱)
لَن نَّصْبِرَ عَلَىٰ طَعَامٍ وَاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنبِتُ الْأَرْضُ مِن بَقْلِهَا
وَقِثَّائِهَا وَفُومِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ۖ قَالَ أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَىٰ بِالَّذِي

---

(۵۹) لیکن پھر ایسا ہوا کہ تم میں سے اُن لوگوں نے جن کی راہ ظلم و شرارت کی راہ تھی، حق کی بتلائی ہوئی بات ایک دوسری بات سے بدل ڈالی (اور عجز و عبودیت کی جگہ غفلت و غرور میں مبتلا ہوگئے) نتیجہ یہ نکلا کہ ظلم و شرارت کرنے والوں پر ہم نے آسمان سے عذاب نازل کیا، اور یہ اُن کی نافرمانیوں کی سزا تھی!

(۶۰) اور پھر (وہ واقعہ بھی یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے پانی طلب کیا تھا، اور ہم نے حکم دیا تھا، اپنی لاٹھی سے پہاڑ کی چٹان پر ضرب لگاؤ (تم دیکھو گے کہ پانی تمہارے لئے موجود ہے۔ موسیٰ نے اس حکم کی تعمیل کی) چنانچہ بارہ چشمے پھوٹ نکلے، اور تمام لوگوں نے اپنے اپنے پانی لینے کی جگہ معلوم کرلی۔ (اس وقت تم سے کہا گیا تھا۔ اس بے آب و گیاہ بیابان میں تمہارے لئے زندگی کی تمام ضرورتیں مہیا ہوگئی ہیں پس) کھاؤ پیو، خدا کی بخشش سے فائدہ اٹھاؤ، اور ایسا نہ کرو کہ ملک میں تند و فساد پھیلاؤ (یعنے ضروریات معیشت کے لئے لڑائی جھگڑا کردیا پھر غارت لوٹ مار مچاتے پھرو)

> صحرائے سینا میں پانی کے چشموں کا نمایاں ہونا۔ لیکن بنی اسرائیل کا پانی کے لئے آپس میں جھگڑنا اور تند و فساد پھیلانا!

(۶۱) اور پھر (دیکھو، تمہاری تاریخ حیات کا وہ واقعہ بھی کیس درجہ عبرت انگیز ہے) جب تم نے موسیٰ سے کہا تھا، ہم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک ہی طرح کے کھانے پر قناعت کرلیں (یعنے صرف من اور سلویٰ پر قناعت کرلیں) پس اپنے پروردگار سے دعا کر، ہمارے لئے وہ تمام چیزیں پیدا کردی جائیں، جو زمین کی پیداوار

> غلامی و ذلت میں سے قوم کا اخلاق پست ہو جاتا ہے، اور بلند مقاصد کے لئے جوش و عزم باقی نہیں رہتا۔ بنی اسرائیل مصریوں کی غلامی سے آزاد ہو گئے تھے، اور ان کی عظمت کا مستقبل ان کے سامنے تھا، لیکن وہ انہی چیزوں کی باتوں کو ترستے تھے جو مصریوں کی غلامانہ زندگی میں میسر تھیں، اور وہ چھوٹی چھوٹی تکلیفیں شاق گزرتی تھیں جو آزادی و عظمت کی راہ میں پیش آتی تھیں!

هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ

۵۹

۶۰

نیز اس حقیقت کا اعلان کہ یہودیوں کی اسی درجہ بداعمالیاں ان کی مغضوبیت کا باعث ہوئیں۔

ہیں، سبزی، ترکاری، گیہوں، دال، پیاز، لہسن وغیرہ جو مصر میں ہم کھایا کرتے تھے) موسیٰ نے یہ سن کر کہا (افسوس تمھاری غفلت اور بے حسی پر!) کیا تم چاہتے ہو، ایک ادنیٰ سی بات کے لئے (یعنی غذا کی لذت کے لئے) اُس (مقصد عظیم) سے دستبردار ہو جاؤ جس میں (بڑی ہی) خیر و برکت ہے؟ (یعنی قومی آزادی و سعادت سے؟) اچھا، اگر تمھاری غفلت و بدبختی کا یہی حال ہے، تو یہاں سے نکلو، شہر کی راہ لو، وہاں یہ تمام چیزیں مل جائیں گی جن کے لئے ترس رہے ہو (اگرچہ غلامی کی ذلت و نامرادی کے ساتھ ملیں گی) بہرحال بنی اسرائیل پر خواری و نامرادی کی مار پڑی اور خدا کے غضب کے سزاوار ہوئے۔ اور یہ اس لئے ہوا کہ خدا کی آیتوں سے انکار کرتے تھے اور اُس کے نبیوں کے ناحق قتل میں بے باک تھے، اور (گمراہی و شقاوت کی یہ روح ان میں) اس لئے (پیدا ہو گئی) کہ (اطاعت کی جگہ) سرکشی سما گئی تھی، اور (حق و ہدایت کی) حدیں توڑ کر بے لگام ہو گئے تھے!

۵۹

اس اصل عظیم کا اعلان کہ سعادت و نجات ایمان و عمل سے وابستہ ہے۔ نسل و خاندان یا مذہبی گروہ بندی کو اس میں کوئی دخل نہیں۔ یہودی جب ایمان و عمل سے محروم ہو گئے، تو نہ تو ان کی نسل ان کے کام آئی، نہ یہودیت کی گروہ بندی سود مند ہو سکی۔ خدا کے قانون نے یہ نہیں دیکھا کہ وہ کون ہیں اور کس گروہ بندی سے تعلق رکھتے ہیں، بلکہ صرف یہ دیکھا کہ عمل کیسا ہے، اور پھر جب آزمائش عمل میں پورے نہ اترے، تو غضب الٰہی کا مورد ہو گئے۔

(دراصل اس بارے میں خدا کا ٹھہرایا ہوا قانون تو یہ ہے کہ فلاح و سعادت ایمان و عمل سے حاصل ہوتی ہے نہ کہ نسل و خاندان یا مذہبی گروہ بندی سے) جو لوگ (پیغمبر اسلام پر) ایمان لا چکے ہیں، وہ ہوں، یا وہ لوگ ہوں جو یہودی ہیں، یا نصاریٰ اور صابی ہوں، (کوئی ہو، اور کسی گروہ بندی میں سے ہو) لیکن جو کوئی بھی خدا پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اُس کے اعمال بھی اچھے ہوئے تو وہ اپنے ایمان و عمل

۶۳ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۞ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ۞ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ ۶۴ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ ۞ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۞ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖۤ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ ۶۵ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ۚ قَالُوْۤا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۚ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۞ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ

اجر اپنے پروردگار سے ضرور پائے گا۔ اس کے لئے نہ تو کسی طرح کا کھٹکا ہوگا، نہ کسی طرح کی غمگینی!

۶۰ اور پھر (اپنی تاریخ حیات کا وہ وقت بھی یاد کرو) جب ہم نے تم سے تمہارا عہد لیا تھا، اور نیز وہ وقت تھا کہ تم نیچے کھڑے تھے، اور کوہ طور کی چوٹیاں تم پر بلند کر دی تھیں: "دیکھو، جو کتاب ہدایت تمہیں دی گئی ہے، اس پر مضبوطی کے ساتھ جم جاؤ، اور جو کچھ اس میں بیان کیا گیا ہے، اُسے ہمیشہ یاد رکھو (اور یہ اس لئے ہے) تاکہ تم (نافرمانی سے) بچو (اور فلاح و سعادت کی راہ میں کامیاب ہو)"

بنی اسرائیل کی یہ گمراہی کہ شریعت کے احکام پر سچائی کے ساتھ عمل نہیں کرتے تھے، اور ان سے بچنے کے لئے طرح طرح کے شرعی حیلے گھڑ لئے تھے یعنی محض ظاہری طور پر تو ان کی تعمیل کرتے، لیکن جو کچھ حقیقی مقصد تھا، پورا نہ کرتے۔

۶۱ لیکن پھر تم اپنے عہد سے پھر گئے (اور احکام شریعت کی خلاف ورزی شروع کر دی) اور اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تمہارا ساتھ نہ دیتی، تو (تمہاری گمراہانہ روش تو ایسی تھی کہ) فوراً ہی نامرادی و تباہی کے حوالے ہو جاتے!

۶۲ اور یقیناً تم اُن لوگوں کے حال سے بے خبر نہیں ہو جو تم ہی میں سے تھے، اور جنہوں نے سبت کے معاملہ میں راستبازی کی حدیں توڑ ڈالی تھیں (یعنے حکم شریعت سے بچنے کے لئے حیلوں اور مکاریوں سے کام لیا تھا۔ جب انھوں نے ایسا کیا تو انسانیت کے درجے سے گر گئے) ہم نے کہا: ذلیل و خوار بندروں کی طرح ہو جاؤ۔ (انسانوں کے پاس سے ہمیشہ دھتکارے نکالے جاؤ گے) چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور ہم نے اس معاملہ کو اُن سب کے لئے جن کے سامنے ہوا، اور اُن کے لئے بھی جو بعد کو پیدا ہوئے، تازیانہ عبرت بنا دیا، اور اُن لوگوں کے لئے جو متقی ہیں، اس میں نصیحت و دانائی رکھ دی!

۶۳ اور پھر (وہ معاملہ یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے

گائے کے سوال و جواب اور حقیقی بنی اسرائیل کی کج روی۔ یعنے احکام حق کی سیدھی سادی

يُبَيِّن لَّنَا مَا هِيَ ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَلَا بِكْرٌ عَوَانٌ بَيْنَ ذَٰلِكَ ۖ
فَافْعَلُوا مَا تُؤْمَرُونَ ۝ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا لَوْنُهَا ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ ۶۴
صَفْرَاءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النَّاظِرِينَ ۝ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا هِيَ إِنَّ الْبَقَرَ تَشَابَهَ ۶۵
عَلَيْنَا وَإِنَّا إِن شَاءَ اللَّهُ لَمُهْتَدُونَ ۝ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ ۶۶
وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيهَا ۚ قَالُوا الْآنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۚ فَذَبَحُوهَا وَمَا
كَادُوا يَفْعَلُونَ ۝ وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادَّارَأْتُمْ فِيهَا ۖ وَاللَّهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنتُمْ تَكْتُمُونَ ۶۷

اطاعت کرنے کی جگہ ردّ و کد کرنا، طرح طرح کے سوالات کرنا، باریکیاں اور دقیقہ سنجیاں کرنا اور شریعت کی سادگی اور آسانی کو سختی اور پیچیدگی سے بدل دینا۔

(سیدھی سادی) بات کہی تھی کہ خدا کا حکم ہے، ایک گائے ذبح کر دو۔ (بجائے اسکے کہ راست بازی کے ساتھ اس پر عمل کرتے، لگے طرح طرح کی کٹ حجتیاں کرنے۔ پہلے کہا (بھلا کیونکر ممکن ہو کہ خدا نے ایسی بات کا حکم دیا ہو؟) معلوم ہوتا ہے، تم ہمارے ساتھ تمسخر کر رہے ہو۔ موسیٰ نے کہا۔ نعوذ باللہ اگر میں (احکام الٰہی کی تبلیغ میں تمسخر کروں اور) جاہلوں کا شیوہ اختیار کروں۔ یہ سن کر وہ بولے۔ (اگر ایسا ہی ہے تو) اپنے پروردگار سے درخواست کرو، وہ کھول کر بیان کر دے، کس طرح کا جانور ذبح کرنا چاہئے؟ (یعنے ہمیں تفصیلات معلوم ہونی چاہئیں) موسیٰ نے کہا۔ خدا کا حکم یہ ہے کہ ایسی گائے ہو، جو نہ تو بالکل بوڑھی ہو، نہ بالکل بچھیا۔ درمیانی عمر کی ہو۔ اور اب (کہ تمہیں تفصیل کے ساتھ حکم مل گیا ہے) چاہئے کہ اس کی تعمیل کرو۔ (لیکن انھوں نے پہلے سوال کا جواب پا کر ایک دوسرا سوال پیدا کر دیا) کہنے لگے، اپنے پروردگار سے درخواست کرو۔ وہ یہ بھی بتلا دے کہ جانور کا رنگ کیسا ہونا چاہئے؟ ۶۴ موسیٰ نے کہا حکم الٰہی یہ ہے کہ اس کا رنگ زرد ہو۔ خوب گہرا زرد۔ ایسا کہ دیکھنے والوں کا جی دیکھ کر خوش ہو جائے (جب رنگ کی خصوصیت بھی معین ہو چکی تو انھوں نے ایک اور الجھاؤ پیدا کر دیا) کہنے لگے ۶۵ (ان ساری باتوں کے بعد بھی) ہمارے لئے (مطلوبہ) جانور کی پہچان مشکل ہے۔ اپنے پروردگار سے کہو کہ (اور زیادہ وضاحت کے ساتھ) بتلا دے کہ جانور کیسا ہونا چاہئے؟ انشاء اللہ ہم ضرور پتہ لگا لیں گے۔ ۶۶ اس پر موسیٰ نے کہا۔ اللہ فرماتا ہے ایسی گائے ہو، جو نہ تو کبھی ہل میں جوتی گئی ہو، نہ کبھی آب پاشی کے لئے کام میں لائی گئی ہو۔ پوری طرح صحیح سالم، داغ دھبے سے پاک و صاف۔ (جب معاملہ اس حد تک پہنچ گیا، تو پھر عاجز ہو کر) بولے۔ ہاں، اب تم نے ٹھیک ٹھیک بات بتلا دی۔ چنانچہ جانور ذبح کیا گیا۔ اگرچہ ایسا کرنے پر وہ (دل سے) آمادہ نہ تھے!

بنی اسرائیل کا قتل نفس میں [illegible] شریعت الٰہی کے

۶۷ اور پھر (غور کرو، وہ واقعہ) جب تم نے (یعنے تمہاری قوم نے) ایک

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ۭ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِىَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ۭ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاۗءُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ښ وَاِذَا خَلَا بَعْضُھُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَھُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ

[illegible]

جان ہلاک کردی تھی، اور اس کی نسبت آپس میں جھگڑتے اور ایک دوسرے پر الزام لگاتے تھے، اور جرم و معصیت کی جو بات تم چھپانا چاہتے ہو، خدا اسے آشکارا کرنے والا ہے!

چنانچہ ایسا ہوا کہ ہم نے حکم دیا: اُس شخص پر (جو فی الحقیقت قاتل تھا) مقتول کے بعض (اجزاء جسم) سے ضرب لگاؤ (جب ایسا کیا گیا تو حقیقت کھل گئی اور قاتل کی شخصیت معلوم ہو گئی) اللہ اسی طرح مُردوں کو زندگی بخشتا، اور تمھیں اپنی (قدرت و حکمت کی) نشانیاں دکھلاتا ہے تاکہ فہم و دانش سے کام لو!

اور پھر (دیکھو) ان تمام وقائع کے بعد تم پر وہ وقت آیا جب بد اعمالیوں اور شقاوتوں کے استداد سے تمھارے دل سخت پڑ گئے۔ ایسے سخت، گویا پتھر کی چٹانیں ہیں (نہیں) بلکہ پتھر سے بھی زیادہ سخت، کیونکہ پتھروں میں تو بعض پتھر ایسے بھی ہیں جن میں سے پانی کے چشمے

[illegible]

پھوٹ نکلتے ہیں، اور انہی پتھروں میں ایسی چٹانیں بھی ہیں جو شق ہو کر ٹکڑے ہو جاتی ہیں اور ان میں سے پانی اپنی راہ نکال لیتا ہے، اور پھر انہی میں وہ چٹانیں بھی ہیں جو خوف الٰہی سے (لرز کر) گر پڑتی ہیں (لیکن تمھارے دلوں کی بے حسی کا تو یہ حال ہو گیا کہ کتاب الٰہی کی کوئی تنبیہ اور خدا کے رسولوں کی کوئی تخویف بھی انھیں ہلا نہ سکی! اور حوادث و وقائع کا کوئی سیلاب بھی ان میں راہ نہ پا سکا! پس افسوس اُن دلوں پر جن کے سامنے پتھر کی سختی اور چٹانوں کا جماؤ بھی ماند پڑ جائے! بہر حال) یاد رکھو، خدا (کا قانون) تمھارے اعمال کی طرف سے غافل نہیں ہے، وہ تمھارے ایک ایک عمل پر نگاہ رکھتا ہے، اور ضروری ہے کہ جیسا جس کا عمل ہو، اسی کے مطابق نتائج بھی پیش آئیں!

عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوكُمْ بِهِ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ أَوَلَا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ
وَمَا يُعْلِنُونَ ۝ وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ۝ فَوَيْلٌ
لِلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا
قَلِيلًا ۖ فَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا يَكْسِبُونَ ۝ وَقَالُوا لَنْ
تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَعْدُودَةً ۚ قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ
عَهْدَهُ ۖ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ بَلَىٰ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ

بنی اسرائیل کے گذشتہ اہم وقائع کے ذکر کے بعد اُنکے موجودہ اعمال و اقوال پر تبصرہ، اُن کی اعتقادی اور عملی گمراہیوں کی تشریح، اور اُن کے نتائج و عواقب۔

سب سے پہلی اور بنیادی گمراہی یہ ہو کہ وہ کتاب اللہ کا سچا علم باقی نہیں رہا، نہ سچا عمل!

(اے پیروانِ دعوتِ حق! جن لوگوں کی شقاوت کا یہ حال ہو، اُن سے قبولیتِ حق کی کیا امید ہو سکتی ہو؟) کیا تم توقع رکھتے ہو کہ وہ (کلامِ حق پر غور کرینگے، اور اُسکی سچائی پرکھ کر) تمھاری بات تسلیم کرینگے، حالانکہ ان میں ایک گروہ ایسا تھا جو اللہ کا کلام سنتا تھا، اور اُس کے مطالب سمجھتا تھا، لیکن پھر بھی، دیدہ و دانستہ اس میں تحریف کر دیتا تھا (یعنے اس کا مطلب بدل دیتا تھا تاکہ اپنے ذاتی اغراض پورے کرے یا اپنے خیالات اور آراء کے مطابق اسے ڈھال لے۔ سو جن لوگوں کی گمراہی اس حد تک پہنچ چکی ہو، تم اُن سے اتباعِ حق کی کیا امید کرسکتے ہو؟)

اور (دیکھو، اِن کا حال تو یہ ہو کہ) جب یہ ایمان والوں سے ملتے ہیں، تو اپنے آپ کو مومن ظاہر کرتے ہیں، لیکن جب اکیلے میں ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہیں، تو کہتے ہیں "جو کچھ تمھیں خدا نے (تورات کا) علم دیا ہو، وہ ان لوگوں پر کیوں ظاہر کرتے ہو؟ کیا اس لئے کہ وہ تمھارے خلاف تمھارے پروردگار کے حضور اُس سے حجت پکڑیں (یعنے تمھارے پروردگار کے کلام سے تمھارے خلاف استدلال کریں؟) کیا (اتنی موٹی سی بات بھی) تم نہیں سمجھتے؟" (غور کرو، اگر ان کے دل میں خدا کی کتاب پر سچا ایمان ہوتا، تو کیا ممکن تھا کہ محض اپنی بات کے لئے یہ اُس کی تعلیم دوسروں سے چھپانا چاہتے، اور یہ جاننے پر بھی کہ اُس کی تعلیم اُنکے خلاف حجت ہو، اپنی گمراہیوں کا اقرار نہ کرتے؟ افسوس اُنکے ادعاءِ ایمان و حق پرستی پر!) کیا یہ نہیں جانتے کہ (معاملہ انسان سے نہیں بلکہ اللہ سے ہو، اور) اللہ کے علم سے کوئی بات پوشیدہ نہیں؟ وہ جو کچھ پوشیدہ رکھتے ہیں، اُسے بھی وہ جانتا ہو، اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں، وہ بھی اُس کے سامنے ہو!

فَأُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ۝ وَالَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ أُولٰٓئِكَ
أَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ۝ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ لَا تَعْبُدُونَ
إِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِينِ وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا
وَّأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْكُمْ وَأَنْتُمْ مُّعْرِضُونَ ۝
وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُونَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُونَ أَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ
ثُمَّ أَقْرَرْتُمْ وَأَنْتُمْ تَشْهَدُونَ ۝

اور (پھر یہ حال تو ان کے علماء کا ہے جو مقدس نوشتوں کا علم رکھتے ہیں) لیکن انہی میں وہ لوگ بھی ہیں جو ان پڑھ ہیں، اور جہاں تک کتاب الٰہی کا تعلق ہے، (خوش اعتقادی کی) آرزوؤں اور دعووں کے سوا اور کچھ نہیں جانتے، اور (دین کے علم و عمل کی جگہ) محض وہموں گمانوں میں مگن ہیں۔

پس افسوس اُن (مدعیانِ علم) پر جن کا شیوہ یہ ہو کہ خود اپنے ہاتھ سے کتاب لکھتے ہیں (یعنی اپنی رایوں اور خواہشوں کے مطابق احکام شرع کی کتابیں بنا لیتے ہیں) پھر لوگوں سے کہتے ہیں، یہ اللہ کی طرف سے ہے (یعنی اس خود ساختہ کتاب میں جو کچھ لکھا ہوا ہے، وہ کتاب الٰہی کے احکام ہیں) اور یہ سب کچھ اس لئے کرتے ہیں تاکہ اس کے معاوضہ میں ایک حقیر سی قیمت دنیوی فائدہ کی حاصل کرلیں۔ پس افسوس اس پر، جو کچھ ان کے ہاتھ لکھتے ہیں، اور افسوس اس پر، جو کچھ وہ اس ذریعے سے کماتے ہیں!

اُن کے علما حق فروش ہیں، اور عوام کا سرمایہ دین خوش اعتقادی کی آرزوؤں اور جہالت کے دعووں کے سوا کچھ نہیں رہا۔

یہودیوں کے علما کی یہ گمراہی کہ کتاب اللہ کے احکام پر اپنی رائیں اور خواہشوں کو ترجیح دیتے، اور پھر اپنے گھڑے ہوئے مسائل اور عقیدوں کو کتاب اللہ کی طرح واجب العمل بتلاتے۔

یہ لوگ (یعنی یہودی) کہتے ہیں، جہنم کی آگ ہمیں کبھی چھونے والی نہیں (کیونکہ ہماری امت خدا کے نزدیک نجات یافتہ امت ہے) اگر ہم آگ میں ڈالے بھی جائیں گے تو (اس لئے نہیں کہ ہمیشہ عذاب میں رہیں، بلکہ) صرف چند دنوں کے لئے (تاکہ گناہ کے میل کچیل سے پاک صاف ہو کر پھر جنت میں جا داخل ہوں) اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہدو، یہ بات جو تم کہتے ہو تو (دو حالتوں سے خالی نہیں۔ یا تو تم نے خدا سے (غیر مشروط) نجات کا کوئی

یہودیوں کی یہ گمراہی کہ سمجھتے تھے، اُن کی امت نجات یافتہ امت ہے، اس لیے ممکن نہیں کہ کوئی یہودی ہمیشہ کے لئے دوزخ میں ڈالا جائے۔

قرآن ان کے اس وہم باطل کا رد کرتا ہے، اور کہتا ہے جنت و دوزخ کی تقسیم قوموں کی تقسیم کی بنا پر نہیں ہے کہ کسی خاص قوم کے لئے جنت ہو اور باقی کے لئے دوزخ، بلکہ اس کا تمام تر دارومدار ایمان و عمل پر ہے۔ جس انسان نے بھی اپنے اعمال کے ذریعہ برائی کمائی اس کے لئے برائی ہے عذاب ہے، اور جس کسی نے بھی اپنے اعمال کے ذریعہ اچھائی کمائی اس کے

۷۹ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفْدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ ۸۰ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝

کے اچھائی یعنے نجات ہو، خواہ وہ کوئی ہو اور کسی گروہ بندی کا ہو!

پٹہ لکھوا لیا ہو کہ اب وہ اس کے خلاف جا نہیں سکتا؟ اور یا پھر تم خدا کے نام پر ایک ایسا بہتان باندھ رہے ہو جس کے لئے تمھارے پاس کوئی علم نہیں!

۷۵ نہیں، (آخرت کی نجات کسی ایک امت اور گروہ ہی کی میراث نہیں ہو کہ بہر حال اسی کے لئے ہو۔ خدا کا قانون تو یہ ہے کہ کوئی انسان ہو اور کسی گروہ اور امت کا ہو لیکن) جس کسی نے بھی اپنے اعمال سے برائی کمائی اور اس کے گناہوں نے اسے گھیرے میں لے لیا، تو وہ دوزخی گروہ میں سے ہے۔ ہمیشہ دوزخ میں رہنے والا۔ ۷۶ اور جس کسی نے بھی ایمان کا شیوہ اختیار کیا اور اس کے اعمال بھی اچھے ہوئے تو وہ بہشتی گروہ میں سے ہے۔ ہمیشہ بہشت میں رہنے والا!

۷۷ اور پھر (وہ وقت) یاد کرو، جب ہم نے بنی اسرائیل سے (اتباع شریعت کا) عہد لیا تھا (وہ عہد کیا تھا؟ کیا اعتراف کے گھمنڈ اور یہودی گروہ بندی کی نجات یافتگی کا عہد تھا؟ نہیں، ایمان و عمل کا عہد تھا) اللہ کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرنا، ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا، عزیزوں قریبوں کے ساتھ نیکی سے پیش آنا، یتیموں مسکینوں کی خبر گیری کرنا، تمام انسانوں سے اچھے طریق پر ملنا، نماز قائم کرنی، زکوٰۃ ادا کرنی (ایمان و عمل کی یہی بنیادی سچائیاں ہیں جن کا تم سے عہد لیا گیا تھا) لیکن تم اس عہد پر قائم نہیں رہے، اور ایک قلیل تعداد کے سوا سب نے روگردانی کی، اور حقیقت یہ ہے کہ (ہدایت کی طرف سے) کچھ تمھارے رخ ہی پھرے ہوئے ہیں!

۷۸ اور پھر (وہ معاملہ) یاد کرو، جب ایسا ہوا تھا کہ ہم نے تم سے عہد لیا تھا: آپس میں ایک دوسرے کا خون نہیں بہاؤ گے، اور نہ اپنے آپ کو (یعنے اپنی جماعت کے افراد کو) جلاوطن کرو گے۔ تم نے اس کا اقرار کیا تھا، اور تم (اب بھی) یہ بات تسلیم کرتے ہو۔ ۷۹ لیکن پھر (دیکھو) تم ہی

پھر ان مذاہب کی گمراہی کی وہ حالت جبکہ اتباع دین کی روح گم مفقود ہو جاتی ہے، اور دینداری کی نمائش صرف اس لئے کی جاتی ہے کہ نفسانی خواہشوں اور کام جوئیوں کے لئے آڑ کا کام بنایا جائے۔ اس صورت حال کا اولین نتیجہ جو ہوا کہ شریعت کے بنیادی اور اصولی احکام پر

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖۤ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ
اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ۚ وَ
لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ○ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ
بِمَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ۚ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ۚ
قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ
مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ○ وَ

خواہشوں کی پرستش کی جاتی ہو، اور یہی وجہ ہو کہ نفس پرستوں نے ہمیشہ
داعیانِ حق و اصلاح کی مخالفت کی ہو۔ بنی اسرائیل کے تکذیبِ رسل اور
قتلِ انبیاء سے استشہاد ہو کہ جس طرح وہ سچائی کے منکر و معاند تھے اسی
طرح اب بھی عناد و عداوت میں سرگرم ہیں۔

کتاب دی۔ پھر موسیٰ کے بعد سلسلۂ ہدایت پے در پے رسولوں
کو بھیج کر جاری رکھا، یا آخر مریم کے بیٹے عیسیٰ کو سچائی کی
روشن نشانیاں دیا اور روح القدس کی تائید سے
ممتاز کیا (لیکن ان میں سے ہر دعوت کی تم نے مخالفت
کی، اور خدا کے ہر پیام کو تم نے جھٹلایا) پھر کیا تمہارا شیوہ
یہی رہا ہو کہ جب کبھی اللہ کا کوئی رسول ایسی دعوت لے کر آئے جو تمہاری نفسانی خواہشوں کے خلاف ہو، تو تم اسکے
مقابلہ میں سرکشی کر بیٹھو، اور ان میں سے کسی کو جھٹلاؤ، کسی کو قتل کر دو؟

حق کے ثبات اور تقلید کے جمود میں فرق ہو۔ خیالات کی ایسی پختگی
میں کوئی خوبی نہیں کہ ہم دوسروں کی بات سنتے ہی سے انکار کر دیں۔ علماء
یہود ایسے ہی جمود میں مبتلا تھے، اور اسے اعتقاد کی پختگی سمجھ کر فخر کرتے تھے۔

اور (یہ لوگ اپنے جمود اور بے حسی کی حالت پر فخر
کرتے ہیں اور) کہتے ہیں ہمارے دل تو دوسرے غلافوں میں
لپٹے ہوئے ہیں (یعنی اب کسی نئی بات کا اثر ان تک پہنچ
ہی نہیں سکتا۔ حالانکہ یہ اعتقاد کی پختگی اور حق کا ثبات
نہیں ہو جو قابلِ تعریف ہو) بلکہ انکارِ حق کے تعصب کی
پھٹکار ہو کہ (کلامِ حق سننے اور اثر پذیر ہونے کی استعداد ہی معدوم ہو گئی) اور اسی لئے بہت کم ایسا ہوتا ہو کہ وہ کلمۂ
حق سنیں اور قبول کریں۔

چنانچہ جب ایسا ہوا کہ اللہ کی طرف سے انکی ہدایت کے لئے ایک کتاب نازل ہوئی اور وہ اس کتاب کی تصدیق
کرتی تھی جو پہلے سے انکے پاس موجود ہو تو باوجودیکہ وہ (تورات کی پیشین گوئیوں کی بنا پر اس ظہور کے منتظر تھے اور)
کافروں کے مقابلے میں اس کلام کے ذریعہ فتح و نصرت کی دعائیں مانگتے تھے، لیکن جب وہی جانی بوجھی ہوئی بات سامنے
آگئی، تو صاف انکار کر گئے، (اور اس کی مخالفت پر کمر باندھ لی) پس ان لوگوں کے لئے جو (دیدہ و دانستہ) کفر کی

يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝ قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰي قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰىلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ۝

اور پھر دیکھو، یہ واقعہ ہے کہ موسیٰ سچائی کی روشن دلیلوں کے ساتھ تمھارے پاس آیا لیکن جب وہ چالیس راتوں کے لیے تم سے الگ ہو گیا تو تم بچھڑے کے پیچھے پڑ گئے، اور ایسا کرتے ہوئے یقیناً تم (شیوۂ ایمان میں ثابت قدم نہ تھے) ایمان سے منحرف ہو گئے تھے!

اور پھر جب ایسا ہوا تھا کہ ہم نے (دین الٰہی پر قائم رہنے کا) تم سے عہد لیا تھا، اور کوہ طور کی چوٹیاں تم پر بلند کر دی تھیں (تو تم نے اس کے بعد کیا کیا؟ تمھیں حکم دیا گیا تھا کہ) "جو کتاب تمھیں دی گئی ہے، اس پر مضبوطی کے ساتھ جم جاؤ، اور اس کے حکموں پر کاربند ہو"۔ تم نے (زبان سے) کہا "سنا"، اور (دل سے کہا) "نہیں مانتے"۔ اور پھر ایسا ہوا کہ تمھارے کفر کی وجہ سے تمھارے دلوں میں گوسالہ پرستی رچ گئی (اے پیغمبر!) ان سے کہو، (دعوت حق سے بے نیازی ظاہر کرتے ہوئے) تم اپنے جس ایمان کا دعویٰ کرتے ہو، اگر وہ یہی ایمان ہے، تو افسوس اس ایمان پر! کیا ہی بری راہ ہے جس پر تمھارا ایمان تمھیں لے جا رہا ہے!

(یہ لوگ کہتے ہیں آخرت کی نجات صرف انھی کے حصے میں آئی ہے) تم ان سے کہو، اگر آخرت کا گھر خدا کے نزدیک صرف تمھارے ہی لیے ہے، اور کسی انسان کا اس میں حصہ نہیں، اور تم اپنے اس اعتقاد میں سچے ہو، تو (تمھیں دنیا کی جگہ آخرت کا طلبگار ہونا چاہیے، پس) بے خوف ہو کر موت کی آرزو کرو (حیات فانی کے پجاری نہ بنو) اے پیغمبر! تم دیکھ لو گے کہ یہ لوگ اپنی بدعملیوں کی وجہ سے جن کا ذخیرہ جمع کر چکے ہیں، کبھی ایسا کرنے والے نہیں، اور اللہ ظلم کرنے والوں کو اچھی طرح جانتا ہے۔

جن کے دل میں نجات آخرت کا سچا یقین ہوگا وہ موت سے خائف اور حیات دنیوی کے پجاری نہیں ہو سکتے۔ بنی اسرائیل کی دنیا پرستی اور حیات دنیوی کی حرص سے ان کے ایمان و یقین کے فقدان پر استشہاد۔

اور پھر اتنا ہی نہیں، بلکہ تم دیکھو گے زندگی کی سب سے زیادہ حرص رکھنے والے یہی لوگ ہیں۔ مشرکوں سے بھی زیادہ (ان مدعیان توحید کے دلوں میں حیات فانی کا عشق ہے) ان میں سے ایک ایک آدمی کا دل یہ حسرت رکھتا ہے، کہ کاش ایک ہزار برس تک تو جیے! حالانکہ (یہ لوگ کتنے ہی زیادہ مدت تک جئیں بہرحال ایک دن مرنا ضرور ہے، اور) کچھ عمر کی

اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۭ بَلْ اَكْثَرُھُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ
وَلَمَّا جَاۗءَھُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَھُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ
اُوْتُوا الْكِتٰبَ ڎ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَاۗءَ ظُهُوْرِھِمْ كَاَنَّھُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۡ وَاتَّبَعُوْا مَا
تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰي مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا
يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۤ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَي الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ ھَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۭ وَمَا
يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ

ذرا بھی انھیں عذاب آخرت سے نجات نہیں دلا دے گی، اور وہ جو کچھ کر رہے ہیں اللہ کی نظر سے مخفی نہیں ہو!

جو کوئی سلسلۂ وحی کا مخالف ہے، تو وہ اللہ اور اس کے قوانین ہدایت کا مخالف ہے۔

(۹۱) (اے پیغمبر) یہ اللہ کا کلام ہے جو جبریل نے اس کے حکم سے تمھارے قلب میں اتارا ہے، اور یہ اس کلام کی تصدیق کرتا ہوا آیا ہے جو اس سے پہلے نازل ہو چکا ہے۔ اس میں انسان کے لئے ہدایت ہے، اور ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں (فلاح و کامیابی کی) بشارت۔ (پھر اگر یہ لوگ اللہ کے سلسلۂ وحی و نبوت کے مخالف ہیں، اور شدت جہل و تعصب سے کہتے ہیں ہم جبریل کا اتارا ہوا کلام نہیں مانینگے کہ اس سے ہماری دشمنی ہو تو) تم کہہ دو، جو کوئی اللہ کا، اس کے ملائکہ کا، اس کے رسولوں کا، اور جبریل اور میکائیل کا (۹۲) دشمن ہو، تو یقیناً اللہ بھی منکرین حق کا دوست نہیں ہو!

پیغمبر اسلام سے خطاب کہ دعوت حق کا ظہور سچائی کی روشن دلیلوں کے ساتھ ہوا ہے جس سے کوئی راست باز انسان انکار نہیں کر سکتا، اور اگر علماء یہود باوجود کتاب اللہ کے حامل ہونے کے انکار کر رہے ہیں، تو یہ کوئی نیا معاملہ نہیں ہے جس پر تعجب ہو۔ اس سے پہلے بھی ان کی روش ایسی ہی رہ چکی ہے۔

(۹۳) اے پیغمبر! یقین کرو، ہم نے تم پر سچائی کی روشن دلیلیں نازل کی ہیں، اور ان سے کوئی انکار نہیں کر سکتا، مگر صرف وہی جو راست بازی کے دائرے سے باہر ہو گیا ہو۔

(۹۴) (اور یہ لوگ جو آج دعوت حق کی مخالفت کر رہے ہیں تو غور کرو، اس سے پہلے ان لوگوں کی روش کیسی رہ چکی ہے؟) جب کبھی ان لوگوں نے اتباع حق کا کوئی عہد کیا تو کسی نہ کسی گروہ نے ضرور ہی اسے پس پشت ڈال دیا، اور حقیقت یہ ہے کہ ان میں بڑی تعداد ایسے ہی لوگوں کی ہے جن کے دل خدا پرستی کے سچے ایمان سے خالی ہیں!

(۹۵) چنانچہ (دیکھو) جب ایسا ہوا کہ اللہ کا ایک رسول اس کتاب کی تصدیق کرتا ہوا آیا جو پہلے سے انکے پاس موجود تھی (یعنے حضرت مسیح کا ظہور ہوا) تو ان لوگوں میں سے ایک گروہ نے کہ کتاب الٰہی کے حامل تھے، کتاب

حَتّٰی یَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ؕ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ؕ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ؕ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ؕ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖۤ اَنْفُسَهُمْ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ ٩٧ وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝

الٰہی اس طرح پس پشت ڈال دی، گویا اسے جانتے ہی نہیں!

٩٦ بنی اسرائیل کے نسخ عقل و ایمان پر اس درجہ استیلا کہ جادوگروں کے شعبدوں اور پُر مصیبت عملوں پر جھک پڑے تھے اور کتاب الٰہی کی تعلیم پس پشت ڈال دی تھی۔ جو شخص اس حقیقت کو معلوم کر کے اس بارے میں جو خرافات مشہور ہو گئیں ان کی کوئی اصلیت نہیں۔

اور پھر (دیکھو) ان لوگوں نے (کتاب الٰہی کی تعلیم فراموش کر کے جادوگری کے) ان (مشرکانہ اعمال) کی پیروی کی جنھیں شیطان سلیمان کے عہد سلطنت کی طرف منسوب کر کے پڑھا پڑھایا کرتے تھے۔ حالانکہ یہ سلیمان پر افترا تھا۔ ایسی باتوں کا کرنا کفر ہے، اور سلیمان کبھی کفر کا مرتکب نہیں ہوا۔ دراصل یہ انھی شیطانوں کا کفر تھا کہ لوگوں کو جادوگری سکھلاتے تھے۔ اور یہ بھی صحیح نہیں ہو کہ بابل میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر اس طرح کی کوئی بات نازل ہوئی تھی (جیسا کہ ان لوگوں میں مشہور ہو۔ واقعہ یہ ہو کہ) وہ جو کچھ بھی کسی کو سکھلاتے تھے تو یہ کہے بغیر نہیں سکھلاتے تھے کہ "دیکھو، ہمارا وجود تو ایک فتنہ ہو۔ پھر تم کیوں کفر میں مبتلا ہوتے ہو؟" (یعنے جادوگری کی باتوں کا بُرا ہونا ایک ایسی مانی ہوئی بات ہو، کہ جو لوگ اسکے سکھلانے والے تھے، وہ بھی تسلیم کرتے تھے کہ یہ بات خداپرستی کے خلاف ہو) لیکن اس پر بھی لوگ ان سے ایسے ایسے عمل سیکھتے جن کے ذریعہ شوہر اور بیوی میں جدائی ڈالنا چاہتے۔ حالانکہ فی الحقیقت وہ کسی انسان کو نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔ الا یہ کہ خدا کے حکم سے کسی کو نقصان پہنچنے والا ہو اور نقصان پہنچ جائے۔ (بہرحال) یہ لوگ (کتاب الٰہی کی تعلیم فراموش کر کے) ایسی باتیں سیکھتے ہیں جو انھیں سراسر نقصان پہنچانے والی ہیں اور کوئی فائدہ نہیں رکھتیں۔ اور (پھر کچھ یہ بات بھی نہیں کہ انھیں احکام الٰہی کی خبر نہ ہو) انھیں اچھی طرح معلوم ہو کہ جو کوئی (اپنا دین و ایمان بیچ کر) جادوگری کا خریدار ہوتا ہو، اس کے لئے آخرت کی برکتوں میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ (لیکن یہ جانتے ہوئے بھی وہ اس سے باز نہیں آتے)! پس افسوس ان کی اس خرید و فروخت پر! کیا ہی بُری متاع ہو جس کے بدلے انھوں نے اپنی جانوں کی نجات بیچ ڈالی! کاش وہ جانتے (کہ کس طرح اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو برباد کر رہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ۭ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝

ہیں!)

اگر یہ لوگ (احکام الٰہی پر سچائی کے ساتھ) ایمان لاتے، اور نیک عملی کی روش اختیار کرتے، تو انکے لئے اللہ کے حضور بہتر اجر تھا۔ (لیکن وہ دنیا کے موہوم فائدہ کے لئے آخرت کی نجات سے دست بردار ہو گئے) کاش وہ سمجھیں (اور عقل و بصیرت سے کام لیں!)

اے پیروانِ دعوت ایمانی! (پیغمبر اسلام کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہو، تو ان منکرین حق کی طرح) یہ نہ کہو کہ "راعنا" (جو مشتبہ اور ذو معنی لفظ ہے) بلکہ صاف اور بے لاگ الفاظ استعمال کرو۔ مثلاً کہو "انظرنا" ہماری طرف التفات کیجئے! اور پھر وہ جو کچھ بھی کہیں اُسے جی لگا کر سنو اور انکی اطاعت کرو۔ باقی رہے یہ منکرین حق، تو یاد رکھو، انھیں (پاداش عمل میں) دردناک عذاب ملنے والا ہے!

دعوت قرآنی کے پیروں سے خطاب کرکے بنی اسرائیل کے ایام و وقائع سے تعرض کیا۔ اور ان ٹھوکروں سے بچیں جو انھیں اس راہ میں لگ چکی ہیں۔ نیز ان شکوک اور اعتراضات کا جواب جو منکرین حق مسلمانوں کے دلوں میں پیدا کرنا چاہتے تھے۔

اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے، وہ، اور مشرکین کہ دونوں نہیں چاہتے کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر خیر و برکت (یعنے وحی الٰہی) نازل ہو (اور اس لئے وہ طرح طرح کے شکوک پیدا کرکے تمہیں اتباعِ حق سے باز رکھنا چاہتے ہیں) لیکن اللہ (کا قانون اس بارے میں انسانی خواہشوں کا پابند نہیں ہو سکتا۔ وہ) جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے لئے چن لیتا ہے، اور وہ بہت بڑا فضل رکھنے والا ہے!

(یاد رکھو، وحی و تنزیل کے بارے میں ہمارا مقررہ قانون یہ ہے کہ) ہم اپنے احکام میں سے جو کچھ منسوخ کرتے ہیں، یا فراموش ہو جانے دیتے ہیں تو اُسکی جگہ اس سے

ایک شریعت کے بعد دوسری شریعت کا ظہور جب ہوتا ہے تو یا تو نسخ کی حالت طاری ہوتی۔ یا نسیان و گمشدگی کی۔ یعنی ایک بات پہلے سے موجود تھی

أَمْ تُرِيدُونَ أَن تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوسَىٰ مِن قَبْلُ ۗ وَمَن يَتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ۞ وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۖ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۞ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ۚ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِندَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۞ وَقَالُوا

بہتر یا (کم از کم) اس جیسا حکم نازل کر دیتے ہیں۔ (پس اگر اب ایک نئی شریعت ظہور میں آ گئی ہے تو یہ کوئی ایسی بات نہیں جس پر لوگوں کو حیرانی ہو) کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ کی قدرت سے کوئی بات باہر نہیں؟ (اگر وہ ایک مرتبہ تمہاری ہدایت کے لئے حسبِ ضرورت احکام بھیج سکتا ہے، تو یقیناً اس کے بعد بھی بار بار ایسا کر سکتا ہے) اور پھر کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہی کے لئے آسمان و زمین کی سلطانی ہے؟ اور اس کے سوا کوئی نہیں جو تمہارا دوست اور مددگار ہو؟

پھر کیا تم چاہتے ہو، اپنے رسول سے بھی (دین کے بارے میں) ویسے ہی سوالات کرو جیسے سوالات اب سے پہلے موسیٰ سے کئے جا چکے ہیں؟ (ایسے جس طرح بنی اسرائیل نے راست بازی و اطاعت شعاری کی جگہ کٹ حجتیاں کرنے اور بلا ضرورت باریکیاں نکالنے کی روش اختیار کی تھی، ویسی ہی روش تم بھی اختیار کرو؟) سو یاد رکھو! جو کوئی بھی ایمان کی نعمت پا کر، پھر اسے کفر کی روش سے بدل دیگا، تو یقیناً وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا، اور فلاح و کامیابی کی منزل اس پر گم ہو گئی!

منسوخ ہو گئی، اور اس کی جگہ دوسری بات آ گئی۔ نسیان کے معنی بھول جانے کے ہیں۔ پھر بعض حالتوں میں ایسا ہوا کہ پچھلی شریعت کسی درست شکل میں موجود تھی لیکن احوال و ضروریات بدل گئے تھے۔ یا اس کے پیروؤں کی عملی حالت معدوم ہو گئی تھی۔ اس لئے ضروری ہوا کہ نئی شریعت ظہور میں آئے۔ بعض حالتوں میں ایسا ہوا کہ امتدادِ وقت سے پچھلی تعلیم بالکل فراموش ہو گئی، اور اصلیت میں سے کچھ باقی نہ رہا۔ پس احکام تجدید ہدایت ضروری ہوئی۔

سنت اللہ یہ ہوئی کہ نسخ شرائع ہوا، لیکن ہر نئی تعلیم پچھلی تعلیم سے بہتر ہوتی ہو، یا کم از کم اس کے مانند ہو۔ ایسا نہیں ہوا کہ کمتر ہو۔

اصل مجیب و دوست، مدد گار و حامی۔

کرید سوال اور تحقیق و تدقیق دین کی بابت۔

لے اس آیت میں نسخ آیات سے مقصود پچھلی شریعتوں کا نسخ ہے یا خود قرآن کے بعض احکام و آیات کا؟ اس بارے میں مفسرین کے دونوں قول موجود ہیں۔ پہلے قول کو اختیار کیا گیا ہے کیونکہ سیاق و سباق سے زیادہ مربوط ہے۔ لیکن بعض حضرات کے نزدیک ترجیح دوسرے معنی کو ہے، وہ اسی کو اختیار کریں۔ اس کی وجہ سے عبارت کا مطلب یہ ہوگا کہ اس صورت میں بھی یہی مطلب ہوگا کہ ہم اگر کسی پچھلے حکم کی جگہ کوئی دوسرا حکم نازل کر دیں تو یہ کوئی ایسی بات نہیں جس پر لوگوں کو حیرانی ہو۔

لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۪ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ

یاد رکھو، اہل کتاب میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو چاہتے ہیں تمہیں ایمان کے بعد پھر کفر کی طرف لوٹا دیں، اور اگرچہ اُن پر سچائی ظاہر ہو چکی ہے لیکن پھر بھی اُس حسد کی وجہ سے جس کی جلن اُنکے اندر ہے پسند نہیں کرتے کہ تم راہِ حق میں ثابت قدم رہو۔ پس چاہیے کہ اُن سے لڑنے جھگڑنے میں اپنا وقت ضائع نہ کرو، (اور) عفو و درگزر سے کام لو۔ یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ ظاہر ہو جائے (اور وہ حق کو فتح مند کر کے بتلا دے کہ کون حق پر تھا اور کس کی جگہ باطل پرستی کی جگہ تھی) اور بلاشبہ وہ ہر بات پر قادر ہے!

نماز اور زکوٰۃ، یعنی قلبی و روحانی عبادت کی سرگرمی، ایک ایسی حالت ہے جس سے جماعت کی معنوی استعداد نشوونما پاتی ہے اور وہی جماعت [illegible] جس میں یہ سرگرمی موجود ہو، وہ دین سے برگشتہ ہو سکتی ہے، نہ اس کی اجتماعی قوت پر شکست آ سکتا ہے۔

اور نماز قائم کرو، اور زکوٰۃ ادا کرو (تاکہ تمہاری معنوی قوت نشوونما پائے، اور راہِ ایمان میں اُستوار ہو جاؤ) یاد رکھو، جو کچھ بھی تم اپنے لئے نیکی کا سرمایہ پہلے سے فراہم کر لو گے، اللہ کے پاس اُس کے نتائج موجود پاؤ گے (یعنی مستقبل میں اُس کے نتائج و ثمرات ظاہر ہونگے) تم جو کچھ بھی کرتے ہو، اللہ اُسے دیکھ رہا ہے!

اور یہودی کہتے ہیں جنت میں کوئی انسان داخل نہیں ہو سکتا، جب تک کہ وہ یہودی نہ ہو۔ اسی طرح عیسائی کہتے ہیں، جنت میں کوئی داخل نہیں ہو سکتا جب تک کہ عیسائی نہ ہو۔ (یعنی ان میں سے ہر گروہ سمجھتا ہے آخرت کی نجات صرف اسی کے حصہ میں آئی ہے، اور جب تک ایک انسان اس کی مذہبی گروہ بندی میں داخل نہ ہو، نجات نہیں پا سکتا۔ اے پیغمبر!) یہ ان لوگوں کی (دل باندھی

اہل مذاہب کی عالمگیر گمراہی یہ ہے کہ انہوں نے دین کی سچائی، جو ایک ہی تھی اور یکساں طور پر سب کو دی گئی تھی، مذہبی گروہ بندیوں کے الگ الگ حلقے بنا کر تقسیم کر دی۔ اب ہر گروہ دوسرے گروہ کو جھٹلاتا ہے اور صرف اپنے ہی کو نجات کا وارث سمجھتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس نزاع کا فیصلہ کیونکر ہو؟ اگر کوئی ایک گروہ سچا ہے تو دوسرے بھی سچے ہیں، اگر دوسرے سچے نہیں ہیں تو پھر کوئی بھی سچا نہیں، کیونکہ ہر گروہ دوسرے کو جھٹلا رہا ہے۔

وَسَعٰی فِیْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ یَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِیْنَ ؕ لَهُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۗ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۝ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ۝ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰٓی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ۝ وَقَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ لَوْلَا یُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِیْنَآ اٰیَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ

امنگیں اور آرزوئیں ہیں۔ نہ کہ حقیقت حال ہے۔ تم ان سے کہو، اگر تم اپنے اس زعم میں سچے ہو، تو ثابت کرو، تمہارے اس دعوے کی دلیل کیا ہے؟

ہاں! بلاشک نجات کی راہ کھلی ہوئی ہے، مگر وہ کسی خاص گروہ بندی کی راہ نہیں ہو سکتی۔ وہ تو ایمان و عمل کی راہ ہے۔ کوئی ہو، کسی گروہ میں سے ہو، کسی نام سے پکارا جاتا ہو، لیکن جس کسی نے بھی اللہ کے آگے سر نیاز جھکا دیا، اور وہ نیک عمل بھی ہوا، تو وہ اپنے پروردگار سے اپنا اجر ضرور پائے گا۔ نہ تو اس کے لئے کسی طرح کا کھٹکا ہے، نہ کسی طرح کی غمگینی!

اور دیکھو، یہ کیسی گمراہی ہے کہ ہر گروہ دوسرے گروہ کو جھٹلاتا ہے، اور سچائی کا صرف اپنے ہی کو ٹھیکہ دار سمجھتا ہے! یہودی کہتے ہیں، عیسائیوں کا دین کچھ نہیں ہے۔ عیسائی کہتے ہیں، یہودیوں کے پاس کیا دھرا ہے۔ حالانکہ اللہ کی کتاب دونوں پڑھتے ہیں (اور اصل دین دونوں کے لئے ایک ہی ہے)! ٹھیک ایسی ہی بات ان لوگوں نے بھی کہی، جو (مقدس نوشتوں کا) علم نہیں رکھتے (یعنے مشرکین عرب نے، کہ وہ بھی صرف اپنے طریقہ ہی کو سچائی کا طریقہ سمجھتے ہیں اور دوسروں کو جھٹلاتے ہیں) اچھا (یہ لوگ اسی طرح ایک دوسرے کو جھٹلاتے رہیں) قیامت کے دن اللہ ان کے درمیان حاکم ہوگا، اور جس بات میں جھگڑ رہے ہیں، اُس کا فیصلہ کر دیگا!

سب جھوٹے ہیں، تو پھر خدا کی سچائی گئی کہاں؟

قرآن کہتا ہے: خدا کی سچائی سب کے لئے ہے، اور سب کو ملی تھی۔ لیکن سب نے سچائی سے انحراف کیا۔ سب اصل کے اعتبار سے سچے ہیں، اور سب عمل کے اعتبار سے جھوٹے ہیں۔ میں چاہتا ہوں، اُسی مشترک اور عالمگیر سچائی پر سب کو جمع کر دوں اور مذہبی نزاع کا خاتمہ ہو جائے۔ یہ مشترک اور عالمگیر سچائی کیا ہے؟ خدا پرستی اور نیک عملی کا قانون ہے۔ یہی قانون خدا کا ٹھہرایا ہوا دین ہے، اور اسی کو میں "الاسلام" کے نام سے پکارتا ہوں۔

یہودی کہتے تھے، جب تک ایک انسان یہودی گروہ بندی میں داخل نہ ہو، نجات نہیں پا سکتا۔ عیسائی کہتے تھے، جب تک عیسائی گروہ بندی میں داخل نہ ہو، نجات نہیں مل سکتی۔ قرآن کہتا ہے، نجات کا دارومدار ایمان اور نیک عملی پر ہے، نہ کہ کسی خاص گروہ بندی پر۔ جو انسان بھی خدا پرست اور نیک عمل ہوگا، نجات پائے گا۔ خواہ تمہاری ٹھہرائی ہوئی گروہ بندیوں میں داخل ہوا ہو۔

قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ۝ وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۭ قُلْ اِنَّ ھُدَى اللّٰهِ ھُوَ الْهُدٰى ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَھْوَاۗءَھُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰھُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ يٰبَنِىْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ۝

اور غور کرو، اس سے بڑھ کر ظلم کرنے والا انسان کون ہو سکتا ہو، جو اللہ کی عبادت گاہوں میں اسکے نام کی یاد سے مانع آئے، اور ان کی ویرانی میں کوشاں ہو؟ جن لوگوں کے ظلم و شرارت کا یہ حال ہو، یقیناً وہ اس لائق نہیں کہ خدا کی عبادت گاہوں میں قدم رکھیں بجز اس حالت کے کہ (دوسروں کو اپنی طاقت سے ڈرانے کی جگہ، خود دوسروں کی طاقت سے) ڈرے سہمے ہوئے ہوں (اور ظلم و شرارت کی جرأت ہی ان میں باقی نہ رہے) یاد رکھو، ایسے لوگوں کے لئے دنیا میں بھی رسوائی ہو، اور آخرت میں بھی سخت ترین عذاب ہو!

یہودی گروہ بندی کا تعصب یہاں تک بڑھ گیا ہو کہ ہر گروہ کے لئے اس کی مخصوص عبادت گاہیں ہیں۔ اگر دوسرے گروہ کا کوئی آدمی ان میں خدا کی عبادت کرنی چاہے، تو اسے روک دیا جاتا ہو، اور ہر گروہ چاہتا ہو، دوسرے گروہ کی عبادت گاہیں اجاڑ دے اور ویران کر دے۔ حالانکہ سب خداپرستی کے دعویدار ہیں اور سب کا خدا ایک ہی خدا ہو۔

خدا کسی خاص عبادت گاہ کی چار دیواری کے اندر محدود نہیں ہو کہ صرف وہیں اس کی عبادت کی جا سکے۔ جہاں کہیں بھی اسے اخلاص کے ساتھ یاد کیا جائے، وہ قبول کرے گا۔

اور دیکھو، پورب ہو یا پچھم، ساری دنیا اللہ ہی کے لئے ہو۔ (اس کی عبادت کسی ایک جہت اور مقام ہی پر موقوف نہیں) جہاں کہیں بھی تم اللہ کی طرف رخ کرو، اللہ تمہارے سامنے ہو۔ بلاشبہ اسکی قدرت کی سمائی بڑی ہی سمائی ہو، اور وہ سب کچھ جاننے والا ہو!

اور (عیسائیوں کو دیکھو) انھوں نے کہا، خدا نے (نوعِ انسانی کا گناہ معاف کرنے کے لئے مسیح کو) اپنا بیٹا بنایا۔ حالانکہ خدا کی ذات اس سے پاک ہو (وہ کیوں اس بات کا محتاج ہو کہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے؟) زمین اور آسمان میں جو کچھ ہو، سب اسی کا ہو، اور سب اسکے فرمان کے آگے جھکے ہوئے ہیں۔

عیسائیوں کی یہ گمراہی کتاب الٰہی کی تعلیم سے منحرف ہو گئے، اور مسیح کے متعلق باطل پر اپنی عیسائی گروہ بندی قائم کر لی۔

وہ آسمان و زمین کا صانع ہو۔ وہ جب کسی کام کا فیصلہ کر لیتا ہو، تو (ذرا) اسے کسی مددگار کی ضرورت

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا
شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝ وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ۭ قَالَ اِنِّىْ
جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ۭ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ۭ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَاِذْ
جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ۭ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ۭ وَ
عَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّاۗىِٕفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ
السُّجُوْدِ ۝ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ

ہوتی ہو۔ نہ وسائل و ذرائع کی۔ بس وہ حکم دیتا ہو کہ ہو جائے، اور جیسا کچھ اُس نے حکم دیا تھا، ویسا ہی ظہور میں آجاتا ہو!

مشرکین عرب اور ان کے جاہلانہ و معاندانہ اعتراضات۔

جس طرح انسانی صداقت کا مزاج ہمیشہ ایک ہی طرح کا رہا ہے، اسی طرح انسانی گمراہی کا مزاج بھی ایک ہی طرح کا رہا ہے ... ہر عہد میں گمراہیوں نے ایک ہی طریقہ پر سچائی کو جھٹلایا ہے اور ایک ہی طرح کی صدائیں بلند کی ہیں۔

اور جو لوگ (مقدس نوشتوں کا) علم نہیں رکھتے (یعنی مشرکین عرب) وہ کہتے ہیں (اگر یہ تعلیم خدا کی طرف سے ہے، تو) کیوں ایسا نہیں ہوتا کہ خدا ہم سے براہ راست بات چیت کرے، یا اپنی کوئی (عجیب و غریب) نشانی ہی بھیج دے، تو (دیکھو، گمراہی و جہالت کی) جیسی بات یہ کہہ رہے ہیں، ٹھیک ٹھیک ایسی ہی بات اُن لوگوں نے بھی کہی تھی، جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ اس بارے میں پہلوں اور پچھلوں، سب کے دل ایک ہی طرح کے ہوئے۔ (بہر حال) اگر یہ لوگ نشانیوں ہی کے طلب گار ہیں، تو چاہیے، نشانیوں کی پہچان بھی پیدا کریں، اور اگر نشانیوں کی پہچان رکھتے ہیں، تو دیکھیں) ہم نے اُن لوگوں کے لئے جو جاننے والے ہیں، کتنی ہی نشانیاں نمایاں کر دی ہیں! (اور وہ ان سے ایمان و معرفت کی روشنی حاصل کر رہے ہیں!)

سچائی کی پہچان رکھنے والوں کے لئے سب سے بڑی نشانی پیغمبر کی تعلیم اور اس کی زندگی ہے، اور یہ بات سنت الٰہی کے خلاف ہے کہ لوگوں کے جاہلانہ خیالات کے مطابق فرمائشی معجزے دکھلائے جائیں۔

اے پیغمبر! یہ ایک حقیقت ہے کہ ہم نے تمہیں (خلق اللہ کی ہدایت کے لئے) بھیجا ہے، اور اس لئے بھیجا ہے کہ (ایمان و عمل کی برکتوں کی) بشارت دو، اور (انکار حق کے نتائج سے) ڈراؤ (یعنی تمہاری دعوت تمام تر اسی حقیقت کی دعوت ہے۔ تم خدا پرستی اور نیک عملی کی طرف بلاتے ہو۔ انکار حق اور بد عملی کے نتائج سے ڈراتے ہو۔ پھر جو لوگ نشانیاں مانگ رہے ہیں، اگر

الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ
اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ
وَاِسْمٰعِيْلُ ۭ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ
لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ
الرَّحِيْمُ ۝ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ
الْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا

فی الحقیقت ان میں سچائی کی طلب ہو، تو غور کرو، ایک طالب صادق کے لئے تمھاری دعوت سے بڑھ کر اور کونسی نشانی ہو سکتی ہو؟ کیا کسی انسان کے سچے ہونے کے لئے یہ کافی نہیں کہ اُس کی تمام باتیں صرف سچائی ہی کے لئے ہوں؟ لیکن اگر اس پر بھی یہ لوگ انکار و سرکشی سے باز نہیں آتے، تو انھیں انکے حال پر چھوڑ دو، اور اپنا کام کئے جاؤ) جو لوگ (اپنی محرومی و شقاوت سے) دوزخی گروہ ہو چکے ہیں تم انکے لئے خدا کے حضور جوابدہ نہیں ہوگے (تمھارا کام صرف پیام حق پہنچا دینا ہی!)

اور (حقیقت یہ ہو کہ تم اپنی سچائی کی کتنی ہی نشانیاں پیش کرو، لیکن) یہود اور نصاریٰ تم سے خوش ہونے والے نہیں۔ وہ تو صرف اُسی حالت میں خوش ہو سکتے ہیں کہ تم اُنکی (بنائی ہوئی) ملتوں کے پیرو ہو جاؤ (کیونکہ جس بات کو اُنھوں نے دین سمجھ رکھا ہو، وہ گروہ پرستی کے تعصب کے سوا کچھ نہیں ہو) پس تم اُن سے (صاف صاف) کہدو کہ خدا کی ہدایت کی راہ تو وہی ہو جو ہدایت کی حقیقی راہ ہو (نہ کہ تمھاری خود ساختہ ملتیں اور گروہ بندیاں، اور میری راہ وہی ہو) اور یاد رکھو، اگر تم نے ان لوگوں کی خواہشوں کی پیروی کی، باوجودیکہ تمھارے پاس علم و یقین کی روشنی آ چکی ہو، تو (یہ ہدایت الٰہی سے صریح

جیسی جیسی الگ الگ بنالی گئی ہیں یعنے الگ الگ گروہ بندیاں کرلی گئی ہیں مثلاً یہودیت اور مسیحیت، تو یہ سب انسانی گروہوں کی بنائی ہوئی ہیں۔ ہدایت کی راہ تو بس ہدایت کی راہ ہو۔ جو کوئی اُس پر چلیگا، ہدایت یافتہ ہوگا۔ خواہ ان بنائی ہوئی ملتوں میں داخل ہوا ہو۔

مذہبی گروہ بندی کا نتیجہ یہ ہو کہ حق پسندی اور حقیقت بینی کی جگہ محض گروہ پرستی کی روح کام کرتی ہو۔ لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ ایک انسان کا اعتقاد اور عمل کیسا ہو، صرف یہ دیکھتے ہیں کہ وہ ہماری گروہ بندی میں داخل ہو یا نہیں۔ جب لوگوں کی ذہنیت ایسی ہو جائے، تو ظاہر ہو کہ دلائل و حقائق کچھ سود نہیں دے سکتے۔ کتنی ہی سچی اور معقول بات کہو، لیکن ان لوگوں کے لئے بیکار ہوگی۔

جب تک تم یہودیت اور نصرانیت کی گروہ بندیوں میں داخل نہ ہو جاؤ

۱۳۱-۱۳۲ / ۱۳۳ / ۱۳۴

مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ
اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَ
يَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ؕ اَمْ كُنْتُمْ
شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ
اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ
تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ

یہودی اور عیسائی تم سے خوش ہونے والے نہیں اگرچہ تمہارا اعتقاد و عمل کتنا ہی اچھا اور معقول ہو، اور خود ان کی اصل تعلیمات کے ٹھیک ٹھیک مطابق ہی کیوں نہ ہو۔

انحراف ہوگا، اور پھر اللہ کی دوستی اور مددگاری سے تم یکسر محروم ہو جاؤ گے!

۱۲۱ اہلِ کتاب میں جو لوگ ایسے ہیں جو کتابِ الٰہی کی ٹھیک ٹھیک تلاوت کرتے ہیں (یعنے راست بازی و اخلاص کے ساتھ پڑھتے ہیں اور اس کے مطالب میں غور و فکر کرتے ہیں) تو وہی ہیں جو (قبولیتِ حق کی استعداد رکھتے ہیں، اور اس لئے وہی ہیں جو) اس پر ایمان لائیں گے، اور جو کوئی (ان میں سے) انکار کرتا ہو تو (اس کی ہدایت کی کوئی امید نہیں) یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے تباہی و نامرادی ہوئی!

۱۲۲ اے بنی اسرائیل! میری وہ نعمتیں یاد کرو جن سے میں نے تمہیں سرفراز کیا تھا۔ میں نے تمہیں دنیا کی تمام قوموں میں برگزیدگی عطا فرمائی تھی!

۱۲۳ اور دیکھو، اُس دن سے ڈرو جو یقیناً آنے والا ہے (اور جس دن ہر انسان کو اپنے اعمال کے نتائج سے دوچار ہونا ہے) اُس دن نہ تو کوئی جان دوسری جان کے کام آئے گی (کہ اپنے بزرگوں اور پیشواؤں کا نام لے کر اپنے آپ کو بخشوا لو) نہ کسی طرح کا معاوضہ قبول کیا جائے گا (کہ اپنی بدعملیوں کا فدیہ دے کر جان چھڑا لو) نہ کسی کی سعی و سفارش چل سکے گی (کہ اُن کا وسیلہ پکڑ کے کام نکال لو) اور نہ ہی ایسا ہوگا کہ مجرموں کو کہیں سے مدد ملے!

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش۔ منصبِ امامت کا عطیہ، دینِ الٰہی کی دعوت۔ مسجدِ کعبہ کی تعمیر اور امتِ مسلمہ کے ظہور کی دعا۔ یہ ذکر اس کا کہ

۱۲۴ اور (پھر غور کرو) وہ واقعہ جب ابراہیم کو اُن کے پروردگار نے چند باتوں میں آزمایا تھا، اور وہ اُن میں پورا اُترا تھا جب ایسا ہوا، تو خدا نے فرمایا

وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ تَهْتَدُوا ۗ قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ۝ فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۖ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ ۖ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ صِبْغَةَ اللَّهِ

۱۲۹ ۱۳۰ ۱۳۱ ۱۳۲

جامعیت رکھتا ہو!

(۱) یہودی، نصاریٰ، اور مشرکین عرب، تینوں گروہوں کے لئے حضرت ابراہیم کی شخصیت ایک مسلّم شخصیت تھی۔ اس لئے اُن کی دعوت سے بہتر تینوں کے لئے کوئی قابلِ انکار دستاویز نہ تھا۔

(۲) مذہبی گروہ بندی کے خلاف، تینوں گروہوں کے لئے ایک حجت تھی۔ یہ ظاہر ہے کہ تینوں گروہ بندیاں اور اُنکے عقائد و رسوم حضرت ابراہیم کے بہت بعد پیدا ہوئے۔ سوال یہ ہے کہ حضرت ابراہیم کا طریقہ کیا تھا؟ یقیناً وہ ان گروہ بندیوں کا طریقہ نہ تھا۔ پس جو طریقہ اُنکا تھا، اُسی کی دعوت قرآن دیتا ہے!

(۳) یہودیوں کی جاہلانہ مغروری زیادہ تر نسلی غرور کا نتیجہ تھی۔ وہ کہتے تھے، ہم حضرت ابراہیم کی نسل سے ہیں۔ اور تورات میں ہے کہ خدا نے اُن کی نسل کو برکت دی۔ اس بیان نے واضح کر دیا کہ اول تو نسل کے شرف میں بنی اسحاق کی طرح بنی اسماعیل بھی شریک ہیں۔ پھر جو کچھ بھی ہے، صرف اعمالِ حسنہ نیک کرداروں کے لئے تھا۔ نہ کہ بدکرداروں کے لئے۔ جن لوگوں نے ایمان و عمل کی سعادت کھو دی، اُنکے لئے نسل کا امتیاز کچھ سود مند نہیں ہو سکتا!

(۴) اور پچھلی دعوتوں کی محرومیوں کے ذکر کے بعد یہ حقیقت واضح کر دی گئی کہ توفیقِ الٰہی نے پیروانِ دعوتِ قرآن کو منصبِ حق کے لئے چن لیا ہے اور اقوامِ عالم کی ہدایت کا سر رشتہ اُنکے سپرد کیا جا رہا ہے۔ اسکے لئے ضروری تھا کہ پہلے دعوتِ قرآن کے ظہور کی سرگزشت بیان کر دی جائے۔ چنانچہ

اے ابراہیم! میں تجھے انسانوں کے لئے امام بنانے والا ہوں (یعنے دنیا کی آنے والی قومیں اور نسلیں تیری دعوت قبول کریں گی اور تیرے نقشِ قدم پر چلیں گی) ابراہیم نے عرض کیا، جو لوگ میری نسل میں سے ہونگے، اُن کی نسبت کیا حکم ہے؟ ارشاد ہوا، جو ظلم و معصیت کی راہ اختیار کریں، تو اُن کا میرے عہد میں کوئی حصہ نہیں!

۱۱۹ اور (پھر دیکھو) جب ایسا ہوا تھا کہ ہم نے (مکہ کے) اس گھر کو (یعنے خانۂ کعبہ کو) انسانوں کی گرد آوری کا مرکز اور امن و حرمت کا مقام ٹھہرا دیا، اور حکم دیا کہ ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ (ہمیشہ کے لئے) نماز کی جگہ بنالی جائے۔ اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کو حکم دیا تھا کہ ہمارے نام پر جو گھر بنایا گیا ہے، اُسے طواف کرنے والوں، عبادت کے لئے ٹھہرنے والوں، اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے (ہمیشہ) پاک رکھنا (اور ظلم و معصیت کی گندگیوں سے آلودہ نہ کرنا!)

۱۲۰ اور (پھر) جب ایسا ہوا تھا کہ ابراہیم نے خدا کے حضور دعا مانگی تھی: "اے پروردگار! اس جگہ کو (جو دنیا کی آباد سرزمینوں سے دُور اور سرسبزی اور

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ۝ ۱۳۹ قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ۝ ۱۴۰ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی ۭ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ ۱۴۱ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝

ع ۱۶

مسجد کعبہ کی تعمیر اور حضرت ابراہیم کی دعا کا ذکر اسی غرض سے کیا گیا ہو کہ آنے والے بیان کے لئے ایک قدرتی تمہید کا کام دے۔

شادابی سے یک قلم محروم ہو) امن و امان کا ایک آباد شہر بنا دے، اور اپنے فضل و کرم سے ایسا کر کہ یہاں کے بسنے والوں میں جو لوگ تجھ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھنے والے ہوں، اُن کی رزق کے لئے ہر طرح کی پیداوار مہیا ہو جائے!"

اس پر ارشاد الٰہی ہوا تھا کہ (تمھاری دعا قبول کی گئی، اور یہاں کے باشندوں میں سے) جو کوئی کفر کا شیوہ اختیار کرے گا، سو اُسے بھی ہم (سر و سامانِ رزق سے) فائدہ اُٹھانے دینگے۔ البتہ یہ فائدہ اُٹھانا بہت تھوڑا ہوگا۔ کیونکہ بالآخر اسے (پاداش عمل میں) چار و ناچار دوزخ میں جانا ہے، اور (جو بدبخت نعمت کی راہ چھوڑ کر عذاب کی راہ اختیار کرلے، تو کیا ہی بری اُس کی راہ ہے) اور کیا ہی بُرا اُس کا ٹھکانا!

۱۲۷ اور (پھر دیکھو، وہ کیا عظیم الشان اور انقلاب انگیز وقت تھا) جب ابراہیمؑ خانہ کعبہ کی بنیاد چن رہا تھا اور اسمٰعیلؑ بھی اُسکے ساتھ شریک تھا (اُنکے ہاتھ تو پتھر چن رہے تھے اور دل و زبان پر یہ دعا طاری تھی:) "اے پروردگار! (ہم تیرے دو عاجز بندے تیرے حضور) ہم نے اس گھر کی بنیاد رکھ دی ہے) سو ہمارا یہ عمل تیرے حضور قبول ہو! بلاشبہ تو ہی ہے جو دعاؤں کا سننے والا اور (مصالح عالم کا) جاننے والا ہے! اے پروردگار! (اپنے فضل و کرم سے) ہمیں ایسی توفیق دے

۱۲۸ کہ ہم سچے مسلم (یعنی تیرے حکموں کے فرمانبردار) ہو جائیں، اور ہماری نسل میں سے بھی ایک ایسی امت پیدا کر دے جو تیرے حکموں کی فرماں بردار ہو! خدایا ہمیں ہماری عبادت کے (سچے) طور طریقے بتلا دے، اور ہمارے قصوروں سے درگزر کر۔ بلاشبہ تیری ہی ذات ہے جو رحمت سے درگزر کرنے والی ہے، اور جسکی رحمانہ درگزر کی کوئی انتہا نہیں! اور خدایا! (اپنے فضل و کرم سے) ایسا کیجیو کہ اس بستی کے بسنے والوں میں تیرا ایک رسول

۱۲۹ مبعوث ہو جو انہی میں سے ہو۔ وہ تیری آیتیں پڑھ کر لوگوں کو سنائے، کتاب اور حکمت کی انھیں تعلیم دے، اور (اپنی پیغمبرانہ تربیت سے) اُنکے دلوں کو مانجھ دے۔ اے پروردگار! بلاشبہ تیری ہی ذات ہے جو حکمت والی اور سب پر غالب ہے!"

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا ۚ
قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝
وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ
الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ۗ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا
لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ ۚ وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً

(یہ تھا ابراہیم کا طریقہ) اور اُن لوگوں کے سوا جنہوں نے اپنے آپ کو نادانی و جہالت کے حوالے کر دیا ہو، کون ہو جو ابراہیم کے طریقہ سے روگرداں ہو سکتا ہو؟ اور واقعہ یہ ہو کہ ہم نے دنیا میں بھی اُسے برگزیدگی کے لئے چُن لیا، اور آخرت میں بھی اُس کی جگہ نیک انسانوں کے زمرے میں ہوگی!

جب ابراہیم کے پروردگار نے اُسے حکم دیا تھا کہ "فرمانبردار ہو جاؤ" تو وہ پکار اُٹھا تھا "میں اُس کے حکموں کا فرمانبردار ہو گیا جو تمام دنیا کا پروردگار ہو"!

اور پھر اسی طریقہ کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اور اُسکے پوتے (یعقوب) نے اپنی اولاد کو وصیت کی تھی۔ اُنھوں نے کہا تھا "اے میرے بیٹو! خدا نے تمہارے لئے اس دین (حقیقی) کی راہ پسند فرمائی ہو، تو دیکھو، دنیا سے نہ جانا مگر اس حالت میں کہ تم مسلم ہو (یعنے فرمانبردار ہو)"

(تم کہتے ہو، نجات اور سعادت صرف اُنہی لوگوں کے لئے ہو جو یہودیت یا مسیحیت کی گروہ بندی میں داخل ہوں۔ اچھا بتلاؤ، ابراہیم کس گروہ بندی میں داخل تھا؟ نیز یہ کہ اسرائیل یعنے یعقوب کا طریقہ کیا تھا جن کی طرف تمہاری نسل منسوب ہو؟) پھر کیا تم اُس وقت موجود تھے جب یعقوب کے سرہانے موت آ کھڑی ہوئی تھی، اور اُس نے اپنے بیٹوں کو وصیت کرتے ہوئے پوچھا تھا "میرے بعد تم کس کی عبادت کروگے؟" اور اُنھوں نے جواب دیا تھا "اُسی خدائے واحد کی جس کی تو نے عبادت کی ہو، اور تیرے بزرگوں ابراہیم، اسماعیل، اور اسحاق نے کی ہو، اور ہم اُسکے حکموں کے فرمانبردار ہیں"!

دین کی جو راہ حضرت ابراہیم نے اختیار کی تھی، وہ کیا تھی؟ اُنکے بیٹوں اور اُن کے طریقہ پر چلتی رہی، وہ کون سا طریقہ تھا؟ خود اسرائیل، یعنے حضرت یعقوب نے اپنے بستر مرگ پر جس دین کی وصیت کی وہ کون سا دین تھا؟ یقیناً وہ یہودیت اور مسیحیت کی گروہ بندی نہ تھی۔ وہ صرف خدا پر ایمان لانے اور اُسکے قانونِ سعادت کی فرمانبرداری کرنے کی فطری اور عالمگیر سچائی تھی، اور اسی کی دعوت قرآن دیتا ہو۔

دینِ الٰہی کو اسی لئے "الاسلام" کے نام سے تعبیر کیا گیا جسکے معنی اطاعت کرنے کے ہیں۔ یعنے ہر طرح کی نسبتوں اور گروہ بندیوں سے الگ ہو کر صرف اطاعتِ حق کی طرف انسان کو دعوت دی جائے۔

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُم مِّن بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ إِنَّكَ إِذًا لَّمِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۱۴۵﴾
الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ ۖ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنْهُمْ
لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۱۴۶﴾ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ ۖ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿۱۴۷﴾
وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا ۖ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۚ أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ
اللَّهُ جَمِيعًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۴۸﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ

تو اسے بھی ایمان رکھتے ہو، تو میں اس کا مستحق ہوں، اور اسی لئے آیا ہوں کہ تورات کی دعوت تازہ کروں۔ اگر تم مسیحی ہو، تو میں انجیل کا منکر کب ہوں؟ میں تو اسی لئے آیا ہوں کہ تم انجیل کے سچے عامل بن جاؤ۔ اگر تم حضرت ابراہیم کے نام لیوا ہو، تو میری دعوت سر تا سر ملت ابراہیمی ہی کی دعوت ہے۔ اگر تم کسی دوسرے رسول اور اپنے مذہب کے پیرو ہو، تو میں تمہیں اس سے ہٹانا نہیں چاہتا۔ اس کی تصدیق میں اور زیادہ پختہ کر دینا چاہتا ہوں۔

ایمان لائے ہیں جو ابراہیم کو، اسماعیل کو، اسحاق کو، یعقوب کو، اور اولادِ یعقوب کو دی گئیں۔ نیز اُن کتابوں پر جو موسیٰ اور عیسیٰ کو دی گئی تھیں۔ اور صرف اتنا ہی نہیں، بلکہ اُن تمام تعلیموں پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو دنیا کے تمام نبیوں کو اُنکے پروردگار سے ملی ہیں۔ ہم ان میں سے کسی ایک کو بھی دوسروں سے جُدا نہیں کرتے (کہ اسے نہ مانیں۔ باقی سب کو مانیں۔ یا اسے مانیں۔ مگر دوسروں سے منکر ہو جائیں۔ خدا کی سچائی کہیں بھی، اور کسی پر بھی آئی ہو) ہم خدا کے فرماں بردار ہیں!

پھر اگر یہ لوگ بھی ایمان کی راہ اختیار کرلیں۔ اُسی طرح جس طرح تم نے اختیار کی ہے، تو (سارے جھگڑے ختم ہوگئے، اور) انھوں نے ہدایت پالی۔ لیکن اگر اس سے روگردانی کریں، تو پھر سمجھ لو کہ (اُن کے ماننے اور متفق ہونے کی کوئی امید نہیں) اُن کی راہ (طلب حق کی جگہ) مخالفت اور ہٹ دھرمی کی راہ ہے۔ پس (اُن سے قطع نظر کرلو اور اپنے کام میں سرگرم رہو) وہ وقت دور نہیں جب اللہ کی مدد تمہیں ان کی مخالفتوں سے بے پروا کر دیگی۔ وہ سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے!

(تم کہو، ہدایت اور نجات کی راہ کسی رسمی اصطباغ یعنے رنگ دینے کی محتاج نہیں، جیسا کہ عیسائیوں کا شیوہ ہے) یہ اللہ کا رنگ دینا ہے، اور بتلاؤ، اللہ سے بہتر اور کس کا رنگ دینا ہو سکتا ہے؟ اور ہم اُسی کی بندگی کرنے والے ہیں!

(اے پیغمبر!) تم ان لوگوں سے کہو۔ (ہماری راہ تو خدا پرستی کی راہ ہے۔ پھر) کیا تم خدا کے بارے میں ہم

جب سب کا پروردگار ایک ہی ہو اور ہر انسان کے لئے اُس کا عمل ہو

شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِن رَّبِّكَ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝ كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ

تو پھر خدا اور دین کے نام پر یہ تمام جھگڑے کیوں ہیں؟ کیوں ایک مذہب کا پیرو دوسرے مذہب کے پیروؤں کا دشمن ہو؟ کیوں ایک انسان دوسرے انسان سے نفرت کرے؟

سے جھگڑتے ہو؟ (یعنے خدا پرستی کے شیوہ ہی سے تمھیں اختلاف ہے؟) حالانکہ ہمارا اور تمھارا، دونوں کا پروردگار وہی ہے۔ ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں، تمھارے لئے تمھارے اعمال۔ اور ہمارا طریقہ اسکے سوا کچھ نہیں ہے کہ صرف اُسی کی بندگی کرنے والے ہیں!

یا پھر تمھارا (یعنے یہود اور نصاریٰ کا) دعویٰ یہ ہو کہ ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب، اور اولادِ یعقوب بھی یہودی اور نصرانی تھے؟ (اگر تم جہل و نادانی کی ایسی بات کہہ سکتے ہو، تو افسوس تمھاری عقلوں پر!) اے پیغمبر، ان سے کہو، تم زیادہ جاننے والے ہو یا اللہ ہے؟ (اگر اللہ ہے، تو اس کی شہادت تو تمھارے خلاف خود تمھاری کتاب میں موجود ہے جسے تم دیدہ و دانستہ چھپا رہے ہو) پھر بتلاؤ اس سے بڑھ کر کون ظالم ہو سکتا ہے، جس کے پاس اللہ کی ایک شہادت موجود ہو اور وہ اسے چھپائے؟ (اور محض اپنی بات کی پچ کے لئے سچائی کا اعلان نہ کرے؟) یاد رکھو، جو کچھ بھی تم کر رہے ہو، اللہ اس سے غافل نہیں ہے!

کتمانِ حق یعنے سچائی کو دیدہ و دانستہ ظاہر نہ کرنا، اللہ کے نزدیک سب سے بڑا ظلم ہے۔

(اور پھر جو کچھ بھی ہو) یہ ایک امت تھی جو گزر چکی۔ اسکے لئے وہ تھا جو اس نے اپنے عمل سے کمایا۔ تمھارے لئے وہ ہوگا، جو تم اپنے عمل سے کماؤ گے۔ تم سے کچھ اسکی پوچھ گچھ نہیں ہوگی کہ انکے اعمال کیسے تھے۔

دعوتِ ابراہیمی سے دعوتِ دین کے استشہاد کا بیان ختم ہو گیا۔ اب یہاں سے اس کا دوسرا حصہ شروع ہوتا ہے، جو پچھلے بیان کا تسلسل و تتمہ ہے۔

جو لوگ عقل و بصیرت سے محروم ہیں، وہ (اس بات کی حقیقت نہیں پا سکتے کہ کیوں بیت المقدس کی جگہ خانۂ کعبہ قبلہ قرار دیا گیا ہے۔ وہ) کہیں گے مسلمان جس

وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ۞ فَاذْكُرُونِيٓ أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ۞ يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَوٰةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّٰبِرِينَ ۞ وَلَا تَقُولُوا لِمَن يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَٰتٌۢ ۚ بَلْ أَحْيَآءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ ۞ وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ

براہیم کو اقوام عالم کی امامت ملی تھی۔ انھوں نے مکہ میں عبادت گاہ کعبہ تعمیر کی، اور اپنی نسل کے ظہور کی امامی دعا مانگی۔ مشیت الٰہی میں اس کے لئے ایک خاص وقت مقرر تھا۔ جب وہ وقت آگیا، تو پیغمبر اسلام کا ظہور ہوا، اور ان کی تعلیم و تزکیہ سے موعودہ امت پیدا ہو گئی۔ اس امت کو "نیک ترین امت" ہونے کا لقب الٰہی عطا کیا گیا، اور اقوام عالم کی تعلیم و ہدایت اس کے سپرد کی گئی۔ ضروری تھا کہ اس روحانی ہدایت کا دائمی مرکز و مرجع بھی جدا ہو۔ یہ مرکز، قدرتی طور پر، عبادت گاہ کعبہ ہی ہو سکتا تھا۔ چنانچہ تحویل قبلہ نے اسکی مرکزیت کا اعلان کر دیا۔ یہی حقیقت "قبلہ" کے تقرر میں پوشیدہ تھی۔ جب تک بنی اسرائیل کا دور ہدایت قائم رہا، مرکز ہدایت بیت المقدس تھا، اور اسی لئے عبادت کے وقت سب کا رخ بھی اسی کی طرف رہتا تھا۔ لیکن جب دعوت حق کا مرکز مکہ کی مسجد قرار پایا، تو ناگزیر ہوا کہ وہی قبلہ بھی قرار پائے، اور اقوام عالم کے رخ اسی کی طرف پھر جائیں۔

چنانچہ "سیقول السفہاء" سے یہی بیان شروع ہوا ہے۔ پیروان دعوت قرآنی مخاطب ہیں، اور انھیں بتلایا جا رہا ہے کہ حضرت ابراہیم کے عمل حق نے جو بیج بویا تھا، وہ اب بار آور ہو گیا ہے۔ اب مرکز امم خانۂ کعبہ ہو، اور "نیک ترین امت" تم ہو۔

قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے، کیا بات ہوئی کہ اُن کا رخ اُس سے پھر گیا؟ (اے پیغمبر!) تم کہو، پورب ہو یا پچھم، سب اللہ ہی کے لئے ہے۔ (وہ کسی خاص مقام یا جہت میں محدود نہیں۔ جب بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے، تو وہ بھی اللہ کے لئے تھی، اور اب کعبہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، تو یہ بھی اللہ ہی کے لئے ہے۔ البتہ ایک خاص جہت قرار دینے میں مصلحت ہے) اور وہ جس کسی کو چاہتا ہے (کامیابی و سعادت کی) سیدھی راہ دکھا دیتا ہے!

اور (اے پیروان دعوت قرآنی!) جس طرح یہ بات ہوئی کہ بیت المقدس کی جگہ خانۂ کعبہ قبلہ قرار پایا، تو اسی طرح یہ بات بھی ہوئی کہ ہم نے تمھیں "نیک ترین امت" ہونے کا درجہ عطا فرمایا، تاکہ تمام انسانوں کے لئے (سچائی کی) شہادت دینے والے تم ہو، اور تمھارے لئے اللہ کا رسول شہادت دینے والا ہو۔ (یعنی جس طرح تم نے رسول سے دعوت حق کا پیغام حاصل کرو، اور دنیا کی تمام نسلیں اور قومیں تم سے حاصل کریں)

اور (اے پیغمبر!) یہ جو منکرین حق اعتراض کرتے ہیں کہ اگر خانۂ کعبہ ہی کو قبلہ ہونا تھا، تو اتنے دنوں تک کیوں بیت المقدس کی طرف تمھارا رخ رہا؟ تو یہ اس لئے ہوا کہ کاروبار حق کی حکمتوں سے بے خبر ہیں)

وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ؕ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۟ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۞ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ۞ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ

مگر ہم نے اتنے دنوں تک تمھیں اسی قبلہ پر رہنے دیا جس کی طرف تم رخ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے، تو یہ اس لئے تھا کہ (وقت پر) معلوم ہو جائے، کون لوگ اللہ کے رسول کی پیروی میں سچے ہیں، اور کون لوگ (دل کے کچے ہیں جو آزمائش میں پڑ کر) اُلٹے پاؤں پھر جانے والے ہیں۔ اور اس میں شک نہیں کہ یہ بات اُن لوگوں کے سوا اور سب کے لئے اس معاملہ میں بہت ہی سخت آزمائش تھی۔ بہرحال (جو لوگ آزمائش میں پورے اُترے ہیں، وہ یقین کریں، اُن کی استقامت کے ثمرات بہت جلد انھیں حاصل ہوں گے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ خدا تمھارا ایمان رائیگاں جانے دے۔ وہ تو انسانوں کے لئے سراسر شفقت و رحمت رکھنے والا ہے۔

(اے پیغمبر) ہم دیکھ رہے ہیں کہ (حکمِ الٰہی کے شوق و طلب میں) تمھارا چہرہ بار بار آسمان کی طرف اُٹھ اُٹھ جاتا ہے، تو یقین کرو، ہم عنقریب تمھارا رخ ایک ایسے ہی قبلہ کی طرف پھیر دینے والے ہیں جس سے تم خوشنود ہو جاؤ گے۔ (اور اب کہ اس معاملہ کے ظہور کا وقت آگیا ہے) تو چاہئے کہ تم اپنا رخ مسجد حرام (یعنی خانۂ کعبہ) کی طرف پھیر لو، اور جہاں کہیں بھی تم اور تمھارے ساتھی ہوں، ضروری ہے کہ (نماز میں) اپنا رخ اسی طرف کو پھیر لیا کرے۔

اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی ہے (جیسے یہود و نصاریٰ کے علماء) وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ معاملہ اُن کے پروردگار کی طرف سے ایک امر حق ہے (کیونکہ اُن کے مقدس نوشتوں میں اس کی پیشین گوئی موجود ہے۔ لیکن گروہ پرستی کا تعصب انھیں اجازت نہیں دیتا کہ سچائی کا اقرار کریں۔ تو تم اُن کی مخالفتوں کی کچھ پروا نہ کرو) جیسے کچھ اُن کے اعمال ہیں، اللہ اُن سے غافل نہیں ہے!

اگر تم اہلِ کتاب کے سامنے دنیا جہان کی ساری دلیلیں بھی پیش کر دو، جب بھی وہ تمھارے قبلہ کی پیروی کرنے والے نہیں۔ نہ یہ ہو سکتا ہے کہ تم (علم و بصیرت

یہود اور نصاریٰ کا [illegible] تعصب
[illegible]

مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝ وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝

بے بہرہ ہوکر) تم اُنکے قبلہ کی پیروی کرنے لگو، اور نہ خود وہی کسی ایک قبلہ پر متفق ہیں۔ اُن میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ کا قبلہ ماننے والا نہیں (یہودیوں کا قبلہ الگ ہے۔ عیسائیوں کا قبلہ الگ ہے۔ پس جب صورت حال ایسی ہو تو ظاہر ہے کہ یہ اختلاف بحث و دلائل سے دور نہیں ہو سکتا، اور نہ ایسے لوگوں کے ساتھ کوئی متفقہ راہ عمل پیدا ہو سکتی ہے) اور یاد رکھو، اگر تم نے ان لوگوں کی خواہشوں کی پیروی کی باوجودیکہ تمہیں اس بارے میں علم حاصل ہو چکا ہے، تو (یہ دیدہ و دانستہ ہدایت سے انحراف ہوگا، اور) تم یقیناً نافرمانی کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے!

سے متفق ہیں؟ اور کہیں ایسا ہوتا کہ یہودی عیسائیوں کا قبلہ نہیں مانتے، اور عیسائیوں کو یہودیوں کے قبلے سے انکار رہتا؟ پس جب صورت حال ایسی ہو، تو تبلیغ حق کو چاہیے ایسے لوگوں کے اتفاق و یکجہتی سے قطع نظر کرلے۔ کیونکہ جن لوگوں نے اتباع حق سے یکقلم کنارہ کشی کرلی ہو، انکے ساتھ تبلیغ حق کا کبھی اتفاق نہیں ہو سکتا۔

اور حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے (یعنے اہل کتاب کے علماء) اُن پر حقیقت حال پوشیدہ نہیں ہے۔ وہ پیغمبر اسلام کو ویسے ہی جان پہچان گئے ہیں جس طرح اپنی اولاد کو جانتے پہچانتے ہیں۔ لیکن اس پر بھی ان میں ایک گروہ ایسا ہے، جو دیدہ و دانستہ سچائی کو چھپاتا ہے (اور اس کا اعتراف نہیں کرتا۔ پس جن لوگوں کی حق فراموشیوں کا یہ حال ہو، اُن سے اعتراف حق کی کیا امید ہو سکتی ہے؟)

یقین کرو، یہ (تحویل قبلہ کا معاملہ) تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک امر حق ہے (اور جو بات حق ہو، تو اُس کا حق ہونا ہی اُس کے لئے سب سے بڑی دلیل ہے۔ کیونکہ حق کا خاصہ قیام و ثبات ہے، اور باطل کا خاصہ شکست و زوال ہے۔ جو بات حق ہوگی، وہ اپنے قیام و ثبات سے اپنی حقانیت کا اعلان کر دے گی) پس دیکھو ایسا نہ ہو کہ تم

کسی بات کا حق ہونا ہی اُس کی حقانیت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ کیونکہ حق کے معنی ہی قائم و ثابت رہنے کے ہیں، اور جو بات قائم و ثابت رہنے والی ہو، اُسکے لئے اُس کے قیام و ثبات سے بڑھ کر اور کونسی دلیل ہو سکتی ہے؟

۱۶۴ إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَّتَصْرِيفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝

۱۶۵ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ أَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ۖ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا أَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۖ

شک و شبہ کرنے والوں میں سے ہو جاؤ!

اور پھر جو کچھ بھی ہو، تقرر قبلہ کا معاملہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جو دین کے اصول و مہمات میں سے ہو، اور اسے حق و باطل کا معیار سمجھ لیا جائے۔ ہر گروہ کے لئے کوئی نہ کوئی جہت ہوتی ہے، اور وہ اسی کی طرف رُخ کر کے عبادت کرتا ہے۔ معیار یہ نہیں کہ کس طرف رُخ کر کے عبادت کی جائے، خدا کی عبادت ہر جگہ ہو سکتی ہے، وہ کسی ایک جہت ہی میں محدود نہیں۔ اصلی چیز جو سمجھنے اور کرنے کی ہے وہ خیرات ہے، یعنی نیک عملی۔ پس چاہئے کہ نیکیوں میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرو۔ اور اسی کو دینداری و حق پرستی کا اصلی کام سمجھو۔

۱۴۸ اور (دیکھو) ہر گروہ کے لئے ایک سمت ہے جس کی طرف وہ (عبادت کے وقت) اپنا رُخ پھیر لیتا ہے۔ (پس یہ کوئی ایسی بات نہیں جو دین کے اصول و مہمات میں سے ہو، اور جسے حق و باطل کا معیار سمجھ لیا جائے۔ اصلی چیز جو اس طرح کے تمام احکام سے مقصود ہے، وہ تو نیک عملی ہے) پس نیکیوں کی راہ میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی کوشش کرو۔ تم جہاں کہیں بھی ہو (یعنے جس جگہ اور جس سمت میں بھی خدا کی عبادت کرو) خدا تم سب کو پا لے گا۔ یقیناً اس کی قدرت سے کوئی بات باہر نہیں (اس کی قدرت ہر چیز اور ہر گوشہ کا احاطہ کئے ہوئے ہے!)

تقرر قبلہ کا حکم عام، اور اس کے مصالح و حکم۔

۱۴۹ اور (اے پیغمبر!) تم کہیں سے بھی نکلو (یعنے کسی سمت اور کسی مقام میں بھی ہو) لیکن (نماز میں) اپنا رُخ اسی طرف کو پھیر لو جس طرف مسجد حرام واقع ہے۔ اور یقین کرو، یہ معاملہ تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک امر حق ہے (پس ایک نئے قبلہ کی عالمگیر قبولیت تمہیں کتنی ہی دشوار نظر آتی ہو لیکن اس کی کامیابی قطعی اور اٹل ہے۔ اس میں کسی طرح کا شک و شبہ نہ کرو) اور جانتے رہو کہ اللہ تمہارے اعمال کی طرف سے غافل نہیں ہے (اس کا قانون مجازات تمہارے ایک ایک عمل حق کی نگرانی کر رہا ہے!)

۱۵۰ اور (دیکھو) تم کہیں سے بھی نکلو (اور کسی مقام میں بھی ہو) لیکن چاہئے کہ (نماز میں) اپنا رُخ مسجد حرام کی طرف پھیر لو۔ اور (اے پیروانِ دعوتِ قرآنی!) تم بھی اپنا رُخ اسی طرف کو کر لیا کرو۔ خواہ کسی جگہ اور کسی سمت میں

وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۝ أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا وَأَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ ۝ إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتُّبِعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ ۝ وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا ۝ كَذَٰلِكَ يُرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ ۝ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ ۝ يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا

ہو۔ اور یہ (جو تعیّنِ قبلہ پر اس قدر زور دیا گیا ہے تو یہ) اس لئے ہوا کہ تمہارے خلاف لوگوں کے پاس کوئی دلیل باقی نہ رہے (اور یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ سچ مچ یہی تمہارا قبلہ اور مرکزِ ہدایت ہے)۔ البتہ جو لوگ بے انصاف اور ناحق کوش ہیں، (اُن کی مخالفت ہر حال میں جاری رہے گی) تو (ان کی مخالفت تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی) اُن سے نہ ڈرو۔ مجھ سے ڈرو (کہ تمہارا پروردگار ہوں۔ اگر تم مجھ سے ڈرتے رہے، تو دنیا کی کوئی طاقت بھی تمہیں نہیں ڈرا سکے گی!) اور علاوہ بریں یہ (حکم) اس لئے دیا گیا ہے کہ میں اپنی (موعودہ) نعمت تم پر پوری کر دوں۔ نیز اس لئے کہ (سعی و عمل کی) سیدھی راہ پر تم گام زن ہو جاؤ!

جس طرح یہ بات ہوئی کہ ہم نے تم میں سے ایک شخص کو اپنی رسالت کے لئے چن لیا۔ وہ ہماری آیتیں تمہیں سناتا ہے، (اپنی پیغمبرانہ تربیت سے) تمہارے دلوں کی اصلاح کرتا ہے، کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے، اور وہ باتیں سکھلاتا ہے جن سے تم یکسر ناآشنا تھے، (تو اسی طرح ہم چاہتے ہیں اپنی نعمت تم پر پوری کر دیں، اور تم اس مرکزِ ہدایت سے وابستہ ہو کر "نیک ترین امت" ہونے کا مقام حاصل کر لو!)

پس (اب کہ تمہارے ظہور و قیام کا یہ تمام سر و سامان مہیا ہو گیا ہے، چاہئے کہ سرگرمِ عمل ہو جاؤ، اور) میری یاد میں لگے رہو، میں بھی تمہاری طرف سے غافل نہ ہوں گا (یعنی قانونِ الٰہی یہ ہے کہ اگر تم غافل نہ ہو گے، تو اللہ کی مدد و نصرت بھی تمہاری طرف سے غافل نہ ہو گی) اور دیکھو میری نعمتوں کی قدر کرو۔ ایسا نہ کرو کہ کفرانِ نعمت میں مبتلا ہو جاؤ!

کتاب و حکمت کی تعلیم، شخصی نبوت کی پیغمبرانہ تربیت، مرکزِ ہدایت کا قیام اور نیک ترین امت ہونے کا نصب العین، یہی وہ بنیادی مقاصد تھے جن کی موعودہ امت کی نشو و نما کے لئے ضرورت تھی۔ جب یہ تمام مراتب ظہور میں آ گئے، تو اب ضروری ہوا کہ پیروانِ دعوتِ قرآنی کو مخاطب کیا جائے، اور سرگرمِ عمل ہو جانے کی دعوت دی جائے، چنانچہ فاذکرونی اذکرکم سے یہی مخاطبہ شروع ہوتا ہے۔

وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ۝ إِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ بِالسُّوءِ وَالْفَحْشَاءِ وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۗ أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ۝ وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً وَنِدَاءً ۚ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

اے پیروانِ دعوتِ ایمانی! صبر اور نماز (کی معنوی قوتوں) سے سہارا پکڑو (یہی دو قوتیں ہیں جن کے ذریعہ تم راہِ عمل کی مشکلوں اور آزمائشوں سے عہدہ برآ ہو سکتے ہو) یقین کرو، اللہ (کی نصرت) صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے!

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہو جاتے ہیں تو یہ مت کہو کہ وہ مردے ہیں۔ نہیں، وہ تو زندہ ہیں لیکن تم ان کی زندگی کا شعور نہیں رکھتے۔

اور یاد رکھو (جس راہ میں تم نے قدم اٹھایا ہے ناگزیر ہو کہ اسکی آزمائشوں سے گزرنا پڑے) یہ ضروری ہو کہ ہم تمھارے عزم و ثبات کا امتحان لیں۔ خطرات کا خوف، بھوک کی تکلیف، مال و جان کا نقصان، پیداوار کی تباہی، یہ آزمائشیں ہیں جو تمھیں کبھی پیش آئیں گی۔ پھر جو لوگ ایسے ہیں کہ صبر کرنے والے ہیں، تو انھیں (فتح و کامرانی کی) بشارت دیدو۔

یہ وہ لوگ ہیں کہ جب کبھی کوئی مصیبت اُن پر آ پڑتی ہے تو (بے قرار اور بے طاقت ہونے کی جگہ ذکرِ الٰہی سے اپنی روح کو تقویت پہنچاتے ہیں، اور) اُن کے زبانِ حال کی صدا یہ ہوتی ہو کہ انا للہ وانا الیہ راجعون! (ہماری زندگی اور موت، رنج و غم، سود و زیاں، جو کچھ بھی ہو، سب کچھ اللہ کے لئے ہو، اور ہم سب کو بالآخر مرنا اور اُسی کی طرف لوٹنا ہو!) سو یقیناً ایسے ہی لوگ ہیں جن پر اُن کے پروردگار کے

اور پھر چونکہ سرگرمِ عمل ہونے کا لازمی نتیجہ ہے کہ راہِ عمل کی مشکلیں اور آزمائشیں پیش آئیں، اس لئے دعوتِ عمل کے ساتھ ہی صبر و استقامت اور جانفروشی و قربانی کی بھی دعوت دی گئی، اور واضح کر دیا گیا کہ اس راہ میں آزمائشوں سے گزرنا ناگزیر ہو۔ ساتھ ہی ان اصول و ثمرات کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا جن میں ثابت قدم ہو جانے کے بعد گر ہیں، ناکامی سے قدم متزلزل ہو جا سکتے ہیں۔

(۱) صبر اور نماز کی قوتوں سے مدد۔ صبر کی حقیقت یہ ہو کہ مشکلات و مصائب کے جھیلنے اور نفسانی خواہشوں سے مغلوب نہ ہونے کی قوت پیدا ہو جائے۔ نماز کی حقیقت یہ ہو کہ اللہ کے ذکر و فکر سے روح کو تقویت ملتی ہے۔ جس جماعت میں یہ دو قوتیں پیدا ہو جائیں گی، وہ کبھی ناکامیاب نہیں ہو سکتی!

(۲) راہِ حق میں موت، موت نہیں ہو۔ سرتاسر زندگی و بقا ہو، پس موت کے خوف سے اپنے دلوں کو پاک کرو!

كُلُوا مِنْ طَيِّبَٰتِ مَا رَزَقْنَٰكُمْ وَٱشْكُرُوا لِلَّهِ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ
إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ ٱلْمَيْتَةَ وَٱلدَّمَ وَلَحْمَ ٱلْخِنزِيرِ وَمَآ أُهِلَّ بِهِۦ لِغَيْرِ ٱللَّهِ
فَمَنِ ٱضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَآ إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ إِنَّ
ٱلَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ مِنَ ٱلْكِتَٰبِ وَيَشْتَرُونَ بِهِۦ ثَمَنًا قَلِيلًا ۙ
أُولَٰٓئِكَ مَا يَأْكُلُونَ

الطاف وکرم ہیں، اور جو اس کی رحمت کا مورد ہوتے ہیں اور یہی ہیں جو (اپنے مقصد میں) کامیاب ہیں!

(۲) مرکز قبلہ سے وابستگی اور حج کا قیام

بلاشبہ صفا اور مروہ (نامی دو پہاڑیاں) اللہ کی (حکمت و رحمت کی) نشانیوں میں سے ہیں، پس جو شخص حج یا عمرہ کی نیت سے اس گھر کا (یعنے خانۂ کعبہ کا) قصد کرے، تو اس کے لئے کوئی گناہ کی بات نہیں کہ ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان طواف کے پھیرے کرے۔ اور جو کوئی خوشدلی کے ساتھ نیکی کا کوئی کام کرتا ہو تو (وہ یقین کرے، اُس کی نیکی رائگاں جانے والی نہیں) اللہ ہر عمل کی اسکی منزلت کے مطابق قدر کرنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے!

(۳) کتاب اللہ کی تعلیم و تذکیر اور اعلیم حق کی تبلیغ ایک مقدس باہمی فرض ہے۔ جو لوگ دنیا کے خوف یا طمع سے احکام حق چھپاتے ہیں وہ اللہ کی لعنت کے سزاوار ہوتے ہیں۔

جن لوگوں کا شیوہ یہ ہو کہ (دنیا کے خوف یا طمع سے) اُن باتوں کو چھپاتے ہیں جو سچائی کی روشنیوں اور ہدایتوں میں سے ہمنے نازل کی ہیں، باوجودیکہ ہمنے لوگوں کے جاننے اور عمل کرنے کے لئے انھیں کتاب میں کھول کھول کر بیان کر دیا ہو، تو یقین کرو، ایسے ہی لوگ ہیں جن پر اللہ لعنت کرتا ہو (یعنے اسکی رحمت سے محروم ہو جاتے ہیں) اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنتیں بھی اُن کے حصے میں آتی ہیں!

مگر ہاں، (توبہ کا دروازہ ہر معصیت کے بعد کھلا ہوا ہے۔ پس) جن لوگوں نے اس معصیت سے توبہ کر لی اور اپنی (بگڑی) حالت از سر نو سنوار لی، اور ساتھ ہی (احکام حق کو چھپانے کی جگہ انھیں) بیان کر دینے کا شیوہ اختیار کر لیا، تو ایسے لوگوں کی توبہ ہم قبول کر لیتے ہیں۔ اور ہم بڑے ہی درگزر کرنے والے اور رحمت سے بخشدینے والے ہیں!

فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۚۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۗ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ لَفِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ ۝ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ

(لیکن) جن لوگوں نے راہ حق سے انکار کیا، اور پھر مرتے دم تک اسی پر قائم رہے، تو (ظاہر ہے کہ انکے لئے اصلاح حال کا کوئی موقعہ باقی نہ رہا) یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی، اسکے فرشتوں کی، انسانوں کی سب کی لعنت ہے ہمیشہ اسی حالت میں رہنے والے۔ نہ تو کبھی انکے عذاب میں کمی کی جائے گی، اور نہ انھیں مہلت ملے گی!

(۵) خدا پرستی میں ایمان تمہیں چاہیے عقل و بصیرت سے کام لینے کی تاکید۔ خلقت میں تدبر و تفکر کرنے اور حقائق ہستی کی معرفت حاصل کرنے کا حکم۔ اور برہان فضل و رحمت سے استدلال۔

اور (دیکھو، لوگوں نے اپنے اعتقاد و پرستش کے کتنے ہی معبود بنائے ہوں، مگر) تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ کوئی معبود نہیں، مگر صرف اسی کی ایک ذات۔ رحمت والی اور اپنی رحمت کی بخشش سے تمام کائنات ہستی کو فیضیاب کرنے والی!

بلاشبہ آسمان و زمین کے پیدا کرنے میں، اور رات دن کے، ایک کے بعد ایک، آتے رہنے میں، اور کشتی میں جو انسان کی کاربراریوں کے لئے سمندر میں چلتی ہے، اور بارش میں جسے اللہ آسمان سے برساتا ہے، اور اس (کی آب پاشی) سے زمین مرنے کے بعد پھر جی اٹھتی ہے، اور اس بات میں کہ ہر قسم کے جانور زمین کی وسعت میں پھیلے ہوئے ہیں، اور ہواؤں کے (مختلف رخ) پھرنے میں، اور بادلوں میں جو آسمان و زمین کے درمیان (اپنی مقررہ جگہ کے اندر) مسخر ہیں، ان لوگوں کے لئے جو عقل و بینش رکھنے والے ہیں (اللہ کی ہستی، یگانگی اور اسکے قوانین رحمت کی) بڑی ہی نشانیاں ہیں!

شرک و ایمان، اور اللہ کی محبت۔ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ پس اگر اللہ کے ساتھ کسی دوسری ہستی کو بھی ویسی ہی چاہت سے چاہنے لگے جیسی چاہت صرف اللہ ہی کے لئے ہے، تو پھر یہ اللہ کے ساتھ دوسرے کو ہمسر بنا دینا ہوا، اور توحید الٰہی کا اعتقاد درہم برہم ہو گیا۔

اور (دیکھو) انسانوں میں سے کچھ انسان ایسے بھی ہیں، جو (خدا کی دی ہوئی عقل و بصیرت سے کام نہیں لیتے، اور) خدا کو چھوڑ کر دوسری ہستیوں کے پیچھے اس طرح پڑ جاتے ہیں کہ انھیں اس کا ہمسر بنا لیتے ہیں۔ وہ انھیں اس طرح چاہنے لگتے ہیں جیسی کہ چاہت

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ
وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَ
السَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ
اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۗ اُولٰٓئِكَ
الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۖ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ○ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ ۱۷۷
الْقِصَاصُ فِى الْقَتْلٰى ۖ

مومن وہ ہے جو سب سے زیادہ اللہ کی محبت رکھنے والا ہو

اللہ کے لئے ہونی چاہئے۔ حالانکہ جو لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں انکے دلوں میں تو سب سے زیادہ محبت اللہ ہی کی ہوتی ہے۔

جو بات ان ظالموں کو اس وقت سوجھے گی جب عذاب انکے سامنے آجائے گا، کاش اس وقت سوجھتی! (اور خدا کو چھوڑ کر، یہ دوسروں کو اس کا ہم پلہ نہ بناتے!) اس دن یہ دیکھیں گے کہ قوت، اور ہر طرح کی قوت، صرف اللہ ہی کو ہے، اور (اگر اس کے قوانینِ حق سے سرتابی کی جائے، تو) اس کا عذاب بڑا ہی سخت عذاب ہوا!

۱۶۶ اور (دیکھو) جب ایسا ہوگا کہ وہ (پیشوایانِ باطل) جن کی پیروی کی گئی تھی (بجائے اسکے کہ اپنے پیرؤں کے کام آئیں) اپنے پیرؤں سے بیزاری ظاہر کرنے لگیں گے (یعنے کہیں گے، ہمیں ان لوگوں سے کوئی واسطہ نہیں) کیونکہ عذاب (کی ہولناکیاں) اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے، اور انکے باہمی رشتوں وسیلوں کا تمام

(۲) پیشوایانِ باطل کی پیروی کرنے کا حسرت و تحیر ہوگا جو انکے بجز پیروی کے حصہ میں آئے گا۔

پچھلی امتوں کی تباہی کا ایک بنیادی سبب پیشوایانِ باطل کا اتباع ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تم بھی اسی میں مبتلا ہو جاؤ۔

۱۶۷ سلسلہ ٹوٹ جائے گا (کہ نہ تو کوئی کسی کا ساتھ دیگا، اور نہ کسی کو کسی کی فکر ہوگی) اور تب وہ لوگ جنھوں نے پیشوایانِ باطل کی پیروی کی تھی پکار اٹھیں گے۔ کاش ہمیں ایک دفعہ پھر دنیا میں لوٹنے کی مہلت مل جائے، تو ہم ان (پیشوایانِ باطل) سے اسی طرح بیزاری ظاہر کردیں جس طرح یہ ہم سے بیزاری ظاہر کر رہے ہیں! سو دیکھو، اس طرح اللہ ان لوگوں کو انکے اعمال کی حقیقت دکھلا دیگا کہ سرتاسر حسرت و پشیمانی کا منظر ہوگا، اور وہ (خواہ کتنی ہی پشیمانی و ندامت ظاہر کریں، لیکن آتشِ عذاب سے چھٹکارا پانے والے نہیں!

فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَاۤ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۞ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۞ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۞ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا

۱۷۷ ۱۷۸ ۱۷۹ ۱۸۰

ع ۲۲

سے کورے اور ہدایت سے محروم رہے ہوں، تو تم بھی عقل و ہدایت سے انکار کر دو گے؟

برہان کی جگہ اپنے بزرگوں پیشواؤں کا قول و عمل حجت سمجھنا ہدایت کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

اندھی تقلید کرنے والوں کے سامنے علم و بصیرت کی بات پیش کرنا ایسا ہے جیسے چارپایوں کو مخاطب کرنا۔

۱۶۹ اور (حقیقت یہ ہے کہ) جن لوگوں نے (اللہ کی دی ہوئی عقل و تمیز کھو کر) کفر کی راہ اختیار کی ہے، تو ان کی مثال ایسی ہے (جیسے انھیں کورانہ تقلید کی جگہ عقل و ہدایت کی دعوت دینا ایسا ہی ہے) جیسے ایک چرواہا چارپائیوں کے آگے چیخ چلا رہا ہو کر چارپائے کچھ بھی نہیں سنتے مگر صرف بلانے اور پکارنے کی صدائیں (جیسے جس طرح چرواہا اپنی بکریوں کو بلانے کے لئے چیختا ہے اور وہ اس کی آواز سنتی اور تعمیل کرتی ہیں، لیکن اگر اور کوئی بات کہی جائے، تو نہ تو سنے گی نہ سمجھے گی۔ سو یہی حال ان اندھی تقلید کرنے والوں کا ہے۔ یہ چارپایوں کی طرح اپنے چرواہوں کی آواز سن کر آنکھیں بند کر کے پیچھے دوڑنے لگیں گے، لیکن سوچنے سمجھنے کی ان سے امید نہ رکھو) وہ بہرے، گونگے، اندھے ہو کر رہ گئے ہیں (کہ خدا کے دیے ہوئے ہوش و حواس سے کام نہیں لیتے) بس کبھی سوچنے سمجھنے والے نہیں!

۱۷۰ اے پیروانِ دعوتِ ایمانی! اگر تم صرف اللہ ہی کی بندگی کرنے والے ہو (اور سمجھتے ہو کہ حلال و حرام میں حکم اسی کا حکم ہے)، تو ان پابندیوں کی کچھ پروا نہ کرو جو یہود و نصاریٰ نے اپنے پیشواؤں کی کورانہ تقلید میں، یا مشرکین عرب نے اپنے وہم پرستانہ رسوم کی بنا پر، اختیار کر رکھی ہیں) وہ تمام اچھی اور پاکیزہ چیزیں بے کھٹکے کھاؤ، جو اللہ نے تمھاری غذا کے لئے مہیا کر دی ہیں اور اس کی نعمتیں کام میں لا کر اس کی بخششوں کے شکر گزار رہو!

۱۷۱ اللہ نے جو چیزیں تم پر حرام کر دی ہیں، وہ تو صرف یہ ہیں کہ مردار جانور، حیوانات کا خون، سور کا گوشت، اور وہ (جانور) جو اللہ کے سوا کسی دوسری ہستی کے نام پر پکارے جائیں (تو بلاشبہ ان چیزوں کا

وہ سوا جن چارپایوں کا گوشت عام طور پر کھایا جاتا ہے وہ سب حلال ہیں گویا چند چیزیں۔

أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۗ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۖ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ۝ أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ

جہنم کی آگ کے لئے اُن کی برداشت کیسی سخت برداشت ہو!

یہ اس لئے ہوا (یعنی یہود اور نصاریٰ اس حالت میں اس لئے مبتلا ہوئے) کہ اللہ نے کتاب (تورات) سچائی کے ساتھ نازل کردی تھی (اور جب وحی الٰہی کی روشنی آجائے تو پھر انسانی ظنون و اوہام کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی جن سے اختلافات پیدا ہوتے ہیں۔ بایں ہمہ یہ لوگ اختلافات میں پڑ گئے) اور جن لوگوں نے کتاب اللہ (کے احکام) میں اختلاف کیا ہو (باوجودیکہ اس کے واضح اور قطعی احکام میں اختلاف کی کوئی گنجائش نہ تھی) تو وہ تفرقہ و مخالفت کی دور دراز راہوں میں کھوئے گئے ہیں!

نیکی اور بھلائی (کی راہ) یہ نہیں ہو کہ تم نے (عبادت کے وقت) اپنا منہ پورب کی طرف پھیر لیا یا پچھم کی طرف کرلیا (یا اسی طرح کی کوئی دوسری بات ظواہر و رسوم کی کرلی) نیکی کی راہ تو اُن لوگوں کی راہ ہو جو

اللہ پر، آخرت کے دن پر، ملائکہ پر، آسمانی کتابوں پر اور خدا کے تمام نبیوں پر ایمان لاتے ہیں۔

اور خدا کی محبت کی راہ میں اپنا مال، رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، اور سائلوں کو دیتے ہیں اور غلاموں کو آزاد کرانے کے لئے خرچ کرتے ہیں۔

نماز قائم کرتے ہیں۔

زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔

اپنی بات کے پکے ہوتے ہیں جب قول و قرار کرلیتے ہیں تو اسے پورا کرکے رہتے ہیں

(۵) دین حق کی اس اصل عظیم کا اعلان کہ سعادت و نجات کی راہ یہ نہیں ہو کہ عبادت کی کوئی خاص شکل یا کھانے پینے کی کوئی خاص پابندی یا اسی طرح کی کوئی دوسری بات اختیار کرلی جائے۔ بلکہ وہ سچی خدا پرستی اور نیک عملی کی زندگی سے حاصل ہوتی ہو اور اصلی شے دل کی پاکی اور عمل کی نیکی ہو۔ شریعت کے ظاہری احکام و رسوم بھی اسی لئے ہیں تاکہ یہ مقصود حاصل ہو۔

نزول قرآن کے وقت دنیا کی عالمگیر گمراہی یہ تھی کہ لوگ سمجھتے تھے دین سے مقصود محض شریعت کے ظواہر و رسوم ہیں، اور انہی کے کرنے نہ کرنے پر انسان کی نجات و سعادت موقوف ہو۔ لیکن قرآن کہتا ہو اصل دین خدا پرستی اور نیک عملی ہو، اور شریعت کے ظاہری رسوم و اعمال بھی اسی لئے ہیں کہ یہ مقصد حاصل ہو۔ پس جہاں تک دین کا تعلق ہو سارا مطلب مقاصد کی ہو جاتا ہے۔ ذکر وسائل کی۔

الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۗ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ ۖ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۖ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ

تنگی و مصیبت کی گھڑی ہو، یا خوف و ہراس کا وقت، لیکن ہر حال میں صبر کرنے والے (اور اپنی راہ میں ثابت قدم) ہوتے ہیں۔

تو بلاشبہ ایسے ہی لوگ ہیں جو نیکی کی راہ میں سچے ہیں، اور یہی ہیں جو متقی انسان ہیں!

۱۷۸

اے پیروانِ دعوتِ ایمانی! جو لوگ قتل کر دئے جائیں، اُن کے لئے تمہیں قصاص (یعنی بدلہ لینے کا) حکم دیا جاتا ہے۔ (لیکن بدلہ لینے میں ہر انسان دوسرے انسان کے برابر ہے) اگر آزاد آدمی نے آزاد آدمی کو قتل کیا ہو، تو اسکے بدلہ وہی قتل کیا جائے گا (یہ نہیں ہو سکتا کہ مقتول کی بڑائی یا نسل کے شرف کی وجہ سے دو آدمی قتل کئے جائیں جیسا کہ عرب جاہلیت میں دستور تھا) اگر غلام قاتل ہو، تو غلام ہی قتل کیا جائے گا (یہ نہیں ہو سکتا کہ مقتول کے آزاد ہونے کی وجہ سے دو غلام قتل کئے جائیں) عورت نے قتل کیا ہو، تو عورت ہی قتل کی جائے گی۔

اور پھر اگر ایسا ہو، کہ کسی قاتل کو مقتول کے وارث سے کہ (رشتۂ انسانی میں) اُس کا بھائی ہو، معافی مل جائے (اور قتل کی جگہ خون بہا لینے پر راضی ہو جائے) تو (خون بہا لے کر چھوڑ دیا جا سکتا ہو) اور (اس صورت میں) مقتول کے وارث کے لئے دستور کے

قصاص کا حکم، اور اس سلسلہ میں اُن مفاسد کا ازالہ جو اس باب میں پھیلے ہوئے تھے۔

(۱) انسانی مساوات کا اعلان، اور نسل و شرف کے تمام امتیازات سے انکار جو لوگوں نے بنا رکھے ہیں، اور جن کی وجہ سے انسانی حقوق پامال ہو رہے ہیں۔ آزاد ہو یا غلام، مرد ہو یا عورت، بڑا ہو یا چھوٹا، وضیع ہو یا شریف، انسان ہونے کے لحاظ سے سب برابر ہیں۔ اس لئے قصاص میں کوئی زیادتی تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

(۲) اگر مقتول کے وارث خون بہا لینے پر راضی ہو جائیں تو قاتل کی جاں بخشی ہو سکتی ہے۔

(۳) قصاص میں اگرچہ جان کی ہلاکت ہے، مگر اس لئے ہے تاکہ زندگی کی حفاظت کی جائے۔ پس جب مقصود اصلی حفظ نفس ہوا، تو قتل نفس تو ظاہر ہے کہ قتل نفس کا ذریعہ بنا دیا گیا کیونکر جائز ہو سکتا ہو؟

وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ ۗ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۝ وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ ۖ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ۗ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ

مطابق (خون بہا کا) مطالبہ ہو، اور قاتل کے لئے خوش معاملگی کے ساتھ ادا کر دینا۔ اور دیکھو، یہ (جو قصاص کے معاملہ کو تمام زیادتیوں اور ناانصافیوں سے پاک کر کے عدل و مساوات کی حقیقت پر قائم کر دیا گیا ہو، تو یہ) تمھارے پروردگار کی طرف سے تمھارے لئے سختیوں کا کم کر دینا اور رحمت کا فیضان ہو۔ اب اسکے بعد جو کوئی ظلم و زیادتی کرے گا، تو یقین کرو، وہ (اللہ کے حضور) عذاب دردناک کا سزاوار ہوگا!

اور اے ارباب دانش! قصاص کے حکم میں (اگرچہ بظاہر ایک جان کی ہلاکت کے بعد دوسری جان کی ہلاکت گوارا کر لی گئی ہو، لیکن فی الحقیقت یہ ہلاکت نہیں ہو) تمھارے لئے زندگی ہو، اور یہ سب کچھ اس لئے ہو تاکہ تم برائیوں سے بچو (اور ظلم و فساد کی راہیں بند ہو جائیں)

اے پیروان دعوت ایمانی! یہ بات بھی تم پر فرض کر دی گئی ہو کہ جب تم میں سے کوئی آدمی محسوس کرے اس کے مرنے کی گھڑی آ گئی، اور وہ اپنے بعد مال و متاع میں سے کچھ چھوڑ جانے والا ہو، تو چاہیے کہ اپنے ماں باپ اور رشتہ داروں کے لئے اچھی وصیت کر جائے۔ جو متقی انسان ہیں، انکے لئے ایسا کرنا ضروری ہو۔

پھر جو کوئی ایسا کرے کہ کسی آدمی کی وصیت سنے (اور اسکے گواہ اور امین ہونے) کے بعد اس میں رد و بدل کر دے، تو اس گناہ کی ذمہ داری اسی کے سر ہوگی جسنے رد و بدل کیا ہو۔ (وصیت پر اس کا

مرنے سے پہلے اپنی اولادوں کے لئے اچھی وصیت کرنے کا حکم، اور اس اصولی حقیقت کی تلقین کہ۔

(۱) انسان موت کے بعد جو کچھ چھوڑ جاتا ہو، وہ اگرچہ دوسروں کے قبضہ میں چلا جاتا ہو، لیکن مرنے سے پہلے اس کے ٹھیک ٹھیک خرچ ہونے اور عزیزوں قریبوں کو فائدہ پہنچانے کی فکر رکھنے والے کی زندگی کے فرائض میں سے ہو، اور اس ذمہ داری سے وہ بری الذمہ نہیں ہو سکتا۔

(۲) مرنے والے کی وصیت ایک مقدس امانت ہو۔ جو لوگ اسکے امین ہوں، ان کا فرض ہو کہ بے کم و کاست اس کی تعمیل کریں۔

(۳) اگر وہ لوگ جن پر وصیت کی تعمیل چھوڑ دی گئی ہو خیانت کریں تو انکے کے وہ خود جوابدہ ہونگے۔ وصیت کرنے والا اور وصیت سے فائدہ اٹھانے والے جوابدہ نہیں ہونگے۔

مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۪ وَاتَّقُوا
اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا
تَعْتَدُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ
وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ
عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

کوئی اثر نہیں پڑیگا۔ اس کی تعمیل ہر حال میں ضروری ہوگی (یقین کرو، اللہ سب کچھ سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے (پس نہ تو یہ ہو سکتا ہے کہ کسی مظلوم کی فریاد سے وہ بے خبر رہ جائے، اور نہ یہ ممکن ہے کہ کوئی انسان اپنی خیانت اس سے چھپا سکے!)

اور اگر کسی شخص کو وصیت کرنے والے سے بیجا رعایت کرنے یا کسی معصیت کا اندیشہ ہو، اور وہ (بروقت مداخلت کرکے، یا وارثوں کو سمجھا بجھا کر) ان میں مصالحت کرا دے، تو ایسا کرنے میں کوئی گناہ نہیں (کیونکہ یہ وصیت میں رد و بدل کرنا نہیں ہے، بلکہ ایک برائی کی اصلاح کر دینا ہے اور) بلاشبہ اللہ (انسانی کمزوریوں کو) بخشنے والا، اور (اپنے تمام احکام میں) رحمت رکھنے والا ہے!

اے پیروانِ دعوتِ ایمانی! جس طرح اُن لوگوں پر جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں، روزہ فرض کر دیا گیا تھا، اُسی طرح تم پر بھی فرض کر دیا گیا ہے۔ تاکہ تم برائیوں سے بچو (یعنے برائیوں سے بچنے اور پرہیزگار ہونے کی تم میں صلاحیت پیدا ہو)

(یہ روزے کے) چند گنے ہوئے دن ہیں۔ (کوئی بڑی اور ناقابلِ برداشت مدت نہیں ہے۔ اور نہ ایسا ہے کہ بغیر کسی مدت کی تحدید کے عام طور پر حکم دیدیا گیا ہو) پھر جو کوئی تم میں بیمار ہو، یا سفر میں ہو، تو اُسکے لئے اجازت ہے کہ وہ دوسرے دنوں میں روزہ رکھ کر، روزے کے دنوں کی گنتی پوری کرلے۔ اور جو لوگ ایسے ہوں کہ اُنکے لئے روزہ رکھنا ناقابلِ برداشت ہو (جیسے نہایت بوڑھا آدمی کہ نہ تو روزہ

رمضان میں روزہ رکھنے کا حکم، اور اس سلسلہ میں دین حق کے بعض اصولی حقائق کی تعلیم۔ نیز ان غلطیوں کا ازالہ جو اس بارے میں عام طور پر پھیلی ہوئی تھیں۔

(۱) روزہ کے حکم سے یہ مقصود نہیں ہے کہ انسان کا فاقہ کرنا اور اپنے جسم کو تکلیف و مشقت میں ڈالنا کوئی ایسی بات ہے جس سے پاکیزگی حاصل ہو، بلکہ تمام تر مقصود نفس انسانی کی اصلاح و تہذیب ہے۔ روزہ رکھنے سے تم میں پرہیزگاری کی قوت پیدا ہوگی، اور نفسانی خواہشوں کو قابو میں رکھنے کا سبق حاصل ہوگا

سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ وَأَحْسِنُوا ۛ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۞ وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ ۚ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۖ وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ ۚ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِّن رَّأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِّن صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ ۚ فَإِذَا أَمِنتُمْ فَمَن تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ۱۹۶

۱۸۶ اور (اے پیغمبر) جب میرا کوئی بندہ میری نسبت تم سے دریافت کرے (کہ کیونکر مجھ تک پہنچ سکتا ہے؟) تو تم اُسے بتلا دو کہ میں اُس سے دور نہیں ہوں کہ مجھ تک پہنچنے کے لئے کسی طرح کی محنت و مشقت برداشت کرنی پڑے۔ میں) تو اُس کے پاس ہوں وہ جب پکارتا ہے، تو میں اُس کی پکار سنتا اور اُسے قبول کرتا ہوں۔ پس (اگر وہ واقعی میری طلب رکھتے ہیں، تو) چاہئے کہ میری پکار کا جواب دیں، اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ حصولِ مقصد میں کامیاب ہوں۔

۱۸۷ تمھارے لئے یہ بات جائز کر دی گئی ہے کہ روزہ کے دنوں میں رات کے وقت اپنی بیویوں سے خلوت کرو۔ تم میں اور ان میں چولی دامن کا ساتھ ہے (یعنے اُنکی زندگی تم سے وابستہ ہے۔ تمھاری اُن سے۔ وہ تمھارے بغیر نہیں رہ سکتیں۔ تم اُنکے بغیر نہیں رہ سکتے۔ البتہ جو کچھ کرو، ٹھیک طور پر سمجھ بوجھ کے کرو۔ ایسا نہ کرو کہ ایک بات کے طرف سے تمھارے دلوں میں شک و شبہ ہو، مگر اُسے صاف کئے بغیر کئے جاؤ، اور پھر اُسے اپنی کمزوری سمجھ کر چھپانے لگو) اللہ کے علم سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ تم اپنے اندر ایک بات کا خیال کر کے پھر اُسکی بجا آوری میں خیانت

(۳) اس طرح کی عبادتوں سے مقصود وہ تمھارے نفس کی اصلاح و تربیت ہو۔ یہ بات نہیں ہو کہ جب تک فاقہ کشی کے چلے نہ کھینچے جائیں خدا کو پکارا نہیں جا سکتا (جیسا کہ اہلِ مذاہب کا خیال تھا) خدا تو ہر حال میں انسان کی پکار سننے والا اور اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس سے قریب ہے۔ ایمان و اخلاص کے ساتھ جب کبھی اُسے پکارو گے اُس کا دروازہ قبولیت تم پر کھل جائے گا۔

(۱) یہودیوں کے یہاں روزہ کی شرطیں نہایت سخت تھیں۔ اور چونکہ اگر شام کو روزہ کھول کر سو جائیں، تو پھر اُٹھ کر کچھ کھا پی نہیں سکتے تھے، اسی طرح روزہ کے مہینے میں زناشوئی کا علاقہ بھی مطلقاً ممنوع تھا۔ اسلام نے جب روزہ کا حکم دیا تو اُنھوں نے خیال کیا، اُنکے لئے بھی یہ پابندیاں ضروری ہیں۔ اور چونکہ پابندیاں سخت تھیں اس لئے بعض لوگ نباہ نہ سکے اور اپنے فعل کو کمزوری سمجھ کر چھپانے لگے۔ علم اللہ انکم کنتم تختانون انفسکم میں اسی معاملہ کی طرف اشارہ ہے۔

روزہ سے مقصود یہ نہیں ہے کہ جسمانی خواہشیں بالکل ترک کر دی جائیں۔

فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ ۗ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۗ ذَٰلِكَ لِمَنْ لَمْ يَكُنْ
أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝
الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَعْلُومَاتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ
وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۗ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللَّهُ ۗ وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ
الزَّادِ التَّقْوَىٰ ۚ وَاتَّقُونِ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ ۝ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا
فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ

کر رہے ہو (یعنے اپنے ضمیر کی خیانت کر رہے ہو۔ کیونکہ اگرچہ اس بات میں برائی نہ تھی مگر تم نے خیال کر لیا تھا کہ برائی ہو) پس اُس نے (اپنے فضل و کرم سے تمھیں اس غلطی کے لئے جوابدہ نہیں ٹھرایا) تمھاری ندامت قبول کر لی، اور تمھاری خطا بخشدی۔ اور اب (کہ یہ معاملہ صاف کر دیا گیا ہو) تم (بغیر کسی اندیشہ کے اپنی بیویوں سے خلوت کرو، اور جو کچھ تمھارے لئے (ازدواجی زندگی میں) اللہ نے ٹھرا دیا ہو، اس کے خواہشمند ہو اور (اسی طرح رات کے وقت کھانے پینے کی بھی کوئی روک نہیں) شوق سے کھاؤ پیو۔ یہاں تک کہ صبح کی سفید دھاری (رات کی) کالی دھاری سے الگ نمایاں ہو جائے (یعنے صبح کی سب سے پہلی نمود شروع ہو جائے) پھر اُس وقت سے لے کر رات (شروع ہونے) تک روزہ کا وقت پورا کرنا چاہئے۔ البتہ اگر تم مسجد میں اعتکاف کر رہے ہو، تو اس حالت میں نہیں چاہئے کہ اپنی بیویوں سے خلوت کرو۔ (جہاں تک روزہ کا تعلق ہو) یہ اللہ کی ٹھرائی ہوئی حد بندیاں ہیں، پس ان سے دور دور رہنا۔ اللہ اسی طرح اپنے احکام لوگوں (کی فہم و بصیرت) کے لئے واضح کر دیتا ہو تاکہ (نافرمانی سے) بچیں۔

بلکہ مقصود ضبط و اعتدال ہو۔ پس کھانے پینے اور زناشوئی کے معاملہ کی جو کچھ ممانعت ہو، صرف دن کے وقت ہو۔ رات کے وقت کوئی روک نہیں۔

(۶) زناشوئی کا تعلق کوئی برائی اور ناپاکی کی بات نہیں ہو جسے عبادت کے مہینے میں ناجائز سمجھا جائے۔ وہ مرد اور عورت کا ایک فطری تعلق ہو اور دونوں ایک دوسرے سے اپنے حوائج میں وابستہ ہیں۔ پس ایک فطری علاقہ عبادت الٰہی کے منافی کیوں ہو؟

(۷) مومن وہ ہو جس کے عمل میں کوئی کھوٹ اور ساز نہ ہو۔ اگر ایک بات بری نہیں ہو، مگر تم نے اسے برا سمجھ لیا ہو اور اس لئے چوری چھپے کرنے لگے ہو، تو گو تم نے اصلاً برائی نہیں کی، مگر تمھارے ضمیر کے لئے برائی ہوگئی اور تمھارے دل کی پاکی پر دھبہ لگ گیا۔

اور دیکھو! ایسا نہ کرو کہ آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقہ سے کھاؤ۔ اور نہ ایسا کرو کہ مال کو

(۸) اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ شہوت نفس کی عبادتیں کچھ سود مند نہیں

فَاِذَآ اَفَضۡتُمۡ مِّنۡ عَرَفٰتٍ فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ عِنۡدَ الۡمَشۡعَرِ الۡحَـرَامِ وَاذۡكُرُوۡهُ كَمَا هَدٰٮكُمۡ‌ۚ وَاِنۡ كُنۡتُمۡ مِّنۡ قَبۡلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيۡنَ ۞ ۱۹۸ ثُمَّ اَفِيۡضُوۡا مِنۡ حَيۡثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسۡتَغۡفِرُوا اللّٰهَ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۞ ۱۹۹ فَاِذَا قَضَيۡتُمۡ مَّنَاسِكَكُمۡ فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ كَذِكۡرِكُمۡ اٰبَآءَكُمۡ اَوۡ اَشَدَّ ذِكۡرًا‌ؕ فَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّقُوۡلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنۡيَا وَمَا لَهٗ فِى الۡاٰخِرَةِ مِنۡ خَلَاقٍ ۞ ۲۰۰ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّقُوۡلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنۡيَا

برعکس اگر کوئی شخص حقوق العباد سے بے پروا ہو اور مال حرام سے اپنے آپ کو نہیں روک سکتا تو نیکی صرف اسی میں نہیں ہو کہ چند دنوں کے لئے تم جائز غذا ترک کرو، نیکی کی راہ یہ ہو کہ ہمیشہ کے لئے ناجائز غذا ترک کردو۔

کو حاکموں کے دلوں تک پہنچنے کا (یعنے انھیں اپنی طرف مائل کرلینے کا) ذریعہ بناؤ تاکہ (اس مخفی اور پُرپیچ طریقہ سے) دوسروں کے مال کا کوئی حصہ بلاحق حاصل کرلو۔ حالانکہ تم جانتے ہو کہ اس طرح کے طریقوں سے بھی مقصود دوسروں کا مال ناجائز طریقہ پر کھالینا ہو، اور رشوت خور حاکم کے فیصلے سے ناجائز بات جائز نہیں ہوجا سکتی)

۱۸۹ اے پیغمبر، لوگ تم سے (مہینوں کی) چاندرات کی نسبت دریافت کرتے ہیں۔ ان لوگوں سے کہدو یہ انسان کے لئے وقت کا حساب ہو، اور اس سے حج کے مہینے کا تعین ہوجاتا ہو (باقی جسقدر توہمات لوگوں میں پھیلے ہوئے ہیں، اور ان کی بنا پر لوگوں نے طرح طرح کی رسمیں اختیار کر رکھی ہیں، تو انکی کوئی اصلیت نہیں) اور یہ کوئی نیکی کی بات نہیں ہو کہ اپنے گھروں میں (دروازہ چھوڑ کر) پچھواڑے سے داخل ہو (جیسا کہ عرب کی رسم تھی کہ حج کے مہینے کا چاند دیکھ لینے اور احرام باندھ لینے کے بعد اگر گھروں میں داخل ہونا چاہتے، تو دروازہ سے داخل نہ ہوتے۔ پچھواڑے سے راہ نکال کر جاتے) نیکی تو اس کے لئے ہو جسنے اپنے اندر تقویٰ پیدا کیا۔ پس (ان وہم پرستیوں میں مبتلا نہ ہو) گھروں میں آؤ، تو دروازہ ہی کی راہ آؤ۔

حج کے احکام، اور اس سلسلہ میں حق کی بعض اصولی ہدایتیں اور اہل عرب اور دیگر اقوام کی گمراہیوں کا ازالہ

(۱) چاند کے طلوع و غروب سے مہینوں کا حساب لگایا جاتا ہو، اور حج کے موسم کا تعین اسی حساب سے کیا جاتا ہو۔ اسکے علاوہ جو وہم پرستیاں چاند کی نسبت لوگوں میں پھیلے ہوئے تھیں اور ان کو متعلق کر کے جو ... عقائد سے ان کی کوئی اصلیت نہیں۔

(۲) مقدس زیارت گاہوں اور متبرک دنوں پر جانے کے لئے لوگوں نے طرح طرح کی پابندیاں لگا رکھی ہیں، اور ثواب کے لئے اپنے آپ کو تکلیفوں مشقتوں میں ڈالتے ہیں لیکن یہ سب گمراہی کی باتیں ہیں۔ نیکی کی اصلی راہ یہ ہو کہ اپنے اندر تقویٰ پیدا کرو۔

حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ۱۹۸
وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ ۱۹۹
يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ
وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ ۲۰۰
الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰي مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَھُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۝ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي ۲۰۱
الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا

(پیچھواڑے سے راہ نکالنے کی مصیبت میں کیوں پڑو؟) البتہ اللہ کی نافرمانی سے بچو تاکہ (راہِ سعادت میں) کامیاب ہو!

۱۸۶ اور (دیکھو) جو لوگ تم سے جنگ کر رہے ہیں، چاہیے کہ اللہ کی راہ میں تم بھی اُن سے لڑو (پیٹھ نہ دکھلاؤ) البتہ کسی طرح کی زیادتی نہیں کرنی چاہیے۔ اللہ اُن لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو زیادتی کرنے والے ہیں۔

۱۸۷ (اہلِ مکہ نے تمھارے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا ہے تو تمھاری طرف سے بھی اب اعلانِ جنگ ہے) جہاں پاؤ انھیں قتل کرو، اور جس جگہ سے انھوں نے تمھیں نکالا ہے، تم بھی انھیں (وہاں سے) نکال باہر کرو۔ (اس طرح تمھیں قتل و خونریزی کا جواب قتل و خونریزی سے دینا پڑے گا، اور قتل و خونریزی بجائے خود ایک برائی ہے۔ لیکن) فتنہ کا قائم رہنا قتل و خونریزی سے بھی بڑھ کر ہے۔ اور (باقی رہا حدودِ حرم کا معاملہ کہ اس کے اندر لڑائی کی جائے یا نہ کی جائے؟ تو اس بارے میں حکم یہ ہوگا) جب تک وہ خود مسجدِ حرام کے حدود میں تم سے جنگ نہ کریں، تم بھی اُس جگہ اُن سے جنگ نہ کرو۔ پھر اگر ایسا ہو کہ انھوں نے وہاں جنگ کی تو تمھارے لیے بھی یہی ہوگا کہ جنگ کرو۔ منکرینِ حق (کی ظالمانہ پیش قدمیوں) کا یہی بدلہ ہے۔ لیکن اگر ایسا ۱۸۸

(۳) اہلِ مکہ کے ظلم و تشدد سے حج کا دروازہ مسلمانوں پر بند ہو گیا تھا اور مسجدِ حرام جنگ کے مرکز [illegible] قرار پایا تھا۔ وہیں جنگ [illegible] حرم سے باہر [illegible] بغیر جنگ کے چارہ نہیں۔ ضروری ہوا کہ اس مقام کو ظالموں کے قبضہ و تصرف سے نجات دلائی جائے۔

اس بارے میں اصل یہ ہے کہ امن کی حالت ہو یا جنگ کی، مسلمانوں کے کسی کام میں بھی ظلم اور زیادتی کے خلاف کوئی بات نہیں ہونی چاہیے۔

(۵) جنگ برائی ہے لیکن فتنہ کا قائم رہنا اس سے بھی زیادہ سخت برائی ہے، پس اگر ضروری ہو کہ فتنہ کے ازالہ کے لیے جنگ کی حالت گوارا کی جائے [illegible] قریش مکہ کا فتنہ کیا تھا؟ یہ تھا کہ محض جبر و قہر سے لوگوں کو مجبور کرتے تھے کہ جس بات کو حق سمجھتے ہیں اسے حق نہ کہیں۔ یعنی دین و اعتقاد کی آزادی مفقود ہو گئی تھی۔ قرآن کہتا ہے، یہ برائی جنگ کی برائی سے بھی زیادہ سخت ہے۔ اس لیے ضروری ہوا کہ اس کے انسداد کے لیے جنگ کی برائی گوارا کر لی جائے۔

وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ۝ وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ ۚ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ ۚ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ وَمِنَ النَّاسِ مَن نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝ فَإِن زَلَلْتُم مِّن بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمُ الْبَيِّنَاتُ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ هَلْ يَنظُرُونَ

جو اگر وہ جنگ سے باز آ گئے، تو (پھر اللہ کا دروازۂ رحمت و بخشش کبھی بند نہیں ہو) بلاشبہ وہ رحمت سے بخشنے والا ہے!

۱۸۹ اور دیکھو، ان لوگوں سے جنگ جاری رکھو۔ یہاں تک کہ فتنہ (یعنے ظلم و فساد) باقی نہ رہے، اور دین صرف اللہ کے لئے ہو جائے (انسانی ظلم و استبداد کی مداخلت اس میں باقی نہ رہے) پھر اگر ایسا ہو کہ یہ لوگ جنگ سے باز آ جائیں، تو (تمھیں بھی ہاتھ روک لینا چاہئے۔ کیونکہ) جنگ کا تشدد نہیں کرنا ہے، مگر صرف انھی لوگوں کے مقابلہ میں، جو ظلم کرنے والے ہیں۔

> جنگ کی اجازت اس لئے دی گئی ہو کہ دین و اعتقاد کی آزادی حاصل ہو جائے۔ یعنے دین کے معاملہ میں جو تعلق صرف اللہ سے ہو، انسانی ظلم و تشدد کی داخلت باقی نہ رہے۔

۱۹۰ (باقی رہا) ان مہینوں کا معاملہ جن کا عرب میں احترام کیا جاتا ہے، اور ان میں لڑائی بند کر دی جاتی ہے، تو اس بارے میں تمھارا طریقہ یہ ہونا چاہئے کہ) اگر حرمت کے مہینوں کی رعایت کی جائے، تو تمھاری طرف سے بھی رعایت ہونی چاہئے۔ اگر نہ کی جائے، تو تمھاری طرف سے بھی نہیں ہو۔ (مہینوں کی) حرمت کے معاملہ میں (جب کہ جنگ ہو) ادلے کا بدلہ ہو (یعنے جیسی روش ایک فریق جنگ کی ہوگی، ویسی ہی دوسرے فریق کو بھی اختیار کرنی پڑے گی۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک فریق تو مہینوں کی حرمت سے بے پروا ہو کر حملہ کر دے، اور دوسرا فریق حرمت کے خیال سے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہے) پس جو کوئی تم پر زیادتی کرے، تو چاہئے کہ جس طرح کا معاملہ اس نے تمھارے ساتھ کیا ہو، ویسا ہی معاملہ تم بھی اس کے ساتھ کرو (لڑتا ہو، تو تم بھی لڑو، نہیں لڑتا ہو، تو تمھاری طرف سے بھی لڑائی نہیں ہونی چاہئے) البتہ (ہر حال میں) اللہ سے ڈرتے رہو، اور یہ بات نہ بھولو کہ اللہ انھی کا ساتھی ہے جو (اپنے تمام کاموں میں) پرہیزگار ہیں!

۱۹۱ اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرو۔ ایسا نہ کرو کہ

> وہ لوگ جہاد کی راہ میں مال خرچ نہیں کرتے، وہ اپنے ہاتھوں اپنے

إِلَّآ أَن يَأْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِي ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ ۚ وَإِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ۝ سَلْ بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ كَمْ آتَيْنٰهُم مِّنْ آيَةٍ بَيِّنَةٍ ۗ وَمَن يُبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِن بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَإِنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُونَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا ۘ وَالَّذِينَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَن يَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ

(آپ کو ہلاکت میں ڈال دیتے ہیں۔ کیونکہ جہاد سے اعراض کا نتیجہ قومی زندگی کی ہلاکت ہے)

کی اعانت سے غافل ہو کر) اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو (کیونکہ اگر تم نے اس کام کے لئے خدا کا دیا ہوا مال خرچ نہیں کیا جس میں تمہارے لئے ظلم و فساد سے نجات اور فتح و کامرانی کا حصول تھا، تو یہ دیدہ و دانستہ، قومی زندگی کی جگہ ہلاکت کو پسند کرنا ہوگا) نیکی کرو! یقیناً اللہ کی محبت انہی لوگوں کے لئے ہے جو نیکی کرنے والے ہیں!

((۲) اگر لڑائی کی وجہ سے یا کسی دوسری وجہ سے راہ میں رک جانا پڑے تو اس حالت میں کیا کرنا چاہئے؟ نیز حج اور عمرہ کے تمتع کی حالت میں دونوں کو ادا کرنے کی صورت)

اور دیکھو، حج اور عمرہ کی جب نیت کرلی جائے تو اسے اللہ کے لئے پورا کرنا چاہئے۔

اور اگر ایسی صورت پیش آجائے کہ تم (اس نیت سے نکلے مگر) راہ میں گھر گئے (جنگ کی وجہ سے یا کسی دوسری وجہ سے، اور منزل مقصود تک بروقت نہ پہنچ سکے) تو پھر ایک جانور کی قربانی کرنی چاہئے، جیسا کچھ بھی میسر آئے۔

اور اس وقت تک سر کے بال نہ منڈاؤ (جو اعمال حج سے فارغ ہوکر احرام اتارتے وقت کیا جاتا ہے) جب تک کہ قربانی اپنے ٹھکانے نہ پہنچ جائے۔

ہاں اگر کوئی شخص بیمار ہو، یا اسے سر کی کسی تکلیف کی وجہ سے مجبوری ہو، تو چاہئے کہ (بال اتارنے کا) فدیہ دے دے۔ اور وہ یہ ہے کہ روزہ رکھے۔ یا صدقہ دے۔ یا جانور کی قربانی کرے۔

اور پھر جب ایسا ہو کہ تم امن کی حالت میں ہو (یعنی جنگ کی وجہ سے یا کسی دوسری وجہ سے کسی طرح کی رکاوٹ نہ ہو) اور کوئی شخص چاہے کہ (عمرہ و حج سے ملا کر) تمتع کرے (یعنی ایک ہی سفر میں دونوں عملوں کے ثواب سے فائدہ اٹھائے) تو اس کے لئے بھی جانور کی قربانی ہے جیسی کچھ میسر آجائے۔

اور جس کسی کو قربانی میسر نہ آئے، تو اسے چاہئے تین روزے حج کے دنوں میں رکھے، سات روزے

النبیین مبشرین ومنذرین ۖ وانزل معھم الکتب بالحق لیحکم بین الناس فیما اختلفوا فیہ ۭ وما اختلف فیہ الا الذین اوتوہ من بعد ما جاءتھم البینت بغیا بینھم ۚ فھدی اللہ الذین امنوا لما اختلفوا فیہ من الحق باذنہ ۭ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم ۝ ۲۱۴ ام حسبتم ان تدخلوا الجنۃ ولما یاتکم مثل الذین خلوا من قبلکم ۭ مستھم الباساء

واپسی پر۔ یہ دس کی پوری گنتی ہوگئی۔

البتہ یاد رہے کہ یہ حکم (یعنی عمرے کے تمتع کا حکم) اس کے لئے ہے جس کا گھر بار مکہ میں نہ ہو (باہر سے حج کے لئے آیا ہو۔ جو لوگ مکہ میں رہنے والے ہیں، وہ ایسا نہیں کر سکتے)

اور دیکھو، ہر حال میں اللہ کی نافرمانی سے بچو، اور یقین کرو، وہ (نافرمانوں کو) سزا دینے میں بہت ہی سخت ہے۔

۱۹۷ حج کے مہینے عام طور پر معلوم ہیں۔ پس جس کسی نے ان مہینوں میں حج کرنا اپنے اوپر لازم کر لیا تو (وہ حج کی حالت میں ہو گیا، اور) حج کی حالت میں نہ تو عورتوں کی طرف رغبت کرنا ہے، نہ فسق کی کوئی بات کرنی ہے، اور نہ لڑائی جھگڑا۔ اور (یاد رکھو) تم نیک عملی کی باتوں میں سے جو کچھ بھی کرتے ہو، اللہ کے علم سے پوشیدہ نہیں رہتا۔ پس (حج کرو تو اس کے) سر و سامان کی طیاری بھی کرو۔ اور سب سے بہتر سروسامان (دل کا سروسامان ہے، اور وہ) تقویٰ ہے۔

اور حج کے دنوں میں اور وہ اس وقت سے شروع ہو جاتے ہیں جب تم نے احرام باندھا، نہ تو عورت کے ساتھ صحبت کرنی چاہئے، نہ گناہ کی کوئی بات، اور نہ کسی طرح کی لڑائی جھگڑا۔ ایسا اس لئے کہ جیسا چاہئے ویسا ہو کر تم میں تقویٰ پیدا ہو۔

اور اے ارباب دانش! (ہر حال میں) اللہ سے ڈرتے رہو (کہ خوف الٰہی ہی سے پرہیزگاری پیدا ہوتی ہے!)

۱۹۸ (اور دیکھو) اس میں تمہارے لئے کوئی گناہ کی بات نہیں، اگر (اعمال حج کے ساتھ) تم اپنے پروردگار کے فضل کی بھی تلاش میں رہو (یعنی کاروبار تجارت کا بھی مشغلہ رکھو۔ البتہ ایسا نہیں کرنا چاہئے کہ کاروبار دنیوی کے انہماک کی وجہ سے حج کے اوقات و اعمال

(۲) دین حق کی اس تعلیم کا اعلان کرنا مقصود تھا اور وہ دنیا و دین کی دونوں ... دنیوی معیشت اور دینی فلاح قرآن کے خلاف نہیں ہیں، بلکہ وہ ایک ایسی کامل زندگی پیدا کرنی چاہتا ہے جس میں دنیا اور آخرت دونوں کی سعادتیں موجود ہوں۔ حج ایک عبادت ہے لیکن اس کو عبادت بنانا اس سے مانع نہیں۔

قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أُولٰٓئِكَ ۲۱۵

ذکر کیا کرتے تھے، اب اُسی طرح اللہ کا ذکر کیا کرو۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ (جوش و محبت کے ساتھ، کہ تمام اعمال حج سے اصل مقصود یہی ہے)

اور پھر (دیکھو) کچھ لوگ ایسے ہیں (جو صرف دنیا ہی کے پرستار ہوتے ہیں، اور) جن کی صدائے حال یہ ہوتی ہو کہ "پروردگار! ہمیں جو کچھ دینا ہو، دنیا ہی میں دیدے" پس آخرت کی زندگی میں اُنکے لئے کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو (دنیا اور آخرت، دونوں کی فلاح چاہتے ہیں۔ وہ) کہتے ہیں ۱۹۷ "پروردگار! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے، اور آخرت میں بھی بھلائی دے، اور ہمیں عذاب دوزخ سے بچالے" تو یقین کرو، ایسے ہی لوگ ہیں جنھیں اُنکے عمل کے مطابق (دنیا و آخرت کی) فلاح میں حصہ ملنا ہے اور اللہ ۱۹۸ (کا قانون) اعمال کے محاسبہ میں سُست رفتار نہیں (وہ ہر انسان کو اس کے عمل کے مطابق فوراً نتیجہ دینے والا ہے)

اور (دیکھو) حج کے گنے ہوئے دنوں میں (جو معلوم ہیں، اور دسویں ذوالحجہ سے لیکر تیرہویں تک ہیں) اللہ کی ۱۹۹ یاد میں مشغول رہو۔ پھر جو کوئی (واپسی میں) جلدی کرے، اور دو ہی دن میں روانہ ہو جائے تو اسمیں کوئی گناہ کی بات نہیں۔ اور جو کوئی تاخیر کرے، تو وہ تاخیر کر سکتا ہو۔ اُس کے لئے بھی کوئی گناہ نہیں۔ لیکن یہ تعجیل اور تاخیر کی رخصت اسی کے لئے ہو جسمیں تقویٰ ہو (کیونکہ تمام اعمال سے اصل مقصود تقویٰ ہو۔ اگر ایک شخص کے قصد و عمل میں تقویٰ نہیں، تو اس کا کوئی عمل بھی صحیح نہیں ہو سکتا) پس ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہو،

اور یہ بات نہ بھولو کہ تم سب کو (ایک دن مرنا اور پھر) اُس کے حضور جمع ہونا ہو! ۲۰۰

اور (دیکھو) بعض آدمی ایسے ہیں کہ دنیوی زندگی کے بارے میں اُن کی باتیں تمھیں بہت ہی اچھی معلوم ہوتی ہیں اور وہ اپنی ضمیر کی پاکی پر اللہ کو گواہ ٹھہراتے ہیں۔ حالانکہ فی الحقیقت (اُن کا دل ایمان و صداقت سے خالی ہو) اور وہ دشمنی و خصومت میں بڑے ہی سخت ہیں۔

(۱) وہ حق دنیا کا منہیں لیکن دنیا پرستی کے غرور ۔۔۔ ساری ۔۔۔ کا مخالف ہو۔

یعنی دنیا پرستی کا وہ ۔۔۔ ہو جو انسان کو خدا پرستی اور ۔۔۔ سے ۔۔۔ بے پروا کر دیتا ہو۔ اور جب انسان میں ۔۔۔ صداقت اور حکومت خیالی ہو تو آخرت ۔۔۔

يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ يَسْــَٔـلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْـمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۭ وَيَسْــَٔـلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ڛ قُلِ الْعَفْوَ ۭ كَذٰلِكَ يُـبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَيَسْــَٔـلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ۭ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّھُمْ خَيْرٌ ۭ وَاِنْ تُخَالِطُوْھُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ وَلَا

اور جب انھیں حکومت مل جاتی ہو، تو ان کی تمام سرگرمیاں ملک میں اس لئے ہوتی ہیں تاکہ خرابی پھیلائیں اور انسان کی زراعت و محنت کے نتائج اور اس کی نسل ہلاک کردیں۔ حالانکہ اللہ کبھی پسند نہیں کرسکتا کہ (زندگی و آبادی کی جگہ) ویرانی و خرابی پھیلائی جائے۔

اور جب ان لوگوں سے کہا جائے، خدا سے ڈرو (اور ظلم و فساد سے باز آؤ) تو ان کا گھمنڈ انھیں (اور زیادہ) گناہ پر اکساتا ہو (اور خدا کے آگے جھکنے کی جگہ اور زیادہ سرکش ہوجاتے ہیں) پس (جن لوگوں کا حال ایسا ہو تو وہ کبھی ظلم و فساد سے باز آنے والے نہیں) انھیں تو جہنم ہی کفایت کریگا (اور جس کسی نے جہنم کا ٹھکانا ڈھونڈھا، تو اس کا ٹھکانا) کیا ہی برا ٹھکانا ہو!

پرستش میں وہ سب کچھ گوارا کرتا ہو جو دنیا میں انسان کا ظلم و فساد کرسکتا ہو۔

لیکن جو لوگ سچے خدا پرست ہیں وہ دنیا میں کتنے ہی مشغول ہوں مگر ان کا مطمح نظر نفس پرستی نہیں ہوتی، بلکہ رضاء الٰہی کا حصول ہوتا ہو۔ ایک دنیا پرست اپنے نفس کے لئے دوسروں کو قربان کردیگا لیکن یہ لوگ رضاء الٰہی کی راہ میں خود اپنے نفس کو قربان کردینگے۔

ایک شخص کی دنیوی زندگی بظاہر کتنی ہی خوشنما ہو اور وہ اپنی نیک دلی کا کتنا ہی دعویٰ کرے، لیکن ان باتوں سے کچھ نہیں ہوتا۔ اصلی کسوٹی یہ ہو کہ دیکھا جائے، طاقت و اختیار پاکر اپنے ابناء جنس کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہو؟ حرث و نسل کی تباہی، انسانی خون و طاقت کا سب سے بڑا فساد ہو۔

دنیوی طاقت کے متوالوں سے جب کہا جاتا ہو، اللہ سے ڈرو، تو ان کا گھمنڈ انھیں اور زیادہ ظلم و معصیت پر آمادہ کردیتا ہو۔

اور (برخلاف اُن کے) کچھ آدمی ایسے بھی ہیں جو (نفس پرستی کی جگہ خدا پرستی کی روح سے معمور ہوتے ہیں اور) اللہ کی خوشنودی کی طلب میں اپنی جانیں تک فروخت کردیتے ہیں (یعنے رضاء الٰہی کی راہ میں اپنا سب کچھ قربان کردیتے ہیں) اور (جو کوئی ایسا کرتا ہو، تو یاد رکھو) اللہ بھی اپنے بندوں کے لئے شفقت و مہربانی رکھنے والا ہو!

اے پیروانِ دعوتِ ایمانی! اسلام ہونے کے لئے صرف اتنا ہی کافی نہیں کہ زبان سے اسلام کا اقرار کرلو۔ بلکہ چاہیے کہ (پوری طرح اور اعتقاد و عمل کی

(۱۸) دنیا پرستی کی یہ سرشاری و غفلت، قوموں کی گمراہی کا سب سے بڑا سبب رہی ہو خصوصاً فتح و اقبال کے حصول کے بعد۔ اس لئے پیروانِ دعوتِ

الْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ
فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ ۗ
ذَٰلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ ذَٰلِكُمْ أَزْكَىٰ لَكُمْ وَأَطْهَرُ ۗ وَ
۲۳۳ اللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝ وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ ۖ لِمَنْ أَرَادَ
أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۚ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا
وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَهُ بِوَلَدِهِ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَٰلِكَ ۗ فَإِنْ

بات ہے۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھو کہ انسان کو خدا
کی راہ سے روکنا (یعنے ایمان اور خدا پرستی کی راہ اس
پر بند کر دینی) اور اس کا انکار کرنا، اور مسجد حرام میں
نہ جانے دینا، نیز مکہ سے وہاں کے بسنے والوں کو نکال
دینا، اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ برائی ہے۔

جاری رہتا اور جب مسلمان اسکے لئے طیار نہ تھے، تو پھر اسکے سوا کیا چارہ کار تھا
کہ میدان کارزار میں حق و باطل کا فیصلہ ہو جائے؟
(۳) قرآن نے جنگ کا قدم نہیں اٹھایا، اور دشمن [illegible] ہی ان [illegible] اٹھا سکتے
لیکن اس کے خلاف [illegible] اٹھایا گیا، اور اسنے پیٹھ نہیں دکھائی۔

اور فتنہ (یعنے ظلم و فساد) قتل سے بھی بڑھ کر ہے (پھر بتلاؤ، ان برائیوں کا انسداد ضروری ہے، یا ایک مہینے کی
حرمت کے پیچھے لگے رہنا جس کی حرمت کا خود دشمنوں نے بھی لحاظ نہیں رکھا ہے؟)

اور (یاد رکھو) یہ لوگ تم سے برابر لڑتے ہی رہینگے۔ یہاں تک کہ اگر بن پڑے، تو تمھیں
تمھارے دین سے برگشتہ کر دیں۔ (کیونکہ تم میں اور ان میں کوئی اور وجہ مخاصمت تو ہے نہیں۔ سارا جھگڑا اسی بات
کا ہے کہ کیوں تم نے دین حق قبول کر لیا ہے۔ پھر کیا تم طیار ہو کہ جس بات کو حق سمجھتے ہو، محض لوگوں کے ظلم کی وجہ
سے اسے چھوڑ دو؟ اگر طیار نہیں ہو، تو ظاہر ہے کہ جنگ کے سوا کوئی چارہ نہیں) اور دیکھو، تم میں سے جو شخص اپنے
دین سے برگشتہ ہو جائے گا، اور اسی حالت برگشتگی میں دنیا سے چلا جائے گا، تو یاد رکھو، اس کا شمار ان لوگوں میں
ہوگا جن کے تمام اعمال دنیا اور آخرت میں اکارت گئے، اور ایسے ہی لوگ ہیں جن کا گروہ دوزخی گروہ ہے۔
ہمیشہ عذاب میں رہنے والا!

۲۱۸ (برخلاف اس کے) جو لوگ ایمان لائے (اور راہ ایمان میں ثابت قدم رہے) اور جن لوگوں نے ہجرت کی
سختیاں برداشت کیں، اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا، تو بلاشبہ ایسے ہی لوگ ہیں جو اللہ کی رحمت کی (سچی)
امیدواری کرنے والے ہیں، اور (جو کوئی اللہ کی رحمت کا سچے طریقہ پر امیدوار ہو، تو) اللہ (بھی) رحمت سے
بخشنے والا ہے!

أَرَادَا فِصَالًا عَن تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۗ وَإِنْ أَرَدتُّمْ أَن تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُم مَّا آتَيْتُم بِالْمَعْرُوفِ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا ۖ فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُم بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ

اے پیغمبر! تم سے لوگ شراب اور جوئے کی بابت دریافت کرتے ہیں۔ ان سے کہدو، ان دونوں چیزوں میں نقصان بہت ہے، اور انسان کے لئے فائدے بھی ہیں۔ لیکن اُن کا نقصان اُنکے فائدے سے بہت زیادہ ہے (پس اُن سے احتراز کرو)

اور تم سے پوچھتے ہیں (راہِ حق میں خرچ کریں) تو کیا خرچ کریں؟ اُن سے کہدو، جس قدر تمہاری ضروریات معیشت سے فاضل ہو (یعنے زکوٰۃ کی طرح کوئی خاص مقدار معین نہیں کردی گئی ہو۔ جو کچھ تمہاری ضروریات معیشت سے زیادہ ہو کر بچ رہے، اُس میں سے خرچ کرو) دیکھو اللہ اس طرح کے احکام دے کر تم پر اپنی نشانیاں واضح کردیتا ہے، تاکہ دنیا اور آخرت (دونوں) کے مصالح میں غور و فکر کرو!

(۱) جنگ کے سلسلہ میں تین سوالات پیدا ہوگئے تھے۔ انکے جوابات دے گئے ہیں:

عام طور پر سمجھا جاتا تھا (اور اب تک سمجھا جاتا ہے) کہ شراب سے لڑائی لڑنے میں مدد ملتی ہے، اور جوا تحصیل مال کا ذریعہ ہے۔ اس غلطی کا ازالہ کردیا گیا، اور یہ اصل حقیقت بتلادی گئی کہ صرف اشیاء کا نفع ہی نہیں دیکھنا چاہیے کیونکہ انسانی نفع سے تو کوئی چیز بھی خالی نہیں۔ بلکہ نفع اور نقصان، دونوں کا توازن کرنا چاہیے۔ جس چیز میں نقصان زیادہ ہو، اسے ترک کردینا چاہیے اگرچہ تھوڑا بہت نفع بھی ہو۔ اور جس چیز میں نفع زیادہ ہو، اسے اختیار کرنا چاہیے اگرچہ نقصان کا بھی احتمال ہو۔

(۲) دوسرا سوال یہ تھا کہ مصارف جنگ کے لئے اور اسی طرح کی دوسری قومی ضرورتوں کے لئے کس قدر انفاق کیا جائے؟ فرمایا کوئی خاص قید نہیں۔ ضروریات معیشت سے جو کچھ فاضل ہو کر بچ رہے، اُس میں سے خرچ کرو۔

(۳) تیسرا سوال یتیم بچوں کی نسبت تھا۔ حکم دیا گیا جس طریقہ میں انکے لئے اصلاح و درستگی ہو، وہی بہتر ہے اور وہی اختیار کرنا چاہیے۔ اور اگر تم انہیں اپنے گھرانے میں شامل کرلو، تو وہ تمہارے بھائی ہیں۔ کچھ غیر نہیں۔

اور لوگ تم سے یتیم بچوں کی نسبت پوچھتے ہیں۔ اُن سے کہدو، جس بات میں اُنکے لئے اصلاح و درستگی ہو، وہی بہتر ہے۔ اور اگر تم اُنکے ساتھ مل جل کر رہو (یعنے اُنھیں اپنے گھرانے میں شامل کرلو) تو بہرحال وہ تمہارے بھائی ہیں (کچھ غیر نہیں) اور (یاد رکھو اللہ کی نظر سے کوئی بات پوشیدہ نہیں) وہ جانتا ہے کہ کون اصلاح کرنے والا ہے، اور کون خرابی کرنے والا ہے۔ (پس اگر تمہاری نیت بخیر ہو، تو تمہیں یتیموں کے مال کی ذمہ داری لینے سے نہیں گھبرانا چاہیے، اور بقدر امکان اصلاح و درستگی کی کوشش کرنی چاہیے) اگر اللہ چاہتا تو تمہیں

وَإِن طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِن قَبْلِ أَن تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ ۲۳۷
إِلَّا أَن يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۚ وَأَن تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۚ وَلَا تَنسَوُا
الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ ۲۳۸
وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ ۝ فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا ۖ فَإِذَا أَمِنتُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُم ۲۳۹
مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ۝ وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِم ۲۴۰

جب وہ پاک و صاف ہو لیں اور تم ان کی طرف ملتفت ہو، تو اللہ نے (فطری طور پر) جو بات جس طرح ٹھہرا دی ہے، اسی کے مطابق ہونی چاہیے۔ (اس کے علاوہ کسی دوسری خلافِ فطرت بات کا خیال نہ کرو) اللہ ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو (برائی سے) پناہ مانگنے والے ہیں اور ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو پاکی و صفائی رکھنے والے ہیں!

۲۲۳ (جہاں تک وظیفۂ زوجیت کا تعلق ہے، تو) تمہاری عورتیں تمہارے لئے ایسی ہیں، جیسے کاشت کی زمین۔ پس جس طرح بھی چاہو، اپنی زمین میں (فطری طریقے سے) کاشت کرو، اور اپنے لئے مستقبل کا سروسامان کرو (یعنی اولاد کی پیدائش کا سروسامان کرو) اور (اصلی بات یہ ہے کہ ہر حال میں) اللہ سے ڈرتے رہو، اور یہ بات نہ بھولو کہ (ایک دن تمہیں مرنا اور) اسکے حضور حاضر ہونا ہے (کہ تمہارے اندر دینداری کی سچی روح پیدا ہو) اور انکے لئے جو ایمان رکھتے ہیں (دینِ حق کی سچائیوں اور بے جا قیدوبند سے پاک ہونے کی) بشارت ہو!

۲۲۴ اور دیکھو، ایسا نہ کرو کہ کسی کے ساتھ بھلائی کرنے، یا پرہیزگاری کی راہ اختیار کرنے، یا لوگوں کے درمیان صلح صفائی کرا دینے کے خلاف قسمیں کھا کر اللہ کے نام کو نیکی سے بچنے کا بہانہ بنا لو۔

(۱) ان کی علیحدگی کا سبب یہ نہیں ہے کہ عورتیں ناپاک ہو جاتی ہیں اور چھونے بیٹھنے اور کھانے پینے کے قابل نہیں رہتیں جیسا کہ یہودیوں کا خیال تھا، بلکہ صرف یہ بات ہے کہ ان ایام میں زناشوئی کا تعلق مضر ہے، اور صفائی اور طہارت کے خلاف ہے۔

(۲) فطرت نے مرد اور عورت کے باہم ملنے اور وظیفۂ زوجیت ادا کرنے کے لئے جو راہ جس طرح ٹھہرا دی ہے، اسی طرح ہونی چاہیے۔ اسکے سوا اور کوئی بات نہیں ہونی چاہیے۔ اللہ کی پسندیدگی ان کے لئے ہے جو ناپاکی کی تمام باتوں سے بچنے والے ہیں۔

(۳) اس معاملہ کی نسبت جو وہم پرستیاں لوگوں میں پھیلی ہوئی ہیں اور طرح طرح کی قیدیں اپنے پیچھے لگا رکھی ہیں، مثلاً کسی خاص طریقہ کو ناجائز سمجھتے ہیں کسی کو جائز، کسی خاص طریقہ میں برکت سمجھتے ہیں کسی میں نحوست، تو ان کی کوئی اصلیت نہیں۔ جس طرح بھی چاہو، فطری طریقہ سے یہ معاملہ کر سکتے ہو۔

(۴) عرب جاہلیت میں لوگ [illegible] کی اہمیت سے بے پروا تھے، اور بات بات میں قسمیں کھا لیتے تھے، اس طرح [illegible] اور پھر سمجھتے کہ [illegible] اور کسی بات پر [illegible]

فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ۖ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ إِن كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا ۖ قَالُوا وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ
فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِن دِيَارِنَا وَأَبْنَائِنَا ۖ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ ۗ
وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ۝ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ۚ قَالُوا أَنَّىٰ يَكُونُ
لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ۚ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفَاهُ
عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۖ وَاللّٰهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَن يَشَاءُ ۚ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝ وَقَالَ
لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَن يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ

اور اگر وہ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہیں، تو اُنکے لئے جائز نہیں کہ جو چیز اللہ نے اُنکے شکم میں پیدا کر دی ہو، اُسے چھپائیں۔ (یعنی اگر حمل سے ہوں، تو ان کا فرض ہو کہ اسے ظاہر کر دیں۔ اس بارے میں غلط بیانی نہ کریں) اور اُنکے شوہر (جنہوں نے طلاق دی ہو) اگر عدت کے اس مقررہ زمانہ کے اندر اصلاح حال پر آمادہ ہو جائیں، تو وہ اُنھیں اپنی زوجیت میں لینے کے زیادہ حقدار ہیں۔
اور دیکھو، عورتوں کے لئے بھی اُسی طرح کے حقوق مردوں پر ہیں، جس طرح کے حقوق مردوں کے عورتوں پر ہیں کہ اُنکے ساتھ اچھا سلوک کریں۔ البتہ مردوں کو عورتوں پر ایک خاص درجہ دیا گیا ہو (پس چاہئے کہ ہر فریق دوسرے فریق کے حقوق کا لحاظ رکھے۔ ایسا نہیں کرنا چاہئے کہ تم صرف اپنے ہی حقوق کا مطالبہ کرو، دوسرے فریق کے حقوق جو تم پر ہیں اُنھیں فراموش کر جاؤ) اور یاد رکھو، اللہ زبردست، حکمت رکھنے والا ہو!

(۱) طلاق کی عدت کا ایک مناسب زمانہ مقرر کر کے، نکاح کی اہمیت اور اسکے تقدس
دوسرے کے نکاح آنے کی صورتوں کا انتظام کر دیا۔
(۲) اس طرح واضح کر دیا گیا کہ اگر طلاق کے بعد شوہر رجوع کرنا چاہے، تو وہی زیادہ
حقدار ہو، کیونکہ شرعاً مطلوب ملاپ ہو، نہ کہ تفرقہ۔
(۳) جہاں تک عورتوں کے حقوق کا تعلق ہو، دین حق کی اس اصل عظیم کا اعلان
کہ جیسے حقوق مردوں کے عورتوں پر ہیں، ویسے ہی حقوق عورتوں کے بھی مردوں پر ہیں۔

طلاق (جس کے بعد رجوع کیا جا سکتا ہی) دو مرتبہ (یکے بعد دیگرے دو مہینوں میں دو طلاقیں) ہیں پھر اسکے بعد شوہر کے لئے دو ہی راستے رہ جاتے ہیں۔ یا تو اچھے طریقہ پر روک لینا ہو (یعنی رجوع کر لینا ہو) یا پھر حسن سلوک کے ساتھ الگ کر دینا ہو

(۴) طلاق دینے کا طریقہ یہ ہو کہ دو تین مرتبہ یعنی تین مجلسوں میں یا تین مہینوں میں ہو اور
یکے بعد دیگرے واقع ہوتی ہو، اور وہ حالت جو غلطی سے شوہر رشتہ نکاح قطع کر دیتی
ہو، تیسری مجلس یا تیسرے مہینے، اور تیسری طلاق کے بعد وجود میں آتی ہو، اسکا مقصد
کہ جدائی کے ارادہ سے باز آجانے اور ملاپ کر لینے کا موقعہ باقی رہتا ہو، یہ بہت مکمل

آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝ فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُم بِنَهَرٍ فَمَن شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَن لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ ۚ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ ۚ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ ۚ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلَاقُو اللَّهِ كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ مَعَ ۲۵۰

رشتہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ جس گھڑی چاہا، بات کی بات میں توڑ کر رکھ دیا۔ اس کے توڑنے کے لئے مختلف منزلوں سے گزرنے، اچھی طرح سوچنے سمجھنے کے بعد بگڑے اصلاح کی مہلت پانے، اور پھر اصلاح حال سے بالکل مایوس ہو کر آخری فیصلہ کرنے کی ضرورت ہے۔

(۵) شوہر کے لئے جائز نہیں کہ جو کچھ بیوی کو دے چکا ہو یا دے گیا ہو طلاق دیتے ہوئے واپس لے لے۔ (جیسا کہ عرب جاہلیت میں لوگ کیا کرتے تھے)

(۶) ہاں اگر ایسی صورت پیش آ جائے کہ شوہر طلاق دینا چاہتا ہو، نہ تو عورت کی طرف سے کوئی قصور ہو، لیکن کسی وجہ سے آپس میں نبھ نہ رہی ہو اور اندیشہ پیدا ہو گیا ہو کہ ازدواجی زندگی کے فرائض ادا نہ ہو سکیں گے، تو اس صورت میں اگر عورت کو کچھ ملا ہو یا اس کا کوئی حصہ چھوڑ دیتی ہو، اور شوہر اس کے بدلے میں طلاق دے دے، تو ایسی معاملت ہو سکتی ہے۔ اسی کو "خلع" کہتے ہیں۔

(۷) نکاح کا مقصد یہ نہیں ہے کہ ایک مرد اور ایک عورت کسی نہ کسی طرح ایک دوسرے کے سر پڑ جائیں، اور نہ یہ ہے کہ عورت کو مرد کی خود غرضانہ کام جوئیوں کا آلہ بنا دیا جائے۔ بلکہ مقصد حقیقی یہ ہے کہ دونوں کے ملاپ سے ایک کامل اور خوشحال ازدواجی زندگی پیدا ہو جائے۔ ایسی زندگی جبھی پیدا ہو سکتی ہے جبکہ آپس میں محبت و سازگاری ہو اور حدود اللہ یعنی خدا کے ٹھہرائے ہوئے واجبات و حقوق ادا کئے جائیں۔ پس اگر کسی وجہ سے ایسا نہیں ہو، تو نکاح کا مقصد حقیقی فوت ہو گیا، اور ضروری ہو گیا کہ دونوں فریق کے لئے تبدیلی کا دروازہ کھول دیا جائے۔ اگر مقصد نکاح کے فوت ہو جانے پر بھی علیحدگی کا دروازہ بند کر دیا جاتا، تو یہ انسان کے آزادانہ حق کو ۲۳۰

(یعنے تیسرے مہینے تیسری طلاق دے کر جدا ہو جاؤ) اور تمہارے لئے جائز نہیں کہ جو کچھ اپنی بیویوں کو دے چکے ہو، (طلاق دیتے ہوئے) اس میں سے کچھ واپس لے لو۔ ہاں اگر شوہر اور بیوی کو اندیشہ پیدا ہو جائے کہ اللہ کے ٹھہرائے ہوئے واجبات و حقوق ادا نہ ہو سکیں گے (تو باہمی رضامندی سے ایسا ہو سکتا ہے) تو اگر تم دیکھو، ایسی صورت پیدا ہو گئی ہے کہ (دونوں کو) اندیشہ ہے، خدا کے ٹھہرائے ہوئے واجبات و حقوق ادا نہ ہو سکیں گے، تو پھر شوہر اور بیوی کے لئے ایسی کچھ گناہ نہ ہوگا، اگر بیوی (اپنا پیچھا چھڑانے کے لئے) بطور معاوضہ کے (اپنے حق میں سے) کچھ دے دے (اور شوہر اسے لے کر علیحدگی پر راضی ہو جائے) یاد رکھو، یہ اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حد بندیاں ہیں۔ پس ان سے قدم باہر نہ نکالو (اور اپنی اپنی حدوں کے اندر رہو) جو کوئی اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حد بندیوں سے نکل جائے گا، تو ایسے ہی لوگ ہیں جو ظلم کرنے والے ہیں!

اگر ایسا ہوا کہ ایک شخص نے (دو طلاق تو دے

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۖ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ
السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ ۖ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ۞ لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ ۖ قَد ۲۵۶
تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَن يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِن بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ
الْوُثْقَىٰ لَا انفِصَامَ لَهَا ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۞ اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ ۲۵۷

سنا تو تم میں سے ہر اُس انسان کو جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو، اس حکم کے ذریعہ نصیحت کی جاتی ہو! اسی بات میں تمہارے لئے زیادہ برکت اور زیادہ پاکی ہو، اور اللہ جانتا ہو (کہ تمہارے لئے بہتری کی راہ کونسی ہو) مگر تم نہیں جانتے!

۲۳۳ اور جو شخص (اپنی بیوی کو طلاق دیدے اور بیوی کی گود میں بچہ ہو، اور وہ) ماں سے بچے کو دودھ پلوانا چاہے، تو اس صورت میں چاہئے، پورے دو برس تک ماں بچے کو دودھ پلائے (کہ یہی دودھ پلانے کی پوری مدت ہو) اور جس کا بچہ ہے، اُس پر لازم ہے کہ ماں کے کھانے کپڑے کا مناسب طریقہ پر انتظام کر دے (یہ انتظام ہر شخص کی حالت اور حیثیت کے مطابق ہونا چاہئے۔ اصل اس بارے میں یہ ہو کہ) کسی شخص پر اُس کی وسعت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے۔

(۱) طلاق کی صورت میں ایک نہایت اہم سوال چھوٹے بچوں کی پرورش کا تھا۔ ماں باپ کی علیحدگی کے بعد وہ چھوٹے بچوں کی پرورش کا انتظام کیا ہو؟ اس بارے میں طرح طرح کی خرابیوں کا اندیشہ تھا۔ پس یہ حکم نازل کر دیا گیا۔ بڑا اصل نقصان بچے کو ہوتا تھا کہ طلاق کی وجہ سے جدا ہو گئی تھی اور محبت اور بیوی کی وجہ سے مجبور تھی کہ بچے کو دودھ پلائے۔ یہ حکم دیا گیا کہ دودھ پلانے تک اس کا خرچ باپ کے ذمہ ہو، اور دودھ پلانے کی مدت دو برس ہو۔ ساتھ ہی اس بارے میں دو بنیادی قاعدے بھی واضح کر دئے۔ نہ تو ماں کو اس کے بچے کی وجہ سے نقصان پہنچایا جائے اور نہ باپ کو۔ اور کسی پر اس کی وسعت سے زیادہ خرچ کا بار نہیں۔

(تو) ماں کو اُس کے بچے کی وجہ سے نقصان پہنچایا جائے۔ نہ باپ کو اُس کے بچے کی وجہ سے (دونوں کے حقوق اور احساسات کی رعایت کرنی چاہئے)

اور (اگر باپ کا اس اثناء میں انتقال ہو جائے، تو جو اُس کا) وارث (ہو اُس) پر (عورت کا کھانا کپڑا) اسی طرح ہے (جس طرح باپ کے ذمہ تھا)

پھر اگر (کوئی ایسی صورت پیش آجائے کہ) ماں باپ آپس کی رضامندی اور صلاح مشورے سے (قبل از مدت) دودھ چھڑانا چاہیں تو (ایسا کر سکتے ہیں) اُن پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔

اور اگر تم چاہو، اپنے بچوں کو (ماں کی جگہ) کسی دوسری عورت سے دودھ پلواؤ، تو اس میں بھی کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ (ماؤں کی حق تلفی نہ کرو، اور) جو کچھ انھیں دینا کیا تھا، دستور کے مطابق انکے حوالہ کردو

كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۗ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُونَ (۲۶۲)
مَا أَنفَقُوا مَنًّا وَلَا أَذًى ۙ لَّهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝
قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّن صَدَقَةٍ يَتْبَعُهَا أَذًى ۗ وَاللَّهُ غَنِيٌّ حَلِيمٌ ۝ يَا أَيُّهَا (۲۶۳-۲۶۴)

لے احسان سلوک کو محکم کر کے ان کا اس علاقہ میں شہر کا دروازوں کے ہاتھ [illegible] اور محروموں کو [illegible] اس لئے ضروری تھا کہ [illegible] عفو و درگزر پر زور دیا جائے۔

تو چاہئے کہ انھیں مناسب طریقہ پر فائدہ پہنچایا جائے (یعنی اُنکے ساتھ جتنا حسن سلوک کیا جا سکتا ہے، کیا جائے) مستحق انسانوں کے لئے ایسا کرنا لازمی ہو۔

(۲۴۲) اس طرح اللہ تم پر اپنی آیتیں واضح کر دیتا ہے تاکہ عقل سے کام لو، اور سوچ سمجھو (کہ تمھاری معاشرتی زندگی کی فلاح و سعادت احکام الٰہی کی ٹھیک ٹھیک تعمیل پر موقوف ہے)

اب یہاں سے سلسلۂ بیان پھر اُسی طرف پھر گیا ہے جہاں سے نکاح و طلاق کا بیان شروع ہوا تھا۔ یعنی جہاد کے احکام و مصالح کی طرف [illegible] سے [illegible] زندگی کی [illegible] حاصل نہیں کر سکتی۔ بنی اسرائیل کے ایک گروہ کی عبرت انگیز سرگزشت جس نے باوجود کثرت تعداد کے جہاد سے اعراض کیا تھا۔

(۲۴۳) (اے پیغمبر!) کیا تم نے اُن لوگوں کی سرگزشت پر غور نہیں کیا جو اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے تھے، اور باوجودیکہ ہزاروں کی تعداد میں تھے، مگر (دلوں کی بے طاقتی کا یہ حال تھا کہ) موت کے ڈر سے بھاگ گئے تھے؟ (یعنی باوجود کثرت تعداد کے اُنھوں نے حملہ آور دشمن کا مقابلہ نہیں کیا تھا، اور اپنا گھر بار چھوڑ کر راہ فرار اختیار کی تھی) جب اُن بزدلوں نے ایسا کیا، تو اللہ کا حکم ہوا، (تم موت کے ڈر سے بھاگ رہے ہو، تو دیکھو) اب تمھارے لئے موت ہی ہے۔ (یعنی اُن کی بزدلی کی وجہ سے دشمن اُن پر غالب آگئے، اور زندگی و کامرانی سے محروم ہوگئے) پھر (ایسا ہوا کہ) اللہ نے اُنھیں زندہ کر دیا (یعنی عزم و ثبات کی ایسی روح اُن میں پیدا ہوگئی، کہ دشمنوں کے مقابلہ پر آمادہ ہوگئے، اور فتحمند ہوئے) یقیناً اللہ انسان کے لئے بڑا ہی فضل و بخشش رکھنے والا ہے (کہ بڑی سے بڑی گمراہی کے بعد بھی اصلاح حال کا دروازہ اُن پر بند نہیں ہوتا) لیکن (افسوس انسان کی غفلت پر!) اکثر آدمی ایسے ہیں جو (اُس کے فضل و بخشش کی قدر شناسی کرنے کی جگہ) ناشکری کرنے والے ہیں!

(۲۴۵) اور (دیکھو!) اللہ کی راہ میں (جنگ پیش آجائے، تو موت سے نہ ڈرو، بے خوف ہو کر) لڑو! اور یقین کرو، اللہ سُننے والا، اور سب کچھ جاننے والا ہے! (پس تو تمھارے دلوں کا کھوٹ اُس سے پوشیدہ

الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُم بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ كَالَّذِي يُنفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا
يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ
۲۶۶ صَلْدًا ۖ لَّا يَقْدِرُونَ عَلَىٰ شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ۝ وَمَثَلُ الَّذِينَ
۲۶۷ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَتَثْبِيتًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ
أَصَابَهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ أَيَوَدُّ أَحَدُكُمْ أَن تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ

رہ سکتا ہے، نہ وہ مظلوموں کی فریاد سے غافل ہو سکتا ہے!)

راہِ جہاد میں مال خرچ کرنا، اللہ کو قرض دینا ہے۔

۲۴۶ کون ہے، جو (انسان کی جگہ خدا سے معاملہ کرتا ہے؟ اور) خدا کو خوشدلی کے ساتھ قرض دیتا ہے؟ تاکہ خدا اُس کا قرض دگنا سوگنا زیادہ کرکے ادا کرے؟ (یعنے مالِ حقیر راہِ حق میں خرچ کرکے، دین و دنیا کی بے شمار برکتیں اور سعادتیں حاصل کرے؟) اور (باقی رہا تنگ دستی کا خوف جس کی وجہ سے تمہارا ہاتھ رک جاتا ہے، تو یاد رکھو) تنگی اور کشائش، دونوں کا رشتہ اللہ ہی کے ہاتھ ہے، اور اُسی کے حضور تم سب کو لوٹنا ہے!

طالوت (ساؤل) کی قیادت و فرمانروائی، اور بنی اسرائیل کی فلسطینیوں کے مقابلہ کی سرگزشت، اور قوموں کے ضعف و قوت اور فتح و شکست کے بعض اہم حقائق۔
(۱) جس گروہ میں صبر و استقامت کی سچی روح نہیں ہوتی، اس میں بسا اوقات سعی و عمل کے ولولے پیدا ہو جاتے ہیں، لیکن جب آزمائش کا وقت آ جاتا ہے تو بہت کم نکلتے ہیں جو راہِ عمل میں ثابت قدم رہنے والے ہوں۔

۲۴۷ (اے پیغمبر!) کیا تم نے اس واقعہ پر غور نہیں کیا جو موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل کے سرداروں کو پیش آیا تھا؟ بنی اسرائیل کے سرداروں نے اپنے عہد کے نبی سے درخواست کی تھی کہ ہم اللہ کی راہ میں جنگ کریں گے۔ ہمارے لئے ایک حکمران مقرر کردو۔ نبی نے کہا (مجھے امید نہیں کہ تم ایسا کر سکو) اگر تمہیں لڑائی کا حکم دیا گیا، تو کچھ بعید نہیں کہ تم لڑنے سے انکار کردو۔ سرداروں نے کہا، ایسا کیونکر ہو سکتا ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں نہ لڑیں، حالانکہ ہم اپنے گھروں سے نکالے جا چکے ہیں، اور اپنی اولاد سے علٰحدہ ہو چکے ہیں؟ لیکن پھر دیکھو، جب ایسا ہوا کہ انہیں جنگ کا حکم دیا گیا (اور اس کا تمام سروسامان کر دیا گیا) تو اُن کی ساری گرمجوشیاں ٹھنڈی پڑ گئیں، اور ایک قلیل تعداد کے سوا سب نے پیٹھ دکھلا دی۔ اور اللہ نافرمانوں (کے دلوں کے کھوٹ) سے ناواقف نہیں (وہ جانتا ہے کہ کون عزم و عمل کے دعووں میں سچے ہیں، اور کن کے دل ایمان و حق پرستی کی روح سے خالی ہیں!)

(۲) حکومت و قیادت کا حق اسی کو ہے جس میں قیادت کی صلاحیت ہو، وہی اس کا اہل ہوتا ہے، اگرچہ مال و دولت اور دنیوی عزت و جاہ سے خالی ہو۔

۲۴۸ اور پھر ایسا ہوا کہ اُن کے نبی نے کہا، اللہ نے تمہارے

مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ
وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاۤءُ ۚۖ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ
الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا ۲۶۸
لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۪ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا ۲۶۹
فِيْهِ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاۤءِ ۚ وَ ۲۷۰

(۳) صلاحیت کے لئے اصلی چیز علم و جسم کی قوت ہے۔ یعنے دماغی اور جسمانی قابلیت، نہ کہ مال و دولت اور نسل و خاندان کا شرف۔
(۴) جو شخص بھی سردار مقرر ہو جائے جماعت کے افراد کا فرض ہے کہ سچے دل سے اس کی اطاعت کریں۔ اگر ایک جماعت میں اطاعت نہیں ہے تو وہ کبھی جماعتی زندگی کی کشاکش میں کامیاب نہیں ہو سکتی!

نے طالوت کو بحیثیت حکمران کے مقرر کر دیا ہے (سو اُس کی اطاعت کرو، اور اُس کے ماتحت جنگ کے لئے طیار ہو جاؤ۔ جب سرداروں نے یہ بات سُنی، تو بجائے اس کے کہ اپنی فرماں برداری سے استعدادِ کار کا ثبوت دیتے، لگے طالوت کے انتخاب پر طرح طرح کے اعتراض کرنے) اُنھوں نے کہا "یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اُسے ہم پر حکمرانی مل جائے، حالانکہ اُس سے کہیں زیادہ حکمران بننے کے ہم خود حقدار ہیں۔ علاوہ بریں یہ بھی ظاہر ہے کہ اُسے مال و دولت کی وسعت حاصل نہیں" نبی نے یہ سُنکر کہا (حکمرانی کی اہلیت کا جو معیار تم نے سمجھ رکھا ہے، یہ تمھارے جہل و خود پرستی کا گھڑا ہوا معیار ہے۔ اللہ کا ٹھہرایا ہوا معیار نہیں ہے) اللہ نے تو طالوت ہی کو (حکمرانی کی قابلیتوں کے لحاظ سے) تم پر برگزیدگی عطا فرمائی ہے، اور علم کی فراوانی اور جسم کی طاقت، دونوں میں اُسے وسعت دی ہے (یعنے دماغی اور جسمانی، دونوں طرح کی فضیلت رکھتا ہے اور یہی دو فضیلتیں قائد و حکمران کے لئے اصلی فضیلتیں ہیں، نہ کہ مال و جاہ اور نسل و خاندان کے امتیازات) اور (قیادت و حکمرانی تمھارے دینے سے کسی کو مل نہیں جا سکتی۔ یہ تو اُسی کو ملتی ہے جسے اللہ نے اس کی صلاحیت دیدی ہو) وہ جسے چاہتا ہے، اپنی زمین کی حکمرانی بخشدیتا ہے، اور وہ (اپنی قدرت و تصرفات میں) بڑی وسعت رکھنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے!

۲۴۸ اور پھر اُن کے نبی نے کہا (تم طالوت کے استحقاقِ حکومت پر اعتراض کرتے تھے، تو دیکھو) اُس کی (اہلیت) حکومت کی نشانی یہ ہے کہ (مقدس) تابوت (جو تم کھو چکے ہو اور دشمنوں کے ہاتھ پڑ چکا ہے) تمھارے پاس (واپس) آجائے گا، اور (حکمتِ الٰہی سے ایسا ہوگا کہ) فرشتے اُسے اُٹھا لائینگے۔ اس تابوت میں تمھارے پروردگار کی طرف سے تمھارے لئے (فتح و کامرانی کی) دلجمعی ہے، اور جو کچھ موسیٰ اور ہارون کے گھرانے (اپنی مقدس یادگاریں) چھوڑ گئے ہیں، اُن کا بقیہ ہے۔ اگر تم یقین کرنے

مَن يَشَاءُ ۗ وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنفُسِكُمْ ۚ وَمَا تُنفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ ۚ وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ۝ لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُم بِسِيمَاهُمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا ۗ وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ۝ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُم بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝

لشکر کے سامنے آگئے، تو انھوں نے کہا اے پروردگار! (تو دیکھ رہا ہے کہ ہم کمزور ہیں اور تھوڑے ہیں اور مقابلہ اُن سے ہے جو طاقتور ہیں اور بہت ہیں۔ پس ہم (تشنگانِ عزیمت) پر صبر (کے جام) اُنڈیل دے، (کہ عزم و ثبات سے سیراب ہو جائیں) اور ہمارے قدم میدانِ جنگ میں جما دے (کہ کسی حال میں بھی پیچھے نہ ہٹیں) اور پھر اپنے فضل و کرم سے ایسا کر کہ منکرینِ حق کے گروہ پر فتحمند ہو جائیں!

چنانچہ (ایسا ہی ہوا) انھوں نے حکم الٰہی سے اپنے دشمنوں کو ہزیمت دی، اور داؤد کے ہاتھ سے جالوت مارا گیا۔ پھر اللہ نے داؤد کو بادشاہی اور حکمت سے سرفراز کیا، اور (حکمرانی و دانشوری کی باتوں میں سے) جو کچھ سکھلانا تھا سکھلا دیا (اور اس طرح ایک گروہِ قلیل کے صبر و ثبات اور جانبازی نے بنی اسرائیل کو اُن کی گری ہوئی حالت سے نکال کر عظمت و اقبال کے عروج پر پہنچا دیا!)

(اور حقیقت یہ ہے کہ) اگر اللہ ایسا نہ کرتا کہ انسانوں کے ایک گروہ کے ذریعہ دوسرے گروہ کو راہ سے ہٹاتا رہتا (اور قوموں اور جماعتوں میں باہمدگر مزاحمت جاری نہ رہتی) تو دنیا خراب ہو جاتی (اور امن و عدالت کا نام و نشان باقی نہ رہتا) لیکن اللہ دنیا کے لئے فضل و رحمت رکھنے والا ہے (اور یہ اسی کا فضل ہے کہ کوئی ایک گروہ سدا ایک ہی حالت میں نہیں چھوڑ دیا جاتا، بلکہ ہمیشہ باہمی منازعت اور مزاحمت جاری رہتی ہے)

لے یعنی دعا میں صرف یہی نہیں کہا کہ ہمیں فتحمند کر، بلکہ فتحمندی کی طلب سے پہلے صبر و ثبات کی طلب بھی کی اور کہا: ہمیں صبر دے اور ہمارے قدم جما دے، کیونکہ خدا کی نصرت انہی کے حصے میں آتی ہے جن میں صبر و ثبات کی روح پیدا ہو جاتی ہے۔

(۱) اگر قوموں اور جماعتوں کی باہمی کشمکش اور مزاحمت نہ ہوتی، اور ہر جماعت اپنی اپنی حالت میں بغیر منازعت کے چھوڑ دی جاتی، تو نتیجہ یہ نکلتا کہ دنیا ظلم و فساد سے بھر جاتی، اور حق و عدالت کا نام و نشان باقی نہ رہتا۔ پس یہ اللہ کا بڑا ہی فضل ہے کہ جب کبھی کوئی گروہ ظلم و فساد میں حد سے بڑھ جاتا ہے، تو مزاحمت کے عوامل دوسرے گروہ کو مزاحمت کے لئے کھڑا کر دیتے ہیں اور ایک قوم کا ظلم دوسری قوم کی [illegible] سے ختم ہو جاتا ہے!

(۲) یعنی [illegible] اگرچہ خدا نے مختلف عہدوں میں یکے بعد دیگرے اپنے پیغمبر مبعوث کئے، اور ان سب نے لوگوں کو تفرقہ و [illegible] کی جگہ حق پرستی و یکجہتی کی تعلیم دی، مگر لوگ [illegible] اس تعلیم پر قائم نہ رہے اور [illegible] الگ الگ ہو گئے، تو آپس میں [illegible] کرنے لگے، یعنی انھوں نے ایک دوسرے کے خلاف جتھا بندی کر لی۔

وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۞ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۞ ۲۷۸
فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۖ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا ۲۷۹
تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ۞ وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ۚ وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَكُمْ ۖ ۲۸۰
إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۞ وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ۖ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ ۲۸۱
وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۞ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى فَاكْتُبُوهُ ۚ ۲۸۲

(۱) آخرت کی نجات کا تمام تر دار و مدار ایمان و عمل پر ہے۔ وہاں نہ تو نجات کی خرید و فروخت ہو سکتی ہے، نہ کسی کی دوستی و آشنائی کام دے سکتی ہے اور نہ کسی کی سفارش سے کام نکالا جا سکتا ہے۔

نفس کے آرام و راحت ہی پر نہیں، بلکہ راہِ حق میں بھی خرچ کرو اور ہاتھ نہ روکو۔ قبل اس کے کہ زندگی کی عارضی مہلت ختم ہو جائے اور) آنے والا دن سامنے آجائے اُس دن نہ تو (دنیا کی طرح) خرید و فروخت ہو سکے گی (کہ قیمت دے کر نجات خرید لو) نہ کسی کی یاری و دوستی کام آئے گی (کہ اس کے سہارے گناہ بخشوا لو) نہ ہی ایسا ہو سکے گا کہ کسی کی سعی و سفارش سے کام نکال لیا جائے (اُس دن صرف عمل ہی کی پرسش ہوگی، اور عمل ہی نجات دلا سکے گا) اور یاد رکھو، جو لوگ (اس حقیقت سے) منکر ہیں، تو یقیناً یہی لوگ ہیں جو (اپنے ہاتھوں اپنا) نقصان کرنے والے ہیں!

۲۵۶ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ "الحیّ" ہے (یعنی زندہ ہے اور اُس کی زندگی کے لئے فنا و زوال نہیں) "القیوم" ہے (یعنی ہر چیز اُس کے حکم سے قائم ہے، وہ اپنے قیام کے لئے کسی کا محتاج نہیں) اُس کی آنکھ کے لئے نہ تو اونگھ ہے، نہ (دماغ کے لئے) نیند۔ آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے، سب اُسی کا ہے اور اُسی کے حکم سے ہے۔ کون ہے جو اس کے سامنے، اُس کی اجازت بغیر کسی کی شفاعت کے لئے زبان کھولے؟ اور اُس کی شفاعت مجرموں کو پاداشِ عمل سے بچا لے؟! جو کچھ انسان کے سامنے ہے، وہ اُسے بھی جانتا ہے، اور جو کچھ پیچھے ہے، وہ بھی اسکے علم سے باہر نہیں۔ انسان اُس کے علم میں سے کسی بات کا بھی احاطہ نہیں کر سکتا۔ ہاں یہ کہ جتنی بات کا علم وہ اُسے دینا چاہے، اور دے دے۔ اُس کا تخت (حکومت) آسمان و زمین کی تمام وسعت پر چھایا ہوا ہے، اور اُن کی نگرانی و حفاظت اس کے لئے کوئی تھکاوٹ نہیں۔ اس کی ذات بڑی ہی بلند مرتبہ ہے!

خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ مالک الملک ہے، حی و قیوم ہے۔ اُس کی حکومت سے کوئی گوشہ باہر نہیں۔ اُس کے علم کے لئے کوئی شے مخفی اور مجہول نہیں۔ وہ غفلت سے منزہ اور نسیان سے پاک ہے۔ جس ہستی کی صفتیں ایسی ہوں، اُس کے سامنے کسی کی سعی و سفارش کیا کام دے سکتی ہے؟ اور اُس کے احکام و قوانین کے نفاذ میں کون ہے جو دخل دینے کی جرأت کر سکتا ہے؟

۲۵۷ دین کے بارے میں کسی طرح کا جبر نہیں (کیونکہ دل

اس اصلِ عظیم کا اعلان کہ دین و اعتقاد کے معاملہ میں کسی طرح کا جبر

وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۪ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـــًٔا ؕ فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ؕ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ؕ وَلَا

کے اعتقاد سے تعلق رکھتا ہے) اور جبر و تشدد سے کسی کے اعتقاد پیدا نہیں کیا جا سکتا) بلاشبہ ہدایت کی راہ گمراہی سے الگ اور نمایاں ہو گئی ہے (اور اب دونوں راہیں لوگوں کے سامنے ہیں جسے چاہیں اختیار کریں) پھر جو کوئی طاغوت سے انکار کرے (یعنے سرکشی و فساد کی قوتوں سے بیزار ہو جائے) اور اللہ پر ایمان لائے تو بلاشبہ اس نے (فلاح و سعادت کی) مضبوط شاخ پکڑ لی۔ یہ شاخ ٹوٹنے والی نہیں (جس کے ہاتھ آگئی وہ گرنے سے محفوظ ہو گیا) اور یاد رکھو، اللہ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے!

دستگرد جائز نہیں۔ دین کی راہ دل کے اعتقاد و یقین کی راہ ہے اور اعتقاد و یقین دعوت و موعظت سے پیدا ہو سکتا ہے، نہ کہ جبر و استکراہ سے۔
(۱) اعلان جہاد کے بعد ہی یہ ذکر اس لیے کیا گیا تاکہ واضح ہو جائے کہ جنگ کی اجازت ظلم و تشدد کے انسداد کے لیے دی گئی ہے۔ نہ کہ دین کی اشاعت کے لیے۔ دین کی اشاعت کا ذریعہ دعوت ہے، اور وہ دعوت جو تشدد سے نہیں ہو سکتی۔ یہ ظلم و تشدد کے ذریعہ دینی اعتقاد کا فیصلہ کرانا چاہتے تھے۔ قرآن نے ان کے خلاف جنگ کا حکم دیا، یہی بات کے خلاف جنگ کا حکم دیا ہے۔
(۲) سچائی روشنی ہے اگر اس کی سچائی ہوئی ہو، تو صرف اس بات کی ضرورت ہے کہ روشنی نمایاں ہو جائے۔ اگر روشنی نمایاں ہوگئی تو پھر روشنی کو روشنی دکھلانے کے لیے اور کسی بات کی ضرورت نہیں۔ روشنی جس طرف بھی پھیلے گی، اندھیری خود بخود دور ہو جائے گی!

۲۵۷ اللہ ان لوگوں کا ساتھی اور مددگار ہے جو ایمان کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ وہ انھیں (ہر طرح کی) تاریکیوں سے نکالتا اور روشنی میں لاتا ہے۔ مگر جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے، تو انکے مددگار سرکش اور مفسد (معبودان باطل) ہیں۔ وہ انھیں روشنی سے نکالتے اور تاریکیوں میں لے جاتے ہیں۔ سو یہی لوگ ہیں جن کا گروہ دوزخی گروہ ہے۔ ہمیشہ عذاب جہنم میں رہنے والا!

۲۵۸ (اے پیغمبر!) کیا تم نے اس شخص کی حالت پر غور نہیں کیا جسنے ابراہیم سے اس کے پروردگار کے بارے میں حجت کی تھی، اور اس لیے حجت کی تھی کہ خدا نے اسے بادشاہت دے رکھی تھی؟ (یعنے تاج و تخت شاہی نے اسکے اندر ایسا گھمنڈ پیدا

(۱) دعوت کی اقرار و تقصیر کی وضاحت کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دعوت کی طرف اشارہ۔ وہ ایک ایسے ملک میں جہاں ان کا کوئی ساتھی و مددگار نہ تھا، اور ایک ایسے بادشاہ کے سامنے جو اپنے ملک کا سب سے بڑا سرکش بادشاہ تھا، تن تنہا دعوت حق کا علم لیکر کھڑے ہوگئے اور کامیاب ہوگئے!
(۲) حضرت ابراہیم کی طرف اشارہ کہ دعوت کی وہ تلقین بلند کی

أَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ ۗ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۚ وَمَن يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ۝ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَإِن تُبْدُوا مَا فِي أَنفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُم بِهِ اللَّهُ ۖ فَيَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِن رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ ۚ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ ۚ وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۖ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ۝

بیت المقدس کی دوبارہ تعمیر و آبادی ٹھیک سو برس کے بعد ہوئی تھی۔

دن تک، یا ایک دن کا کچھ حصہ۔ ارشاد ہوا نہیں بلکہ سو برس تک۔ پس اپنے کھانے اور پانی پر نظر ڈالو۔ ان میں برسوں تک پڑے رہنے کی کوئی علامت نہیں (یعنے ان میں کوئی ایسا تغیر نہیں ہوا ہے جس سے معلوم ہو کہ بڑی مدت ان پر گزر چکی ہو) اور اپنی سواری کے گدھے پر بھی نظر ڈالو (کہ وہ کس حالت میں ہو؟) اور (یہ جو کچھ کیا گیا، سو) اس لئے کیا گیا تاکہ ہم تمھیں لوگوں کے لئے (حق کی) ایک نشانی ٹھرائیں (اور تمھارا علم انکے لئے یقین و بصیرت کا ذریعہ ہو) اور پھر (جسم کی) ہڈیوں پر غور کرو۔ کس طرح ہم (ان کا ڈھانچہ بنا کر) کھڑا کر دیتے ہیں، اور پھر (کس طرح) اس (ڈھانچے) پر گوشت (کا غلاف) چڑھا دیتے ہیں (کہ ایک مکمل اور متشکل ہستی ظہور میں آجاتی ہو؟) پس جب اس شخص پر حقیقت کھل گئی، تو وہ بول اٹھا میں یقین کے ساتھ جانتا ہوں، بلاشبہ اللہ ہر بات پر قادر ہو!

اور پھر (دیکھو) جب ایسا ہوا تھا کہ ابراہیم نے کہا تھا "اے پروردگار! مجھے دکھلا دے۔ کس طرح تو مُردوں کو زندہ کر دیگا؟" اللہ نے فرمایا "کیا تمھیں اس کا یقین نہیں؟" عرض کیا "ضرور ہے لیکن یہ اس لئے چاہتا ہوں تاکہ میرے دل کو قرار آجائے" (یعنے تیری قدرت پر تو یقین ایسا ہی ہو، لیکن یہ جو مایوس کن حالت دیکھ کر دل ٹھہرنے لگتا ہو تو یہ بات دور ہو جائے)

اس پر ارشاد الٰہی ہوا، اچھا، یوں کرو کہ پرندوں میں سے چار جانور پکڑ لو، اور انھیں اپنے پاس رکھ

(۲) وہ موعظت حق کہ مردہ قوموں کا زندہ ہونا اور متوحش و گمراہ افراد کا ایک تربیت یافتہ جماعت کی حالت میں بدل جانا، اور اس بات کی موعظت جو حضرت ابراہیم (علیہ السلام) پر واضح کی گئی تھی۔

حضرت ابراہیم کا ظہور ایک ایسے عہد میں ہوا تھا جب انکے ملک میں اور انکے ملک سے باہر کوئی گروہ بھی ایسا نہ تھا جس میں ہدایت حق کی استعداد دکھائی دیتی ہو۔ یہ حالت دیکھ کر انھوں نے کہا تھا کہ کیونکر اس موت کو زندگی سے بدل دیگا؟ اس پر اللہ نے دعوت حق کی انقلاب انگیز حقیقت پرندوں کی مثال سے واضح کر دی۔ اگر تم ایک پرندہ کو کچھ دنوں تک اپنے پاس رکھو اور ایسا تربیت یافتہ بنا لو کہ تمھاری آواز پہچاننے لگے اور تمھارے بلانے پر اڑتا ہوا چلا آئے تو کیا گمراہ اور متوحش انسان دعوت حق کی تعلیم و تربیت سے اس درجہ اثر پذیر نہیں ہو جا سکتے کہ تمھاری صدا پہچانیں اور اس کا جواب دیں؟ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس دعوت حق نے انسانوں کی متوحش اور

ہی وسعت رکھنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے! (یعنے بے انتہا وسعت رکھنے والا ہے، اس کی بخشش میں کمی نہیں ہوسکتی۔ ہر حالت کا جاننے والا ہے، اس لئے کوئی مستحق اسکے التفات سے محروم نہیں رہ سکتا)

۲۶۳ (لیکن یاد رہے، سچی خیرات وہی ہے جو دل کے اخلاص اور نیکی کے ساتھ ہو۔ پس) جو لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور اس طرح خرچ کرتے ہیں کہ اسکے بعد نہ تو احسان جتاتے ہیں نہ لینے والے کو (اپنے قول و فعل سے کسی طرح کا) دکھ پہنچاتے ہیں تو (راہ حق میں خرچ کرنے کی نیکی انہی کی نیکی ہے، یقینا) انکے پروردگار کے حضور انکے عمل کا اجر ہے۔ نہ تو انکے لئے کسی طرح کا ڈر ہوگا، نہ کسی طرح کی غمگینی!

۲۶۴ سیدھے منہ سے ایک اچھا بول، اور (رحم و شفقت سے) عفو و درگزر کی کوئی بات، اس خیرات سے کہیں بہتر ہے جسکے ساتھ خدا کے بندوں کے لئے اذیت ہو۔ اور (دیکھو، یہ بات نہ بھولو کہ) اللہ بے نیاز اور حلیم ہے (یعنے وہ بے نیاز ہے۔ اس لئے تمہاری نیکیوں کی اسے احتیاج نہیں۔ لیکن وہ حلیم بھی ہے، اس لئے پسند کرتا ہے کہ تم میں بھی حلم اور عفو و درگزر ہو)

۲۶۵ اے پیروان دعوت ایمانی! اپنی خیرات کو احسان جتا کر اور لوگوں کو اذیت پہنچا کر تباہ نہ کرو، جس طرح وہ آدمی تباہ کر دیتا ہے، جو محض لوگوں کو دکھانے کے لئے مال خرچ کرتا ہے، اور اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتا (کہ جو کچھ کرے، اللہ کے لئے کرے، انسانوں کو دکھانے کے لئے نہ کرے)

---

(۱) نیکی کے لئے خرچ کرنا اللہ کے لئے خرچ کرنا ہے۔ اب دیکھو، کہ کتاب خلقت میں خدا کا قانون مکافات کیا ہے؟ سو یہ بات ہر انسان دیکھ رہا ہے کہ اگر غلہ کا ایک دانہ زمین کے حوالے کر دیا جائے، تو وہ ایک دانہ کے بدلے سات سو دانے واپس کر دیتی ہے۔ پس جس خدا کے قانون خلقت کی فیاضیوں کا یہ عالم ہے کیا وہ انسان کے عمل خیر کے بدلے اتنی فیاضی بھی نہیں کرے گا جتنی فیاضی ہر دانہ کے بدلے اسکی زمین کر رہی ہے؟

(۲) لیکن کامیابی کی شرط یہ ہے کہ دانہ خراب نہ ہو، اور زمین میں بیج ڈالا جائے، پتھر کی چٹانوں پر پھینک دیا جائے۔ ورنہ ساری محنت اکارت جائے گی۔ اسی طرح خیرات کے لئے بھی ضروری ہے کہ اخلاص کے ساتھ کی جائے، نہ یہ کہ دینے والے پر احسان جتلایا جائے، یا سخت بات کہہ کر دل آزاری کی جائے۔

(۳) دکھاوے کی خیرات بھی اکارت جاتی ہے، اور یہ برائی پہلی برائی سے بھی سخت ہے کیونکہ جو شخص نیکی کو نیکی کے لئے نہیں بلکہ نام و نمود کے لئے کرتا ہے، اور خدا کی جگہ انسانوں کی نگاہوں میں بڑائی چاہتا ہے، وہ یقینا خدا پر سچا ایمان نہیں رکھتا۔

(۴) جو لوگ دکھاوے کے لئے نیکی کرتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے پہاڑ کی ایک چٹان جس پر مٹی کی تہہ جم گئی ہو۔ ایسی جگہ پر گو بارش ہو، لیکن کبھی سرسبز نہیں ہوگی کیونکہ اس میں پانی سے فائدہ اٹھانے کی استعداد ہی نہیں ہے۔ پانی جب برسے گا تو مٹی دھل کر صاف چٹان [illegible]

[illegible]

نکل گئی!

برخلاف اسکے جو لوگ اخلاص کے ساتھ خیرات کرتے ہیں اُن کی مثال ایسی ہو جیسے ایک بلند اور موزوں مقام پر باغ ہو۔ جب بارش ہوگی تو اُس کی شادابی دوگنی ہو جائے گی۔ اگر زور سے پانی نہ برسے، تو ہلکی بوندیں بھی اُسے شاداب کردیں، کیونکہ اُس میں سرسبزی و شادابی کی استعداد موجود ہو!

اس تشبیہ میں خیرات کو بارش سے اور زمین کو دل سے تشبیہ دی گئی ہو اگر زمین ٹھیک ہو، یعنے دل میں اخلاص ہو، تو جتنا بھی عمل خیر کیا جائیگا، برکت اور پھل لائے گا۔ اگر زمین درست نہیں ہو یعنے اخلاص نہیں ہو، تو پھر کتنی ہی دکھاوے کی خیر خیرات کی جائے، سب رائگاں جائے گی، اور اس بارش کی طرح جو چٹان کو سرسبز نہ کر سکی، یہ دکھاوے کی نیکیاں بھی کچھ سود مند نہ ہونگی!

اگر دل میں اخلاص ہو، تو تھوڑی سی خیرات بھی برکت و فلاح کا موجب ہو سکتی ہو، جس طرح بارش کی چند ہلکی بوندیں بھی ایک باغ کو شاداب کر سکتی ہیں!

(۵) عالم مادی اور عالم معنوی، دونوں کے احکام و قوانین یکساں ہیں۔ جو بوؤ گے اور جس طرح بوؤ گے، ویسا ہی اور اسی طرح کا پھل بھی پاؤ گے!

(۶) تم میں کون ہو جو یہ بات پسند کرے گا کہ اپنی ساری عمر باغ لگانے میں صرف کردے اور پھر جب اسکی پیداوار سے بڑھاپے میں کام لینے کا وقت آئے، یعنے بڑھاپا آجائے، تو دیکھے کہ سارا باغ جل کر ویران ہوگیا ہو؟ یہی حال اُس انسان کا ہو جو ساری عمر دکھاوے کی نیکیاں کرتا رہتا ہو اور سمجھتا ہو کہ عاقبت میں کام آئیں گی، لیکن جب عاقبت کا دن آئے گا، تو دیکھے گا کہ اُس کی ساری محنت رائگاں گئی، اور اس کی کوئی تخم ریزی بھی پھل نہ لاسکی!

سو ایسے لوگوں کی مثال ایسی ہو جیسے (پتھر کی) ایک چٹان اُس پر مٹی کی تہ جم گئی، اور اُس میں تخم ریزی کی گئی۔ جب زور سے پانی برسا تو (ساری مٹی مع تخم کے) بہ گئی، اور (ایک صاف اور سخت چٹان کے سوا کچھ باقی نہ رہا! (سو یہی حال ان ریاکاروں کا بھی ہوا) انھوں نے (اپنے نزدیک خیر خیرات کرکے) جو کچھ بھی کیا تھا، وہ (ریاکاری کی وجہ سے) رائگاں گیا۔ کچھ بھی انکے ہاتھ نہ لگا۔ اور حقیقت یہ ہو کہ اللہ اُن لوگوں پر (فلاح و سعادت کی) راہ نہیں کھولتا جو کفر کی راہ اختیار کرتے ہیں!

۲۶۶ (برخلاف اسکے) جو لوگ اپنا مال (نمود و نمائش کے لئے نہیں بلکہ) اللہ کی رضا جوئی کی طلب میں! اپنے دل کے جماؤ کے ساتھ خرچ کرتے ہیں! تو ان کی مثال ایسی ہو، جیسے ایک بلند زمین پر اُگا ہوا باغ۔ اُس پر پانی برسا تو دو چند پھل پھول پیدا ہوگئے، اور اگر زور سے پانی نہ برسے، تو ہلکی بوندیں بھی اُسے شاداب کردینے کے لئے کافی ہیں! (کیونکہ اُس میں سرسبزی و شادابی کی استعداد موجود ہی!)

اور یاد رکھو، تم جو کچھ بھی کرتے ہو، اللہ کی نظر سے پوشیدہ نہیں ہو!

۲۶۷ کیا تم میں سے کوئی آدمی بھی یہ بات پسند کرے گا کہ اُس کے پاس کھجوروں کے درختوں اور انگوروں کے بیلوں کا ایک باغ ہو۔ اُس میں نہریں بہ رہی ہوں (اور ایک ایک درخت کو سیراب کر رہی ہوں) نیز اُس میں اور بھی ہر طرح کے پھل پھول پیدا ہوتے ہوں۔ پھر ایسا ہو کہ جب بڑھاپا آجائے، اور ناتواں اولاد اُس کے چاروں طرف جمع ہوں، تو اچانک ایک جھلستی ہوئی آندھی چلے، اور (اُن کی آن میں) باغ جل کر ویران ہوجائے؟ (سو یہی حال اُس آدمی کا ہو جو عمر بھر دکھاوے کی نیکیاں کرتا رہتا ہو اور سمجھتا ہو آخرت میں اُس کے کام آئیں گی) لیکن جب آخرت کا دن آئے گا، تو دیکھے گا کہ ساری

عمر کی کمائی ضائع گئی، اور اُس کی کوئی نیکی خدا کے حضور مقبول نہ ہوئی! اللہ ایسے ہی مثالوں کے پیرایہ میں تم پر (حقیقت کی) نشانیاں واضح کر دیتا ہے تاکہ غور و فکر سے کام لو!

۲۶۸ اے پیروان دعوتِ ایمانی! جو کچھ (محنت مزدوری یا تجارت سے) کمایا ہو، تم اُس میں سے خرچ کرو، یا جو کچھ ہم تمہارے لئے زمین میں پیدا کر دیتے ہیں اُس میں سے نکالو، کوئی بھی صورت ہو، لیکن چاہئے کہ خدا کی راہ میں خیرات کرو تو اچھی چیز خیرات کرو۔

> (۷) ایسا نہ کرو کہ جو چیز نکمی اور بیکار ہو اُسے خیرات کے نام پر نکال دو، اور سمجھو کہ اس طرح تم نے ثواب کمایا۔ اگر تمہیں کوئی ایسی چیز دیجئے تو تم اُسے لینا پسند کرو گے؟ پھر اگر اپنے نفس کے لئے نکمی چیز لینا پسند نہیں کرتے تو اپنے محتاج بھائیوں کے لئے کیوں پسند کرتے ہو؟ دوسروں کے ساتھ وہی کرو جو تم چاہتے ہو کہ تمہارے ساتھ کیا جائے!

۲۶۹ ایسا نہ کرو کہ فصل کی پیداوار میں سے کسی چیز کو ردّی اور خراب دیکھ کر خیرات کرو (کہ بیکار کیوں جائے، خدا کے نام پر نکال دیں) حالانکہ اگر ویسی ہی چیز تمہیں دی جائے، تو تم کبھی اسے (خوشدلی سے) نہ لو مگر یہ کہ (جان بوجھ کر) آنکھیں بند کر لو۔ (پھر جو چیز خود اپنے نفس کے لئے پسند نہیں کر سکتے، اپنے محتاج بھائیوں کو دینا کیونکر گوارا کر لیتے ہو؟) یاد رکھو، اللہ کی ذات بے نیاز اور ساری ستائشوں سے ستودہ ہے (اُسے تمہاری کسی چیز کی احتیاج نہیں، مگر تم اپنی سعادت و نجات کے لئے عملِ خیر کے محتاج ہو)

۲۷۰ شیطان تمہیں مفلسی سے ڈراتا ہے۔ اور برائیوں کی ترغیب دیتا ہے، لیکن اللہ تمہیں ایسی راہ کی طرف دعوت دیتا ہے جس میں اس کی مغفرت اور اُس کے فضل و کرم کا وعدہ ہے (پس شیطانی وسوسوں پہ کاربند نہ ہو۔ خدا کی بتلائی ہوئی راہ اختیار کرو)

> (۸) انسان میں ایسی سمجھ بوجھ کا پیدا ہو جانا کہ وہ دنیا کے ظاہری اور نمائشی فائدوں ہی میں پھنس کر نہ رہ جائے بلکہ حقیقی نفع و نقصان کو سمجھ سکے اور بھلائی اور برائی کی راہوں کا شناسا ہو جائے، قرآن کی اصطلاح میں یہی حکمت ہے اور جسے حکمت مل گئی تو اس نے زندگی کی بہت بڑی برکت پالی!

اور یاد رکھو اللہ وسعت رکھنے والا، اور سب کچھ جاننے والا ہے!

۲۷۱ وہ جسے چاہتا ہے، حکمت دیتا ہے، اور جس کسی کو حکمت مل گئی، تو یقین کرو اُسے بڑی بھلائی پالی۔ اور نصیحت حاصل نہیں کرتے مگر وہی لوگ، جو عقل و بصیرت رکھنے والے ہیں!

اور دیکھو، خیرات کی قسم میں سے تم جو کچھ بھی خرچ کرو، یا خدا کی نذر ماننے کے طور پر جو کچھ بھی نذر مانو، تو یہ بات یاد رکھو کہ اللہ کے علم سے وہ پوشیدہ نہیں ہے (وہ سب کچھ جانتا اور سب کچھ دیکھ رہا ہے) پس جو کوئی اپنی نذر ادا نہ کرے گا، یا ناجائز طریقوں پر کاربند ہوگا۔ تو اس کی راہ معصیت کی راہ ہوگی اور جو معصیت کرنے والے ہیں، تو انہیں (خدا کے مواخذہ سے بچانے میں) کوئی مددگار نہیں ملیگا!

۲۷۳ اگر تم (بغیر اس کے کہ دل میں نام و نمود کی خواہش ہو)

> (۹) دکھاوے کی خیرات سے روکا گیا ہے، مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے

کھلے طور پر خیرات کرو، تو یہ بھی اچھی بات ہے۔ مگر پوشیدہ رکھو اور محتاجوں کو دے دو، تو اس میں تمہارے لئے بڑی ہی بہتری ہے۔ یہ تمہارے گناہوں کو تم سے دور کر دے گی۔ اور یاد رکھو، تم جو کچھ بھی کرتے ہو خدا کے علم سے پوشیدہ نہیں۔ وہ ہر بات کی خبر رکھنے والا ہے!

کیونکہ کسی چیز کو چھپا کر خیرات دے کر کسو خیرات کرنے میں نہیں۔ یا خواہ مخواہ پوشیدگی میں تکلف کر کر بتکلف بجائے خود عمل خیر سے مانع ہو جائے مطلب یہ ہو کہ دل میں اخلاص ہونا چاہئے، اور دینی جانب کوئی دکھاوے اور نمائش کی نیت نہ کرنی چاہئے۔

(۲) خیرات کو اخفا میں رکھنے کا قدرتی نتیجہ ہوگا۔ احسان تو کسی پر احسان کر کے کسی سے تمہیں شکرگزاری کی توقع رکھنی ہو۔

۲۷۲ (اے پیغمبر!) تم پر کچھ اس بات کی ذمہ داری نہیں کہ لوگ ہدایت قبول ہی کر لیں (تمہارا کام صرف راہ دکھا دینا ہے) یہ کام اللہ کا ہے کہ جسے چاہے راہ پر لگا دے (پس تم لوگوں سے کہہ دو) جو کچھ بھی تم خیرات کروگے، تو (اس کا فائدہ کچھ مجھے نہیں ملجائے گا، اور نہ کسی دوسرے پر اس کا احسان ہوگا) خود تمہارے ہی فائدہ کے لئے کروگے۔ اور تمہارا خرچ کرنا اسی غرض کے لئے ہے کہ اللہ کی رضا جوئی کی راہ میں خرچ کرو۔ (سو اگر اللہ پر سچا ایمان رکھتے ہو، تو ممکن نہیں کہ اس کی راہ میں خرچ کرنے سے تمہارا ہاتھ رُک جائے) اور (پھر یہ بات بھی یاد رکھو کہ) جو کچھ تم خیرات کروگے تو (خدا کا قانون یہ ہے کہ) اس کا بدلہ پوری طرح تمہیں دے دیا جائے گا۔ تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا (یعنے تمہاری حق تلفی نہ ہوگی۔ مکافات الٰہی کی بخشش اور ناپ تول میں کبھی کمی بیشی یا غفلت نہیں ہو سکتی!)

۲۷۳ خیرات تو اُن حاجتمندوں کا حق ہے جو (دنیا کے کام دھندوں سے الگ ہو کر) اللہ کی راہ میں گھِر کر بیٹھ رہے ہیں (یعنے صرف اسی کام کے ہو رہے ہیں) انھیں یہ طاقت نہیں کہ (معیشت کی جستجو میں) نکلیں اور دوڑ دھوپ کریں (پھر باوجود فقر و بے مائگی کے ان کی بے طمعی اور خودداری کا یہ حال ہو کہ) ناواقف آدمی دیکھے، تو خیال کرے انھیں کسی طرح کی احتیاج نہیں۔ تم اُنکے چہرے دیکھ کر اُن کی حالت جان سکتے ہو، لیکن وہ لوگوں کے پیچھے پڑ کر کبھی سوال نہیں کرتے۔ اور (یاد رکھو) تم جو کچھ بھی نیکی کی راہ میں خرچ کروگے، تو اللہ اس کا علم

(۱) خیرات کا ایک ضروری مصرف ایسا تھا جس کی طرف نظر نہیں جاسکتی تھی۔ یعنے اُن لوگوں کی مدد کرنا جو دنیا کا کام دھندا چھوڑ کر راہِ حق کی خدمت کے لئے وقف ہوگئے ہیں۔ نہ تو انھیں تجارت کی مقدرت ہے، نہ کوئی دوسرا وسیلہ معاش رکھتے ہیں، شب و روز دین و ملت کی خدمت میں مشغول رہتے ہیں۔ حالانکہ ان کی حاجت زندگی ہو مگر صبر و بے نیازی کی وجہ کر ایسے افراد کی خبرگیری جماعت کا ضروری فرض تھا۔ اس لئے خصوصیت کے ساتھ اس پر توجہ دلائی۔

(۲) لوگ صرف انھی لوگوں کو خیرات کا مستحق سمجھتے ہیں جو بھیک مانگنے کی حیثیت دیکھا لاکر ہوتے ہیں لیکن ایک خوددار حاجتمند کو کوئی نہیں پوچھتا حالانکہ سب سے زیادہ مستحق ایسے ہی لوگ ہیں۔

(۳) نیز اس بات کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ جس طرح دینے والوں کو چاہئے ڈھونڈ ڈھونڈ کر دیں، اسی طرح لینے والوں کو چاہئے سوال کر کے اپنی خودداری و عفت ضائع نہ کریں۔ ان کی شان یہ ہونی

چاہئے کہ بے نیاز رہیں۔ لوگوں کو فرض یہ ہونا چاہئے کہ ایسے لوگوں کی مدد کریں!

رکھنے والا ہے!

۲۷۵ (غرضکہ) جو لوگ رات کی تاریکی میں اور دن کی روشنی میں، پوشیدہ طور پر اور کھلے طور پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں، تو یقیناً اُن کے پروردگار کے حضور اُن کا اجر ہے۔ نہ تو انکے لئے (عذاب کا) ڈر ہوگا نہ (ناکامی) کی غمگینی!

۲۷۶ جو لوگ (حاجت مندوں کی مدد کرنے کی جگہ اُلٹا اُن سے) سود لیتے اور اُس سے اپنا پیٹ پالتے ہیں، وہ (یاد رکھیں، انکے ظلم و ستم کا نتیجہ انکے آگے آنے والا ہے۔ وہ) کھڑے نہیں ہو سکیں گے مگر اس آدمی کا کھڑا ہونا جسے شیطان کی چھوت نے باؤلا کر دیا ہو۔ (یعنے مرگی کا روگی ہو) یہ اس لئے ہوگا کہ انہوں نے (سود کے ناجائز ہونے سے انکار کیا، اور) کہا خرید فروخت کرنا بھی ایسا ہی ہے جیسے قرض دیکر سود لینا حالانکہ خرید و فروخت کو تو خدا نے حلال ٹھہرایا ہے اور سود کو حرام (دونوں باتیں ایک طرح کی کیسے ہو سکتی ہیں؟) سو اب جس کسی کو اُس کے پروردگار کی یہ نصیحت پہنچ گئی، اور وہ آئندہ سود لینے سے رُک گیا، تو جو کچھ پہلے لے چکا ہے، وہ اُس کا ہو چکا (اُس کی واپسی کا مطالبہ نہیں کیا جاتا) اُس کا معاملہ خدا کے حوالے ہے (وہ اپنے فضل و رحمت سے بخشدینے والا ہے) لیکن جو کوئی باز نہ آیا تو وہ دوزخی گروہ میں سے ہے۔ ہمیشہ عذاب میں رہنے والا!

(اور) نیکی کی راہ میں خرچ کرنے کی استعداد نشوونما نہیں پا سکتی تھی۔ اس کا علاج یہی ہے کہ اُن باتوں سے یک قلم روک دیا جاتا جو ٹھیک ٹھیک اس کی ضد تھیں۔ پس انفاق فی سبیل اللہ کے حکم کے ساتھ ہی سود کی بھی ممانعت کر دی گئی جو دنیا کی تمام قوموں کی طرح عرب میں بھی رائج تھا۔

دین حق انسان میں باہمی محبت و ہمدردی پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اسی لئے اس نے خیرات کا حکم دیا کہ ایک انسان دوسرے انسان کی حاجت میں کام آئے، اور اُس کی احتیاج کو اپنی احتیاج سمجھے۔ لیکن سود خواری کی روح بالکل اس کی ضد ہے۔ سود خوار ایک انسان کو حاجتمند دیکھتا ہے تو اس کی مدد کا جذبہ اُس میں پیدا نہیں ہوتا، بلکہ چاہتا ہے، اس کی احتیاج اور بیکسی سے اپنا کام نکال لے، اور اُس کی محتاجی کو اپنی دولتمندی کا ذریعہ بنائے۔ سود خواری کا یہ جذبہ بڑھتے بڑھتے جب [illegible] تو پھر اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ انسان میں انسانی ہمدردی کی بو باس تک باقی نہیں رہتی۔ ایک بے رحم اور بے پناہ درندہ بن کر رہ جاتا ہے۔ قرآن نے اسی حالت کو مرگی کے مرض سے تشبیہ دی ہے جسے عرب میں شیطان کے مس سے تعبیر کرتے تھے۔ یعنے زر پرستی کے جوش سے تمام انسانی احساسات ختم ہو جاتے ہیں۔ پیسے کے پیچھے پاگل ہو کر رہ جاتا ہو!

چنانچہ یمحق اللہ الربوٰ و یربی الصدقٰت کہہ کر سود کی ممانعت کی علت ظاہر کر دی۔ دین حق کا مقصد یہ ہے کہ سود کو مٹائے۔ خیرات کے جذبہ کو ترقی دے۔ اگر خیرات کا جذبہ پوری طرح ترقی کر جائے، تو جماعت کا کوئی فرد محتاج و مفلس ہو ہی نہیں سکتا!

۲۷۷ اللہ سود کو مٹاتا ہے اور خیرات کو بڑھاتا ہے (یعنے سود خواری کو مٹانا چاہتا ہے جس کا مقصد حاجتمند کو برباد کرکے خود فائدہ اٹھانا ہے۔ اور خیرات کے جذبہ کو بڑھانا چاہتا ہے جس کا مقصد حاجتمند کی حاجت روائی کرنا اور اُس سے فائدہ اٹھانے کی جگہ فائدہ پہنچانا ہے) اور (یاد رکھو) تمام ایسے لوگوں کو جو نعمت الٰہی کے ناسپاس اور نافرمان ہیں اُس کی پسندیدگی حاصل نہیں ہو سکتی!

جو لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، اور اُنکے کام بھی اچھے ہیں نیز نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں تو بلاشبہ اُنکے پروردگار کے حضور ان کا اجر ہے۔ نہ تو انکے لئے کسی طرح کا ڈر ہو سکتا ہے نہ کسی طرح کی غمگینی!

۲۷۸ مسلمانو! اگر فی الحقیقت تم خدا پر ایمان رکھتے ہو، تو اُس سے ڈرو، اور جسقدر سُود مقروضوں کے

۲۷۹ ذمے باقی رہ گیا ہے، اُسے چھوڑ دو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا (اور ممانعت کے بعد بھی سُود کے پیچھے پڑے رہے) تو پھر اللہ اور اسکے رسول سے جنگ کرنے کے لئے طیار ہو جاؤ (کیونکہ ممانعت کے صاف صاف حکم کے بعد اس کی خلاف ورزی کرنا، اللہ اور اس کے رسول کے برخلاف جنگ آزما ہونا ہے) اور اگر (اس باغیانہ روش سے) توبہ کرتے ہو، تو پھر تمھارے لئے یہ حکم ہے کہ اپنی اصلی رقم لے لو اور بقیہ سُود چھوڑ دو۔ نہ تو تم کسی پر ظلم کرو، نہ تمھارے ساتھ ظلم کیا جائے۔

۲۸۰ اور اگر ایسا ہو کہ ایک مقروض تنگ دست ہو (اور فوراً قرض ادا نہیں کر سکتا) تو چاہئے کہ اُسے فراخی حاصل ہونے تک مہلت دی جائے۔ اور اگر تم سمجھ رکھتے ہو، تو تمھارے لئے بہتری کی بات تو یہ ہے کہ (ایسے تنگ دست بھائی کو) اُس کا قرض بطور خیرات کے بخش دو۔

۲۸۱ اور دیکھو، اُس دن (کی پرسش) سے ڈرو، جبکہ تم سب اللہ کے حضور لوٹائے جاؤ گے، اور پھر ایسا ہوگا کہ ہر جان نے (اپنے عمل سے) جو کچھ کمایا ہے، اس کا بدلہ پورا پورا اسے مل جائے گا۔ یہ نہ ہوگا کہ کسی کی بھی حق تلفی ہو۔

۲۸۲ مسلمانو! جب کبھی ایسا ہو کہ تم خاص میعاد کیلئے اودھار لینے دینے کا معاملہ کرو، تو چاہئے کہ اُسے قید کتابت میں لے آؤ۔

اور تمھارے درمیان ایک کاتب ہو جو دیانت داری کے ساتھ دستاویز قلمبند کر دے۔

کاتب کو اس سے گریز نہیں کرنا چاہئے کہ جس طرح اللہ نے اُسے (دیانت داری کے ساتھ لکھنا) سکھلایا ہے، اُس کے مطابق لکھ دے۔ اُسے لکھ دینا چاہئے۔

لکھا پڑھی اس طرح ہو کہ جس کے ذمے دینا ہو، وہ مطلب بولتا جائے (اور کاتب لکھتا جائے) اور

چونکہ سُود کے ذکر سے لین دین کا معاملہ چھڑ گیا تھا، اس لئے اسکے متعدد ضروری احکام بھی بیان کر دیئے گئے، اور اس بارے میں لوگوں کی جہالت اور بد معاملگی سے جو مفاسد پھیل گئے تھے، ان کا ازالہ کر دیا:

(۱) لین دین جس قدر ہو، لکھا پڑھی کے ساتھ ہو، محض زبانی نہ ہو۔

(۲) ہر طرح کے لین دین کے لئے دو گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔

(۳) اگر کوئی فریق نابالغ یا بے سمجھ ہو، تو اس کی جانب سے اُس کا سرپرست وکالت کرے۔

(۴) کاتب کا فرض ہے کہ دیانت داری کے ساتھ اپنا فرض انجام دے۔

(۵) گواہوں کو گواہی دینے سے انکار نہیں کرنا چاہئے۔ گواہی کا چھپانا معصیت ہے۔

(۶) اس طرح بندوبست کرنا چاہئے کہ کاتب اور گواہ کو اصل غرض اچھی طرح ذہن نشین ہو سکے، ورنہ نکاح شہادت درہم برہم ہو جائے گی۔

(۷) اگر مرد گواہ نہ ملیں تو ایک مرد کے بدلے دو عورتیں گواہ ہوں تاکہ اگر ایک بھول جائے گی تو دوسری یاد دلا دے گی۔

چاہیے کہ ایسا کرتے ہوئے اپنے پروردگار کا دل میں خوف رکھے۔ جو کچھ اُس کے ذمے آتا ہے، اُس میں کسی طرح کی کمی نہ کرے۔ ٹھیک ٹھیک اعتراف کرے۔

اگر ایسا ہو کہ جس کے ذمے دینا آتا ہے، وہ بے عقل ہو یا ناتواں ہو (یعنے لین دین اور معاملہ کرنے کی سمجھ نہ رکھتا ہو) یا اس کی استعداد نہ رکھتا ہو کہ خود کہے اور لکھوائے تو اس صورت میں چاہیے اُس کی جانب سے اُس کا سرپرست دیانت داری کے ساتھ مطلب بولتا جائے۔

اور (جو دستاویز لکھی جائے) اُس پر اپنے آدمیوں میں سے دو آدمیوں کو گواہ کر لو۔

اگر دو مرد نہ ہوں، تو پھر ایک مرد (کے بدلے) دو عورتیں جنھیں تم گواہ کرنا پسند کرو۔ اگر (گواہی دیتے ہوئے) ایک عورت بھول جائیگی، دوسری یاد دلا دے گی۔

اور جب گواہ طلب کئے جائیں تو گواہی دینے سے گریز نہ کریں۔

اور معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا، جب تک میعاد باقی ہے، دستاویز لکھنے میں کاہلی نہ کرو۔ اللہ کے نزدیک اس میں تمھارے لئے انصاف کی زیادہ مضبوطی ہے، شہادت کو اچھی طرح قائم رکھتا ہے، اور اس بات کا حتی الامکان بندوبست کر دیتا ہے کہ (آئندہ) شک و شبہ میں نہ پڑو۔

ہاں اگر ایسا ہو کہ نقد (لین دین) کا کاروبار ہو جسے تم (ہاتھوں ہاتھ) لیا دیا کرتے ہو، تو ایسی حالت میں کوئی مضائقہ نہیں اگر لکھا پڑھی نہ کی جائے۔

لیکن (تجارتی کاروبار میں بھی) سودا کرتے ہوئے گواہ کر لیا کرو (تاکہ خرید و فروخت کی نوعیت اور شرائط کے بارے میں بعد کو کوئی جھگڑا نہ ہو جائے)۔

اور کاتب اور گواہ کو کسی طرح کا نقصان نہ پہنچایا جائے (یعنے اس کا موقع نہ دیا جائے کہ اہل غرض اُن پر دباؤ ڈالیں اور سچی بات کے اظہار سے مانع ہوں) اگر تم نے ایسا کیا، تو یہ تمھارے لئے گناہ کی بات ہوگی اور چاہیئے کہ (ہر حال میں) اللہ سے ڈرتے رہو۔ وہ تمھیں (فلاح و سعادت کے طریقے) سکھلاتا ہے اور وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے!

۲۸۳

رہن یعنی کوئی چیز گروی رکھ کر قرض لینے اور دینے کا حکم۔ رہن وہ چیز ہے جو قرض دینے والے کے پاس بطور ضمانت رکھی جائے، جب تک اس کی واپسی سے انکار نہ کرے

اور اگر تم سفر میں ہو اور (ایسی حالت ہو کہ باقاعدہ لکھا پڑھی کرنے کے لئے) کوئی کاتب نہ ملے تو اس صورت میں ایسا ہو سکتا ہے کہ کوئی چیز گرو رکھ کر اُس کا قبضہ (قرض دینے والے کو) دیدیا جائے۔ پھر اگر ایسا ہو کہ تم میں سے ایک آدمی دوسرے کا اعتبار کرے، تو جس کا اعتبار کیا گیا ہے (یعنے جس کا اعتبار کر کے، گرو کی چیز اس کی امانت میں دیدی گئی ہے) وہ (قرض کی رقم لے کر مقروض کی امانت واپس کر دے، اور (اس بات سے)

اپنے پروردگار (کی پرسش) سے بے خوف نہ ہو۔

اور دیکھو ایسا نہ کرو کہ گواہی چھپاؤ (اور کسی کے خوف یا طمع سے حقیقت کا اظہار نہ کرو) جو کوئی گواہی چھپائے گا، وہ اپنے دل میں گنہگار ہوگا (اگرچہ بظاہر لوگ اُس کے جرم سے واقف نہ ہوں اور اُسے بے گناہ سمجھیں) اور (یاد رکھو) تم جو کچھ بھی کرتے ہو، اللہ کے علم سے پوشیدہ نہیں!

۲۸۴ آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے، سب اللہ ہی کے لئے ہے۔ (اُس کے حکم اور علم سے کوئی گوشہ باہر نہیں) جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے، تم اُسے ظاہر کرو، یا پوشیدہ رکھو، ہر حال میں اللہ جاننے والا ہے، وہ تم سے ضرور اُس کا حساب لے گا (تم اپنے دلوں کا گناہ دنیا کی نظروں سے چھپا سکتے ہو، لیکن خدا کے محاسبہ سے نہیں بچ سکتے) اور پھر یہ اُسی کے ہاتھ ہے کہ جسے چاہے بخش دے، جسے چاہے عذاب دے۔ وہ ہر بات پر قادر ہے!

سورت کا اختتام اور دینِ حق کے اعتقاد و عمل کا خلاصہ۔ سورت کی ابتدا بھی اسی سے ہوئی تھی، اور اختتام بھی اسی پر ہوتا ہے۔

۲۸۵ اللہ کا رسول اُس (کلام) پر ایمان رکھتا ہے جو اُس کے پروردگار کی طرف سے اُس پر نازل ہوا ہے، اور جو لوگ (دعوتِ حق پر) ایمان لائے ہیں، وہ بھی اُس پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ سب اللہ پر، اُس کے فرشتوں پر، اُس کی کتابوں پر، اُس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں۔ (اُنکے ایمان کا دستور العمل یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں) ہم اللہ کے رسولوں میں سے کسی کو دوسرے سے جدا نہیں کرتے (کہ اُسے مانیں، دوسروں کو نہ مانیں۔ یا سب کو مانیں مگر کسی ایک سے انکار کر دیں۔ ہم خدا کے تمام رسولوں کی یکساں طور پر تصدیق کرنے والے ہیں) اور (یہ وہ لوگ ہیں کہ جب اُنہیں داعیِ حق نے پکارا، تو) اُنہوں نے کہا، خدایا، ہم نے تیرا حکم سُنا اور ہم نے تیرے آگے اطاعت کا سر جھکا دیا۔ تیری مغفرت ہمیں نصیب ہو۔ اے پروردگار! ہم سب کو تیری ہی طرف (بالآخر) لوٹنا (اور تیرے حضور حاضر ہونا) ہے!

۲۸۶ اللہ کسی جان پر اُس کی طاقت سے زیادہ ذمہ داری نہیں ڈالتا۔ ہر جان کے لئے وہی ہے جیسی کچھ اُس کی کمائی ہو۔ جو کچھ اُسے پانا ہے، وہ بھی اُس کی کمائی سے ہے، اور جس کے لئے اُسے جوابدہ ہونا ہے، وہ بھی اُس کی کمائی ہے (پس ایمان والوں کی صدائے حال یہ ہوتی ہے کہ) خدایا! اگر ہم سے (دینی عمل میں) بھول چوک ہو جائے، تو اس کے لئے مواخذہ نہ کیجیو اور ہمیں بخش دیجیو! خدایا! ہم پر وہ بھی بندشوں اور گرفتاریوں کا بوجھ نہ ڈالیو جیسا اُن لوگوں پر ڈالا تھا جو ہم سے پہلے گزر چکے ہیں! اے پروردگار! ایسا بوجھ ہم سے نہ اُٹھوائیو جس کے اُٹھانے کی ہم (ناتوانوں) میں سکت نہ ہو! خدایا! ہم سے درگزر کر! بخش دے! ہم پر رحم کر! خدایا! تو ہی ہمارا مالک آقا ہے۔ پس اُن (ظالموں) کے مقابلے میں جن کا گروہ کفر کا گروہ ہے، ہماری مدد فرما!

آل عمران

مدنیۃ وھی مائتا آیۃ

آل عمران - مدنی - دو سو آیتیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱-۲ الٓمّٓ ۝ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۝ نَزَّلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ
۳ یَدَیْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ ۝ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ
۴ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ۝ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَخْفٰى عَلَیْهِ شَیْءٌ

الف۔ لام۔ میم۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ کوئی نہیں مگر اُسی کی ایک ذات الحی (یعنے زندہ کہ اسکے لئے زوال و فنا نہیں) القیوم (کہ کائنات ہستی کی ہر چیز اُس سے قائم ہے۔ وہ اپنے قیام کے لئے کسی کا محتاج نہیں) اُسی نے تم پر سچائی کے ساتھ الکتاب نازل کی (یعنے قرآن نازل کیا) اُس سے پہلے جسقدر کتابیں نازل ہو چکی ہیں، اُن سب کی تصدیق کرتی ہوئی آئی ہے (اُن سے الگ نہیں ہے اور نہ انھیں جھٹلانے والی ہے) اور اسی (حی و قیوم ذات) نے اس سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لئے تورات اور انجیل نازل کی تھی نیز اُس نے الفرقان (یعنے نیک و بد اور حق و باطل میں امتیاز کرنے والی قوت) بھی نازل فرمائی۔

۳ جو لوگ اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے ہیں (اور حق کو چھوڑ کر باطل کا ساتھ دیتے ہیں) تو یاد رکھیں انھیں (پاداش عمل میں) سخت عذاب ملنے والا ہے، اور اللہ سب پر غالب اور (مجرموں کو) سزا دینے والا ہے۔

۴ بلاشبہ اللہ کے علم سے کوئی بات پوشیدہ نہیں۔ خواہ زمین میں ہو خواہ آسمان میں۔ یہ اُسی کی کارفرمائی ہے کہ جس طرح چاہتا ہے ماں کے شکم میں تمھاری صورت (کا ڈیل ڈول اور ناک نقشہ) بنا دیتا ہے (اور قبل اسکے کہ دنیا میں قدم رکھو، تمھاری حالت و ضرورت کے مطابق تمھیں ایک موزوں صورت عطا کر دیتا ہے۔

۱ اللہ الحی ہے۔ یعنے زندہ ہے، اُس کے لئے فنا و زوال نہیں۔ القیوم ہے۔ یعنے ہر چیز اُس سے قائم ہے۔ وہ اپنے قیام کے لئے کسی کا محتاج نہیں۔ اُسکے حی و قیوم ہونے کا مقتضے یہی تھا کہ انسان کی زندگی و قیام کی تمام احتیاجات مہیا کرے۔ احتیاجات دو طرح کی ہیں جسمانی اور روحانی۔ اُس نے جس طرح جسمانی کا انتظام کیا اسی طرح دوسری طرح کی بھی ضرورتیں [illegible] روحانی احتیاج کے لئے انسان کو دو چیزیں دی گئیں۔ الکتاب اور الفرقان۔ الکتاب خدا کی وحی ہے جو ہدایت و سعادت کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ الفرقان جوہر عقل ہے جو [illegible] اور قبول کرتا ہے۔ پہلی چیز خارج سے، دوسری خود انسان کی استعداد ہے۔ یہی ہدایت کی قوت [illegible] [illegible] ہیں بہت سے لوگ کفر و سرکشی کے ساتھ الکتاب کا مقابلہ کرتے ہیں اور الفرقان یعنے جوہر عقل و تمیز سے کام نہیں لیتے، تو انکے لئے دنیا میں نامرادی ہوئی ہے اور آخرت میں عذاب!

۲ جس حی و قیوم کی کارفرمائیوں کا یہ حال ہے کہ انسان کی پیدائش سے پہلے اُس کی مناسب موزوں صورت دیدیتا ہے، کیا ضروری نہیں کہ پیدائش کے بعد اُس کی روحانی فلاح و سعادت کی بھی صورت آرائی کر دیتا؟

مِّثْلَيْهِمْ رَأْيَ الْعَيْنِ ۚ وَاللَّهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهِ مَن يَشَاءُ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ ۝ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۗ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَاللَّهُ عِندَهُ حُسْنُ الْمَآبِ ۝ قُلْ أَؤُنَبِّئُكُم بِخَيْرٍ مِّن ذَٰلِكُمْ ۚ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا عِندَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَأَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ۝ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا إِنَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ الصَّابِرِينَ وَالصَّادِقِينَ وَالْقَانِتِينَ وَالْمُنفِقِينَ وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ ۝

دیکھ رہے تھے کہ ان سے دوچند ہیں (باایں ہمہ منکرین حق کو شکست ہوئی) اور اللہ جس کسی کو چاہتا ہے، اپنی نصرت سے مددگاری پہنچاتا ہے۔ بلاشبہ اُن لوگوں کے لئے جو چشم بینا رکھتے ہیں اس معاملہ میں بڑی ہی عبرت ہے!

انسان کے لئے مرد و عورت کے رشتہ میں، اولاد میں، چاندی سونے کے ذخیروں میں، اچھے گھوڑوں میں، مویشی میں اور کھیتی باڑی میں وابستگی و خوشنمائی رکھ دی گئی ہے۔ (یعنی خدا نے انسان کی طبیعت اور اُس کی حالت ایسی بنائی ہے کہ زندگی کی خوشحالی و زینت میں اس کا دل اٹکا ہوا ہے) اس لئے قدرتی طور پر تمہیں بھی ان چیزوں کی خواہش ہوگی، لیکن یہ جو کچھ ہے، دنیوی زندگی کا فائدہ اٹھانا ہے، اور بہتر ٹھکانا تو اللہ ہی کے پاس ہے!

> پیروان دعوت حق کو [illegible] دنیوی بے سر و سامانی سے دل برداشتہ نہ ہونا [illegible] اہل ایمان [illegible] اگر یہ حاصل ہو تو دنیوی سر و سامان [illegible] حقیقت کی طرف اشارہ [illegible] انسان کے لئے وابستگی و خوشنمائی [illegible] زندگی کے [illegible] اللہ کی مرضی [illegible]
> متقی انسانوں کے خصائل اور ان کے ایمان و عمل کی تصویر۔

(اے پیغمبر!) ان سے کہہ دو، میں تمہیں بتلاؤں، زندگی کے ان فوائد سے بھی بہتر تمہارے لئے کیا ہے؟ جو لوگ متقی ہیں اُن کے لئے اُن کے پروردگار کے پاس (نعیم ابدی کے) باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں (اس لئے کبھی خشک ہونے والے نہیں) وہ ہمیشہ ان باغوں میں رہیں گے۔ پاک بیویاں اُن کے ساتھ ہوں گی اور (سب سے بڑھ کر یہ کہ) اللہ کی خوشنودی انہیں حاصل ہوگی۔ اور (یاد رکھو) اللہ اپنے بندوں کا حال دیکھ رہا ہے۔

(یہ متقی انسان وہ ہیں) جو کہتے ہیں: خدایا! ہم تجھ پر ایمان لائے، پس ہمارے گناہ بخش دیجیو اور عذاب جہنم سے ہمیں بچا لیجیو!

(شدت و مصیبت میں) صبر کرنے والے، (قول و عمل میں) راست باز، خشوع و خضوع میں پکے، نیکی کی راہ میں خرچ کرنے والے، اور رات کی آخری گھڑیوں میں (جب تمام دنیا خواب سحر کے مزے لوٹتی ہے) اللہ کے حضور کھڑے ہونے والے اور اُس کی مغفرت کے طلب گار!

اللہ نے اس بات کی شہادت آشکارا کر دی کہ کوئی معبود نہیں ہے، مگر صرف اسی کی ذات یگانہ

> دین الٰہی کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے قانون کی اطاعت کی جائے [illegible] اس کا [illegible] جو کچھ [illegible] حاصل [illegible] شہادت پر غور و تدبر کیا جائے۔

۲۰ إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ
۲۱-۲۲ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ۝ أَلَمْ تَرَ إِلَى
الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَىٰ كِتَابِ اللَّهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ وَهُم مُّعْرِضُونَ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ
۲۳ قَالُوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ ۖ وَغَرَّهُمْ فِي دِينِهِم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝ فَكَيْفَ إِذَا جَمَعْنَاهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ
فِيهِ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ

(اپنا کام کر چکے) تمہارے ذمے جو کچھ ہے وہ پیامِ حق پہنچا دینا ہے، اور اللہ اپنے بندوں کے حال سے غافل نہیں وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے!

۲۰ جو لوگ اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے ہیں اور اسکے نبیوں کے ناحق قتل میں بیباک ہیں نیز ان لوگوں کو قتل کرتے ہیں جو حق و عدالت کا حکم دینے والے ہیں تو (ایسے) خوش اعمال لوگوں کے لئے اسکے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ) انھیں عذابِ الیم کی خوشخبری پہنچا دو!

یہودیوں کی قومی گمراہیوں اور بدعملیوں کی طرف اشارہ۔ جس گروہ کی ذہنیت اس درجہ مسخ ہو گئی ہو کہ خود خدا کی آیتوں اور ظلم و فنا کی پرستار ہو، اس سے قبولیتِ حق کی کیا امید ہو سکتی ہے؟ علماء یہود کی یہ گمراہی کہ جس کتاب کو کتابِ الٰہی مانتے تھے اور جس کے علم و عمل کے مدعی تھے، جب اسی کتاب پر عمل کرنے کی دعوت دی گئی، تو صاف انکار کر گئے۔ کیونکہ اسکے احکام پر عمل کرنا ان کی نفسانی خواہشوں اور مطلب براریوں کے خلاف تھا۔

۲۱ یہی لوگ ہیں جن کا سارا کیا دھرا، دنیا اور آخرت دونوں میں اکارت گیا، اور کوئی نہیں جو ان کا مددگار ہوگا

۲۲ (اے پیغمبر!) کیا تم نے ان لوگوں کی حالت نہیں دیکھی جنھیں کتاب اللہ کے علم میں سے کچھ حصہ ملا ہے (یعنی یہودیوں کے علماء کی جو شب و روز تورات کی تلاوت کرتے رہتے ہیں) انھیں خدا کی کتاب کی طرف دعوت دی گئی کہ ان کے درمیان فیصلہ کر دے۔ پھر ان میں سے ایک گروہ اس سے صاف روگرداں ہے، اور اصل یہ ہے کہ کتاب اللہ کی طرف سے ان سب کے رخ ہی پھرے ہوئے ہیں!

۲۳ اور ان کی یہ حالت اس لئے ہوئی کہ انھوں نے کہا، دوزخ کی آگ ہمیں کبھی نہیں چھوئے گی۔ اور اگر چھوئے گی بھی تو گنتی کے چند دنوں کے لئے (یعنے ہم نجات یافتہ امت ہیں۔ اگر ہم میں سے کوئی آدمی جہنم میں ڈالا بھی جائے گا، تو اس لئے نہیں کہ عذاب میں پڑا رہے، بلکہ اس لئے کہ گناہ کے میل کچیل سے پاک و صاف ہو کر پھر جنت میں جا داخل ہو) تو یہ جو وہ خدا پر افترا پردازی کرتے رہتے ہیں اس نے انھیں دین کے بارے میں مبتلائے فریب کر دیا ہے!

یہ صورتِ حال اس لئے ہوئی کہ مذہبی گروہ بندی کے غرور نے ان میں یہ زعمِ فاسد پیدا کر دیا کہ ہم نجات یافتہ امت ہیں۔ ہمارے اعمال کیسے ہی کیوں نہ ہوں لیکن ہم جہنم میں نہیں ڈالے جا سکتے۔ حالانکہ خدا کا قانونِ نجات تو یہ نہیں ہے کہ کون کس گروہ بندی میں سے ہے اور کس سے نہیں ہے، وہ تو صرف یہ دیکھے گا کہ عمل کیسے ہیں۔ اور جس کا جیسا عمل ہوگا ویسا ہی نتیجہ پائے گا۔

۲۴ لیکن اس وقت ان کا حال کیا ہوگا جب قیامت کے دن جسکے آنے میں کوئی شبہ نہیں ہم انھیں اپنے حضور جمع کریں گے، اور ہر جان نے (اپنے عمل سے) جیسا کچھ کمایا ہے، اسی کے مطابق اسے پورا پورا بدلہ مل جائے گا

۲۵	مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ
۲۶	مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ تُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ
۲۷	وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِينَ أَوْلِيَاءَ
	مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقٰىةً وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهُ وَإِلَى اللّٰهِ الْمَصِيرُ ۝

اور کسی کے ساتھ ناانصافی نہ ہوگی؟ (یعنے اگر دنیا میں انھوں نے اپنے آپ کو مبتلائے فریب رکھا ہو تو کریں قیامت کے دن دیکھ لیں گے کہ نجات کا تمام تر دارومدار عمل پر ہے۔ نہ کہ گروہ بندی اور نسل و خاندان پر!)

۲۵ (اے پیغمبر!) تم اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دو، اور) کہو "خدایا! شاہی و جہانداری کے مالک! تو جسے چاہے ملک بخش دے، جس سے چاہے ملک لے لے۔ جسے چاہے عزت دیدے، جسے چاہے ذلیل کردے! تیرے ہی ہاتھ میں ہر طرح کی بھلائی کا سر رشتہ ہے، اور تیری قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں!

> بہرحال اب وقت آگیا ہے کہ دنیا ہی میں حق و باطل کا فیصلہ ہو جائے۔ جسے اٹھانا ہے، وہ اٹھ کھڑا ہو۔ جسے گرانا ہے، وہ گرا دیا جائے!

۲۶ ہاں، تو ہی ہے کہ رات کو دن میں لے آتا ہے، اور دن کو رات میں۔ جاندار کو بے جان سے نکالتا ہے اور بے جان کو جاندار سے۔ اور جسے چاہتا ہے (اپنے خزانۂ کرم سے) بے حساب بخش دیتا ہے!"

۲۷ جو لوگ ایمان والے ہیں انھیں ایسا نہیں کرنا چاہیے کہ مومنوں کو چھوڑ کر منکرینِ حق کو اپنا رفیق و مددگار بنائیں۔ اور جس کسی نے ایسا کیا، تو وہ یاد رکھے، اس کا اللہ کے ساتھ کوئی سروکار نہیں!۔ ہاں، اگر کوئی ایسی صورت پیش آجائے کہ تم اُنکے شر سے بچنے کے لئے اپنا بچاؤ کرنا چاہو اور کر لو، (تو ایسا کر سکتے ہو) اور دیکھو (انسان کے شر سے ڈرتے ہوئے حقیقت نہ بھولو کہ) خدا تمھیں اپنے (مواخذہ) سے ڈراتا ہے، اور آخرکار (تم سب کو) اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے!

> چونکہ اب فیصلہ کا وقت آگیا ہے، اس لئے پیروانِ اسلام سے خطاب کیا کہ وہ عمل میں سرگرم ہو جائیں اور کمزوری نہ دکھائیں۔ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اپنے شخصی علائق کو جماعتی علائق پر ترجیح نہ دیں اور دشمنوں کو اپنا مددگار و رفیق نہ بنائیں۔
>
> میدانِ جنگ گرم ہو چکا ہے۔ دوست اور دشمن کی دو صفیں الگ الگ کھڑی ہو گئی ہیں۔ پس ہر شخص کے لئے ضروری ہو گیا کہ اپنے لئے کوئی ایک صف اختیار کر لے اور جسے اختیار کرے اسی کا ہو رہے۔ یہ نہ ہو کہ ایک میں ہو کر دوسرے سے بھی ساز باز رکھے۔

۲۸ (اے پیغمبر!) ان لوگوں سے کہدو، تمھارے دلوں کے اندر جو کچھ ہے، تم اُسے چھپاؤ یا ظاہر کرو، ہر حال میں اللہ اُسے جانتا ہے۔ اور اتنا ہی نہیں بلکہ آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے سب اُس پر روشن ہے۔ اُسکی قدرت کے احاطے سے کوئی چیز باہر نہیں!

(اور دیکھو) اُس آنے والے دن کو نہ بھولو جبکہ ہر انسان دیکھے گا کہ جو کچھ اُس نے (دنیا میں) نیک عملی کی تھی اُس کے سامنے موجود ہے (یعنے اُس کا اجر اُسے مل رہا ہے)، اور جو کچھ برائی کی تھی وہ بھی اُسکے سامنے ہے

قُلْ إِنْ تُخْفُوا مَا فِي صُدُورِكُمْ أَوْ تُبْدُوهُ يَعْلَمْهُ اللَّهُ ۗ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۞ يَوْمَ ۲۸
تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُحْضَرًا وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوءٍ تَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ أَمَدًا بَعِيدًا ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ
نَفْسَهُ ۗ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ۞ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ ۲۹ ع
رَحِيمٌ ۞ قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ ۖ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ۞ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ ۞ ۳۰
ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۞ إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّي ۖ إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۞ ۳۱

انسان دو آرزو کریگا کہ کاش اُس میں اور اس نتیجہ میں ایک عرصۂ دراز حائل ہو جاتا! (کہ یہ دردانگیز نتیجہ اُس کے سامنے نہ آتا!) اور دیکھو، خدا تمھیں اپنے (مواخذہ) سے ڈراتا ہے (تاکہ اُس کی نافرمانی سے بچو) اور (یہ ڈرانا بھی اُس کی شفقت و مہربانی ہی کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ وہ اپنے بندوں کے لئے بڑی ہی مہربانی رکھنے والا ہے!

> جو کوئی اللہ سے محبت رکھنے کا مدعی ہو، تو اسے چاہیے اللہ کے رسول کی پیروی کرے۔ اللہ کی محبت کا دعویٰ، اور اس کی راہ بتلانے والے کی پیروی سے انکار، دونوں ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔ خدا کا قانون یہی ہے کہ ہدایت خلق کے لئے اپنے رسولوں کو مبعوث کرتا ہے۔ جو ان کی پیروی اختیار کرتے ہیں کامیاب ہوتے ہیں، جو انکار و سرکشی سے مقابلہ کرتے ہیں، الٰہی نصرت سے محروم رہتے ہیں۔

۲۹ (اے پیغمبر!) ان لوگوں سے کہدو، اگر تم واقعی اللہ سے محبت رکھتے ہو، تو تمھیں چاہیے کہ میری پیروی کرو۔ اگر تم نے ایسا کیا، تو اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا، اور تمھاری خطائیں بخشدیگا۔ وہ بڑا ہی بخشنے والا، اور رحمت رکھنے والا ہے!

(اے پیغمبر!) تم کہدو (فلاح و سعادت کی راہ تمھارے لئے ایک ہی ہے، اور وہ یہ ہے کہ) اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ پھر اگر یہ لوگ روگردانی کریں تو (اطاعت الٰہی سے روگرداں ہونا شیوۂ کفر ہے) اور اللہ کفر کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا!

> چنانچہ اسی قانون کے ماتحت اللہ کے رسول ہمیشہ مبعوث ہوتے رہے ہیں، اور ہر جگہ ایک ہی حقیقت کا ظہور ہوا۔ پیروی و اطاعت کرنے والے کامیاب ہوئے، مقابلہ کرنے والے نامراد۔ اللہ کے رسولوں میں سے حضرت یحییٰ اور حضرت مسیح (علیہما السلام) کی دعوت سے استشہاد، اور اس سلسلے میں حضرت مریم (علیہا السلام) کی پیدائش کا ذکر۔

۳۰ بلاشبہ (یہ واقعہ ہے کہ) اللہ نے آدم اور نوح کو، اور ابراہیم اور عمران کے گھرانوں کو تمام دنیا میں برگزیدگی عطا فرمائی۔ یہ ایک نسل تھی جس میں سے بعض بعض سے پیدا ہوئے تھے، اور اللہ (دعائیں) سننے والا اور (مصالح عالم کا) جاننے والا ہے!

۳۱ اور دیکھو جب ایسا ہوا تھا کہ عمران کی بیوی نے دعا مانگی تھی: خدایا! میرے شکم میں جو بچہ ہے میں اسے دنیا کے کام دھندوں اور ماں باپ کی خدمت سے آزاد کر کے تیرے (مقدس ہیکل کے) لئے نذر کر دیتی ہوں (یعنے نذر مانتی ہوں کہ اسے ہیکل کی خدمت کے لئے وقف کر دونگی) سو میری طرف سے یہ نیاز قبول کر لے۔ بلاشبہ تو (دعائیں) سننے والا، اور (نیتوں کا حال) جاننے والا ہے!

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنثَىٰ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنثَىٰ وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا
مَرْيَمَ وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَأَنبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا كُلَّمَا ۳۶
دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِندَهَا رِزْقًا قَالَ يَا مَرْيَمُ أَنَّىٰ لَكِ هَٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِندِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ
بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ۝ فَنَادَتْهُ الْمَلَائِكَةُ ۳۷ ۳۸
وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ أَنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيَىٰ مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَسَيِّدًا وَحَصُورًا وَنَبِيًّا مِّنَ
الصَّالِحِينَ ۝ قَالَ رَبِّ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَأَتِي عَاقِرٌ قَالَ كَذَٰلِكَ اللَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ ۳۹-۴۰

پھر جب ایسا ہوا کہ (لڑکے کی جگہ) لڑکی پیدا ہوئی، تو وہ بولی "خدایا! مجھے تو لڑکی ہوئی ہے (اب میں کیا کروں؟)" حالانکہ جو وجود پیدا ہوا تھا، اللہ اُسے بہتر جاننے والا تھا (کہ لڑکی ہونے پر بھی بڑی فضیلت رکھنے والا تھا) لیکن اُس کی ماں نے کہا "میں نے لڑکے کے لئے منت مانی تھی، پیدا ہوئی لڑکی!" اور لڑکا مثل لڑکی کے نہیں ہے (کہ اگر اُس کی جگہ لڑکی پیدا ہوگئی ہو، تو وہ ہیکل کی مجاور ہو سکے) بہرحال جو کچھ بھی ہوا میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے اور میں اسے اور اسکی نسل کو تیری پناہ میں دیتی ہوں کہ شیطان رجیم (کی وسوسہ اندازیوں) سے محفوظ رہے"

حضرت مریم کا طفولیت میں ہیکل کے سپرد ہونا اور حضرت زکریا کی نگرانی میں پرورش پانا، اور سرگرم عبادت رہنا اور خدا پرستانہ توکل!

پس ایسا ہوا کہ مریم کو اُس کے پروردگار نے بڑی ہی اچھی قبولیت کے ساتھ قبول کر لیا اور ایسی نشوونما دی جو بڑی ہی اچھی نشوونما تھی (یعنے اُس کی پرورش بہتر سامانوں اور نیک نگرانیوں میں ہوئی) اور زکریا کو (کہ ہیکل کا مجاور تھا) اُس کا نگران حال بنا دیا۔ ۳۷

جب کبھی ایسا ہوتا کہ زکریا اُس کے پاس محراب میں (یعنے قربانگاہ میں) جاتا (جہاں وہ سرگرم عبادت رہا کرتی تھی) تو اُس کے پاس کچھ نہ کچھ کھانے کی چیزیں موجود پاتا۔ اس پر وہ پوچھتا "اے مریم! یہ چیزیں تجھے کہاں سے مل گئیں؟" وہ کہتی "اللہ سے۔ اللہ جسے چاہتا ہے، بغیر حساب کے رزق دے دیتا ہے!"

حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا اور حضرت یحیٰی کی پیدائش کہ ظہور مسیح کا مقدمہ تھی۔

اسی جگہ کا یہ معاملہ ہے (یعنے قربانگاہ کا) کہ زکریا نے اپنے پروردگار کے حضور دعا مانگی تھی "خدایا! تو اپنے خاص فضل سے مجھے پاک نسل عطا فرما (جو مریم کی طرح نیک اور عبادت گزار ہو) بلاشبہ تو ہی ہے کہ دعائیں سننے والا اور التجائیں قبول کرنے والا ہے" ۳۸

پھر ایسا ہوا کہ فرشتوں نے زکریا کو پکارا، اور وہ محراب میں کھڑا نماز پڑھ رہا تھا۔ "خدا تمھیں یحیٰی کی (یعنے ایک لڑکے کی جو پیدا ہوگا اور اس کا نام یحیٰی رکھا جائے) بشارت دیتا ہے۔ وہ خدا کے حکم سے ایک ہونے والے ظہور کی تصدیق کرنے والا، جماعت کا سردار، پارسا و مرتاض، اور خدا کے صالح بندوں میں سے ایک نبی ہوگا۔" زکریا نے جب یہ سنا تو کہا "خدایا! میرے یہاں لڑکا کیسے ہو سکتا ہے جبکہ میں بڈھا ہو چکا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے؟" حکم الٰہی ہوا "اسی طرح اللہ جو چاہتا ہے، کرتا ہے" (اسکی قدرت سے کوئی بات بعید ۳۹-۴۰

قال رب اجعل لي آية ۖ قال آيتك ألا تكلم الناس ثلاثة أيام إلا رمزا ۗ واذكر ربك كثيرا وسبح بالعشي و
الإبكار ۝ وإذ قالت الملائكة يا مريم إن الله اصطفاك وطهرك واصطفاك على نساء العالمين ۝ يا مريم اقنتي لربك
واسجدي واركعي مع الراكعين ۝ ذلك من أنباء الغيب نوحيه إليك ۚ وما كنت لديهم إذ يلقون أقلامهم أيهم يكفل
مريم وما كنت لديهم إذ يختصمون ۝ إذ قالت الملائكة يا مريم إن الله يبشرك بكلمة منه اسمه المسيح عيسى
ابن مريم وجيها في الدنيا والآخرة ومن المقربين ۝ ويكلم الناس في المهد وكهلا ومن الصالحين ۝ قالت
رب أنى يكون لي ولد ولم يمسسني بشر ۖ قال كذلك الله يخلق ما يشاء ۚ إذا قضى أمرا فإنما يقول له
كن فيكون ۝ ويعلمه الكتاب والحكمة والتوراة والإنجيل ۝ ورسولا إلى بني إسرائيل

نہیں اسپر زکریا نے عرض کیا۔ "خدایا! اس بارے میں میرے لئے کوئی بات بطور نشانی کے ٹھہرا دے" ارشاد ہوا
نشانی یہ ہے کہ تین دن تک بات چیت نہ کرو مگر صرف اشارے سے (یعنے روزہ رکھو جیسا کہ اُس زمانے میں دستور
تھا) اور اپنے پروردگار کا کثرت کے ساتھ ذکر کرو، اور صبح و شام اسکی حمد و ثنا میں مشغول ہو"

حضرت مریم کا ظہور، اور اللہ کی طرف سے برگزیدگی و قبولیت کی بشارت۔
حضرت مریم کی سرپرستی کے لئے بعض لوگوں میں جھگڑا، اور حضرت زکریا علیہ السلام کو [illegible] سرپرستی کا حق ملنا

اور پھر جب ایسا ہوا تھا کہ فرشتوں نے کہا تھا "اے مریم! اللہ نے تجھے اپنی قبولیت کے
لئے چن لیا ہے اور (برائیوں کی آلودگی سے) پاک کر دیا ہے، اور تمام دنیا کی عورتوں پر برگزیدگی عطا فرمائی ہے، اے
مریم! اب تو اپنے پروردگار کی اطاعت و نیاز میں سرگرم ہو جا، اور رکوع و سجود کرنے والوں کے ساتھ تو بھی رکوع و سجود میں مشغول رہ"
(اے پیغمبر!) یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جنکی ہم تم پر وحی کر رہے ہیں۔ ورنہ یہ بات تو ظاہر ہے کہ تم اُس وقت ان لوگوں کے
پاس موجود نہ تھے جب (مریم کی ماں مریم کو لے کر ہیکل میں آئی تھی، اور ہیکل کے مجاور) اپنے اپنے قلم پھینک رہے تھے
(قرعہ ڈال کر فیصلہ کرلیں) کون مریم کا کفیل ہو۔ اور (یقیناً) تم اُس وقت بھی موجود نہ تھے، جب وہ (مریم کی کفالت
کے لئے) آپس میں جھگڑ رہے تھے!

حضرت مریم کو حضرت مسیح (علیہ السلام) کی پیدائش کی بشارت۔

اور (پھر) جب ایسا ہوا کہ فرشتوں نے کہا "اے مریم! اللہ
تجھے اپنے کلام کے ذریعہ (ایک لڑکے کی) بشارت دیتا ہے۔ اُس کا نام مسیح عیسیٰ ہوگا، اور مریم کا بیٹا کہلائیگا
وہ دنیا و آخرت، دونوں میں ارجمند ہوگا، اور بچپنے میں اور بڑی عمر میں، یکساں طور پر، (وعظ و ہدایت کا)
کلام کرے گا، نیز اللہ کے حضور مقرب اور اسکے بندوں میں سے ایک صالح انسان ہوگا"
مریم (نے یہ بشارت سنی تو متعجب ہو کر) بولی "خدایا! یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میرے لڑکا ہو، حالانکہ کسی
مرد نے مجھے چھوا تک نہیں؟" ارشاد الٰہی ہوا "اسی طرح اللہ جو کچھ چاہتا ہے، پیدا کر دیتا ہے۔ وہ جب کسی
کام کا فیصلہ کر لیتا ہے، تو حکم دیتا ہے کہ ہو جا، اور پھر جیسا کچھ اُسنے چاہا تھا، ویسا ہی ظہور میں آجاتا ہے!"
"اور (اے مریم!) اللہ اُس (ہونے والے لڑکے) کو کتاب اور حکمت کا علم عطا فرمائے گا۔ نیز تورات
اور انجیل کا۔ اور اُسے بنی اسرائیل کی طرف بحیثیت رسول کے بھیجیگا"

أَنِّي قَدْ جِئْتُكُم بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ أَنِّي أَخْلُقُ لَكُم مِّنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِي الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَأُنَبِّئُكُم بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝ ۴۳ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَلِأُحِلَّ لَكُم بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ ۚ وَجِئْتُكُم بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ۝ إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۗ هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ۝ ۴۵ فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَىٰ مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ أَنصَارِي إِلَى اللَّهِ ۖ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنصَارُ اللَّهِ آمَنَّا بِاللَّهِ وَاشْهَدْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ۝ ۴۶ رَبَّنَا آمَنَّا بِمَا أَنزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُولَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ۝

> حضرت مسیح (علیہ السلام) کا ظہور اور اُن کی منادی

"(اُس کی منادی یہ ہوگی کہ) دیکھو، میں تمھارے پروردگار کی نشانی لے کر تمھارے پاس آیا ہوں۔ میں تمھارے لئے مٹی سے ایسی چیز بنا دوں جو پرند کی سی صورت رکھتی ہو۔ پھر اُس میں پھونک مار دوں اور وہ اللہ کے حکم سے پرند ہو جائے۔ اور اللہ کے حکم سے اندھوں اور کوڑھیوں کو چنگا کر دوں اور مُردوں کو زندہ، اور جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو کچھ اپنے گھروں میں ذخیرہ کر کے جمع کرتے ہو، سب تمھیں بتلا دوں۔ اگر تم واقعی اللہ پر ایمان رکھنے والے ہو تو یقیناً ان باتوں میں تمھارے لئے بڑی ہی نشانی ہوگی!"

۴۳

> تمام رسولوں کی طرح حضرت مسیح (علیہ السلام) بھی ایسی کوئی نئی بات لے کر نہیں آئے تھے بلکہ اُس ہدایت کی تصدیق کرنے والے تھے جو ان سے پہلے آچکی تھی

"اور دیکھو، میں اس لئے آیا ہوں کہ تورات کی جو تعلیم میرے سامنے موجود ہے، اُس کی تصدیق کروں اور بعض چیزیں جو تم پر حرام ہوگئی ہیں، اُنھیں تمھارے لئے حلال کر دوں (تاکہ شریعت کی سختیوں کی جگہ اُس کی آسانیوں کی راہ تم پر کھل جائے) اور دیکھو، میں تمھارے پروردگار کی نشانی لے کر تمھارے پاس آیا ہوں (جس کی نوشتوں میں خبر دی جاچکی ہے)، تو اللہ سے ڈرو، اور میری اطاعت کرو!"

"دیکھو، اللہ میرا اور تمھارا سب کا پروردگار ہے۔ پس اُس کی بندگی کرو۔ یہی دین کا سیدھا راستہ ہے!"

(چنانچہ اس بشارت کے مطابق مسیح کا ظہور ہوا، اور اُنھوں نے بنی اسرائیل کی آبادیوں میں منادی شروع کر دی)

۴۵

> یہودیوں کے سرداروں اور پیشواؤں کا حضرت مسیح کی مخالفت میں سرگرم ہو جانا، اور صرف حواریوں کا ایمان لانا جو چند گنتی کے بے مقدور و نادار لوگ تھے

پھر جب ایسا ہوا کہ عیسیٰ نے بنی اسرائیل میں (اپنی دعوت کے خلاف) کفر محسوس کیا، تو وہ پکار اُٹھا "کون ہے جو اللہ کی راہ میں میرا مددگار ہوتا ہے؟" اس پر حواریوں نے (یعنی چند راست باز انسانوں نے جو مسیح پر ایمان لائے تھے) اُس کی دعوت قبول کرتے ہوئے جواب دیا "ہم اللہ کے (کلمۂ حق کے) مددگار ہیں۔ ہم اُس پر ایمان لاتے ہیں اور (اے داعیٔ حق) تو گواہ رہیو کہ اُس کی فرمانبرداری میں ہمارا سر جھک گیا ہے!

۴۶

(نیز اُنھوں نے کہا) "خدایا! جو کچھ تو نے نازل کیا ہے، اُس پر ہمارا ایمان ہے، اور ہم نے تیرے رسول کی پیروی کی۔ پس ہمارا شمار بھی اُن لوگوں میں ہو جو (حق کی) شہادت دینے والے ہیں!"

وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللَّهُ ۖ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ ۝ إِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَىٰ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۖ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۝ فَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَأُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ۝ وَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ۝ ذَٰلِكَ نَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ الْآيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيمِ ۝ إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ۝

یہودیوں کی حضرت مسیح کے خلاف مخفی اور پیچ پیچ سازش مگر اللہ کا انھیں ناکام کرنا اور حضرت مسیح کو اپنی حفاظت میں لے لینا۔

حضرت مسیح کی نسبت خدا کا وعدہ کہ:

(۱) میں تیرا وقت پورا کروں گا، اور تجھے اپنی طرف اٹھا لوں گا۔

(۲) تیرے منکروں نے تیرے خلاف جو افترا پردازیاں کی ہیں ان سے تیری پاکی آشکارا کروں گا۔

(۳) جو لوگ تیرے ماننے والے ہیں انھیں تیرے منکروں پر قیامت تک برتر رکھوں گا۔

اور پھر ایسا ہوا کہ یہودیوں نے (مسیح کے خلاف) مکر کیا (یعنے مخفی اور باریک طریقے مخالفت کے کام میں لائے) اور خدا بھی ویسے ہی طریقے کام میں لایا (یعنے مسیح کی حفاظت کے پوشیدہ اسباب و ذرائع پیدا کر دیے) اور یاد رکھو (اللہ جسے بچانا چاہے تو) مخفی طریقوں کے کام میں لانے والوں میں اُس سے بہتر کوئی نہیں!

اور پھر جب ایسا ہوا تھا کہ اللہ نے فرمایا تھا "اے عیسی! میں تیرا وقت پورا کروں گا، تجھے اپنی طرف اُٹھاؤں گا، تیرے منکروں (کی تہمتوں) سے تجھے پاک کردوں گا، اور جن لوگوں نے تیری پیروی کی ہے انھیں قیامت تک تیرے منکروں پر برتری دوں گا۔ اور بالآخر سب (قیامت کے دن) میری ہی طرف لوٹنا ہے سو اُس دن ان باتوں کا فیصلہ کر دوں گا جن میں لوگ ایک دوسرے سے اختلاف کرتے رہے ہیں!

"پھر جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے، تو انھیں دنیا و آخرت، دونوں جگہ سخت عذاب ملے گا اور (عذاب الٰہی سے بچانے میں) کوئی بھی ان کا مددگار نہ ہوگا۔ اور جو لوگ ایمان لائے ہیں اور اُن کے عمل بھی نیک ہیں، تو ان کا اجر انھیں پورا پورا ملجائے گا، اور (یاد رکھو) خدا کے کاموں میں بے انصافی نہیں ہوسکتی) وہ ظلم کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا"!

عیسائیوں کی اس گمراہی کا ازالہ کہ حضرت مسیح کی الوہیت کا اعتقاد باطل پیدا کر لیا تھا۔ اللہ کے نزدیک بنی آدم کی طرح وہ بھی ایک انسان تھے اور خدا نے انھیں اپنی [illegible] تھا۔

مسئلہ حقیقت کی طرف اشارہ کہ اگرچہ مسیح کی پیدائش [illegible] اعتقاد [illegible] قرآن کی [illegible] ہو کر [illegible] اعتقاد حقیقت کے خلاف [illegible]۔

عیسائیوں کو مباہلہ کی دعوت کہ اگر انھیں الوہیت مسیح کے اعتقاد پر یقین ہو تو [illegible] اسلام کے مقابلہ میں [illegible] اور دونوں فریق خدا سے دعا کریں [illegible] کی لعنت ہو!

(اے پیغمبر!) یہ اللہ کی آیتیں اور حکمت سے بھرے ہوئے ذکر ہیں جو ہم تمھیں سنا رہے ہیں۔

اللہ کے نزدیک تو عیسی کی مثال ایسی ہے جیسے آدم کی مثال۔ اسے مٹی سے پیدا کیا، پھر اس کی پیدائش کے لیے حکم فرمایا کہ ہو جا، اور (جیسی کچھ مشیت الٰہی تھی اسی کے مطابق) ہوگیا!

۵۴-۵۳ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُن مِّنَ الْمُمْتَرِينَ ۝ فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِن بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا
نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ
۵۶-۵۵ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا اللَّهُ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ
ع ۵۷ ۱۲ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ ۝ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ

چنانچہ نجران سے عیسائی پیشواؤں کی جو جماعت مدینہ آئی تھی، پیغمبر اسلام نے انھیں مباہلہ کی دعوت دی، مگر انھیں مقابلہ کی جرأت نہ ہوئی اور اطاعت کا اقرار کر کے واپس چلے گئے۔

۵۳ (اے پیغمبر! مسیح کے انسان ہونے کی نسبت جو کچھ کہا گیا ہے، تو) یہ تمھارے پروردگار کی طرف سے امر حق ہے (اور جو بات خدا کی طرف سے حق ہو، وہ اٹل اور اٹل حقیقت ہے۔ کبھی مٹنے والی نہیں۔ پس عیسائیوں کے عالمگیر اعتقاد باطل کے مقابلہ میں اس سچے کی کامیابی کتنی ہی تعجب انگیز دکھائی دیتی ہو، لیکن بالآخر کامیابی اسی کے لیے ہے) تو دیکھو، ایسا نہ ہو کہ شک شبہ کرنے والوں میں سے ہو جاؤ!

۵۴ پھر جو کوئی تم سے اس بارے میں جھگڑا کرے، حالانکہ علم و یقین تمھارے سامنے آچکا ہے، تو تم اس سے کہو (میرے پاس مسیح کے انسان ہونے کے لیے علم و یقین موجود ہے۔ اگر تم بھی اس کی الوہیت کے لیے ویسا ہی علم و یقین رکھتے ہو، تو) آؤ، (یوں فیصلہ کر لیں کہ) ہم دونوں فریق (میدان میں نکلیں اور) اپنے اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بلائیں اور خود بھی شریک ہوں۔ پھر عجز و نیاز کے ساتھ خدا کے حضور التجا کریں کہ (ہم دونوں میں سے جس کا دعویٰ جھوٹا ہو، تو) جھوٹوں پر خدا کی پھٹکار ہو!

۵۵ (اے پیغمبر!) یہ جو کچھ بیان کیا گیا، بلاشبہ بیان حق ہے، اور کوئی معبود نہیں ہے، مگر صرف اللہ کی ذات یگانہ، اور یقیناً اسی کی ذات ہے جو سب پر غالب اور اپنے تمام کاموں میں حکمت رکھنے والی ہے!

۵۶ پھر اگر یہ لوگ (فیصلہ کا یہ طریقہ) قبول نہ کریں (اور مباہلہ سے گریز کر جائیں) تو اللہ مفسدوں کا حال خوب جانتا ہے (ان لوگوں کے دلوں کا کھوٹ اس کی نظر سے پوشیدہ نہیں!)

۵۷ (اے پیغمبر!) تم (یہود اور نصاریٰ سے) کہہ دو کہ اے اہل کتاب! (اختلاف و نزاع کی ساری باتیں چھوڑ دو) اس بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمھارے، دونوں کے یہاں یکساں طور پر مسلّم ہے۔ یعنی اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ کسی ہستی کو اس کا

مباہلہ کی دعوت کے بعد ترک نزاع اور اتمام حجت کی دوسری دعوت:
اگر تمھاری مخالفت محض تعصب و نفسانیت کی وجہ سے نہیں ہے، اور دین حق کی کچھ بھی طلب باقی ہے، تو آؤ، اختلاف و نزاع کی ساری باتیں چھوڑ دیں اور توحید و خداپرستی کی ان بنیادی مسلمات پر متفق ہو جائیں جو خود تمھارے یہاں بھی مسلّم ہیں گو عملاً فراموش کر دی گئی ہوں یعنی:
(۱) خدا کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔
(۲) جو کچھ مانگنا ہے اس میں کسی دوسری ہستی کو شریک نہ کیا جائے۔
(۳) کوئی انسان دوسرے انسان کو اپنے لیے ایسا مقدس اور معصوم نہ بنا لے کہ گویا

شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ ۚ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ۝ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تُحَاجُّونَ فِي إِبْرَاهِيمَ وَمَا أُنزِلَتِ التَّوْرَاةُ وَالْإِنجِيلُ إِلَّا مِن بَعْدِهِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ هَا أَنتُمْ هَٰؤُلَاءِ حَاجَجْتُمْ فِيمَا لَكُم بِهِ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاجُّونَ فِيمَا لَيْسَ لَكُم بِهِ عِلْمٌ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝ مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَٰكِن كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ

۵۸-۵۹ ۶۰ ۶۱

شریک ٹھرائیں، ہم میں سے ایک انسان دوسرے انسان کے ساتھ ایسا برتاؤ نہ کرے گویا خدا کو چھوڑ کر اسے اپنا پروردگار بنا لیا ہے۔ پھر اگر یہ لوگ (اس بات سے) رو گردانی کریں، تو تم کہہ دو، گواہ رہنا کہ (انکار تمہاری طرف سے ہے، اور) ہم خدا کے ماننے والے ہیں۔

۵۸ اے اہل کتاب! تم ابراہیم کے بارے میں کیوں حجت کرتے ہو (کہ انکا طریقہ یہودیت کا طریقہ تھا یا نصرانیت کا طریقہ تھا) حالانکہ تورات اور انجیل (جن کے نام پر یہ گروہ بندیاں کی گئی ہیں) نازل نہیں ہوئی ہیں مگر انکے بہت بعد (پس ظاہر ہے کہ جس گروہ بندی کا اس وقت وجود ہی نہ تھا، وہ کیونکر اس کا پیرو ہو سکتا ہے؟) کیا (اتنی موٹی سی بات بھی) تم نہیں سمجھ سکتے؟

۵۹ دیکھو، تم وہ لوگ ہو کہ تم نے ان باتوں میں نزاع کی جن کے لئے (کچھ نہ کچھ) تمہارے پاس علم موجود تھا (مثلاً بعض اشیا کی حلت و حرمت کی نسبت کہ تمہارا خیال کتنا ہی غلط ہو تاہم انکے لئے مذہبی روایتوں کی سند ڈھونڈنے کی کوشش کرتے تھے) تو اب اس بارے میں کیوں نزاع کرتے ہو جس کے لئے تمہارے پاس کوئی علم نہیں؟ اور اللہ (سب کچھ) جانتا ہے مگر تم کچھ نہیں جانتے۔

۶۰ (کچھ نہیں، یہ سب جہل و تعصب کی باتیں ہیں) ابراہیم نہ تو یہودی تھا، اور نہ نصرانی، (اور نہ کسی دوسری مذہبی جتھا بندی کا پیرو) بلکہ (اپنے عہد کی تمام گمراہیوں سے) ہٹا ہوا، خدا کا فرمانبردار بندہ! اور یقیناً اس کی راہ شرک کرنے والوں کی راہ نہ تھی۔

۶۱ فی الحقیقت ابراہیم سے نزدیک تر لوگ تو وہ تھے جو اس کے قدم بقدم چلے، نیز اللہ کا یہ نبی ہے اور وہ لوگ جو اس نبی پر ایمان لائے ہیں (نہ کہ وہ لوگ جنہوں نے دین الٰہی کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے یہودیت اور نصرانیت

لئے خدا بنا لیا ہو۔

توحید و خدا پرستی کا یہی طریقہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کا طریقہ تھا۔ یہودیت اور نصرانیت کی گروہ بندیاں اور انکے عقائد و رسوم سب بعد کی پیداوار ہیں اور دین ابراہیمی سے انحراف کا نتیجہ ہیں۔ اگر یہود و نصاریٰ اس بارے میں حجت کرتے ہیں اور کہتے ہیں حضرت ابراہیم کا طریقہ یہودیت یا نصرانیت کا طریقہ تھا، تو جہل و تعصب کی انتہا ہو گئی، کیونکہ یہ بات تو کسی حجت و دلیل کی محتاج نہیں کہ حضرت ابراہیم کے زمانہ میں ان گروہ بندیوں کا وجود ہی نہ تھا، اور نہ ہو سکتا تھا۔ یہ گروہ بندیاں حضرت موسیٰ اور حضرت مسیح (علیہما السلام) کے نام پر کی گئی ہیں، اور یہ دونوں حضرت ابراہیم کے سیکڑوں برس بعد ہوئے

۶۸ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ اٰمَنُوا ۗ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ ۝ وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّونَكُمْ ۗ
۶۹-۷۰ وَمَا يُضِلُّونَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ۝ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُونَ ۝ يٰٓاَهْلَ
۷۱ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُونَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوا
۷۲ ع ۱۵ بِالَّذِيٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِينَ اٰمَنُوا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝ وَلَا تُؤْمِنُوٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ
دِيْنَكُمْ ۗ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۗ قُلْ

کی گروہ بندیاں کر لی ہیں، اور توحید و خدا پرستی کی راہ سے منحرف ہو گئے ہیں) اور یاد رکھو، اللہ انہی کا مددگار ہے جو (سچا) ایمان رکھنے والے ہیں!

۶۹ (اے پیروانِ دعوتِ حق!) اہلِ کتاب میں ایک گروہ ہے جو اس بات کا آرزو مند ہے کہ کسی طرح تمہیں راہِ حق سے بھٹکا دے (اور دینِ ابراہیمی کی پیروی میں تمہارے قدم استوار نہ رہیں) لیکن یاد رکھو، وہ (تمہیں گمراہ کرنے کی سازشیں کر کے) تمہیں نہیں خود اپنے ہی کو گمراہی میں ڈالے ہوئے ہیں۔ اگرچہ (شدتِ جہل و نفسانیت سے) اس کا شعور نہیں رکھتے!

۷۰ اے اہلِ کتاب! یہ کیا ہے کہ تم اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے ہو، حالانکہ (حقیقتِ حال سے بے خبر نہیں ہو اور) اس کی نشانیاں تمہارے سامنے ہیں!

> اہلِ کتاب کی مذہبی زندگی کی شقاوتوں کی طرف اشارہ کہ خدا کی آیتوں سے انکار اور حق و باطل میں التباس اور سچائی کا کتمان ان کا عام شیوہ ہو۔
> اہلِ کتاب کی بنیادی گمراہی کہ انہوں نے دینِ حق کو صرف اپنی نسل و گروہ کی وراثت سمجھ رکھا ہو اور سمجھتے ہیں یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ کوئی شخص اپنے گروہ میں داخل ہوئے بغیر دینِ صداقت رکھتا ہو یا کسی فرد و قوم کو ہم سے بہتر دینِ صداقت کی کوئی بات مل جائے جو کچھ ہمارے حصے میں نہیں آیا، اور اسی لیے نوعِ انسانی کی وحدت پر ضرب لگ گئی!

۷۱ اے اہلِ کتاب! کیوں حق کو باطل کے ساتھ ملا جلا کر مشتبہ کر دیتے ہو، اور حق کو چھپاتے ہو، حالانکہ تم جانتے ہو (کہ اصلیت کیا ہے)

۷۲ اور (دیکھو) اہلِ کتاب میں ایک گروہ ہے جو کہتا ہے (مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے) ایسا کرو، کہ صبح اُن کی کتاب پر ایمان لے آؤ، شام کو انکار کر دو۔ اس طرح عجب نہیں، وہ (لوگوں کو اسلام سے پھرتے ہوئے دیکھ کر خود بھی) پھر جائیں۔

۷۳ اور (وہ آپس میں کہتے ہیں) دیکھو اُن لوگوں کے سوا جو تمہارے دین کی پیروی کرنے والے ہوں اور کسی کی بات نہ مانو (اگرچہ وہ کتنی ہی اچھی بات کیوں نہ کہتا ہو)۔ اے پیغمبر! تم ان لوگوں سے کہہ دو، ہدایت تو وہی ہے جو اللہ کی ہدایت ہے (اور وہ کسی خاص گروہ اور نسل ہی کی میراث نہیں ہے کہ اور کسی کا اس میں حصہ نہ ہو۔ جو انسان بھی اُس پر چلے گا، ہدایت یافتہ ہوگا۔ خواہ کسی گروہ و نسل سے تعلق رکھتا ہو)

(اور وہ کہتے ہیں) "یہ بات بھی نہ مانو کہ جیسا کچھ دین تمہیں دیا گیا ہے، ویسا کسی دوسرے انسان کو بھی ملا ہو، یا یہ کہ تمہارے پروردگار کے حضور تمہارے خلاف کسی کی حجت چل سکتی ہے" (اے پیغمبر!) تم ان لوگوں سے کہو (دیکھا

إِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٧٣﴾ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿٧٤﴾ وَمِنْ
أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ إِن تَأْمَنْهُ بِقِنطَارٍ يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ وَمِنْهُم مَّنْ إِن تَأْمَنْهُ بِدِينَارٍ لَّا يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ إِلَّا مَا
دُمْتَ عَلَيْهِ قَائِمًا ۗ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٧٥﴾
بَلَىٰ مَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ وَاتَّقَىٰ فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ﴿٧٦﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا
أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٧٧﴾

(زعم باطل جس میں تم مبتلا ہوگئے ہو؟) فضل و بخشش تو اللہ کے ہاتھ ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے اپنے فضل و کرم سے مالا مال کر دیتا ہے، وہ بڑی ہی وسعت رکھنے والا، اور (اہل نااہل کو) جاننے والا ہے!

وہ جس کسی کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے نزول کے لئے چن لیتا ہے۔ اس کا فضل بڑا ہی فضل ہے اور اس کی بخشش کی کوئی انتہا نہیں!

اور اہل کتاب میں کچھ آدمی تو ایسے بانتدار ہیں کہ اگر تم چاندی سونے کا پورا ڈھیر بھی ان کی امانت میں چھوڑ دو، تو وہ تمہارے حوالہ کر دیں۔ لیکن ان میں ایک گروہ ایسا ہے کہ اگر ایک دینار کے لئے بھی ان پر بھروسہ کرو تو کبھی تمہیں واپس نہ دیں، جب تک (تقاضے کے لئے) ہمیشہ ان کے سر پر کھڑے نہ رہو!

اہل کتاب کی اس گمراہی کی طرف اشارہ کہ سمجھتے تھے امیّین میں دیانت داری کے جو حقوق بھی دینی احکام ہیں وہ صرف اس لئے ہیں کہ اپنے ہم مذہب آدمیوں کے ساتھ بد معاملگی نہ کی جائے۔ لیکن اگر ایک آدمی دوسرے مذہب اور گروہ کا ہے تو اس کے ساتھ سچائی اور دیانت سے پیش آنا کچھ ضروری نہیں۔ جس طرح بھی ہم کو غیر کا مال کھا لیں ہمارے لئے جائز ہے۔
لیکن قرآن کہتا ہے۔ دیانت تو ہر حال میں دیانت ہے، اور خیانت ہر حال میں خیانت ہے۔ دینی اور مذہبی اختلافات سے اچھائی اور برائی کے حقائق معطل نہیں ہو جا سکتے۔ جو شخص خیانت کرتا ہے، خواہ کسی اعتقاد اور کسی گروہ کے آدمی کے ساتھ کرے گنہگار ہے، اور وہ قیامت کے دن خدا کی بخشش و رحمت سے محروم رہے گا۔

(ان لوگوں میں یہ بد معاملگی) اس لئے پیدا ہوگئی کہ وہ کہتے ہیں اُمیوں سے معاملہ کرتے ہوئے (ہم جو کچھ بھی کریں) ہمارے لئے کوئی مواخذہ نہیں (یعنی مشرکین عرب جو ہمارے ہم مذہب نہیں ہیں ان کے ساتھ دیانت داری برتنا ضروری نہیں) لیکن (فی الحقیقت ایسا کہنا) وہ اللہ پر تہمت باندھتے ہیں، اور اچھی طرح جانتے ہیں کہ حقیقت حال کیا ہے؟

ہاں! (ان سے مواخذہ ہوگا اور ضرور ہوگا۔ کیونکہ خدا کا قانون تو یہ ہے کہ) جو کوئی اپنا قول و قرار سچائی کے ساتھ پورا کرتا ہے اور (اپنے دین میں) متقی ہوتا ہے (خواہ کسی مذہب اور گروہ کے ساتھ ہو) تو خدا کی پسندیدگی انہی لوگوں کے لئے ہے جو متقی ہوتے ہیں۔

(یاد رکھو) جن لوگوں کا حال یہ ہے کہ (متاع دنیا کی) ایک حقیر قیمت کے لئے اللہ کا عہد (جو ان سے نیک عملی و دیانتداری کے لئے لیا گیا تھا) اور خود اپنی قسمیں (جو یقین دلانے کے لئے کھاتے ہیں) فروخت کر ڈالتے ہیں (اور دیانتداری کی جگہ خیانت کے مرتکب ہوتے ہیں) تو یہی لوگ ہیں کہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہ ہوگا، نہ قیامت کے دن اللہ ان سے کلام کرے گا، نہ ان پر اس کی نظر التفات پڑے گی، نہ گناہوں کی آلودگی سے پاک کئے جائیں گے۔ بس ان کے لئے عذاب ہے، عذاب دردناک!

وَأُولَٰئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَن يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِم
مِّلْءُ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَوِ افْتَدَىٰ بِهِ ۗ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ۝
لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ۚ وَمَا تُنفِقُوا مِن شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ۝ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ
حِلًّا لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَائِيلُ عَلَىٰ نَفْسِهِ مِن قَبْلِ أَن تُنَزَّلَ التَّوْرَاةُ ۗ قُلْ فَأْتُوا بِالتَّوْرَاةِ
فَاتْلُوهَا إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝ فَمَنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝

اور شرارتوں میں جمتے ہی گئے، تو ایسے لوگوں کی پشیمانی کبھی قبول ہونے والی نہیں (کیونکہ سچی توبہ انھیں نصیب نہیں ہوگی) اور یہی لوگ ہیں جو راہ سے بھٹک گئے ہیں!

جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی اور مرتے دم تک کفر پر جمے رہے، تو یاد رکھو، کفر اور بدعملی کے بدلے کوئی معاوضہ اور فدیہ کام نہیں دے سکتا۔ اگر اُن میں سے کوئی آدمی پوری زمین سونے سے بھر کر دے دے جب بھی اس کے فدیہ میں قبول نہ ہوگا (اور اسے اپنے اعمالِ بد کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا) یہی لوگ ہیں کہ ان کے لیے (پاداشِ عمل میں) عذاب دردناک ہے اور کوئی نہ ہوگا جو (اس عذاب سے بچانے میں) اُن کا مددگار ہو!

(یاد رکھو) تم نیکی کا درجہ کبھی حاصل نہیں کرسکتے جب تک تم میں یہ بات پیدا نہ ہوجائے کہ (مال و دولت میں سے) جو کچھ محبوب رکھتے ہو اُسے (راہِ حق میں) خرچ کرو، اور جو کچھ تم خرچ کرتے ہو وہ اللہ کے علم سے پوشیدہ نہیں!

کھانے کی تمام چیزیں (جو عام طور پر کھائی جاتی ہیں) بنی اسرائیل کے لیے بھی حلال تھیں (اور لوگ انھیں بے تامل کھاتے تھے) ہاں وہ چیزیں جو بنی اسرائیل نے تورات نازل ہونے سے پہلے خود اپنے اوپر حرام کرلی تھیں حرام سمجھی گئی تھیں (مگر انھیں خدا نے حرام نہیں کردیا تھا)۔ اے پیغمبر! اگر اس بارے میں یہودی تم سے جھگڑتے ہیں تو تم اُن سے کہہ دو، اگر تم لوگ اپنے خیال میں سچے ہو تو تورات لاؤ، اور اسے کھول کر پڑھو (اس میں کہاں لکھا ہے کہ یہ چیزیں اصلاً حرام ہیں؟)

پھر جو کوئی اس (اعلان) کے بعد بھی (غلط بیانی

یہودیوں کی طرف سے دو شبہ خصوصیت کے ساتھ پیش کیے گئے تھے (۱) اگر قرآن کی دعوت وہی ہے جو پچھلے نبیوں کی دعوت تھی تو پھر قرآن نے بھی ان تمام چیزوں کو حرام نہیں کیا جو یہودیوں کے یہاں حرام سمجھی جاتی ہیں؟

(۲) اگر قرآن کی راہ حضرت ابراہیم اور ان کی اولاد کی راہ ہے تو کیا بات ہے کہ بیت المقدس کی جگہ خانۂ کعبہ قبلہ قرار دیا گیا۔ حالانکہ تمام انبیاء بنی اسرائیل بیت المقدس ہی کو قبلہ تسلیم کرتے رہے ہیں؟ یہاں ان دونوں باتوں کا جواب دیا گیا ہے۔ پہلے شبہ کے جواب میں کہا گیا کہ تورات نازل ہونے سے پہلے کھانے کی تمام اچھی چیزیں بنی اسرائیل کے لیے جائز تھیں۔ اور حضرت ابراہیم سے لے کر حضرت موسیٰ تک تمام انبیاء نے انھیں حلال سمجھا تھا۔ پھر جب تورات نازل ہوئی تو بعض چیزوں کا استعمال روک دیا گیا۔ اس لیے نہیں کہ اصلاً حرام تھیں

۸۹-۹۰ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ۹۱-۹۲ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ۝ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ ۹۲-۹۳ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝

قانون میں سخت گیریوں کی بے لگام طبیعتوں کی اصلاح کے لیے ضروری تھا کہ روک ٹوک میں سختی کی جائے۔ باقی رہیں وہ چیزیں جن کی نسبت تم سمجھتے ہو کہ نزولِ تورات سے پہلے بھی ممنوع تھیں، تو انھیں خدا کی شریعت نے ممنوع نہیں ٹھہرایا تھا، خود لوگوں نے اپنی طبیعت سے ترک کر دیا تھا۔ چنانچہ تورات کے اسفار اس حقیقت کی شہادت دے رہے ہیں۔

دوسرے شبہ کے جواب میں کہا گیا ہے کہ خدا کی پہلی عبادت گاہ جو حضرت ابراہیم نے تعمیر کی وہ بیت المقدس نہیں بلکہ خانہ کعبہ ہے۔

سے باز نہ آئے اور اللہ پر جھوٹ بہتان باندھے تو (یاد رکھو) ایسے ہی لوگ ہیں جو راہِ حق سے منحرف ہو گئے ہیں!

۸۹ (اے پیغمبر! ان لوگوں سے) کہو: اللہ نے سچائی ظاہر کر دی پس (اگر تمہارے دلوں میں کچھ بھی سچائی کا پاس ہے تو چاہیے کہ) ابراہیم کے طریقہ کی پیروی کرو۔ (جس کی طرف میں دعوت دے رہا ہوں) اور جو ہر طرف سے ہٹ کر صرف اللہ ہی کا ہو رہا تھا، اور یقیناً ابراہیم شرک کرنے والوں میں سے نہ تھا۔

۹۰ بلاشبہ، پہلا گھر جو انسان کے لیے (خدا پرستی کا معبد و مرکز) بنایا گیا ہو وہی (عبادت گاہ) ہے جو مکہ میں ہے۔ ۹۱ برکت والا، اور تمام انسانوں کے لیے سرچشمۂ ہدایت۔ اس میں (دینِ حق کی) روشن نشانیاں ہیں، از انجملہ مقام ابراہیم ہے (یعنی ابراہیم کے کھڑے ہونے اور عبادت کرنے کی جگہ جو اس وقت سے لے کر آج تک بغیر کسی شک و شبہ کے مشہور و متعین رہی ہے) اور از انجملہ یہ بات ہے کہ جو کوئی اس کے حدود میں داخل ہوا وہ امن و حفاظت میں آ گیا اور (از انجملہ یہ کہ) اللہ کی طرف سے لوگوں کے لیے یہ بات ضروری ہو گئی کہ اگر اس ۹۲ تک پہنچنے کی استطاعت پائیں تو اس گھر کا حج کریں۔ باایں ہمہ جو کوئی (اس حقیقت سے) انکار کرے (اور اس مقام کی پاکی و فضیلت کا اعتراف نہ کرے) تو یاد رکھو، اللہ کی ذات تمام دنیا سے بے نیاز ہے (وہ اپنے کاموں کے لیے کسی فرد اور قوم کا محتاج نہیں!)

۹۳ (اے پیغمبر! ان سے) کہو: اے اہلِ کتاب! یہ کیا ہے کہ تم (دیدہ و دانستہ) اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے ہو، حالانکہ تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کا شاہدِ حال ہے؟

۹۴ اے اہلِ کتاب! یہ کیا ہے کہ جو کوئی اللہ پر ایمان لانا چاہتا ہے، تم اسے اللہ کی راہ سے روکتے ہو اور

٩٦-٩٥ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ۝ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ۭ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

٩٨-٩٧ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاۗءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ

٩٩ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْھَا

اُسے کج روی میں مبتلا کرنا چاہتے ہو، حالانکہ تم حقیقتِ حال سے بے خبر نہیں ہو؟ یاد رکھو، جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے غافل نہیں ہے!

٩٥ اے پیروانِ دعوتِ ایمانی! اگر تم اہلِ کتاب میں سے ایک گروہ کی باتوں پر کاربند ہو گئے، تو یاد رکھو، نتیجہ اس کا یہ نکلے گا کہ وہ تمہیں راہِ حق سے پھیر دیں گے اور ایمان کے بعد پھر کفر میں مبتلا ہو جاؤ گے۔

> اہلِ کتاب کی محرومیوں کے ذکر کے بعد پیروانِ دعوت سے خطاب و موعظت، اور بعض اصولِ مہمات کی تلقین:
>
> (۱) یہود و منافقین کی گمراہیوں میں تمہارے لئے عبرت ہے۔ ہوشیار رہو اور اپنے دل و دماغ کی حفاظت کرو۔ اگر تم نے ان گمراہ خود فروشوں کی پیروی کی، تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ راہِ ہدایت پا کر پھر گمراہی میں مبتلا ہو جاؤ گے۔
>
> (۲) ایمان کی برکتوں کے حصول کے لئے صرف زبان ہی کافی نہیں کہ ایمان کا اقرار کرو، بلکہ اصلی چیز استقامت ہے!

٩٦ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم (اب پھر) کفر کی راہ اختیار کرو، جبکہ تمہارا حال یہ ہو کہ اللہ کی آیتیں تمہیں سنائی جا رہی ہیں اور اس کا رسول (تعلیم و رہنمائی کے لئے) تم میں موجود ہے؟ اور یاد رکھو جو کوئی مضبوطی کے ساتھ اللہ کا ہو رہا، تو بلاشبہ اس پر سیدھی راہ کھل گئی (نہ تو اس کے لئے لغزش کا ڈر ہے نہ گم گشتگی کا اندیشہ!)

٩٧ اے پیروانِ دعوتِ ایمانی! اللہ سے ڈرو، ایسا ڈرنا جو فی الحقیقت ڈرنا ہے۔ اور دیکھو دنیا سے نہ جاؤ، مگر اس حالت میں کہ اسلام پر ثابت قدم ہو!

٩٨ اور دیکھو سب مل جل کر اللہ کی رسی مضبوط پکڑ لو اور جدا جدا نہ ہو جاؤ۔ اللہ نے تمہیں جو نعمت عطا فرمائی ہے اس کی یاد سے غافل نہ ہو۔ تمہارا یہ حال تھا کہ آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہو رہے تھے لیکن اس کے فضل و کرم سے ایسا ہوا کہ بھائی بھائی بن گئے!

> (۳) جماعت کے تفرقہ سے بچو، اور اللہ کی رسی مضبوط پکڑو۔ خدا کی سب سے بڑی نعمت تم پر یہ ہوئی کہ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو رہے تھے۔ اس نے تمہیں بھائی بھائی بنا دیا!
>
> (۴) تم میں ہمیشہ ایک ایسی جماعت ہونی چاہئے جو دعوت الی الخیر، نیکی کا حکم، برائی سے روکے۔ ایسی قوم کامیاب و ہدایت یافتہ ہو گی!
>
> (۵) جماعت کے تفرقہ کی طرح دین کا اختلاف بھی [illegible] کی سب سے بڑی گمراہی یہی تھی کہ دینِ حق کے علم اور کتاب اللہ کے حصول کے

٩٩ تمہارا حال تو یہ تھا کہ آگ سے بھری ہوئی خندق

۱۰۹ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوا وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ ۝ لَيْسُوا سَوَآءً ۭ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ

۱۱۰ يَسْجُدُوْنَ ۝ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ

۱۱۱ - ۱۱۲ وَاُولٰۗىِٕكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

لَنْ تُغْنِيَ عَنْھُمْ اَمْوَالُھُمْ وَلَآ اَوْلَادُھُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَـيْـــًٔـا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْھَا خٰلِدُوْنَ ۝

۱۱۳ مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْھَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ

بے باک تھے۔ اور (بد عملی و شقاوت کی یہ حالت) اس لئے (پیدا ہوئی) کہ نافرمانی اور سرکشی کرنے لگے تھے اور (اپنی شرارتوں میں) حد سے گزر گئے تھے۔

۱۰۹ یہ بات نہیں ہے کہ تمام اہل کتاب ایک ہی طرح کے ہوں۔ اُن میں ایک گروہ ایسے لوگوں کا بھی ہے جو راہِ ہدایت پر قائم ہیں۔ وہ راتوں کو اٹھ کر خدا کی آیتیں تلاوت کرتے، اور اُسکے حضور سر بسجود ہوتے ہیں

۱۱۰ وہ اللہ پر اور آخرت کے دن پر (سچا) ایمان رکھتے ہیں، نیکی کا حکم دیتے ہیں، برائی سے روکتے ہیں بھلائی کے تمام کاموں میں تیز گام ہیں۔ اور بلا شبہ اُن لوگوں میں سے ہیں جو نیک کردار ہیں!

۱۱۱ سو (یاد رکھو) یہ لوگ نیک کاموں میں سے جو کچھ کرتے ہیں، ہرگز ایسا نہیں ہوگا کہ اُس کی ناقدری کی جائے (اور رائگاں جائے۔ انھیں اپنی نیک عملی کا نیک اجر ضرور ملے گا) اور جو لوگ متقی ہیں (وہ خواہ کسی گروہ اور کسی گوشہ میں ہوں) اللہ اُنکے حال سے بے خبر نہیں ہے!

اور یہ جو یہود و نصاریٰ کی بد عملیوں اور محرومیوں پر بار بار زور دیا گیا تو اس سے یہ مقصود نہیں کہ ان میں کوئی آدمی بھی راست باز نہیں سب کا حال یکساں نہیں ہو سکتا۔ بلا شبہ ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو حق پرستی اور عمل کی راہ پر استوار ہیں۔ نیکی کا حکم دیتے ہیں، برائی سے روکتے ہیں اور نیکی میں سرگرم رہتے ہیں۔ لیکن ایسے لوگوں کی تعداد بہت ہی کم ہے اور جب تعداد انہی لوگوں کی ہو جو ایمان و عمل کی روح کھو چکے ہیں تو ضروری ہے کہ جب کبھی کسی جماعت کی نسبت رائے قائم کی جائے گی، تو اکثریت ہی کو دیکھا جائے گا۔ نہ کہ شاذ و نادر افراد کو۔

ہاں اہل کتاب میں جو لوگ ایمان و عمل کی سچائی رکھتے ہیں ضرور ہے کہ انہیں نیک عمل کا نیک اجر ملے۔ خدا کا قانونِ سعادت کسی خاص گروہ و نسل ہی کے لئے نہیں ہے بلکہ تمام نوعِ انسانی کے لئے ہے۔ جو انسان بھی راست باز اور نیک کردار ہوگا، خدا کے حضور اپنا اجر پائے گا۔

۱۱۲ لیکن جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی (اور ایمان و عمل کی راستی سے محروم ہو گئے)، تو وہ کسی حال میں بھی پاداشِ عمل سے نہیں بچ سکتے، نہ تو مال و دولت کی طاقت انھیں خدا کے عذاب سے بچا سکے گی نہ آل اولاد کی کثرت ہی کچھ کام آئے گی۔ وہ دوزخی ہیں۔ ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے!

۱۱۳ دُنیا کی اس زندگی میں یہ لوگ جو کچھ بھی خرچ کرتے ہیں اُس کی مثال ایسی ہے جیسے اُس ہوا کا چلنا جس کے ساتھ پالا ہو (فرض کرو) ایک گروہ نے اپنے اوپر ہر طرح کی محنت و مشقت برداشت کر کے ایک کھیت طیار کیا ہو

إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ إِن تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَإِن تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا بِهَا ۖ وَإِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا ۗ إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ۝ (۱۱۶) وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ (۱۱۷) إِذْ هَمَّت طَّائِفَتَانِ مِنكُمْ أَن تَفْشَلَا وَاللَّهُ وَلِيُّهُمَا ۗ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝ (۱۱۸) وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنتُمْ أَذِلَّةٌ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ (۱۱۹)

کر ڈالو (لیکن جو کچھ ہونے والا ہے وہ تو ہو کر رہیگا۔ تمھارے بغض و عناد سے کلمۂ حق کی شوکت و کامرانی رکنے والی نہیں) اور یاد رکھو، خدا وہ سب کچھ جانتا ہے جو انسان کے سینوں میں پوشیدہ ہوتا ہے!

۱۱۶ اگر تمھارے لئے کوئی بھلائی کی بات ہو جائے تو انھیں برا لگے۔ برائی ہو جائے تو جی ہی جی میں خوش ہوں۔ (چنانچہ وہ تمھیں نقصان پہنچانے کی تدبیروں میں برابر لگے رہتے ہیں) لیکن یاد رکھو، اگر تم نے صبر کیا (یعنے مصائب و مشکلات میں ثابت قدم رہے) اور تقویٰ کی راہ اختیار کی (یعنے احکام حق کی نافرمانی سے پوری طرح بچتے رہے) تو ان کا مکر و فریب تمھارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گا۔ جیسے کچھ بھی انکے کرتوت ہیں خدا کی قدرت انھیں گھیرے ہوئے ہے!

۱۱۷ اور (اے پیغمبر!) وہ وقت یاد کرو، جب تم صبح سویرے اپنے گھر سے نکلے تھے، اور (احد کے میدان میں) لڑائی کے لئے مسلمانوں کو جا بجا مورچوں پر بٹھا رہے تھے۔ اور اللہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے!

۱۱۸ پھر جب ایسا ہوا تھا کہ تم میں سے (یعنے مسلمانوں میں سے) دو جماعتوں نے ارادہ کیا تھا کہ ہمت ہار دیں (اور واپس لوٹ چلیں) حالانکہ اللہ ان کا مددگار تھا۔ اور جو ایمان رکھنے والے ہیں انھیں تو چاہئے کہ (ہر حال میں) اللہ پر بھروسہ رکھیں!

۱۱۹ اور دیکھو، یہ واقعہ ہے کہ اللہ نے بدر کے میدان جنگ میں تمھیں فتحمند کیا تھا، حالانکہ تم بڑی ہی گری ہوئی حالت میں تھے (اور تمھاری کامیابی کا کوئی وہم و گمان بھی نہیں کر سکتا تھا) پس اللہ سے ڈرو (اور اسکی نافرمانی سے بچو) تاکہ تم میں اس کی نعمتوں کی قدر شناسی پیدا ہو جائے!

جنگ بدر اور احد کے تجارب سے مستنبط ہونے والے نتائج نے ثابت کر دیا کہ صبر اور تقویٰ کے بغیر کبھی نصرت و کامرانی حاصل نہیں ہو سکتی۔

[illegible] تقویٰ کی حقیقت یہ ہے کہ احکام حق کی نافرمانی [illegible] جنگ بدر کے موقع پر [illegible] [illegible]

اس سلسلہ میں متعدد اصولی باتیں واضح کی گئی ہیں۔

(۱) جنگ احد کے موقع پر [illegible]

إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَنْ يَكْفِيَكُمْ أَنْ يُمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ آلَافٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُنْزَلِينَ ۝ بَلَىٰ إِنْ
تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُمْ مِنْ فَوْرِهِمْ هَٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ ۝ وَمَا جَعَلَهُ
اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُمْ بِهِ ۗ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ۝ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِنَ
الَّذِينَ كَفَرُوا أَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوا خَائِبِينَ ۝ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ
فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ ۝ وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ يَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ ۚ

(اے پیغمبر!) وہ وقت (بھی) یاد کرو جب تم (میدانِ جنگ میں) ایمان والوں سے یہ کہہ رہے تھے کہ "کیا تمہارے لئے یہ بات کافی نہیں کہ اللہ (دشمن کے تین ہزار آدمیوں کے مقابلہ میں) تین ہزار نازل کئے ہوئے فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائے؟"

ہاں، بلاشبہ، اگر تم صبر کرو اور تقویٰ کی راہ اختیار کرو، اور پھر ایسا ہو کہ دشمن اسی دم تم پر چڑھ آئے تو تمہارا پروردگار (صرف تین ہزار فرشتوں ہی سے نہیں بلکہ) پانچ ہزار نشان رکھنے والے فرشتوں سے تمہاری مدد کریگا (اور ان کی کثرت و طاقت تمہارا کچھ بگاڑ نہیں سکے گی!)

اور یاد رکھو، یہ بات جو کہی گئی، تو صرف اسلئے کہ تمہارے لئے (فتحمندی کی) خوشخبری ہو اور تمہارے دل اس کی وجہ سے مطمئن ہو جائیں، اور مدد و نصرت جو کچھ بھی ہے، اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ اسکی طاقت سب پر غالب ہے اور وہ اپنے تمام کاموں میں حکمت رکھنے والا ہے!

اور نیز اس لئے تاکہ منکرینِ حق کی جمعیت و طاقت کا ایک حصہ بیکار کر دے، یا انھیں اس درجہ ذلیل (و خوار) کر دے کہ نامراد ہو کر الٹے پاؤں پھر جائیں!

(اے پیغمبر!) اس معاملہ میں (یعنی دشمنانِ حق کے بخشے جانے یا نہ بخشے جانے میں) تمہیں کوئی دخل نہیں۔ تمہارا کام یہ ہے کہ لوگوں کو راہِ حق کی دعوت دو، اور کسی حال میں بھی ان کی طرف سے مایوس نہ ہو) یہ اللہ کے ہاتھ ہے کہ چاہے تو ان سے درگزرے (یعنی اگر وہ توبہ کریں تو ان کی توبہ قبول کر لے)، اور چاہے تو انھیں عذاب دے کیونکہ یقیناً وہ ظلم کرنے والے ہیں۔

(اس میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ ظلم و کفر کرنے والوں کی بدعملیاں کیسی ہی سخت کیوں نہ ہوں [illegible] رحمت و بخشش کی [illegible] بخشنا خدا کا کام ہے [illegible]۔ جنگ احد میں خود پیغمبر اسلام پر دشمنوں نے پے درپے حملے کئے [illegible] (صلی اللہ علیہ وسلم))

آسمان و زمین میں جو کچھ ہے، اللہ ہی کے لئے ہے۔ وہ جسے چاہے بخشدے جسے چاہے تو عذاب دے، اور وہی

۱۲۵-۱۲۶ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۠ وَّاتَّقُوا

۱۲۷ النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۝ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ وَسَارِعُوْٓا

اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝

۱۲۸ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّاۗءِ وَالضَّرَّاۗءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ

عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

جو اس کا ہاتھ بٹانے والا ہو یا انسان کی مغفرت و تعذیب میں دخل رکھتا ہو) اور (یاد رکھو) وہ بخشنے والا اور بڑی ہی رحمت رکھنے والا ہے (پس کسی حال میں بھی اسکی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے)

۱۲۵ اے پیروانِ دعوتِ ایمانی! سود کی کمائی سے اپنا پیٹ نہ بھرو جو (قرض کی اصلی رقم میں بڑھکر) دگنی چوگنی ہوجاتی ہے۔ اللہ سے ڈرو (اور اس کی نافرمانی سے بچو) تاکہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو!

۱۲۶ اور دیکھو اس آگ کے عذاب سے ڈرو جو منکروں کے لئے طیار کی گئی ہے، اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو، تاکہ رحمتِ الٰہی کے مستحق ہوجاؤ!

۱۲۷ اپنے پروردگار کی بخشائش کی طرف تیز گام ہوجاؤ نیز اس جنت کی طرف جس کی وسعت کا یہ حال ہے کہ تمام آسمان و زمین کی چوڑائی ایک طرف، اور تنہا اسکی وسعت ایک طرف، اور جو متقی انسانوں کے لئے طیار کی گئی ہے!

۱۲۸ وہ متقی انسان جنکے اوصاف یہ ہیں کہ خوشحالی ہو یا تنگ دستی، لیکن ہر حال میں (حسب توفیق اپنا) مال خرچ کرتے ہیں اور غیظ و غضب میں آکے بے قابو نہیں ہوجاتے اور لوگوں کے قصور بخشدیتے ہیں۔ (وہ نیک کردار ہیں) اور اللہ نیک کرداروں کو دوست رکھتا ہے!

(۳) [illegible]

۱۳۴ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝ إِن يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهُ ۚ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَاءَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ۝ ۱۳۵ وَلِيُمَحِّصَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَمْحَقَ الْكَافِرِينَ ۝ ۱۳۶ أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ ۝

مخالف دلوں کی ایمانی قوت ہے۔ اگر مخالف ہوں اور ایمان کی پختگی موجود ہو تو پھر دنیا میں فتح و سربلندی تمھارے ہی لئے ہے!

علاوہ بریں یہ حادثہ اگرچہ بظاہر شکست تھا لیکن بباطن بہت سے نتائج و حکم رکھتا ہے۔ اس نے تجربہ کر کے کھوٹے کھرے کی آزمائش کر دی۔ اور جو منافق اہل ایمان کے ساتھ اسلامی جماعت میں ملے جلے تھے ان کے چہرے بے نقاب ہو گئے۔ اہل ایمان کی کمزوریاں ... تجربہ ہو گیا۔ تجربہ اور مشاہدہ کے بعد انکے قدم زیادہ ثابت ہو جائیں گے۔ جنگ بدر کے بعد بعض مسلمانوں کے دلوں میں کمزوریاں پیدا ہو گئی تھیں وہ اس ٹھوکر کے لگنے سے بالکل دور ہو گئیں اور ان کا قدم ایمان زیادہ مضبوط اور بے داغ ہو گیا۔

۱۳۴ برتر و اعلیٰ ہو بشرطیکہ تم سچے مومن ہو!

اگر تم نے (احد کی لڑائی میں) زخم کھایا ہے تو دشمن کو بھی تو ویسے ہی زخم (بدر میں) لگ چکے ہیں؟ (پھر تم اس حادثہ پر غمگین اور ملول کیوں ہو؟) در اصل یہ (ہار جیت کے) اوقات ہیں جنھیں ہم انسانوں میں ادھر ادھر پھراتے رہتے ہیں۔ کبھی ایک گروہ کے حق میں میدان جنگ کا فیصلہ ہوتا ہے، کبھی دوسرے کے حق میں۔ پس یہ کوئی ایسی بات نہیں جس کی وجہ سے تم ہمت ہار بیٹھو) اور علاوہ بریں (یہ حادثہ مصلحتوں سے بھی خالی نہ تھا) یہ اس لیے تھا تاکہ اس بات کی آزمائش ہو جائے، کون سچا ایمان رکھنے والا ہے، کون نہیں ہے۔ اور اس لئے کہ تم میں سے ایک گروہ کو (ایام و وقائع کے نتیجوں اور عبرتوں کا) شاہد حال بنا دے (اور وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لے کہ احکام حق کی نافرمانی سے کیسے کچھ نتائج پیش آسکتے ہیں) اور (یہ ظاہر ہے کہ) اللہ ظلم کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

۱۳۵ نیز اس حادثہ میں یہ مصلحت بھی تھی کہ جو لوگ ایمان رکھنے والے ہیں، انھیں (اس حادثہ کے تجربہ و بصیرت کے ذریعہ) تمام کمزوریوں اور لغزشوں سے پاک کر دے، اور جو منکرین حق ہیں انھیں (اہل ایمان کی مزید استعداد کے ذریعہ) یک قلم نیست و نابود کر دے!

وہ صرف زبان کا اقرار کر لینے سے ایمان کی برکتیں اور کامرانیاں حاصل ہو جائیں گی۔ نتیجہ و کامیابی یہ ہے کہ آزمائش عمل میں ثابت قدمی دکھلاؤ۔

۱۳۶ (اے پیروان دعوت حق!) کیا تم سمجھتے ہو (محض ایمان کا دعویٰ کر کے) جنت میں داخل ہو جاؤ گے (اور ایمان و عمل کی آزمائشوں سے تمھیں گزرنا نہیں پڑے گا؟) حالانکہ ابھی تو وہ موقع پیش ہی نہیں آیا کہ اللہ تمھیں آزمائش میں ڈال کر ظاہر کر دیتا، کون لوگ راہ حق میں پوری کوشش کرنے والے ہیں، اور کتنے ہیں جو مشکلات و شدائد میں ثابت قدم رہنے والے ہیں؟ اور دیکھو یہ واقعہ ہے کہ

۱۴۰ وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ۝ ۱۴۱ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ ۱۴۲ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ۝

ع

۱۴۰ اور دیکھو کتنے ہی نبی ہیں جن کے ساتھ ہو کر بہت سے باخدا لوگوں نے (راہِ حق میں) جنگ کی لیکن کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اُن سختیوں کی وجہ سے جو انھیں خدا کی راہ میں پیش آئی ہوں، بے ہمت ہو گئے ہوں، اور نہ ایسا ہوا کہ کمزور پڑ گئے ہوں، یا (اُن کی عزتِ نفس نے) یہ بات گوارا کی ہو کہ ظالموں کے سامنے (عجز و بے چارگی کا اظہار کریں (بے ہمتی، کمزوری، اور حریف کے سامنے اعترافِ عجز، وہ باتیں ہیں جن سے باخدا آدمی کا دل کبھی آشنا نہیں ہو سکتا) اور اللہ انھی لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو مشکلات و مصائب میں ثابت قدم رہتے ہیں!

[illegible]

۱۴۱ اور (پھر سختیوں اور مصیبتوں کا کتنا ہی ہجوم کیوں نہ ہو، لیکن) اُن کی زبانوں سے اس کے سوا کچھ نہ نکلتا تھا کہ "خدایا! ہمارے گناہ بخش دے، ہم سے ہمارے کاموں میں جو زیادتیاں ہو گئی ہوں، اُن سے درگزر فرما، ہمارے قدم راہِ حق میں جما دے، اور منکرینِ حق کے گروہ پر ہمیں فتحمند کر!" (جب اُن کے ایمان و عمل کا یہ حال تھا) تو خدا نے بھی انھیں دونوں جہان میں اجر عطا فرمایا۔ دنیا کا بھی ثواب دیا (کہ فتح و کامرانی اُن کے حصہ میں آئی) اور آخرت کا بھی بہتر ثواب دیا (کہ نعیمِ ابدی کے مستحق ہوئے) اور اللہ تو انھی لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو نیک کردار ہوتے ہیں!

۱۴۲ اے پیروانِ دعوتِ ایمانی! اگر تم اُن لوگوں کے کہنے پر چلے جنھوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے (اور جو تمھیں دشمنوں کی کثرت و طاقت سے ڈراتے اور جنگ سے باز رہنے کی نصیحتیں کرتے ہیں) تو یاد رکھو وہ تمھیں راہِ حق سے اُلٹے پاؤں پھرا دیں گے، اور نتیجہ یہ نکلے گا کہ (فلاح و سعادت کی راہ چل کر) پھر آتا ہی نامرادی میں

[illegible]

بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ۝ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۝

جا رہو گے (یہ دشمنانِ حق تمھارے کارساز و رفیق نہیں ہو سکتے) تمھارا کارساز و رفیق تو اللہ ہے (پس اُسی پر بھروسہ رکھو) اور مدد کرنے والوں میں اُس سے بہتر مددگار کون ہو سکتا ہے؟

۱۴۳

وہ وقت دور نہیں کہ ہم منکرینِ حق کے دلوں میں تمھاری ہیبت بٹھا دیں گے۔ اور یہ اس لئے ہوگا کہ انھوں نے خدا کے ساتھ ان ہستیوں کو بھی (خدائی میں) شریک ٹھہرا لیا ہے جن کے لئے اُس نے کوئی سند نازل نہیں کی (پس نہ تو ان کے اندر خدا پرستی کی سچی روح ہے، نہ کوئی ایسا عقیدہ ہے جس کے لئے برہان و دلیل کی روشنی موجود ہو، اور اس لئے ممکن نہیں کہ وہ ان لوگوں کو جن کے دل ایمان و یقین کی روح سے معمور ہیں اپنی طاقت و شوکت سے مرعوب کر سکیں) ان لوگوں کا (بالآخر) ٹھکانا دوزخ ہے، اور جو ظالم ہیں تو اُن کا ٹھکانا کیا ہی بُرا ٹھکانا ہے!

۱۴۴

(الف) یہ حالت ایمان کے لئے مخصوص ہے۔ وہ جب کبھی کسی ایسی جماعت کے مقابلہ میں نکلیں گے جو ایمان و یقین کی روح سے محروم ہوگی، تو خواہ کتنی ہی طاقت و شوکت رکھتے ہوں لیکن کبھی اُسے مرعوب نہیں کر سکیں گے۔

نزولِ قرآن کے وقت مسلمانوں کی جو جماعت پیدا ہو گئی تھی، اس کے مقابلہ میں مشرکینِ عرب کا بھی یہی حال تھا۔ وہ تعداد میں کثیر اور سرو سامان میں طاقتور تھے مگر ایمان و یقین کی روح سے محروم تھے۔ مسلمان تعداد میں قلیل اور سرو سامان سے محروم تھے مگر ایمان و یقین کی روح سے معمور تھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ قلت کی ہیبت سے کثرت کے دل کانپ اٹھے، اور مٹھی بھر انسانوں نے عرب کی پوری آبادی کو شکست دے دی!

۱۴۵

اور دیکھو، یہ واقعہ ہے کہ اللہ نے اپنا وعدۂ نصرت سچا کر دکھایا تھا جبکہ تم اُس کے حکم سے دشمنوں کو بے دریغ تہ تیغ کر رہے تھے (اور ہر طرح جیت تمھاری ہی تھی) لیکن جب ہم نے تمھیں فتح مندی کا جلوہ دکھا دیا جو تمھیں اس قدر محبوب ہے، تو تم نے کمزوری دکھلائی اور جنگ کے بارے میں باہم جھگڑنے لگے (ایک گروہ نے کہا اب مورچہ پر ٹھہرنے کی کیا ضرورت ہے؟ دوسرے نے کہا نہیں ہم تو آخر تک یہیں جمے رہیں گے) اور (بالآخر) اپنے قائد کے حکم سے کہ اللہ کا رسول تھا، نافرمانی کر بیٹھے۔

(۱) مسلمانو! تمھیں جنگِ احد کی شکست یاد دلا کر ڈرایا جاتا ہے کہ آئندہ دشمنوں کے مقابلہ کی جرأت نہ کرو، لیکن تم کیوں بھول جاتے ہو کہ احد کے میدان میں جو کچھ پیش آیا اُس کی حقیقت کیا ہے؟ خدا کا وعدۂ نصرت اس موقع پر بھی پورا ہو گیا تھا، اور دشمنوں کے قدم اکھڑ گئے تھے۔ لیکن جب تم نے عین حالتِ جنگ میں حکمِ رسول کی نافرمانی کی، اور ایک گروہ اہلِ غنیمت و مال کی طمع میں مورچہ چھوڑ کر منتشر ہو گیا، تو میدانِ جنگ کی ہوا پلٹ گئی، اور فتح بدل کر شکست ہو گئی۔ پس یہ جو کچھ ہوا، دشمنوں کی طاقت و کثرت سے نہیں ہوا جس سے منافق تمھیں ڈرا رہے ہیں، بلکہ تمھاری نافرمانی اور بے نظمی سے ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ نہیں ہو سکتا کہ تم دشمنوں کی طاقت و کثرت سے مرعوب ہو جاؤ۔ بلکہ یہ ہونا چاہئے کہ اپنے اندر صبر و تقویٰ کی سچی روح پیدا کرو!

۱۴۶ مِنكُم مَّن يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنكُم مَّن يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۖ وَلَقَدْ عَفَا عَنكُمْ ۗ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ﴿﴾

۱۴۷ إِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا تَلْوُونَ عَلَىٰ أَحَدٍ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي أُخْرَاكُمْ فَأَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَا أَصَابَكُمْ ۗ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿﴾

۱۴۸ ثُمَّ أَنزَلَ عَلَيْكُم مِّن بَعْدِ الْغَمِّ أَمَنَةً نُّعَاسًا يَغْشَىٰ طَائِفَةً مِّنكُمْ ۖ وَطَائِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنفُسُهُمْ

۱۴۶ تم میں کچھ لوگ تو ایسے تھے جو دنیا کے خواہشمند تھے۔ (یعنے مال غنیمت کے پیچھے پڑ گئے) کچھ ایسے تھے جن کی نظر آخرت پر تھی (یعنے مال غنیمت سے بے پروا ہو کر اپنی جگہ جمے رہے اور شہید ہوئے) پھر اس نے تمھارا رخ دشمنوں کی طرف سے پھرا دیا تاکہ تمھیں (اس حادثہ سے) آزمائش (اور اس طرح تمھاری ریخ شکست سے بدل گئی) بایں ہمہ خدا نے تمھارا قصور معاف کر دیا (اور اس لغزش کے اثرات سے تمھارے دل پاک صاف ہو گئے) بلاشبہ وہ مومنوں کے لئے بڑا ہی فضل رکھنے والا ہے!

۱۴۷ وہ وقت بھی یاد کرو جب تم (میدان جنگ سے) بھاگے جا رہے تھے اور (بدحواسی کا یہ حال تھا کہ) ایک دوسرے کی طرف مڑ کر دیکھتا تک نہ تھا، اور اللہ کا رسول تھا کہ پیچھے سے پکار رہا تھا، سو جب تمھارا یہ حال ہوا تو اللہ نے بھی تمھیں رنج پر رنج دیا تاکہ (اس حادثہ سے عبرت پکڑو اور آئندہ) نہ تو اس چیز کے لئے رنج و ملال کرو جو ہاتھ سے جاتی رہے، نہ اس مصیبت پر غمگین ہو جو سر پر آ پڑے۔ اور یاد رکھو جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کی خبر رکھنے والا ہے!

۱۴۸ پھر (دیکھو) ایسا ہوا کہ اللہ نے (ابتری و پریشانی کے) غم و افسوس کے بعد، تم پر بے خوفی کی خود فراموشی طاری کر دی (یعنے یکایک تمھارے دل اس طرح مطمئن ہو گئے کہ خوف و ہراس کا احساس تک باقی نہ رہا) یہ حالت ایک گروہ پر چھا گئی تھی، لیکن تم میں ایک دوسرا گروہ تھا جسے اس وقت بھی اپنی جانوں ہی کی پڑی تھی، اور اللہ کی جناب میں

(۱) جب مسلمانوں کی بڑی تعداد منتشر ہو کر بھاگنے لگی، تو پیغمبر اسلام (صلعم) چند جاں نثاروں کے حلقے میں کھڑے پکار رہے تھے: الی عباد اللہ، الی عباد اللہ! اللہ کے بندو میری طرف آؤ۔ میری طرف آؤ۔ تم کہاں بھاگے جاتے ہو! اس آیت میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

جو لوگ ایمان و اخلاص میں پکے تھے، اور محض منتشر حالات کے نرغے نے انھیں گھبرا دیا تھا، وہ پیغمبر اسلام کی آواز سنتے ہی جمع ہو گئے تھے۔ انھیں محسوس ہوا جیسے یکایک ایک طرح کی غنودگی کی سی حالت طاری ہو گئی، اور اللہ دم بھر میں سارا خوف و ہراس فراموش ہو گیا چنانچہ وہ فوراً پلٹے اور از سر نو دشمنوں کو میدان جنگ سے بھگا ہی دیا، بلکہ حمراء الاسد کی مقام تک جو جنگ کے ... تعاقب میں بڑھ چلے گئے، لیکن جو لوگ دل کے کچے اور نادان تھے، انھیں اپنی جانوں کی

يَظُنُّونَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۖ يَقُولُونَ هَل لَّنَا مِنَ الْأَمْرِ مِن شَيْءٍ ۗ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلّٰهِ ۗ يُخْفُونَ فِي أَنفُسِهِم مَّا لَا يُبْدُونَ لَكَ ۖ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هَاهُنَا ۗ قُل لَّوْ كُنتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ ۖ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۞ إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ

۱۴۹

عہد جاہلیت کے سے ظنون و اوہام رکھتا تھا۔ اس گروہ کے لوگ کہتے تھے "جو کچھ ہوا اس میں ہمیں کچھ دخل نہ تھا (اگر ہمارے بس کی بات ہوتی تو ہم کچھ کرتے) اے پیغمبر! تم ان لوگوں سے کہہ دو، (اس معاملہ پر کیا موقوف ہے) ساری باتیں اللہ ہی کے اختیار میں ہیں (لیکن اللہ ہی نے ہر نتیجہ کے لئے اس کے اسباب بھی مقرر کر دئے ہیں) اصل یہ ہے کہ جو کچھ ان لوگوں کے دلوں میں ہے، وہ تم پر ظاہر نہیں کرتے۔ انکے کہنے کا اصلی مطلب یہ ہے کہ اگر اس معاملہ میں ہمارے لئے (فتح و کامرانی میں سے) کچھ ہوتا، تو میدانِ جنگ میں یوں نہ مارے جاتے۔ اے پیغمبر! ان سے کہہ دو، اگر تم اپنے گھروں کے اندر بیٹھے ہوتے، جب بھی جن کے لئے مارا جانا تھا، وہ گھر سے ضرور نکلتے اور اپنے مارے جانے کی جگہ پہنچ کر رہتے! اور (جنگ احد میں جو کچھ پیش آیا، تو اس میں چند در چند مصلحتیں پوشیدہ تھیں۔ از انجملہ یہ کہ) اللہ کو منظور تھا جو کچھ تمہارے سینوں میں چھپا ہوا ہے، اسکے لئے تمہیں آزمائش میں ڈالے اور جو کدورتیں تمہارے دلوں میں پیدا ہو گئی تھیں انھیں پاک صاف کر دے۔ اور اللہ وہ سب کچھ جانتا ہے جو انسان کے دلوں میں پوشیدہ ہوتا ہے!

تم میں سے جن لوگوں نے اس دن لڑائی سے منہ موڑ لیا تھا جس دن دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تھے، تو ان کی اس لغزش کا باعث صرف

لوگ یہی کہتے تھے جو کچھ ہوا اس میں ہمارا کیا قصور ہے؟ اگر فتح و ظفر دینا تھا تو ایسی حالت پیش ہی کیوں آتی؟ قرآن کہتا ہے یہ عہد جاہلیت (یعنی عہد قبل از اسلام) کے سے خیالات ہیں جو ایمان والوں میں نہیں ہو سکتے۔ جو [illegible] کی تعلیم سے واقف ہو چکے ہیں، بلاشبہ فتح و نصرت اللہ ہی کے ہاتھ ہے، لیکن وہ فتح و نصرت انہی کو دیتا ہے جو صبر اور تقویٰ میں پکے ہوتے ہیں۔

(۱۳) جس طرح جنگ بدر کی فتح میں مسلمانوں کی تربیت پیشِ نظر تھی اسی طرح جنگ احد کی عارضی شکست میں بھی تربیت کا پہلو پوشیدہ تھا۔ [illegible] چنانچہ احد کے حادثہ نے یہ مقصد پورا کر دیا!

بدر کی فتح [illegible] سے بہت سے مسلمانوں میں [illegible] طرح کی بے پروائی اور غفلت پیدا کر دی تھی [illegible]

١٥٣-١٥٢ وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ۝ ١٥٤ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ ١٥٥ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ

١٥٢ اور (یاد رکھو) خواہ تم اپنی موت مرو یا مارے جاؤ، ہر حال میں ہونا یہی ہے کہ اللہ کے حضور جمع کئے جاؤ گے!

١٥٣ (اے پیغمبر!) یہ خدا کی بڑی ہی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لئے اس قدر نرم مزاج واقع ہوئے۔ اگر تم سخت مزاج اور سنگ دل ہوتے، تو یہ لوگ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے (اور ان کے دل تمہاری طرف اس طرح نہ کھنچتے جس طرح اب بے اختیار کھنچ رہے ہیں) پس ان لوگوں کا قصور معاف کر دو اور اللہ سے بھی ان کے لئے بخشش طلب کرو۔ نیز اس طرح کے معاملات میں (یعنی امن و جنگ کے معاملات میں) ان سے مشورہ کر لیا کرو۔ پھر جب ایسا ہو کہ تم نے کسی بات کا عزم کر لیا، تو چاہئے کہ خدا پر بھروسہ کرو (اور جو کچھ ٹھان لیا ہے، اس پر کاربند ہو جاؤ) یقیناً اللہ انہی لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو اس پر بھروسہ کرنے والے ہیں!

(۱۵) اس سلسلہ میں پیغمبر اسلام (صلعم) سے خطاب، موعظت اور نصیحت۔ آپ کی بعض اصولی صفات:

(الف) یہ اللہ کی بڑی ہی رحمت ہے کہ تمہاری طبیعت نرم اور مزاج میں بڑی شفقت ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو لوگوں کے دل تمہاری طرف بے اختیار نہ کھنچتے جس طرح اب کھنچ رہے ہیں۔

(ب) جنگ احد میں ایک گروہ کی لغزش بڑی ہی سخت لغزش تھی، تاہم تمہاری شفقت کا مقتضا یہی ہے کہ عفو و درگزر سے کام لو۔

(ج) تمہارا طریق کار یہ ہونا چاہئے کہ صلح و جنگ کا کوئی معاملہ بغیر مشورہ کے انجام نہ پائے۔

(د) اس بارے میں دستور العمل یہ ہے کہ پہلے جماعت سے مشورہ کرو۔ پھر مشورہ کے بعد کسی ایک بات کا عزم کرو، اور جب عزم کر لیا تو اس پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہو جاؤ۔ مشورہ اپنے محل اور وقت میں ضروری ہے، عزم اپنے محل اور وقت میں۔ جب تک مشورہ نہیں کیا ہے، فیصلہ و عزم کا سوال نہیں اٹھتا۔ لیکن جب مشورہ کے بعد عزم کر لیا، تو وہ عزم ہے۔ اور کوئی لغزش، کوئی شکست، کوئی مخالفت اسے متزلزل نہیں کر سکتی!

اس کے لئے ضروری ہے کہ جماعت سے مشورہ کرے لیکن ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ صاحب عزم ہو!

١٥٤ (اے پیروان دعوت ایمانی!) اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی نہیں جو تم پر غالب آسکتا ہو، لیکن اگر وہی تمہیں چھوڑ بیٹھے، تو بتلاؤ، کون ہے جو اس کے چھوڑ دینے کے بعد تمہارا مددگار ہو سکتا ہو؟ (یقین کرو) صرف اللہ ہی کی ذات ہے۔ پس جو مومن ہیں وہ اسی پر بھروسہ رکھیں!

١٥٥ اور (دیکھو) خدا کے نبی سے یہ بات کبھی نہیں ہو سکتی کہ وہ (اور فرض نبوت میں) کسی طرح کی خیانت کرے

(۲۰) مسلمانوں کی جماعت سے خطاب کہ جب پیغمبر اسلام کا طریق کار یہ ہے کہ ہر معاملہ میں تم سے مشورہ کر لیا کریں تو تمہارا فرض بھی یہ ہونا چاہئے

هُوَ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا ۚ وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوِ ادْفَعُوا ۖ قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَاتَّبَعْنَاكُمْ ۗ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ ۚ يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ ۝ ۱٦۰ ۱٦۱

ہو کر نکلے کہ باہر نکل کے لڑا جائے یا شہر میں رہا جائے۔ جب ان سے کہا گیا کہ اچھا شہر کی مدافعت کرو، تو طرح طرح کے حیلے بہانے کرنے لگتے تھے۔ ہمیں امید نہیں کہ لڑائی کی نوبت آئے۔ اگر امید ہوتی تو ضرور تیاری کرتے۔ پھر جب لوگوں کی کمزوری اور نافرمانی سے عارضی شکست ہو گئی، تو انہیں فتنہ و شرارت کا ایک موقع ہاتھ آگیا۔ کہنے لگے یہ سب کچھ اسی لئے ہوا کہ ہماری بات نہیں مانی گئی۔ کبھی کہتے [illegible] کی لڑائیوں سے کیا فائدہ؟ نجات اسی میں ہے کہ دشمنوں کو راضی کر لیا جائے۔ مقصود یہ تھا کہ کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کے دلوں میں مایوسی و ہراس پیدا کر دیں اور ان کی کوئی بات بھی ٹھیک طور پر بن نہ سکے۔ احد کے میدان سے جاتے ہوئے دشمن کہہ گئے تھے کہ آئندہ سال پھر آئیں گے اور آخری فیصلہ کر جائیں گے۔ دوسرے سال جب وقت آیا تو مسلمان تیار ہو کر نکلے لیکن دشمنوں کا کوئی پتہ نہ تھا۔ انہیں مکہ سے نکلنے کی جرأت ہی نہ ہوئی۔ مسلمان چند دن انتظار کرکے خوش دل اور کامیاب لوٹ آئے۔ لیکن اس موقع پر بھی منافقوں نے [illegible]

[illegible]

ان آیتوں میں منافقوں کی جو نفسیاتی حالت دکھائی گئی ہے [illegible]

(وہ) مصیبت تو ضرور آ پڑی مگر (خود تمہارے ہی ہاتھوں آئی (اگر تم کمزوری نہ دکھاتے اور حکم حق کی اطاعت کرتے، تو کبھی یہ مصیبت پیش نہ آتی) یاد رکھو، اللہ کی قدرت سے کوئی بات باہر نہیں ہے!

اور (دیکھو) دو گروہوں کے مقابلہ کے دن تمہیں جو کچھ پیش آیا (یعنے جنگ احد میں جو کچھ پیش آیا) تو اللہ ہی کے حکم سے پیش آیا (کیونکہ اس نے فتح و شکست کا قانون ایسا ہی ٹھہرا دیا ہے) اور اس لئے پیش آیا تاکہ ظاہر ہو جائے ایمان رکھنے والے کون ہیں اور نفاق والے کون ہیں! (چنانچہ منافقوں کا نفاق اس موقع پر پوری طرح کھل گیا) جب ان سے کہا گیا کہ آؤ (وقت کا فرض انجام دیں) یا تو اللہ کی راہ میں (باہر نکل کے) جنگ کرو، یا (شہر میں رہ کر) دشمنوں کا حملہ روکو۔ تو کہنے لگے اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ لڑائی ضرور ہوگی تو ہم ضرور تمہارا ساتھ دیتے۔ یقین کرو جس وقت انہوں نے یہ بات کہی تو وہ کفر سے زیادہ نزدیک تھے بمقابلہ ایمان کے!

یہ لوگ زبان سے ایسی بات کہتے ہیں جو فی الحقیقت انکے دلوں میں نہیں ہے۔ اور جو کچھ دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں خدا اس سے بے خبر نہیں!

۱۶۲ الذین قالوا لاخوانهم وقعدوا لو اطاعونا ما قتلوا قل فادرءوا عن انفسکم الموت

۱۶۳ ان کنتم صدقین ۝ ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم

۱۶۴ یرزقون ۝ فرحین بما اتھم اللہ من فضلہ ویستبشرون بالذین لم یلحقوا بھم من خلفھم

۱۶۶-۱۶۵ الا خوف علیھم ولا ھم یحزنون ۝ یستبشرون بنعمۃ من اللہ وفضل وان اللہ لا یضیع اجر المؤمنین ۝ الذین

۱۶۷ استجابوا للہ والرسول من بعد ما اصابھم القرح للذین احسنوا منھم واتقوا اجر عظیم ۝ الذین

۱۶۸ قال لھم الناس ان الناس قد جمعوا لکم فاخشوھم فزادھم ایمانا وقالوا حسبنا اللہ ونعم الوکیل ۝ فانقلبوا بنعمۃ من اللہ وفضل

۱۶۲ جن لوگوں کا حال یہ ہو کہ خود تو (جنگ کے وقت) اپنے گھروں میں بیٹھے رہے لیکن اب اپنے بھائیوں کے حق میں کہتے ہیں "اگر ہماری بات پر چلے ہوتے تو کبھی نہ مارے جاتے" اے پیغمبر! تم کہہ دو، اچھا اگر تم واقعی (اپنے اس خیال میں) سچے ہو تو جب موت تمہارے سرہانے آ کھڑی ہو تو اُسے نکال باہر کرنا (اور اپنی چیرائی اور پیش بینی سے ہمیشہ زندہ رہنا!)

۱۶۳ اور (اے پیغمبر!) جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں، ان کی نسبت ایسا خیال نہ کرنا کہ وہ مر گئے ہیں، نہیں وہ زندہ ہیں! اور اپنے پروردگار کے حضور اپنی روزی پا رہے ہیں!

۱۶۴ اللہ نے اپنے فضل و کرم سے جو کچھ انہیں عطا فرمایا ہے، اس سے خوشحال ہیں، اور جو لوگ اُنکے پیچھے (دنیا میں) رہ گئے ہیں اور ابھی اُن سے ملے نہیں، اُنکے لئے خوش ہو رہے ہیں کہ نہ تو اُنکے لئے کسی طرح کا کھٹکا ہوگا نہ کسی طرح کی غمگینی!

۱۶۵ وہ اللہ کی نعمت اور فضل کے عطیوں سے مسرور ہیں۔ نیز اس بات سے کہ انہوں نے دیکھ لیا، اللہ ایمان رکھنے والوں کا اجر کبھی ضائع نہیں کرتا!

۱۶۶ جن لوگوں نے اللہ اور اُسکے رسول کی پکار کا جواب دیا (اور جنگ کے لئے طیار ہو گئے) باوجود یکہ ایک برس پہلے جنگ (احد کا) زخم کھا چکے تھے، سو یاد رکھو، ان میں جو لوگ نیک کردار اور متقی ہیں یقیناً اُنکے لئے (اللہ کے حضور) بہت بڑا اجر ہے!

۱۶۷ یہ وہ لوگ ہیں جن سے بعض آدمی کہتے تھے "تم سے جنگ کرنے کے لئے دشمنوں نے بہت بڑا گروہ جمع کر لیا ہے۔ پس چاہئے کہ اُن سے ڈرتے رہو" (اور مقابلہ کے لئے باہر نہ نکلو) لیکن (بجائے اسکے کہ یہ بات سن کر وہ خوفزدہ ہو جاتے) اُن کا ایمان اور زیادہ مضبوط ہو گیا۔ وہ (بے خوف و خطر ہو کر) بول اُٹھے "ہمارے لئے اللہ کا سہارا بس کرتا ہے۔ اور جس کا کارساز اللہ ہو تو کیا ہی اچھا اُس کا کارساز ہے!"

۱۶۸ پھر (ایسا ہوا کہ یہ لوگ بے خوف ہو کر نکلے اور) اللہ کی نعمت اور فضل سے شاد کام واپس آ گئے۔ کوئی

لَمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْءٌ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ۝ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ ۱۶۹
اَوْلِيَآءَهٗ ۪ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِى ۱۷۰
الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِى الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝
اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَلَا يَحْسَبَنَّ ۱۷۱-۱۷۲
الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِىْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ؕ اِنَّمَا نُمْلِىْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ
مُّهِيْنٌ ۝ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ ۱۷۳

گزند تمھیں چھو نہ سکا، اور اللہ کی خوشنودیوں کی راہ میں گامزن ہوئے۔ (یہ اللہ کا فضل تھا) اور اللہ بہت بڑا فضل رکھنے والا ہے!

۱۶۹ (اور یہ جو دشمنوں کا بھیجا ہوا ایک مخبر تمھیں بہکانا چاہتا تھا، تو) یہ اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ شیطان تھا جو تمھیں اپنے ساتھیوں سے ڈرانا چاہتا ہے۔ اگر تم ایمان رکھنے والے ہو تو شیطان کے ساتھیوں سے نہ ڈرو، اللہ سے ڈرو (اگر تم اللہ سے ڈرتے رہے، تو دنیا کی کوئی طاقت بھی تمھیں ڈرا نہ سکے گی!)

۱۷۰ (اے پیغمبر!) جو لوگ کفر کی راہ میں تیز گام ہیں، ان کی یہ حالت دیکھ کر تم آزردہ خاطر نہ ہو۔ یقین کرو وہ خدا (کے کاموں) کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے (۱) ۱۷۱ اپنے ہاتھوں خود اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں) اللہ چاہتا ہے کہ ان کے لئے آخرت (کی بخششوں اور نعمتوں) میں کوئی حصہ نہ رکھے (کیونکہ اس کا قانون سعادت و شقاوت ایسا ہی ہے) اور بالآخر ان کے لئے بہت بڑا عذاب ہے!

(۱) حکمت الٰہی نے دنیا کا کارخانہ کچھ اس طرح چلایا ہے کہ یہاں نیکی اور بدی، حق اور باطل، عدالت اور ظلم، دونوں کو مہلت ملتی ہے اور [illegible] کا قانون مہلت [illegible] زیادہ مہلت [illegible] ڈھیل دے [illegible] بات سے دھوکا نہیں کھانا چاہئے۔ یہ بات دیکھنی چاہئے کہ آخری کامیابی کس کے حصے میں آتی ہے؟ اہل حق کے لئے آخر [illegible] باطل کے لئے آخر [illegible]۔

۱۷۲ اور یہ جو ہم ان لوگوں کو جنھوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے (زندگی اور سروسامان زندگی کی مہلت دیکر) ڈھیل دے رہے ہیں، تو وہ یہ نہ سمجھیں کہ یہ ڈھیل ان کے حق میں بہتری ہے۔ نہیں، ہم انھیں ڈھیل دے رہے ہیں کہ (اگر بدعملیوں سے باز آنے والے نہیں تو) اپنے گناہوں میں اور زیادہ (جوابدہ) ہو جائیں، اور بالآخر ان کے لئے رسواکن عذاب ہو!

۱۷۳ ایسا نہیں ہو سکتا کہ اللہ ایمان والوں کو اسی حالت میں چھوڑ دے جس حالت میں تم آجکل اپنے آپ کو پاتے ہو (کہ منافق اور مومن دونوں ملے جلے زندگی بسر کر رہے ہیں) وہ ضرور ایسا کرے گا کہ ناپاک کو پاک سے

(۱) منافقوں کو بہت مہلت دی جا چکی [illegible] اب وقت آ گیا ہے کہ [illegible] مومنوں [illegible] اختیار کریں [illegible] منافقوں [illegible] حالت [illegible]

وَقَتْلَهُمُ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَنَقُولُ ذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ۝ ذَٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ ۱۷۸
أَيْدِيكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ ۝ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ عَهِدَ إِلَيْنَا أَلَّا نُؤْمِنَ ۱۷۹
لِرَسُولٍ حَتَّىٰ يَأْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَأْكُلُهُ النَّارُ ۗ قُلْ قَدْ جَاءَكُمْ رُسُلٌ مِنْ قَبْلِي بِالْبَيِّنَاتِ ۱۸۰
وَبِالَّذِي قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوهُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ فَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقَدْ كُذِّبَ ۱۸۱
رُسُلٌ مِنْ قَبْلِكَ جَاءُوا بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتَابِ الْمُنِيرِ ۝ كُلُّ نَفْسٍ ۱۸۲

ہنسی اڑاتے ہیں اور خدا کو محتاج کہتے ہیں تو عنقریب انکی پاداش میں یہ خود محتاج اور تباہ حال ہو جائینگے) اور ان کا نبیوں کو ناحق قتل کرنا (کہ انکے بداعمال کی سب سے بڑی شقاوت ہے) اور (اس وقت جب اس شقاوت کا نتیجہ پیش آئے گا تو) ہم کہیں گے اب (پاداش عمل میں) عذاب جہنم کا مزہ چکھو!

۱۷۸ تم جو کچھ اپنے ہاتھوں اپنے لئے مہیا کر چکے ہو یہ اسی کا نتیجہ ہے۔ ورنہ اللہ کے لئے تو یہ بات کبھی نہیں ہو سکتی کہ اپنے بندوں کے لئے ظلم کرنے والا ہو!

۱۷۹ جو لوگ کہتے ہیں "اللہ نے ہم سے عہد لیا ہے کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں جبتک وہ ہمارے پاس ایسی قربانی نہ لائے جسے آگ کھا لیتی ہو" تو تم ان سے کہدو

۱۸۰ (اگر تمہارے رد و قبول کا معیار یہی ہے تو بتلاؤ) مجھ سے پہلے اللہ کے کتنے ہی رسول سچائی کی روشن دلیلوں کے ساتھ تمہارے پاس آئے اور اس بات کے ساتھ بھی آئے جس کے لئے تم کہہ رہے ہو (یعنی سوختنی قربانی کے حکم کے ساتھ) پھر اگر تم اپنے قول میں سچے ہو تو کیوں تم (نے انھیں قبول نہیں کیا، اور کیوں ایمان لانے کی جگہ) انھیں قتل کرتے رہے؟

۱۸۱ (اے پیغمبر!) یہ لوگ اگر آج تمھیں جھٹلا رہے ہیں تو (یہ کوئی ایسی بات نہیں جو تمھارے ہی ساتھ پیش آئی ہو) تم سے پہلے کتنے ہی رسول ہیں جو (اسی طرح) جھٹلائے جا چکے ہیں۔ باوجودیکہ (سچائی کی) روشن دلیلیں، حکمت و موعظت کے صحیفے، اور (شریعت کی) روشن کتاب انکے ساتھ تھی۔

۱۸۲ (اے پیروان دعوت ایمانی! یاد رکھو) ہر جان کے لئے

تھا اور صدقۂ حق کے لئے اپیل کی جاتی تو یہ شریر اسکی ہنسی اڑاتے۔ یہ بات مذاق کرتے جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔ وہ کہتے یہ عجیب بات ہے کہ خدا کے نام پر مال طلب کیا جاتا ہے، کیا خدا محتاج ہو گیا ہے؟ اور ہم اسکے بندے بھرے پڑے ہیں کہ بڑا خرچ کرتے ہی رہیں!

نیز اسے ان کا یہ قول یہاں نقل کیا ہے، اور چونکہ منافقوں میں زیادہ تر وہی لوگ تھے جو یہودیت چھوڑ کر مسلمان ہوئے تھے، اور یہودیت انکے دلوں میں بسی ہوئی تھی۔ اس لئے ایک ایسی بات کی طرف اشارہ کر دیا ہے جو یہودی گروہ کی سب سے بڑی شقاوت رہ چکی ہے۔ یعنی سرکشی و بغیر حق نبیوں سے ان کا سرکشی کرنا اور انکے قتل میں بے باک ہو جانا۔

مدینہ کے علماء یہود دعوت اسلام کے خلاف تمام دلیلوں میں ایک یہ بات بھی کہتے تھے کہ تورات میں سوختنی قربانی کا حکم دیا گیا ہے۔ اس لئے ہم اسی نبی کو سچا مانیں گے جو سوختنی قربانی کے عمل کو لوٹا دے۔ سوختنی قربانی سے مقصود یہ ہے کہ یہودی جانوروں کی قربانی کر کے ان کا گوشت آگ میں جلا دیا کرتے تھے۔ چنانچہ تورات کی تیسری کتاب احبار کی پہلی فصل میں اس کا طریقہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ قرآن ان کا یہ اعتراض نقل کر کے کہتا ہے اگر تمہاری قبولیت کا معیار یہی بات ہے تو بتلاؤ، تم نے ان نبیوں کو کیوں قتل کیا جو تمہارے سوختنی قربانی کے حکم کے ساتھ آئے تھے؟

پیروان دعوت حق سے خطاب کہ تم کو تمام حق کی راہ میں مصیبتیں پیش آئیں گی

ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۖ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۗ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ ۞ ۱۸۳ لَتُبْلَوُنَّ فِيٓ أَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ ۟ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوٓا أَذًى كَثِيرًا ۚ وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ۞ ۱۸۴ وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهٗ ۟ فَنَبَذُوهُ وَرَآءَ ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُونَ ۞ ۱۸۵ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَآ أَتَوْا وَّيُحِبُّونَ أَنْ يُّحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ

(بالآخر) موت کا مزہ چکھنا ہے، اور جو کچھ تمھارے اعمال کا بدلہ ملنا ہے، وہ قیامت ہی کے دن پورا پورا ملیگا۔ اُس دن جو شخص آتش دوزخ سے ہٹا دیا گیا اور جنت میں داخل ہوگیا، تو کامیابی اُسی کی کامیابی ہے۔ اور دنیا کی زندگی تو اسکے سوا کچھ نہیں ہے کہ (خواہشوں اور ولولوں کی کھم جوئیوں کا) کارخانۂ فریب ہے!

۱۸۳ (یاد رکھو) ایسا ہونا ضروری ہے کہ تم جان مال کی آزمائشوں میں ڈالے جاؤ۔ اور یہ بھی ضرور ہونا ہے کہ اہل کتاب اور مشرکین عرب سے تمھیں دکھ پہنچانے والی باتیں بہت کچھ سننی پڑیں۔ لیکن اگر تم نے صبر کیا (یعنی مقابلہ و محن میں ثابت قدم رہے) اور تقویٰ کا شیوہ اختیار کیا (یعنی احکام حق کی نافرمانی سے بچتے رہے) تو بلاشبہ تجھے کاموں کی راہوں میں یہ بڑے ہی عزم و ہمت کی بات ہوگی (اور جو جماعت عزم و ہمت سے کام لیتی ہے، تو آخر کی فتحمندی اسی کے حصے میں آئی ہے!)

۱۸۴ اور (دیکھو) جب ایسا ہوا تھا کہ جن لوگوں کو کتاب دی گئی ہے، اُن سے خدا نے اس بات کا عہد لیا تھا کہ (جو کچھ اس کتاب میں ہے) اُسے لوگوں پر واضح کرتے رہنا، اور ایسا نہ کرنا کہ (بتلانے اور اعلان کرنے کی جگہ) چھپانے لگو، لیکن انھوں نے (یہ عہد یوں پورا کیا کہ) کتاب اللہ پس پشت ڈال دی اور اسے تھوڑے داموں پر فروخت کر ڈالا (یعنی دنیا کے حقیر فائدوں کے لئے حق فروشی کرنے لگے) پس کیا ہی بُرا وہ دام ہے جو (حق فروشی کے بدلے) حاصل کیا گیا!

۱۸۵ (اے پیغمبر!) جو لوگ اپنے کرتوتوں پر خوش ہوتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ اُن کاموں کے لئے سراہے جائیں جو انھوں نے کبھی نہیں کئے، تو تم ہرگز ایسا نہ سمجھنا کہ (وہ دانے ظالم) عذاب سے بچے رہینگے، نہیں یقیناً اُنکے لئے

یہ تو ضروری ہے کہ اس راہ کی تمام آزمائشوں سے تمھیں گزرنا ہے۔ اہل کتاب اور مشرکین عرب دونوں تمھاری مخالفت میں کمربستہ ہوگئے ہیں۔ وہ طرح طرح کی اذیتیں تمھیں پہنچائینگے اور تمھیں ہر قسم کی آزمائش ہوگی۔ تمھاری کامیابی کے لئے اصلی چیز صبر اور تقویٰ ہے۔ اگر تم نے صبر کیا اور تقویٰ کا سررشتہ ہاتھ سے نہ دیا، تو یقیناً [illegible] تمھارے ہی لئے ہوگا۔

اللہ نے اہل کتاب کو اپنی کتاب کا حامل بنایا تھا اور ان سے عہد لیا تھا کہ اسکے احکام کی تعلیم و تبلیغ اپنا فرض سمجھیں گے۔ لیکن وہ طرح طرح کی گمراہیوں میں مبتلا ہوگئے اور عہد الٰہی فراموش کر دیا۔ اب جو انھیں اہل کتاب ہونے کا گھمنڈ ہے۔ وہ چاہتے ہیں دنیا اس بات کے لئے انھیں سراہے جو نہ تو انھوں نے کی ہو اور نہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

مسلمانو! پیروان دعوت قرآن کو متنبہ کیا کہ اہل کتاب کی محرومی و شقاوت کا اصل سبب یہی گمراہی ہے۔ [illegible] ایسا نہ ہو کہ تم بھی اسی میں مبتلا ہو جاؤ!

وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَاللَّهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ ۱۸۶ إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۝ ۱۸۷ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَّقُعُودًا وَّعَلٰى جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ ۱۸۸

رسوا کن عذاب ہو!

۱۸۶ اور (دیکھو) آسمان و زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کے لئے ہے، اور اس کی قدرت کے احاطہ سے کوئی بات باہر نہیں!

۱۸۷ بلاشبہ آسمان اور زمین کی خلقت میں اور رات دن کے ایک کے بعد ایک آتے رہنے میں ارباب دانش کے لئے معرفت حق کی (بڑی ہی) نشانیاں ہیں!

۱۸۸ وہ ارباب دانش جو کسی حال میں بھی اللہ کی یاد سے غافل نہیں ہوتے۔ کھڑے ہوں، بیٹھے ہوں، لیٹے ہوئے ہوں (لیکن ہر حال میں اللہ کی یاد ان کے اندر بسی ہوتی ہے) اور جن کا شیوہ یہ ہوتا ہے کہ آسمان و زمین کی خلقت میں غور و فکر کرتے ہیں (اس ذکر و فکر کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ان پر معرفت حقیقت کا دروازہ کھل جاتا ہے ـــ وہ پکار اٹھتے ہیں:) اے ہمارے پروردگار! یہ سب کچھ جو تو نے پیدا کیا ہے سو بلاشبہ بیکار و عبث نہیں پیدا کیا ہے (ضروری ہے کہ یہ کارخانہ ہستی جو اس حکمت و خوبی کے ساتھ بنایا گیا ہے، کوئی نہ کوئی مقصد و غایت بھی رکھتا ہو) یقیناً تیری ذات اس سے پاک ہے کہ ایک فعل عبث اس سے صادر ہو، خدایا! ہمیں عذاب آتش سے (جو دوسری زندگی میں پیش آنے والا ہے) بچا لیجیو!

آسمان و زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کے زیر فرمان ہے پس اگر وہ تحقیق کا مذاق درست نہیں عطا فرمانا چاہے تو تمہارا ہی وہ کون ہے کہ سکتا ہے؟ لیکن شرط یہ ہے کہ سچائی پر ہو کر راہ حق میں استوار رہو حق کی نصرت و استقامت کا سرچشمہ اللہ کا ذکر اور کائنات خلقت میں تفکر ہے۔
ذکر سے مقصود یہ ہے کہ اللہ کی یاد سے تمہارا دل خالی نہ ہو۔
فکر سے مقصود یہ ہے کہ آسمان و زمین کی خلقت اور کائنات فطرت کے حوادث و مظاہر میں غور و فکر کرتے رہو۔
ذکر سے تمہارے دل کی غفلت دور ہو گی۔
فکر سے تم پر حقیقت کی معرفت کے دروازے کھل جائیں گے۔
جن لوگوں کے دل غفلت سے پاک ہو گئے ہیں اور کائنات خلقت میں تفکر کرتے ہیں ان پر حقیقت کھل جاتی ہے کہ یہ تمام کارخانہ ہستی اور اس کا عجیب و غریب نظام بغیر کسی اعلیٰ مقصد اور نتیجے کے نہیں ہو سکتا اور ضروری ہے کہ انسان کی دنیوی زندگی کے بعد بھی کوئی دوسری زندگی ہو اور جو کچھ اس زندگی میں کیا جاتا ہے اس کے نتائج اُس زندگی میں پیش آئیں۔
جب حقیقت ان پر کھل گئی ہو تو ان کی روح خدا پرستی کے جوش سے معمور ہو جاتی ہے۔ وہ خدا کے آگے بندگی و نیاز کا سر جھکا دیتے ہیں اور اس کی بخشش و رحمت کے طلبگار رہتے ہیں۔
اللہ کا قانون یہ ہے کہ وہ کسی انسان کا عمل نیک ضائع نہیں کرتا [illegible] حق کی راہ میں کوئی مصیبت ضائع ہو جانے والی نہیں۔ پس جو لوگ حق پرستی کی راہ میں طرح طرح کی مصیبتیں برداشت کر رہے ہیں وہ یقین رکھیں کہ ان کے اعمال حق کے قوانین کبھی ضائع ہونے والے نہیں۔

رَبَّنَا إِنَّكَ مَن تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهُ ۖ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ ۝ رَّبَّنَا إِنَّنَا سَمِعْنَا ۱۸۹-۱۹۰
مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا ۚ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا ۱۹۱
مَعَ الْأَبْرَارِ ۝ رَبَّنَا وَآتِنَا مَا وَعَدتَّنَا عَلَىٰ رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ ۝ فَاسْتَجَابَ ۱۹۲-۱۹۳
لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ ۖ بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ ۖ فَالَّذِينَ ۱۹۴
هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ
وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ثَوَابًا مِّنْ عِندِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عِندَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ ۝ لَا يَغُرَّنَّكَ ۱۹۵-۱۹۶
تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ۝

۱۸۹ خدایا! جس (بدبخت) کے لئے ایسا ہو کہ تو اسے آتش دوزخ میں ڈالے، تو بلاشبہ تو نے اسے بڑی ہی خواری میں ڈالا۔ اور (جس دن ایسا ہوگا، تو) ان ظلم کرنے والوں کے لئے کوئی مددگار نہ ہوگا!

۱۹۰ خدایا! ہم نے ایک منادی کرنے والے کی منادی سنی، جو ایمان کی طرف بلا رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا "لوگو!

۱۹۱ اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ" تو ہم نے اس کی پکار سن لی اور ایمان لے آئے۔ پس خدایا! ہمارے گناہ بخش دے، ہماری برائیاں مٹا دے، اور (اپنے فضل و کرم سے) ایسا کر کہ ہماری موت نیک کرداروں کے ساتھ ہو!

۱۹۲ خدایا! ہمیں وہ سب کچھ عطا فرما جس کا تو نے اپنے رسولوں کی زبانی وعدہ فرمایا ہے، اور (اپنے لطف و کرم سے) ایسا کر کہ قیامت کے دن ہمیں تیرے حکم سے ذلت و خواری نصیب نہ ہو! بلاشبہ تو ہی ہے کہ تیرا وعدہ کبھی خلاف نہیں ہو سکتا!

۱۹۳ (جب ارباب دانش کے فکر و عمل کی صدائیں یہ تھیں) تو انکے پروردگار نے بھی ان کی دعائیں قبول کرلیں (خدا نے فرمایا) بلاشبہ میں کبھی کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کرتا۔ مرد ہو خواہ عورت۔ تم سب ایک

۱۹۴ دوسرے کی جنس ہو (اور عمل کے نتائج کا قانون سب کے لئے یکساں ہے) پس (دیکھو) جن لوگوں نے (راہ حق میں) ہجرت کی، اپنے گھروں سے نکالے گئے، میری راہ میں ستائے گئے، اور پھر (راہ حق میں) لڑے اور قتل ہوئے، تو (انکے یہ اعمال حق کبھی رائگاں جانے والے نہیں) یقینی ہے کہ میں ان کی خطائیں محو کر دوں اور انہیں (نعیم ابدی کے) باغوں میں پہنچا دوں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں (اور اس لئے ان کی شادابی کبھی ختم

۱۹۵ ہونے والی نہیں) یہ اللہ کی طرف سے انکے اعمال کا ثواب ہوگا، اور اللہ ہی ہے جس کے پاس (جزاء عمل میں) بہتر ثواب ہے!

۱۹۶ (اے پیغمبر!) جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے ان کا (عیش و کامرانی کے ساتھ) ملکوں میں سیر و گردش کرنا تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے۔ یہ جو کچھ ہے

حق کی جزا اس بیان سے ہوئی تھی کہ خدا انسان کی رہنمائی کے لئے اپنا کلام نازل کرتا ہے۔ اس کا قانون ہے کہ جو لوگ اسے قبول کرتے ہیں سعادت و کامرانی پاتے ہیں، جو شرارت و سرکشی سے مقابلہ کرتے

۱۹۷ مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ لَٰكِنِ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي

۱۹۸ مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا نُزُلًا مِّنْ عِندِ اللَّهِ ۗ وَمَا عِندَ اللَّهِ خَيْرٌ لِّلْأَبْرَارِ ۝ وَإِنَّ

مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَن يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْكُمْ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِمْ خَاشِعِينَ لِلَّهِ لَا

۱۹۹ يَشْتَرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۗ أُولَٰئِكَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ

۲۰۰ الْحِسَابِ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝

میں نامراد رہتے ہیں۔ اسی سلسلۂ ہدایت کے ماتحت آخری کتاب یعنی قرآن نازل ہوا ہے۔

اب سورت کا اختتام بھی اسی بیان پر ہو رہا ہے۔ یہ گویا سورت کے تمام بیانات کا ماحصل ہے:

(۱) دعوت قرآن کے مخالف کتنی ہی تدبیریں کریں اور بظاہر کتنے ہی خوشحال نظر آئیں لیکن بالآخر ہونا یہی ہے کہ دعوت قرآن کامیاب ہو۔

(۲) اہل کتاب کی جو جماعتیں عرب میں دعوت حق کا مقابلہ کر رہی ہیں ان کے لئے بالآخر نامرادی رہنا ہے۔ البتہ جو لوگ سچائی کی راہ اختیار کر لیں گے، تو ان کے لئے کوئی کھٹکا نہیں۔ وہ اپنی راست بازی و نیک عملی کا اجر ضرور پائیں گے، اور خدا کا قانون محاسبۂ اعمال میں سست رفتار نہیں۔

(۳) پیروان دعوت قرآن کے لئے دستور العمل یہ ہے کہ صبر کریں، راہ عمل میں ایک دوسرے کے ساتھ بندھ جائیں، اور ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہیں۔ اگر انہوں نے ایسا کیا تو کامیابی انہی کے لئے ہے۔

محض تھوڑا سا فائدہ اٹھا لو (جو ان کے حصہ میں آیا ہے) بالآخر ان کا ٹھکانا جہنم ہے، اور (جس کا ٹھکانا جہنم ہو، تو) کیا ہی برا ٹھکانا ہے!

۱۹۷ لیکن جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرے (اور راست بازی کی راہ اختیار کی) تو ان کے لئے (بہشتی زندگی کے) باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ وہ ہمیشہ (نعیم سرمدی کی) اسی حالت میں رہیں گے۔ یہ ان کے لئے اللہ کی طرف سے مہمانی ہوگی، اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے، سو وہ نیک کرداروں کے لئے اچھائی اور خوبی ہی ہے!

۱۹۸ اور یقیناً اہل کتاب میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ پر سچا ایمان رکھتے ہیں، اور جو کچھ تم پر نازل ہوا ہے اور جو کچھ ان پر نازل ہو چکا ہے، سب کے لئے ان کے دل میں یقین ہے۔ نیز ان کے دل اللہ کے آگے جھکے ہوئے ہیں، وہ

۱۹۹ ایسا نہیں کرتے کہ خدا کی آیتیں تھوڑے داموں پر فروخت کر ڈالیں۔ تو بلاشبہ (ایسے لوگوں کے لئے کوئی کھٹکا نہیں) ایسے ہی لوگ ہیں جن کے لئے ان کے پروردگار کے حضور ان کا اجر ہے، اور یقیناً اللہ (کا قانون مکافات) اعمال کے حساب میں سست رفتار نہیں!

۲۰۰ اے پیروان دعوت ایمانی! (اگر کامیابی و سعادت حاصل کرنی چاہتے ہو تو ساری باتوں کا اصل یہ ہے کہ) صبر کرو۔ ایک دوسرے کو صبر کی ترغیب دو، ایک دوسرے کے ساتھ بندھ جاؤ، اور (ہر حال میں) خدا سے ڈرتے رہو۔ تاکہ (اپنے مقصد میں) کامیاب ہو!

۴ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا ۝
۵ وَابْتَلُوا الْيَتَامَىٰ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ ۖ وَلَا تَأْكُلُوهَا إِسْرَافًا
۶-۷ وَبِدَارًا أَنْ يَكْبَرُوا ۚ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۖ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ ۚ فَإِذَا دَفَعْتُمْ
۸ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهِدُوا عَلَيْهِمْ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا ۝ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ
وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ۚ نَصِيبًا
۹ مَفْرُوضًا ۝ وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُمْ مِنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا

۴ اور (دیکھو) مال و متاع کو خدا نے تمھارے لئے قیام (معیشت) کا ذریعہ بنایا ہے۔ پس ایسا نہ کرو کہ کم عقل آدمیوں کے حوالے کر دو (یعنے کم عمر اور نادان لڑکوں کے حوالے کر دو۔ اگر وہ کم سن ہیں تو) ایسا کرنا چاہیے کہ اُنکے مال میں سے اُنکے کھانے اور کپڑے کا انتظام کر دیا جائے اور نیکی اور بھلائی کی بات اُنھیں سمجھا دیجیے۔

۵ اور یتیموں کی حالت پر نظر رکھ کر اُنھیں آزماتے رہو (کہ اُنکی سمجھ بوجھ کا کیا حال ہے؟) یہاں تک کہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں۔ پھر اگر اُن میں صلاحیت پاؤ تو اُن کا مال اُنکے حوالے کر دو۔

اور اس خیال سے کہ بڑے ہو کر مطالبہ کریں گے، فضول خرچی کر کے جلد جلد اُنکا مال کھا پی نہ ڈالو۔

۶ (یتیموں کے سرپرستوں میں سے) جو مقدور والا ہو اُسے چاہیے (اُنکے مال پر اپنے خرچ کا بار ڈالنے سے) پرہیز کرے۔ جو حاجتمند ہو، وہ البتہ لے سکتا ہے مگر ٹھیک طریقہ پر (یعنے بقدر احتیاج)

۷ پھر جب ایسا ہو کہ اُن کا مال اُنکے حوالے کرو، تو چاہیے کہ اُس پر لوگوں کو گواہ کر لو۔ اور (یہ نہ بھولو کہ) محاسبہ کرنے کے لئے اللہ کا محاسبہ بس کرتا ہے!

۸ ماں باپ اور رشتہ داروں کے ترکے میں تھوڑا ہو یا بہت، لڑکوں کا حصہ ہے، اور اسی طرح ماں باپ اور رشتہ داروں کے ترکے میں لڑکیوں کا بھی حصہ ہے۔ (حقدار ہونے کے لحاظ سے دونوں برابر ہیں) اور یہ حصہ (خدا کا) ٹھہرایا ہوا حصہ ہے!

۹ اور (دیکھو) جب ایسا ہو کہ ترکہ تقسیم کرنے کے وقت (دُور کے) رشتہ دار اور (خاندان کے) یتیم اور مسکین افراد بھی حاضر ہو جائیں تو چاہیے کہ ترکے کے مال میں سے اُنھیں بھی (حسب مقدور) تھوڑا بہت دیدو، اور (اگر اس بارے میں رد و کد ہو، تو) اُنھیں اچھے طریقہ پر بات کہکر سمجھا دو (کیونکہ وہ حاجتمند ہیں اور حاجتمند

(۸) اسلام سے پہلے عام طور پر یہ خیال پھیلا ہوا تھا کہ مال جائداد کی وراثت میں لڑکیوں کا کوئی حصہ نہیں۔ اس گمراہی کا ازالہ کیا گیا اور یہ اصل قائم کر دیا گیا کہ حقدار ہونے کے لحاظ سے مرد اور عورت، دونوں برابر ہیں۔

(۹) ورثہ تقسیم کرو، تو جو لوگ دُور کے رشتہ دار ہوں یا خاندان کے یتیم و مسکین افراد، اُنھیں فراموش نہ کرو۔ تقسیم میں اُن کا حق نہیں لیکن پھر بھی جب ترکہ تقسیم ہو اُنھیں بھی کچھ دینا چاہیے۔

(۱۰) جو لوگ یتیموں کے مال میں خیانت کرتے ہیں اُنکے لئے عذاب کی سخت وعید۔

وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعَافًا خَافُوا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۝ (۱۰) إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ۝ (۱۱) يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ ۚ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ ۚ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ (۱۲)

کے ساتھ نرمی و شفقت سے پیش آنا چاہیے)

(۱۰) اور لوگوں کو (اس بات سے) ڈرنا چاہیے کہ (کسی حقدار کے حق میں ناانصافی کیجائے) اگر وہ اپنے پیچھے ناتواں اولاد چھوڑ جاتے تو انھیں اُن کی طرف سے کیسا کچھ اندیشہ ہوتا؟ (ایسا ہی دوسروں کے لیے بھی سمجھیں) پس چاہیے کہ اللہ سے ڈریں اور ایسی بات کہیں جو درست اور مضبوط ہو۔

(۱۱) جو لوگ یتیموں کا مال ناانصافی سے خورد برد کر لیتے ہیں تو (وہ یاد رکھیں) یہ اسکے سوا کچھ نہیں ہو کہ اپنے شکم میں آگ کے انگارے بھر رہے ہیں اور قریب ہو کہ دوزخ میں جھونکے جائینگے۔

(۱۲) تمھاری اولاد کے بارے میں اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ لڑکے کے لئے دو لڑکیوں کے برابر حصہ ہو (یعنے لڑکی سے لڑکے کا حصہ دوگنا ہونا چاہیے)

پھر اگر ایسا ہو کہ لڑکیاں دو سے زیادہ ہوں تو ترکے میں اُن کا حصہ دو تہائی ہوگا۔

اور اگر اکیلی ہو تو اُسے آدھا ملے گا۔

اور میت کے ماں باپ میں تو ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ ملیگا لیکن یہ اُس صورت میں ہو کہ میت کے اولاد ہو۔ اگر اولاد نہ ہو اور وارث صرف ماں باپ ہی ہوں تو ماں کے لئے تہائی (باقی باپ کا)

اگر (ماں باپ کے علاوہ) میت کے ایک سے زیادہ بھائی یا بہنیں بھی ہوں تو ماں کا حصہ چھٹا ہوگا۔

لیکن یاد رہے میت نے جو کچھ وصیت کر دی ہو، یا جو کچھ اسپر قرض رہ گیا ہو اُسکی تعمیل اور ادائیگی کے بعد حصے تقسیم ہونگے۔

ترکے کی تقسیم اور حقداروں کے حصوں کا بیان۔

اصل اس باب میں یہ ہو کہ لڑکے کو دو لڑکیوں کے برابر حصہ ملنا چاہیے۔ یعنے لڑکی سے لڑکے کا حصہ دوگنا ہو۔

میت نے جو کچھ وصیت کی ہو پہلے اُسکی تعمیل کرنی چاہیے اور جو کچھ اُسپر قرض رہ گیا ہو اُسے ادا کر دینا چاہیے۔ اسکے بعد جو کچھ بچ رہے وارثوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ البتہ ضروری ہو کہ وصیت ٹھیک طور پر کی گئی ہو۔ اس غرض سے نہ کی گئی ہو کہ حقداروں کو انکے حق سے محروم کر دیا جائے۔ (۱۵)

(احادیث سے یہ حکم معلوم ہو چکا ہو کہ جبتک کسی کے وارث موجود ہوں وہ اپنے ترکے کے ایک تہائی حصے تک کے لئے وصیت کر سکتا ہے۔ اس سے زیادہ میں وصیت واجب التعمیل نہ ہوگی۔)

آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿﴾ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ ۚ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۚ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُم ۚ مِّن بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ وَإِن كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَإِن كَانُوا أَكْثَرَ مِن ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ ۚ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَىٰ بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ﴿﴾

(دیکھو) تمھارے باپ دادا بھی ہیں اور تمھاری اولاد بھی ہو۔ (یعنے رشتہ کے لحاظ سے اوپر کا بھی رشتہ ہے اور نیچے کا بھی) تم نہیں جانتے نفع رسانی کے لحاظ سے کونسا رشتہ تم سے زیادہ نزدیک ہے (اور کس کا حق زیادہ ہونا چاہیے۔ کس کا کم۔ اللہ کی حکمت ہی اس کا فیصلہ کر سکتی تھی۔ پس) اللہ نے حصے ٹھہرا دئے ہیں اور وہ (اپنے بندوں کی مصلحت کا) جاننے والا اور (اپنے تمام احکام میں) حکمت رکھنے والا ہے!

۱۳ تمھاری بیویاں جو کچھ ترکے میں چھوڑ جائیں اس کا حکم یہ ہے کہ اگر ان سے اولاد نہ ہو تو تمھارا (یعنے شوہر کا) حصہ آدھا ہے۔ اگر اولاد ہو تو چوتھائی۔ مگر یہ تقسیم اسکے بعد ہوگی کہ جو کچھ وہ وصیت کر گئی ہوں اسکی تعمیل ہو جائے اور جو کچھ ان پر قرض ہو، ادا کر دیا جائے۔

۱۴ اور جو کچھ ترکہ تم چھوڑ جاؤ (یعنے شوہر چھوڑ جائے) تو اس کا حکم یہ ہوگا کہ اگر تم سے اولاد نہ ہو، تو بیوی کا حصہ چوتھائی ہوگا۔ اگر اولاد ہو تو آٹھواں۔ جو کچھ تم وصیت کر جاؤ اسکی تعمیل اور جو کچھ تم پر قرض رہ گیا ہو اسکی ادائگی کے بعد۔

۱۵ اور اگر ایسا ہو کہ کوئی مرد یا عورت ترکہ چھوڑ جائے اور وہ کلالہ ہو (یعنے نہ تو اس کا باپ ہو نہ بیٹا) اور (دوسری ماں سے) اسکے بھائی یا بہن ہو، تو اس کا حکم یہ ہے کہ بھائی بہن میں سے ہر ایک کا حصہ چھٹا ہوگا۔

۱۶ اور اگر بھائی بہن (ایک سے) زیادہ ہوں تو پھر ایک تہائی میں سب برابر کے شریک ہونگے۔ لیکن اس وصیت کی تعمیل کے بعد جو میت نے کر دی ہو۔ نیز اس قرض کی ادائگی کے بعد جو میت کے ذمے رہ گیا ہو۔ بشرطیکہ وصیت اور قرض سے مقصود (حقداروں کو) نقصان پہنچانا نہ ہو۔ یہ (ترکے کی تقسیم کے بارے میں) اللہ کی طرف سے حکم ہے۔ اور (یقین رکھو) اللہ (بندوں کے مصالح) جاننے

کلالہ کی میراث کا حکم۔

کلالہ سے مقصود ایسا مرد یا ایسی عورت ہے جسکے نہ تو باپ ہو کہ اوپر کا رشتہ ہو۔ نہ بیٹا ہو کہ نیچے کا رشتہ ہو۔

ایسی میت کے وارثوں کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔

(۱) سگے بھائی بہن ہوں۔

(۲) علاتی بھائی بہن ہوں۔ یعنے باپ ایک لیکن مائیں مختلف ہوں

(۳) اخیافی بھائی بہن ہوں۔ یعنے ماں ایک ہو۔ باپ مختلف ہوں

یہاں تیسری صورت کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ پہلی اور دوسری صورت کا حکم سورت کی آخری آیت میں ہے۔

تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ وَذٰلِكَ ۱۷
الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ ۱۸
عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ ۱۹
شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰىهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ۝ وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا ۲۰
مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝ اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ ۲۱

والا اور (ان کی کمزوریوں کے لئے اپنے احکام و قوانین میں) بہت بردبار ہو!

۱۷ (یاد رکھو) یہ اللہ کی (ٹھہرائی ہوئی) حد بندیاں ہیں پس جو کوئی اللہ اور اسکے رسول کی فرمانبرداری کریگا، تو اللہ اسے (ابدی راحتوں کے) ایسے باغوں میں داخل کردیگا جنکے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی (اور اس لئے ان کی شادابی کبھی متغیر ہونے والی نہیں) وہ (سرور و راحت کی) اس حالت میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی ہی کامیابی ہو جو انھیں حاصل ہوگی!

۱۸ لیکن جس کسی نے اللہ اور اسکے رسول کی نافرمانی کی، اور اسکی ٹھہرائی ہوئی حد بندیوں سے باہر نکل گیا تو (یاد رہے) وہ (جنت کی ابدی راحتوں کی جگہ) آگ کے عذاب میں ڈالا جائے گا۔ وہ ہمیشہ اسی حالت میں رہیگا، اور اسکے لئے رسوا کن عذاب ہوگا!

بدچلن عورتوں اور مردوں کی تعزیر کا حکم لہ

۱۹ اور تمھاری عورتوں میں سے جو عورتیں بدچلنی کی مرتکب ہوں، تو چاہئے کہ اپنے آدمیوں میں سے چار آدمیوں کی اسپر گواہی لو۔ اگر چار گواہ گواہی دیدیں، تو پھر ایسی عورتوں کو گھروں میں بند رکھو۔ یہاں تک کہ موت اُن کی عمر پوری کردے۔ یا اللہ اُنکے لئے کوئی دوسری راہ پیدا کردے۔

۲۰ اور جو دو شخص تم میں سے بدچلنی کے مرتکب ہوں، تو چاہئے کہ اُن دونوں کو اذیت پہنچاؤ (یعنے انھیں ٹوکو جس سے انھیں اذیت پہنچے) پھر اگر وہ دونوں توبہ کرلیں اور اپنی حالت سنوار لیں تو انھیں چھوڑدو۔ بلاشبہ اللہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا اور رحمت رکھنے والا ہو!

منشاء حقیقت کی طرف اشارہ کہ کیسی توبہ قبولیت کی توبہ ہو

۲۱ البتہ یاد رہے کہ اللہ کے حضور توبہ کی قبولیت انھی

لہ مفسرین کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ ان آیات میں جس بدکاری کا ذکر کیا گیا ہے وہ اس سے مقصود زنا ہی ہے اور جس سزا کا حکم دیا گیا ہے وہ اوائل اسلام میں دیا گیا تھی۔ بعد کو جب سورۂ نور نازل ہوئی تو زنا کی سزا مقرر ہو گئی اور یہ سزا باقی نہیں رہی۔ لیکن بعض مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ ان آیتوں میں اور سورۂ نور میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ یہاں جرم کی سزا نہیں بیان کی گئی ہے بلکہ ایک مختلف جرم کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہاں بدچلنی کا ذکر کیا ہے جس سے مقصود بدچلنی ہے جو زنا کی حد تک نہیں پہنچی ہو اور دونوں احکام اپنی اپنی جگہ باقی ہیں۔

۲۴ وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ

۲۵ شَيْـًٔا ۭ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى

۲۶ بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝ وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَاۗؤُكُمْ مِّنَ النِّسَاۗءِ اِلَّا

۲۷ مَا قَدْ سَلَفَ ۭ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ۝ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ

وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ

۲۴ اور اگر تم (حسنِ معاشرت کے ساتھ نباہ نہ کر سکو اور) ارادہ کرلو کہ ایک بیوی کو چھوڑ کر اس کی جگہ دوسری کرلوگے، اور پہلی بیوی کو تم نے (چاندی سونے کا) ایک ڈھیر بھی (مہر میں) دیدیا ہو، تو بھی نہیں چاہیے کہ (اسے علیحدہ کرتے ہوئے) اس میں سے کچھ واپس لے لو۔ کیا تم چاہتے ہو، اپنا دیا ہوا مال بہتان لگا کر اور ظلم و تعدی کر کے واپس لے لو؟

۲۵ اور پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم اُسے واپس لو، حالانکہ تم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ شوہر اور بیوی کا ملنا مل چکے ہو، اور تمھاری بیویاں تم سے نکاح کے وقت (اپنے حقوق کے لئے) پکا قول قرار کرا چکی ہیں؟

جن رشتوں میں باہم نکاح جائز نہیں اُن کا بیان۔

۲۶ اور (دیکھو) اُن عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ لاؤ جنھیں تمھارے باپ نکاح میں لا چکے ہوں (جیسا کہ اسلام سے پہلے عرب میں دستور تھا) اس (حکم کے نازل ہونے) سے پہلے جو کچھ ہو چکا سو ہو چکا (آئندہ کے لئے یاد رکھو کہ) یہ بڑی ہی بے حیائی کی بات تھی، مکروہ و مردود شیوہ تھا، اور بُرا دستور۔

۲۷ (دیکھو) تم پر (نکاح کے لئے) اِن رشتوں کی عورتیں حرام ٹھہرادی گئی ہیں:

تمھاری مائیں۔

تمھاری بیٹیاں۔

تمھاری بہنیں۔

تمھاری پھوپیاں۔

تمھاری خالائیں۔

تمھاری بھتیجیاں۔

تمھاری بھانجیاں۔

تمھاری دودھ پلانے والی مائیں۔ (مائیں کیونکہ جنھوں نے تمھیں دودھ پلایا وہ تمھارے ماں کے ہی برابر ہوگئیں)

وَأَخَوَاتُكُم مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُم مِّن نِّسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُم
بِهِنَّ فَإِن لَّمْ تَكُونُوا دَخَلْتُم بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ
أَصْلَابِكُمْ وَأَن تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا
۲۶ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ كِتَابَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ
ذَٰلِكُمْ أَن تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُم مُّحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ فَمَا اسْتَمْتَعْتُم بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً

تمھاری رضاعی بہنیں (یعنے دودھ پینے کے رشتہ کی بہنیں)

تمھاری بیویوں کی مائیں۔

تمھاری بیویوں کی (پچھلی) اولاد جو تمھاری گودوں میں (پرورش پاتی) ہیں (یعنے اگرچہ تمھاری نسل سے نہیں ہیں لیکن جب ان کی ماؤں سے تم نے نکاح کرلیا تو اُس کی سابقہ اولاد بھی تمھاری ہی اولاد جیسی ہوگئی) البتہ یہ ضروری ہے کہ (عقد نکاح کے بعد) زناشوئی کا تعلق بھی ہوگیا ہو۔ اگر ایسا نہ ہوا ہو تو پھر اُنکی (لڑکیوں سے نکاح کرلینے میں کوئی مواخذہ نہیں۔

تمھارے حقیقی بیٹوں کی بیویاں (یعنے تمھاری بہوئیں)

نیز یہ بات بھی حرام کردی گئی ہے کہ (ایک وقت میں) دو بہنوں کو جمع کرو۔[1]

(اس حکم کے نزول سے) پہلے جو کچھ ہو چکا سو ہو چکا۔ اللہ بخشنے والا اور (اپنے بندوں کے لئے) رحمت رکھنے والا ہے!

اور (دیکھو) وہ عورتیں بھی تم پر حرام ہیں جو دوسروں کے نکاح میں ہوں۔ ہاں (لڑائی کے قیدیوں میں سے) جو عورتیں تمھارے قبضہ میں آگئی ہوں (تو ظاہر ہے کہ انکے سابقہ نکاح کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا) یہ اللہ کی طرف سے تمھارے لئے (قانون) ٹھہرا دیا گیا ہے۔

۲۸ ان عورتوں کے علاوہ (جن کا ذکر اوپر گزر چکا) تمام عورتیں تمھارے لئے حلال ہیں (تم ان سے نکاح کرسکتے ہو) بشرطیکہ (ازدواجی زندگی کے) قید و بند میں رہنے کے لئے، نہ کہ نفس پرستی کے لئے اپنا مال خرچ کرکے ان سے نکاح کرو۔

پھر جن عورتوں سے تم نے (ازدواجی زندگی کا) فائدہ اٹھایا ہو، تو چاہیے کہ جو مہر ان کا مقرر ہوا تھا وہ ان کے حوالے کردو۔

[1] احادیث سے یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ خالہ بھانجی اور پھوپھی بھتیجی کا جمع کرنا بھی جائز نہیں ۱۲

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيضَةِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيمَانِكُمْ ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوهُنَّ اُجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ

اور مہر مقرر کرنے کے بعد اگر آپس کی رضامندی سے کوئی بات ٹھہر جائے (یعنی اس میں کمی بیشی بیوی منظور کرے۔ یا اس کا کوئی حصہ یا سب کچھ اپنی خوشی سے معاف کر دے) تو ایسا کیا جا سکتا ہے۔ اس میں تم پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا (یاد رکھو) اللہ (سب کچھ) جاننے والا اور (ہر بات میں) حکمت رکھنے والا ہے!

۲۹

اور تم میں جو کوئی اس کا مقدور نہ رکھتا ہو کہ مسلمان بی بیوں سے نکاح کرے تو ان عورتوں سے نکاح کر سکتا ہے جو (لڑائی کے قیدیوں میں سے) تمھارے قبضہ میں آئی ہیں اور مومن ہیں، اور (اس بات میں کوئی ذلت اور عیب نہ سمجھو کہ تم نے ایک ایسی عورت سے نکاح کر لیا جو لڑائی میں قید ہو کر آئی تھی اور لونڈی بنالی گئی تھی۔ بڑی چیز ایمان ہے) اور اللہ تمھارے ایمانوں کا حال بہتر جاننے والا ہے۔ (ہو سکتا ہے کہ ایک مومن لونڈی ایمان کے لحاظ سے بہتر درجہ رکھتی ہو، اور ایک شریف زادی ایمانی خصائل سے محروم ہو) اور تم سب ایک دوسرے کی ہم جنس ہو (یعنی انسان ہونے کے لحاظ سے سب ایک ہی طرح کے انسان ہیں) ایسی عورتوں کو ان کے سرپرستوں کی اجازت سے (بلا تأمل) اپنے نکاح میں لاؤ، اور دستور کے مطابق ان کا مہر ان کے حوالے کر دو۔ البتہ یاد رہے کہ وہ (ازدواجی زندگی کے) قید و بند میں رہنے والی ہوں۔ بدکار عورتیں نہ ہوں۔ اور نہ ایسی ہوں کہ چوری چھپے بدچلنی کرتی رہتی ہوں۔

اسیرانِ جنگ میں سے جو عورتیں تمھارے قبضہ میں آجائیں انھیں اس لئے حقیر و ذلیل نہ سمجھو کہ وہ دوسری قوم کی عورتیں ہیں یا لڑائی میں قید ہو کر آئی ہیں۔ انسان ہونے کے لحاظ سے ہر آدمی دوسرے آدمی کا ہم جنس ہے اور انسانی برادری کا رشتہ سارے رشتوں سے زیادہ قابلِ لحاظ ہے۔ ان میں سے جو عورتیں مسلمان ہو گئی ہوں تم ان سے نکاح کر سکتے ہو۔

نزولِ قرآن سے پہلے غلامی کی رسم تمام دنیا میں پھیلی ہوئی تھی ہر طاقتور قوم کمزور قوم کے افراد کو غلام بنا لیتی اور ان کے ساتھ نہایت وحشیانہ سلوک کرتی۔ قرآن نے اس بارے میں جو اصلاحات کیں انھیں دو لفظوں میں بیان کیا جا سکتا ہے۔

اولاً یہ کہ غلامی صرف اسیرانِ جنگ میں محدود کر دی۔ وہ بھی اس طرح کہ کم سے کم امکان اس کا باقی رکھا۔ سورۂ محمد کی آیت فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاءً (۴۷:۴) کے ذریعہ اعلان کر دیا کہ اگر مصالحِ جنگ کے خلاف نہ ہو تو چاہئے کہ اسیرانِ جنگ کو زرِ فدیہ یا احسان رکھ کر چھوڑ دیا جائے۔

ثانیاً غلاموں کے حقوق کی رعایت پر اس قدر زور دیا اور ان کے لئے ایسے احکام و قوانین نافذ کئے کہ غلامی غلامی نہیں رہی بلکہ شہری سوسائٹی کا ایک مساویانہ عنصر بن گئی!

چنانچہ یہاں اسی بات پر زور دیا گیا ہے۔ لونڈیوں سے نکاح کرنے میں کوئی عیب کی بات نہیں۔ انسان ہونے کے لحاظ سے سب انسان برابر ہیں۔ اور فضیلت کا معیار ایمان و عمل ہے۔

۳۰ فَإِذَآ أُحْصِنَّ فَإِنْ أَتَيْنَ بِفَٰحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى ٱلْمُحْصَنَٰتِ مِنَ ٱلْعَذَابِ ۚ ذَٰلِكَ
۳۱ لِمَنْ خَشِىَ ٱلْعَنَتَ مِنكُمْ ۚ وَأَن تَصْبِرُوا۟ خَيْرٌ لَّكُمْ ۗ وَٱللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ يُرِيدُ ٱللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَ
۳۲ يَهْدِيَكُمْ سُنَنَ ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ وَيَتُوبَ عَلَيْكُمْ ۗ وَٱللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ وَٱللَّهُ يُرِيدُ أَن يَتُوبَ عَلَيْكُمْ
وَيُرِيدُ ٱلَّذِينَ يَتَّبِعُونَ ٱلشَّهَوَٰتِ أَن تَمِيلُوا۟ مَيْلًا عَظِيمًا ۝ يُرِيدُ ٱللَّهُ أَن يُخَفِّفَ عَنكُمْ ۚ وَ
۳۳ خُلِقَ ٱلْإِنسَٰنُ ضَعِيفًا ۝ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَأْكُلُوٓا۟ أَمْوَٰلَكُم بَيْنَكُم بِٱلْبَٰطِلِ إِلَّآ أَن

۳۰ پھر اگر ایسا ہو کہ قیدِ نکاح میں آنے کے بعد (ان میں سے کوئی عورت) بدچلنی کی مرتکب ہو، تو اس کے لئے سزا ہے آدھی سزا ہوگی جو (آزاد) بی بیوں کے لئے ہے۔
یہ حکم اُن لوگوں کے لئے ہے جنھیں اندیشہ ہو کہ (نکاح نہ کر لینے سے نقصان اور برائی میں پڑ جائیں گے اور اگر تم صبر کرو (اور بہتر وقت و حالات کا انتظار کر سکو) تو یہ تمھارے لئے کہیں بہتر ہے، اور اللہ (انسانی کمزوریوں کو) بخشنے والا اور (اپنے تمام احکام میں) رحمت رکھنے والا ہے!

۳۱ اللہ چاہتا ہے، تم پر اُن (کامیاب اور انعام یافتہ) لوگوں کی راہ کھول دے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور انہی کے طریقہ پر تمھیں بھی چلائے۔ نیز تم پر (اپنی رحمت سے) لوٹ آئے۔ اور اللہ (تمھارے مصالح کا) جاننے والا اور (اپنے تمام احکام میں) حکمت رکھنے والا ہے!

۳۲ اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم پر (اپنی رحمت کے ساتھ) لوٹ آئے (اور تم اُن برائیوں سے تائب ہو جاؤ جن میں مبتلا تھے) لیکن جو لوگ (احکامِ حق کی جگہ نفسانی خواہشوں کے پیچھے چلتے ہیں تو وہ چاہتے ہیں تم راہِ اعتدال سے ہٹ کر بہت دور جا پڑو۔

یہ تمام احکام جو تمھارے لئے ظاہر فرمائے گئے ہیں، تو ان کا مقصد یہ ہے
(۱) اخلاق و سعادت کی جس راہ پر تم سے پہلے نیک انسان چل چکے ہیں وہ تم پر بھی کھل جائے۔
(۲) احکامِ معاشرت میں سختیاں اور دیگر تنگیاں نہ ہوں۔ سہولتیں اور آسانیاں ہوں۔
(۳) جن معاشرتی برائیوں میں تم مبتلا تھے ان سے آئندہ تائب ہو جاؤ
(۴) افراط و تفریط سے بچو اور نفس پرستی میں بے لگام نہ ہو جاؤ کہ اس کے بعد فردی اور معاشرتی زندگی کی سعادت حاصل نہیں ہو سکتی
خاندان کے تمام افراد وراثت والا اور وراثت پا رہے ہوں۔ پس آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقہ پر نہ کھاؤ۔ ہاں اگر کوئی تجارت ہو تو باہمی رضامندی سے ہر کوئی اپنا حصہ لے سکتا ہو۔ (۳۳)
اگر انسان بڑے بڑے گناہوں سے اجتناب کرے، تو رحمتِ الٰہی کا قانون یہ ہے کہ چھوٹی چھوٹی لغزشیں درگزر کر دیاں۔ اس کی نیکی و سعادت میں خلل نہیں ہوگی۔ اور وہ شرف و کرامت کا مقام حاصل کر لیتا ہے (۳۱)

اللہ چاہتا ہے، (بیجا سختیوں اور رکاوٹوں کی جگہ) تمھارے لئے نرمی اور آسانی ہو، اور (واقعہ ہے کہ) انسان (طبیعت کا) کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

۳۳ مسلمانو! ایک دوسرے کا مال آپس میں ناحق ناروا نہ کھاؤ۔ ہاں اس صورت میں کھا سکتے ہو کہ آپس کی

تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۚ وَلَا تَقْتُلُوٓا أَنْفُسَكُمْ ۚ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ۝ وَمَنْ ۳۴
يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيهِ نَارًا ۚ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيرًا ۝ إِنْ تَجْتَنِبُوا ۳۵
كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيمًا ۝ وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ ۳۶
بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۚ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا ۚ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۚ وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ
فَضْلِهٖ ۚ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ ۚ ۳۷

رضامندی سے تجارت ہو (اور اپنے حصہ کے مطابق ہر شخص اپنا حق لے لے) اور (دیکھو) اپنی جانوں کو ہلاک نہ کرو۔ اللہ تمہارے لئے رحمت رکھنے والا ہے!

۳۴ اور (یاد رکھو) جو کوئی ظلم و تعدی سے ایسا کرے گا، تو قریب ہے کہ ہم اُسے آتش دوزخ میں ڈال دیں اور اللہ کے لئے یہ کوئی مشکل بات نہیں۔

۳۵ (دیکھو) جن بڑی بڑی برائیوں سے تمہیں روک دیا گیا ہے، اگر تم اُن سے بچتے رہو گے، تو (ہمارے فضل و رحمت کا قانون یہ ہے کہ) ہم تمہاری لغزشوں اور غلطیوں کے اثرات تم پر سے محو کر دینگے اور تمہیں ایک ایسے مقام پر پہنچا دینگے، جو عزت و خوبی کا مقام ہوگا!

۳۶ اور (دیکھو) خدا نے تم میں سے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے مقابلہ میں جو کچھ دے رکھا ہے، اُس کی تمنا نہ کرو (کہ کاش ہمیں بھی یہ ملا ہوتا!) مردوں نے اپنے عمل سے جو کچھ حاصل کیا ہے اسکے مطابق (ثمرات و نتائج میں) اُن کا حصہ ہے اور عورتوں نے اپنے عمل سے جو کچھ حاصل کیا ہے اسکے مطابق (ثمرات و نتائج میں) اُن کا حصہ ہے (دونوں اپنی اپنی جگہ اپنے فرائض اعمال اور اُنکے نتائج رکھتے ہیں) اور چاہیے کہ ہر حال میں اللہ سے اُس کی بخشایش کے طلبگار رہو۔ یقیناً وہ ہر بات کا علم رکھنے والا ہے۔

۳۷ اور (دیکھو) جو کچھ ترکہ ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ جائیں، تو ان میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے حقدار ٹھہرا دئیے

نزول قرآن سے پہلے دنیا کا عالمگیر اعتقاد یہ تھا کہ وجود انسانی کو کامل طور پر صرف مرد ہی کی جنس میں پیدا ہوا ہے۔ عورتوں کی ہستی کوئی مستقل ہستی نہیں رکھتی۔ وہ صرف اس لئے بنائی گئی ہیں کہ مردوں کی خدمت گزار ہوں اور ان کی ضروریات زندگی میں کام آئیں۔

قرآن تاریخ عالم کی پہلی آواز ہے جو اس اعتقاد کے خلاف بلند ہوئی۔ وہ کہتا ہے خدا نے نوع انسانی کو مرد اور عورت دو جنسوں میں تقسیم کردیا ہے، اور دونوں یکساں طور پر اپنی ہستی، اپنے فرائض اور اپنے اعمال رکھتی ہیں۔ کارخانہ معیشت کے لئے جس طرح ایک جنس کی ضرورت تھی، ٹھیک اسی طرح دوسری جنس کی بھی ضرورت تھی۔ انسان کی معاشرتی زندگی کے لئے یہ دو مساوی عنصر ہیں جو اس لئے پیدا کئے گئے ہیں کہ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر ایک کامل زندگی پیدا کریں۔

البتہ اللہ نے دنیا میں ہر گروہ کو دوسرے گروہ پر بعض خاص باتوں میں مرتبہ دیدیا ہے اور ایسی ہی مرتبہ مردوں کو بھی عورتوں پر دیا ہے۔ تو عورتوں کی ضروریات معیشت کے قیام کا ذریعہ ہیں۔ اس لئے سربراہی کا درجہ قدرتی طور پر انہی کے لئے ہوگیا۔ (۳۴)

عورتیں یہ خیال نہ کریں کہ وہ مرد ہوتیں اور مردوں کی طرح ان کے حصے مقرر کئے گئے۔ وہ یقین کریں انکے لئے بھی عمل و فضیلت کی راہیں کھلی ہوئی ہیں! (۳۶)

اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ۝ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـــًٔـا ۴۰
وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ
الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ
كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۝ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۴۱
وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ رِئَاۗءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ ۴۲
الْاٰخِرِ ۭ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَاۗءَ قَرِيْنًا ۝ وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا ۴۳

چاہیں گے کہ صلح صفائی کرا دیں تو اللہ ضرور میاں بی بی میں باہم موافقت پیدا کر دیگا (اور ان کی کوشش رائیگاں نہ جائے گی) بلاشبہ اللہ سب کچھ جاننے والا اور ہر بات کی خبر رکھنے والا ہے!

۴۰ اور (دیکھو) اللہ کی بندگی کرو، اور کسی چیز کو اسکے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ۔ اور چاہیے کہ ماں باپ کے ساتھ، قرابت داروں کے ساتھ، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ، پڑوسیوں کے ساتھ خواہ قرابت والے پڑوسی ہوں خواہ اجنبی ہوں، نیز پاس کے بیٹھنے اٹھنے والوں کے ساتھ، اور اُن لوگوں کے ساتھ جو مسافر ہوں، یا (لونڈی غلام ہونے کی وجہ سے) تمھارے قبضہ میں ہوں، احسان و سلوک کے ساتھ پیش آؤ۔

عموم شفقت و احسان اور ادائے حقوق و فرائض کا حکم۔ ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ قرابت داروں کے حقوق سے غافل نہ ہو۔ یتیموں، مسکینوں، مسافروں، اور پڑوسیوں کی خبرگیری کرتے رہو۔ پڑوسی خواہ قرابت دار ہو خواہ اجنبی ہو، ہر حال میں اچھے سلوک کا مستحق ہے۔ اسی طرح جو لوگ تمھارے پاس بیٹھنے اٹھنے والے ہوں، نیز لونڈی غلام جو تمھارے قبضہ میں ہوں، ان سب کے بھی تم پر حقوق ہیں، اور ضروری ہے کہ سب کے ساتھ محبت و احسان کا سلوک کرو۔
بخل نہ کرو۔ اور خدا نے جو کچھ رزق و دولت عطا فرمائی ہے اسکے بندوں کی خدمت میں خرچ کرو۔ جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے اس کا ہاتھ انفاق فی سبیل اللہ سے کبھی نہیں رک سکتا۔
اور جو کچھ خرچ کرو، اللہ کے لئے کرو۔ نام و نمود کے لئے نہ کرو۔ جو شخص نام و نمود کے لئے خرچ کرتا ہے وہ اللہ پر اور آخرت پر سچا ایمان نہیں رکھتا۔

۴۱ اللہ اُن لوگوں کو دوست نہیں رکھتا جو اترانے والے اور ڈینگیں مارنے والے ہیں۔ جو خود بھی بخیلی کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخل کرنا سکھاتے ہیں اور جو کچھ خدا نے اپنے فضل سے دے رکھا ہے اسے (خرچ کرنے کی جگہ) پوشیدہ رکھتے ہیں، (یاد رکھو) ان لوگوں کے لئے جو ہماری نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں ہم نے رسوا کن عذاب طیار کر رکھا ہے!

۴۲ اور (ان لوگوں کو بھی خدا دوست نہیں رکھتا) جو محض لوگوں کے دکھانے کو (نام و نمود کے لئے) مال خرچ کرتے ہیں اور فی الحقیقت اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے (کیونکہ اگر اللہ پر سچا ایمان رکھتے تو کبھی ایسا نہ کرتے کہ اسے چھوڑ کر انسانوں کے سامنے نمائش کرنی چاہتے) اور (دیکھو) جس کسی کا ساتھی شیطان ہوا تو کیا ہی بُرا ساتھی ہے!

۴۳ ان لوگوں کا کیا بگڑتا تھا، اگر یہ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے اور جو کچھ خدا نے انہیں دے

وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَقْوَمَ

وَلَٰكِن لَّعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ أُوتُوا

الْكِتَابَ آمِنُوا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُم مِّن قَبْلِ أَن نَّطْمِسَ وُجُوهًا فَنَرُدَّهَا عَلَىٰ أَدْبَارِهَا

أَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّا أَصْحَابَ السَّبْتِ ۚ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ۝ إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ

مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ ۚ وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدِ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا ۝ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يُزَكُّونَ أَنفُسَهُم

۴۹ محروم ہو گئے اور ان شرارت آمیز لفظوں کی جگہ سمعنا و اطعنا اور اسمع اور انظرنا کہتے تو یہ ان کے حق میں بہتر تھا اور درستگی کی بات تھی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کے کفر کی وجہ سے خدا کی پھٹکار ان پر پڑ چکی ہے۔ پس ایک گروہ قلیل کے سوا اور سب ایمان محروم ہیں!

کا ذکر اپنی جگہ مفصل ہو چکا ہے (۱۰۱)
یہ [illegible] بڑی گمراہی یعنی [illegible] کا گروہ [illegible]
عمل [illegible] سے [illegible] لیکن [illegible] اپنی [illegible] کتاب [illegible]
[illegible] نازل ہوئی ہے [illegible]
[illegible] جب [illegible]
[illegible]
[illegible] (۴۴)

۵۰ اے وہ لوگو جنھیں کتاب دی گئی تھی! جو کتاب ہم نے (پیغمبر اسلام پر) نازل کی ہے اور جو اس کتاب کی تصدیق کرتی ہوئی آئی ہے جو تمھارے پاس موجود ہے، اس پر ایمان لاؤ (اور انکار حق کے شیوہ سے باز آجاؤ) اس وقت سے پہلے ایمان لے آؤ، جب ایسا ہو کہ ہم لوگوں کے چہرے مسخ کر کے پیچھے کی طرف الٹ دیں (یعنی تمھیں ذلیل و خوار کر دیں) یا ایسا ہو کہ جس طرح اصحاب سبت[1] پر ہماری پھٹکار پڑی تھی اسی طرح ان پر بھی پھٹکار پڑے۔ اور (یاد رکھو) اللہ نے جو کچھ فیصلہ کر دیا ہے (یعنی جو قانون ٹھہرا دیا ہے) وہ ضرور ہو کر رہنے والا!

۵۱ اللہ یہ بات کبھی نہ بخشے گا کہ اس کے ساتھ کسی دوسری ہستی کو شریک ٹھہرایا جائے (جس طرح یہود اور نصاریٰ نے اپنے احبار اور رہبان کو خدا کے ساتھ شریک ٹھہرا لیا ہے) ہاں اس کے سوا اور جتنے گناہ ہیں وہ جسے چاہے تو بخش دے اور دیکھو جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہے تو یقیناً وہ گناہ عظیم کرتا ہوا (خدا پر) افترا پردازی کرتا ہے۔

۵۲ (اے پیغمبر!) کیا تم نے ان لوگوں کی حالت پر نظر نہیں کی جو اپنی پاکی و صلاحیت کا بڑا گھمنڈ رکھتے

[1] اصحاب سبت سے مقصود یہودیوں کی وہ جماعت ہے جس نے سبت کے دن کے احترام کو توڑ دیا تھا اور [illegible] لیکن ان پر
[illegible]

بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝ اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَكَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِيْنًا ۝ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ۝ اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ۝ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ

رکھتے ہیں؟ (یعنے اپنے اہل کتاب ہونے کا بڑا گھمنڈ رکھتے ہیں، اور کہتے ہیں آخرت کی نجات صرف ہمارے ہی لئے ہے) حالانکہ (اپنے منہ پاک بننے سے کوئی پاک نہیں ہو جاتا) یہ اللہ کے ہاتھ ہے کہ جسے چاہے (برائیوں سے) پاک صاف کر دے، اور (اس کا قانون تو یہ ہے کہ مکافات عمل میں) رائی برابر بھی کسی پر ظلم نہیں ہوگا (جو سچ مچ پاک ہے، وہ اپنی پاکی کا بدلہ پائے گا، جو پاکی و صلاحیت سے محروم ہے، اس کے آگے اس کی محرومی آئیگی!) ۵۳

دیکھو، یہ لوگ کس طرح اللہ پر صریح بہتان باندھ رہے ہیں؟ (اس کا قانون تو یہ ہے کہ پاکی و نجات کا دارومدار ایمان و عمل پر ہے، اور یہ کہتے ہیں یہودیت کی گروہ بندی پر ہے!) ان کی آشکارا گناہ گاری کے لئے یہی ایک بات بس کرتی ہے!

(اے پیغمبر!) کیا تم ان لوگوں کا حال نہیں دیکھتے جنہیں کتاب اللہ (کے علم) میں سے ایک حصہ دیا گیا تھا؟ (کس طرح) وہ بتوں کے اور شریر قوتوں کے معتقد ہو گئے ہیں، اور کافروں کی نسبت (یعنے مشرکین عرب کی نسبت) کہتے ہیں مسلمانوں سے تو کہیں زیادہ یہی لوگ سیدھے راستے پر ہیں۔ ۵۴

جب ایک جماعت میں اتباع حق کی جگہ جتھا بندی اور گروہ پرستی کی روح پیدا ہو جاتی ہے تو پھر حق و باطل کا امتیاز باقی نہیں رہتا۔ وہ یہ چاہتی ہے جس طرح بھی بنے اپنی بات بنالی جائے اور مخالف گروہ کو زک دے دی جائے۔ اگر ایسا کرنے میں خود اپنے اصولوں اور عقیدوں کے خلاف بھی بولنا پڑے، تو بلا تامل بول دیا جاتا ہے۔

یہی حال مدینے کے یہودیوں کا تھا۔ وہ ہمیشہ بت پرستی کے مخالف رہے اور بت پرستوں کی تحقیر و تذلیل کرتے رہے، لیکن اب مسلمانوں کی ضد میں بت پرستوں کی تعریف کرتے، اور کہتے ان مسلمانوں سے تو مشرکوں ہی کا طریقہ زیادہ قرین صواب ہے!

یقین کرو، یہی لوگ ہیں جن پر خدا کی پھٹکار پڑی ہے، اور جس کسی پر اس کی پھٹکار پڑی، تو ممکن نہیں تم کسی کو اس کا مددگار پاؤ! ۵۵

پھر (یہ لوگ جو پیروان حق کی دشمنی میں اس قدر کھوئے گئے ہیں تو کیا یہ بات ہے کہ انکے قبضہ میں) حکومت کا کوئی حصہ ہے؟ اور اس لئے نہیں چاہتے کہ لوگوں کو رائی برابر بھی (اس میں سے) کچھ مل جائے؟ ۵۶

یا پھر خدا نے اپنے فضل سے لوگوں کو جو کچھ عطا فرمایا ہے، اس کا انہیں حسد ہو (اور نہیں چاہتے کہ جب ۵۷

فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ۝ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ ۵۸
مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ۭ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ۭ ۵۹
كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ۶۰
لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۡ وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ۝ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى ۶۱
اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ

نعمت سے خود محروم ہو چکے ہیں، وہ دوسروں کے حصے میں کیوں آئے؟) اگر یہی بات ہے تو (انھیں اس بات سے بے خبر نہیں ہونا چاہئے کہ) ہم نے خاندان ابراہیم کو کتاب اور حکمت دی تھی، اور ساتھ ہی عظیم الشان سلطنت بھی عطا فرمائی تھی۔ پھر ان میں سے کوئی تو ایسا ہوا جس نے اس بات پر یقین کیا۔ کوئی ایسا ہوا جس نے روگردانی کی، اور جس نے روگردانی کی، تو اس کے لئے دہکتی ہوئی دوزخ کی آگ بس کرتی ہے! ۵۸

(یاد رکھو) جن لوگوں نے ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کیا (یعنے انھیں جھٹلایا اور سرکشی و شرارت سے مقابلہ کیا) تو قریب ہے کہ (قیامت کے دن) ہم انھیں آتش دوزخ میں جھونک دیں۔ جب کبھی ایسا ہوگا کہ ان کی کھال (آگ کی تپش سے) پک جائے گی (یعنے جل جائے گی) تو ہم پہلی کھال کی جگہ دوسری کھال پیدا کر دیں گے۔ تاکہ (ان کی سوزش و اذیت ختم نہ ہونے پائے اور) عذاب کا مزہ (اچھی طرح) چکھ لیں۔ اور بے شبہ اللہ سب پر غالب ہے اور جو کچھ کرتا ہے حکمت کے ساتھ کرتا ہے! ۵۹

اور جو لوگ (ہماری آیتوں پر) ایمان لائے اور ان کے کام بھی اچھے ہوئے تو ہم انھیں (راحت و سرور کے) ایسے باغوں میں داخل کر دیں گے جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی (اور اس لئے ان کی سرسبزی و شادابی کبھی متغیر ہونے والی نہیں) وہ ان باغوں میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور ان کی رفاقت کے لئے نیک و پارسا بیویاں ہوں گی، نیز ہم انھیں (اپنی رحمت کے) بڑے اچھے سایہ میں جگہ دیں گے! ۶۰

(مسلمانو!) خدا تمھیں حکم دیتا ہے کہ جو کسی کی امانت ہو وہ اس کے حوالے کر دیا کرو۔ (ایسا نہ کرو کہ کسی حقدار اور اہل کے حق سے انکار کرو) اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو، تو چاہئے کہ انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ کیا ہی اچھی بات ہے جس کی خدا تمھیں نصیحت کرتا ہے! (کہ ساری باتوں کی بھلائی اور خوبی عدل ۶۱

اہل کتاب کی گمراہیوں کے ذکر کے بعد مسلمانوں سے خطاب، اور قیام عدل، ادائے امانت، اور رفع نزاع کے اصول و مبادی۔

(۱) اجتماعی زندگی کے نظم و فلاح کے لئے اصلی اصول یہ ہے کہ جو جس بات کا حقدار ہو اس کے حق کا اعتراف کرو، اور جو چیز جسے ملنی چاہئے وہ اس کے حوالے کرو۔ وارث کا حق ہو جو تمھارے پاس ہو، قرض خواہ کا قرض ہو، امانت رکھنے والے کی امانت ہو، اہلیت رکھنے والے کے لئے منصب ہو، کوئی چیز ہو اور کوئی صورت ہو لیکن جس کا جو حق ہو [illegible]

إِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ
مِنْكُمْ ۖ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ
وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ۝ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا
بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا
بِهِ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا ۝ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ وَإِلَى الرَّسُولِ

حق کے قیام سے مل سکتی ہو) بلاشبہ وہ سب کچھ سننے والا اور سب کچھ دیکھنے والا ہے!

مسلمانو! اللہ کی اطاعت کرو، اللہ کے رسول کی اطاعت کرو، اور ان لوگوں کی اطاعت کرو جو تم میں صاحب حکم و اختیار ہوں۔ پھر اگر ایسا ہو کہ کسی معاملہ میں باہم جھگڑ پڑو (یعنی اختلاف و نزاع پیدا ہو جائے) تو چاہئے کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرو۔ (اور جو کچھ وہاں سے فیصلہ ملے اس کے آگے تسلیم کر لو) اگر تم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو، (تو تمہارے لئے راہ عمل یہی ہے) اسی میں تمہارے لئے بہتری ہے اور اسی میں انجام کار کی خوبی ہے (کیونکہ اختلاف و نزاع کے ابھرنے کا موقع باقی نہیں رہتا اور فتنوں، فسادوں کا دروازہ بند ہو جاتا ہے)

جو حق و انصاف ہو وہ کیسے ملنا چاہئے۔
(۳) جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل و انصاف کے ساتھ کرو کسی حالت اور کسی صورت میں بھی یہ جائز نہیں ہو سکتا کہ فیصلہ عدل و انصاف کے خلاف کیا جائے۔
(۴) مسلمانوں کے لئے اصل دین یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت کریں، اللہ کے رسول کی اطاعت کریں، اور جو لوگ ان میں سے صاحب حکم و اختیار ہوں ان کی اطاعت کریں۔ پھر اگر ایسا ہو کہ کسی معاملہ میں نزاع پیدا ہو جائے تو چاہئے کہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی طرف رجوع کریں اور جو فیصلہ وہاں سے ملے اس کے آگے سر تسلیم خم کر دیں۔
اس حکم سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو اپنے تمام مذہبی اختلافات کے لئے قرآن و سنت کی طرف رجوع ہونا چاہئے نہ کہ انسانوں کے اقوال و آراء کی طرف۔
اگر مسلمانوں نے اس حکم قرآنی پر عمل کیا ہوتا تو مذہبی اختلاف و تفرقہ سے محفوظ رہتے، اور ان کی ایک جماعت بہت سی جماعتوں اور مذہبوں میں متفرق نہ ہو جاتی۔
تشریح اس مقام کی آئندہ سورۂ شوریٰ میں ہوگی۔

(اے پیغمبر!) کیا تم نے ان لوگوں کی حالت پر نظر نہیں کی؟ (یعنی منافقوں کی حالت پر) ان کا دعویٰ یہ ہے کہ جو کچھ تم پر نازل ہوا ہے اور جو کچھ پہلے تم سے نازل ہو چکا ہے وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں، لیکن (عمل کا حال یہ ہے کہ) چاہتے ہیں اپنے جھگڑے قضیے ایک سرکش اور شریر انسان کے آگے لیجائیں حالانکہ انہیں حکم دیا جا چکا ہے کہ اس سے انکار کریں (اور صرف اللہ اور اس کے رسول ہی کی پیروی کریں) اصل یہ ہے کہ شیطان چاہتا ہے انہیں اس طرح گمراہ کر دے کہ راہ راست سے بہت دور جا پڑیں۔

اور (اے پیغمبر!) جب ان لوگوں کو اللہ کے حکم کی طرف جو اس نے نازل کیا ہے اور رسول کی طرف

منافق زبان سے تو ایمان کا دعویٰ کرتے لیکن عمل کا حال یہ تھا کہ اپنے جھگڑے قضیے چکانے کے لئے [illegible] کے سامنے لیجاتے

۶۵ رَأَيْتَ الْمُنٰفِقِينَ يَصُدُّونَ عَنْكَ صُدُودًا ۝ فَكَيْفَ إِذَآ أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ

۶۶ ثُمَّ جَآءُوكَ يَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ إِنْ أَرَدْنَآ إِلَّآ إِحْسَانًا وَتَوْفِيقًا ۝ أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا

۶۷ فِي قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُل لَّهُمْ فِيٓ أَنفُسِهِمْ قَوْلًاۢ بَلِيغًا ۝ وَمَآ أَرْسَلْنَا مِن

رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذ ظَّلَمُوٓا أَنفُسَهُمْ جَآءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ

۶۸ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا ۝ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى

۶۵ (جنکی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے) بلایا جاتا ہے تو تم منافقوں کو دیکھتے ہو کہ تم سے روگردانی کرتے ہیں اور انکے قدم ٹھٹک کر رہ جاتے ہیں۔ پھر اگر ایسا ہو کہ انکے اپنے ہی کرتوتوں کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت آپڑے تو اسوقت ان لوگوں کا کیا حال ہوگا؟ اسوقت یہ تمھارے پاس آکر خدا کے نام کی قسمیں کھائیں اور کہیں (ہم نے آپکا فیصلہ ماننے سے کبھی انکار نہیں) ہمنے جو کچھ کیا تھا، تو اس سے مقصود صرف بھلائی تھی، اور یہ کہ (آپس میں) میل ملاپ ہو۔

تھے اور اللہ اور اسکے رسول کے فیصلوں پر منافقین اسلام کے فیصلوں کو ترجیح دیتے تھے۔ پھر جب کبھی ایسا ہوتا کہ ان کی [illegible] اور تنگی پکڑی جاتی تو پیغمبر اسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر جھوٹی قسمیں کھاتے اور کہتے ہم تو [illegible] ہی کے حکم پر چلے تھے۔ محض اس خیال سے کہ کسی طرح معاملہ سلجھ جائے اور منافقین اسلام کی بھی ہمدردی ہو جائے ان لوگوں کے پاس چلے گئے تھے۔

یہاں ان لوگوں کی اسی منافقانہ روش کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور صاف کہدیا ہے کہ جو شخص اللہ کے رسول کے حکم اور فیصلے پر یقین نہیں رکھتا وہ کبھی سچا مومن نہیں ہو سکتا۔ یقین کے لئے صرف یہی کافی نہیں کہ حکم مان لیا جائے، بلکہ [illegible] ایسی حالت پیدا ہو جائے کہ حکم رسول کے خلاف دلوں کی تنگی و خلش بھی محسوس نہ ہو۔

۶۶ (اے پیغمبر!) یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ ہی جانتا ہے انکے دلوں میں کیا کچھ چھپا ہوا ہے۔ پس چاہئے کہ انکے پیچھے نہ پڑو، اور (ان کی ایمانی فراموشیوں پر) انھیں پند و نصیحت کرتے رہو۔ تم انھیں (پند و نصیحت کی) ایسی باتیں کہو کہ انکے دلوں میں اتر جائیں۔

۶۷ اور (اے پیغمبر!) ان لوگوں کو جو تمھاری اطاعت کا حکم دیا گیا ہے، تو یہ کوئی نئی بات نہیں جو تمھارے ہی ساتھ ہوئی ہو۔ ہمنے جس کسی کو بھی منصب رسالت دیکر دنیا میں کھڑا کیا، تو اسی لئے کیا، کہ ہمارے حکم سے اسکی اطاعت کیجائے۔ اور جب ان لوگوں نے (تمھاری نافرمانی کرکے) اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کر لیا تھا، تو اگر اسی وقت تمھارے پاس حاضر ہو جاتے اور خدا سے (اپنی نافرمانی کی) معافی مانگتے نیز خدا کا رسول بھی ان کی بخشش کے لئے دعا کرتا، تو یہ لوگ دیکھ لیتے کہ خدا بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا اور (ہر حال میں) رحمت رکھنے والا ہے!

۶۸ پس (دیکھو) تمھارا پروردگار اس بات پر شاہد ہے کہ یہ لوگ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنا

يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في أنفسهم حرجا مما قضيت ويسلموا
تسليما ۝ ولو أنا كتبنا عليهم أن اقتلوا أنفسكم أو اخرجوا من دياركم ما فعلوه إلا قليل منهم ۶۹
ولو أنهم فعلوا ما يوعظون به لكان خيرا لهم وأشد تثبيتا ۝ وإذا لآتيناهم من
لدنا أجرا عظيما ۝ ولهديناهم صراطا مستقيما ۝ ومن يطع الله والرسول فأولئك ۷۰-۷۱
مع الذين أنعم الله عليهم من النبيين والصديقين والشهداء والصالحين وحسن أولئك
رفيقا ۝ ذلك الفضل من الله وكفى بالله عليما ۝ يا أيها الذين آمنوا خذوا حذركم فانفروا ثبات ۷۲-۷۳

نہ کریں کہ اپنے تمام جھگڑوں قضیوں میں تمھیں حاکم بنائیں اور پھر (صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اُنکے دلوں کی حالت بھی ایسی ہو جائے کہ جو کچھ تم فیصلہ کردو، اُسکے خلاف کسی طرح کی دل گرفتگی محسوس نہ کریں اور وہ جو کسی بات کو پوری طرح مان لیا ہوتا ہے، اسی طرح ٹھیک ٹھیک مان لیں۔

۶۹ اور (دیکھو) اگر ہم انھیں حکم دیتے کہ اپنے آپ کو قتل کرو (یعنے لڑائی میں لڑتے لڑتے قتل ہو جاؤ) یا حکم دیتے کہ اپنے گھروں سے (ہجرت کرکے) نکل کھڑے ہو، تو (ان کا کیا حال ہوتا؟ یہ ہوتا کہ) چند آدمیوں کے سوا کوئی بھی اسکی تعمیل نہ کرتا۔ حالانکہ جس بات کی انھیں نصیحت کیجاتی ہے، اگر یہ اس پر عمل کرتے تو انکے لیے بہتری تھی، اور (راہ حق میں) پوری طرح جمے بھی رہتے۔ اور (اگر یہ راہ حق میں پوری طرح جمے رہتے تو) اس صورت میں ضروری تھا کہ (اسکے نتائج بھی انکے حصے میں آتے) ہم اپنی جانب سے انھیں ایسا اجر عطا فرماتے جو بہت بڑا اجر ہوتا، اور ایسی راہ لگا دیتے جو (کامیابی و سعادت کی) سیدھی راہ ہوتی! ۷۰

۷۱ اور جس کسی نے اللہ اور اُسکے رسول کی اطاعت کی تو بلاشبہ وہ اُن لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر خدا نے انعام کیا ہے، اور وہ نبی ہیں، صدیق ہیں، شہید ہیں، اور (تمام) نیک اور راست باز انسان ہیں۔ اور جس کسی کے رفیق ایسے لوگ ہوں، تو ایسے رفیق کیا ہی اچھے رفیق ہیں!

۷۲ یہ بخشش و کرم اللہ کی طرف سے ہے۔ اور (انسان کا حال جاننے کے لئے) اللہ کا علم کفایت کرتا ہے!

۷۳ مسلمانو! اپنی حفاظت اور طیاری میں لگے رہو پھر (جب وقت آجائے تو دشمنوں کے مقابلے میں نکلو۔ الگ

انعام یافتہ گروہ چار ہیں: انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین۔
انبیاء سے مقصود خدا کی سچائی کے وہ تمام پیغامبر ہیں جو مختلف عہدوں اور مختلف قوموں میں پیدا ہوئے، اور جنھوں نے نوع انسانی کو خداپرستی اور نیک عملی کی راہ دکھلا دی۔
صدیق اُسے کہتے ہیں جس میں سچائی کی روح غالب ہو۔ یعنے ایسا انسان جو سچائی سے فطری مناسبت رکھتا ہو، اور اُسے دیکھتے ہی پہچان لیتا اور قبول کرلیتا ہو۔
شہید کے معنی ہیں گواہی دینے والا۔ یعنے ایسا انسان جو اپنے قول و عمل سے سچائی کا اعلان کرنے والا ہو، اور دنیا میں اس کے لئے [illegible] حجت قائم کرے۔
صالحین سے مقصود وہ تمام انسان ہیں جو اپنے اعتقاد و عمل میں نیک اور راست باز ہوں۔
سورۂ فاتحہ میں صراط الذین انعمت علیہم سے مقصود انہی چار جماعتوں کی راہ ہے۔ [illegible]

اَوِانْفِرُوْا جَمِيْعًا ۝ وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ۝ وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝ فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ۝

الگ گروہوں میں ہو کر، یا سب اکٹھے ہو کر، جیسی کچھ مصلحت ہو)

۷۴ اور دیکھو تم میں کوئی کوئی آدمی ایسا بھی ہے کہ (اگر جنگ کی پکار ہو جائے تو) وہ ضرور قدم پیچھے ہٹالے۔ اگر (لڑائی میں) تم پر کوئی مصیبت آپڑے، تو (خوش ہو) اور کہے "خدا نے مجھ پر بڑا ہی احسان کیا کہ ان لوگوں کے ساتھ نہ تھا"۔

۷۵ اگر تم پر خدا کا فضل و کرم ہو تو (رشک و حسد سے جل مرے اور) بے اختیار بول اٹھے گویا تم میں اور اس میں دوستی و محبت کا کوئی رشتہ تھا ہی نہیں "کیا اچھا ہوتا کہ کاش میں ان لوگوں کے ساتھ ہوتا کر بہت کچھ کامیابی حاصل کر لیتا!"

۷۶ سو (دیکھو) جو لوگ آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی (اللہ کے ہاتھ) فروخت کر چکے ہیں انھیں چاہیے کہ (ایسے لوگوں کی روش اختیار نہ کریں اور) اللہ کی راہ میں جنگ کریں۔ اور جو کوئی اللہ کی راہ میں جنگ کرتا ہے، تو خواہ قتل ہو جائے خواہ غالب آئے (ہر حال میں) ہم اسے اجر عظیم عطا فرمائیں گے۔

۷۷ اور (مسلمانو!) تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں جنگ نہیں کرتے؟ حالانکہ کتنے ہی بے بس مرد اور عورتیں اور بچے ہیں جو (ظالموں کے ظلم و تشدد سے عاجز آ کر) فریاد کر رہے ہیں: خدایا! ہمیں اس بستی سے جہاں کے باشندوں نے ظلم پر کمر باندھ لی ہے، نجات دلا! (یعنی مکہ سے نجات دلا) اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا کارساز بنا دے، اور اپنی طرف سے کسی کو ہماری مددگاری کے لیے کھڑا کر دے!"

کے معاملہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ (۵)

ہر جماعت میں کچھ لوگ ایمان و یقین سے محروم اور عزم و ہمت سے خالی ہوتے ہیں۔ وہ بیٹھے بٹھائے عزم و ہمت کا کوئی قدم اٹھا نہیں سکتے۔ [illegible] خود بھی باز رہتے ہیں اور چاہتے ہیں دوسروں کو بھی باز رکھیں۔ پھر جب جماعت قدم اٹھا دیتی ہے تو الگ تھلگ ہو کر [illegible] کی طرح تماشا دیکھتے ہیں۔ اگر کوئی حادثہ پیش آگیا تو خوش ہوتے ہیں کہ کتنے اچھے رہے کہ ہم ان لوگوں کے ساتھ شریک نہ ہوئے۔ اگر کامیابی ہوئی تو رشک و حسد سے جل مرتے ہیں اور کہنے لگتے ہیں کاش ہم بھی ساتھ ہوتے، تو آج کامیابی میں ہمارا حصہ ہوتا۔ گویا ان کی حیثیت جماعت کی نہیں ہے بالکل الگ ہے، نہ اس کا نقصان ان کا نقصان ہے، نہ اس کی کامیابی ان کی کامیابی۔

اسلام کے ابتدائی عہد میں بھی ایسے لوگ موجود تھے۔ قرآن ان کے حال بیان کرتا ہے اور انھیں مسلمانوں کی جگہ منافق قرار دیتا ہے۔ (۳)

یہاں یہ حقیقت بھی واضح کر دی کہ قرآن نے جنگ کا حکم اس لیے دیا ہے کہ مسلمان [illegible] مظلوموں کی حمایت کریں اور انھیں ظالموں کے پنجے سے نجات دلائیں۔ (۴۲)

اسی لیے وہ بار بار کہتا ہے اللہ کی راہ میں لڑو، یعنی اپنی نفسانی خواہشوں کے لیے نہیں بلکہ اللہ کے عدل و انصاف کے قیام کے لیے لڑو۔

الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطٰنِ ۚ إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيفًا ۝ ۷۸ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ أَوْ أَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَا أَخَّرْتَنَا إِلٰى أَجَلٍ قَرِيبٍ ۗ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ ۚ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى وقفہ ۷۹

۷۸ جو لوگ ایمان رکھتے ہیں تو ان کا لڑنا اللہ کی راہ میں ہوتا ہے (کیونکہ وہ نفسانی خواہشوں کے لئے نہیں لڑتے۔ عدل و انصاف کی حمایت میں لڑتے ہیں) اور جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے، وہ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں (یعنی شر و فساد کی شیطانی طاقتوں کی راہ میں لڑتے ہیں) سو (اگر تم ایمان رکھتے ہو تو چاہئے کہ) شیطان کے حامیوں سے لڑو۔ (اور ان کی طاقت و کثرت کی کچھ پروا نہ کرو) شیطان کا مکر (دیکھنے میں کتنا ہی مضبوط دکھائی دے لیکن حق کے مقابلہ میں) کبھی جمنے والا نہیں!

۷۹ (اے پیغمبر!) کیا تم نے ان لوگوں کی حالت پر نظر نہیں کی جنہیں حکم دیا گیا تھا کہ (جنگ و خونریزی سے) ہاتھ روکے رہو، اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو (کہ تمہارے لئے فلاح و سعادت کی راہ یہی ہے) پھر جب ایسا ہوا کہ (خود اسلام کی طرف سے) ان پر لڑنا فرض کر دیا گیا تو یکایک ایک گروہ انسانوں کے ڈر سے اس طرح ڈر رہا ہے، جیسے کوئی خدا سے ڈر رہا ہو، بلکہ اس سے بھی زیادہ! وہ کہتے ہیں خدایا! تو نے ہم پر جنگ کرنا کیوں فرض کر دیا؟ کیوں نہ ہمیں تھوڑے دنوں کی اور مہلت دیدی! (اے پیغمبر!) تم ان لوگوں سے کہدو، (جس دنیا کی محبت میں تم موت سے بھاگ رہے ہو اس) دنیا کا سرمایہ تو بہت ہی قلیل ہے! اور جو کوئی (انسانوں کی جگہ) اللہ سے ڈرتا ہے تو اس کے لئے آخرت ہی کا سرمایہ بہتر ہے۔ وہاں رائی برابر

جنگ و خونریزی سے ہاتھ روک رکھو، یعنی لوگ قتل و خونریزی کے عادی تھے۔ اسلام نے اس سے روکا اور عدل [illegible] کی تلقین کی۔ پھر جب حق و عدالت کی راہ میں جنگ کا حکم دیا گیا، تو منافق اور وہ لوگ جو ایمان میں کچے تھے، جنگ سے جی چرانے لگے [illegible] قرآن کہتا ہے، ان کی حالت پر غور کرو [illegible] کی راہ میں تو جنگ کرتے [illegible] کے شائق تھے۔ مگر عدالت کی راہ میں جنگ کا حکم دیا گیا ہے تو اس سے جی چرا رہے ہیں اور انسانوں کے خوف سے ایسے کانپ رہے ہیں جیسے کوئی خدا کے ڈر سے کانپ رہا ہو، بلکہ اس سے بھی زیادہ!

مسلمانوں کی جماعت کو جب کبھی کوئی نقصان پیش آجاتا تو منافق اور یہودی کہتے یہ سب کچھ پیغمبر اسلام کی وجہ سے ہوا۔ قرآن کہتا ہے [illegible] جو کچھ ہوتا ہے سب اللہ ہی کی طرف سے ہے [illegible] (۸۰)

[illegible] (۸۱)

۸۰ وَلَا تُظْلَمُونَ فَتِيلًا ۝ أَيْنَمَا تَكُونُوا يُدْرِككُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشَيَّدَةٍ ۗ وَإِن تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُوا هَٰذِهِ مِنْ عِندِ اللَّهِ ۖ وَإِن تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُولُوا هَٰذِهِ مِنْ عِندِكَ ۚ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِندِ اللَّهِ ۖ فَمَالِ هَٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا ۝

۸۱ مَّا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ ۖ وَمَا أَصَابَكَ مِن سَيِّئَةٍ فَمِن نَّفْسِكَ ۚ وَأَرْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ رَسُولًا ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ۝

۸۲ مَّن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ۖ وَمَن تَوَلَّىٰ فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ۝

بھی کسی کی حق تلفی نہ ہوگی!

۸۰ تم کہیں بھی ہو، موت تمھارا ٹھکانا پا کر رہیگی۔ اگر تم بلند اور مضبوط قلعوں کے اندر (چھپے) ہو جب بھی اس کی پکڑ سے نہیں بچ سکتے۔

اور (اے پیغمبر!) جب ان لوگوں کو کوئی بھلائی کی بات پیش آتی ہے، تو کہتے ہیں یہ خدا کی طرف سے (ہماری کوششوں کا صلہ) ہے، لیکن جب کبھی کوئی نقصان پہنچ جاتا ہے، تو کہتے ہیں یہ تمھارے طرف سے ہے (یعنے پیغمبر اسلام کی وجہ سے پیش آیا ہے) تم کہدو، جو کچھ ہوتا ہے، خدا ہی کی طرف سے ہوتا ہے (کہ اُسنے ہر حالت اور نتیجہ کے لئے قوانین ٹھہرا دئیے ہیں اور جو کچھ پیش آتا ہے، وہ ان کا لازمی نتیجہ ہوتا ہے) پھر (افسوس ان کی حالت پر!) ان لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ کوئی بات ہو، یہ سمجھ بوجھ کے قریب بھی نہیں پھٹکتے!

اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص جماعت کی ریاست و پیشوائی کا منصب رکھتا ہو، اُسے کیسی کیسی دشواریوں سے گزرنا پڑتا ہے؟ وہ جب عزم و عمل کی زندگی کی دعوت دیتا ہے، تو ایک گروہ ایسے لوگوں کا پیدا ہو جاتا ہے جو یقین کا کچا اور ہمت کا کمزور ہوتا ہے۔ وہ طاقت کی جگہ مخالفت کی روش اختیار کرتا ہے۔ پھر جب اس جدوجہد کی وجہ سے کوئی مشکل پیش آجاتی ہے تو بجائے اسکے کہ اپنی بدعملیوں پر نادم ہوں، سارا الزام اُسکے سر ڈال دیتے ہیں اور مخالفت کا ایک نیا بہانہ اُن کے ہاتھ آجاتا ہے۔ اسی لئے آگے چل کر کہا، اللہ پر بھروسہ کرو، اللہ کی کارسازی تمھارے لئے کافی ہو۔ (۸۳)

یعنے صاحب عزم کو چاہئے، ان باتوں سے دل گرفتہ نہ ہو، اللہ پر بھروسہ رکھے اور اپنے کام میں سرگرم رہے۔ اس کا عزم و ثبات بالآخر تمام دشواریوں پر غالب آجائے گا۔

۸۱ (اصل حقیقت تو یہ ہے کہ) جو کچھ بھلائی تمھیں پیش آتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے، اور جو کچھ نقصان پہنچتا ہے، وہ خود تمھارے طرف سے ہے (یعنے خود تمھاری بدعملیوں کا نتیجہ ہے) اور (اے پیغمبر!) ہمنے تمھیں لوگوں کے پاس اپنا پیامبر بنا کر بھیجا ہے (اور پیغام لے جانے والے کا کام یہی ہے کہ پیغام پہنچا دے۔ تم لوگوں کی فرد عمل اور بدعملیوں کے لئے ذمہ دار نہیں ہو سکتے) اور (تمھارے پیغام بر ہونے کیلئے) اللہ کی گواہی بس کرتی ہے!

۸۲ جس کسی نے اللہ کے رسول کی اطاعت کی، تو اُسنے فی الحقیقت اللہ کی اطاعت کی، اور جس کسی نے روگردانی کی، تو (اے پیغمبر!) ہمنے تمھیں اُن پر پاسبان بنا کر نہیں بھیجا ہے کہ اُن کے اعمال کے ذمہ

اللہ کے رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے، اور اللہ کا رسول اس لئے آتا ہے کہ پیغام حق پہنچا دے۔ اس لئے نہیں کہ لوگوں کے اعمال کا پاسبان ہو اور انھیں جبراً اپنے طریقہ پر چلائے۔

جب منافقوں کا یہ حال ہو کہ منہ سے تو اطاعت کا اقرار کرلیتے ہیں لیکن راتوں کو مجلسیں جما کر مخالفانہ مشورے کرتے ہیں تو پیغمبر

وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ ۡ فَإِذَا بَرَزُوا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ ۖ ٨٣
وَاللَّهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُونَ ۖ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا
أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ ۚ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ ٨٤
اخْتِلَافًا كَثِيرًا ۝ وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ ٨٥
أَذَاعُوا بِهِ ۖ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ

تفسیر کیا حق ہو کہ [illegible] اللہ کے رسول کو [illegible] (۸۳)

تم جوابدہ ہو، اور جبراً ان سے اپنی اطاعت کراؤ)

٨٣ اور (دیکھو، یہ لوگ تمہارے سامنے تو تمہاری باتیں مان لیتے ہیں اور) کہتے ہیں آپ کا حکم ہمارے سر آنکھوں پر، لیکن جب تمہارے پاس سے اٹھ کر باہر چلے جاتے ہیں، تو ان میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو راتوں کو مجلس جماتے اور جو کچھ تم کہتے ہو، اس کے خلاف مشورے کرتے ہیں۔ اور راتوں کی (ان) مجلسوں میں جو کچھ کرتے ہیں، اللہ (کے علم) سے مخفی نہیں، وہ ان کے نامۂ اعمال میں لکھ رہا ہے!

پس (جب ان لوگوں کا حال یہ ہے) تو چاہیے کہ ان کی طرف سے اپنی توجہ ہٹا لو، اور اللہ پر بھروسہ کرو۔ کارسازی کے لئے اللہ کی کارسازی بس کرتی ہے!

٨٤ پھر کیا یہ لوگ قرآن (کے مطالب) میں غور و فکر نہیں کرتے؟ (اور خدا کی دی ہوئی عقل و بصیرت سے کام نہیں لیتے؟) اگر یہ کسی دوسرے کی طرف سے ہوتا اللہ کی طرف سے نہ ہوتا، تو ضروری تھا کہ یہ اس کی بہت سی باتوں میں اختلاف پاتے۔ (حالانکہ وہ اپنی ساری باتوں میں اول سے لے کر آخر تک، کامل طور پر ہم آہنگ اور یکساں ہے)

٨٥ اور جب ان لوگوں کے پاس امن کی یا خوف کی کوئی خبر پہنچ جاتی ہے تو یہ (فوراً) اسے لوگوں میں پھیلا دیتے ہیں۔ اگر یہ اسے (لوگوں میں پھیلانے کی جگہ) اللہ کے رسول کے سامنے اور ان لوگوں کے سامنے جو ان میں صاحب حکم و اختیار ہیں پیش کرتے تو جو اچھی

آیت (۸۴) سے معلوم ہوگا:
(۱) قرآن کا مطالبہ ہے کہ ہر انسان اس کے مطالب میں غور و فکر کرے، پس یہ سمجھنا کہ وہ صرف داعیوں اور مجتہدوں ہی کے سمجھنے کی چیز ہے، صحیح نہیں۔
(۲) غور و فکر وہی کر سکتا ہے جو مطالب سمجھے۔
(۳) اور جو اپنی سمجھ بوجھ سے کام لیتا ہو اور دلائل و وجوہ کو جانچ سکے۔ پس جو صرف اسی (دوسرے کی) تقلید کرنے والا (ہو) قرآن میں غور و فکر کرنے والا نہیں ہو سکتا۔
(۴) جو شخص قرآن میں تدبر کرتا ہے، اس پر حقیقت کھل جائے گی کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔
آیت (۸۵) سے معلوم ہوا کہ جب کبھی کوئی بات سننے میں آئے جو امن کی ہو یا خوف کی تو ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ لوگ بے سمجھے بوجھے پھیلانا شروع کر دیں۔ بلکہ چاہیے کہ جو لوگ (اولو الامر) یعنی صاحب حکم و اختیار ہوں ان کے سامنے پیش کی جائے۔
آیت (۸۶) میں ایک دوسرے کو سلام کرنے کا حکم ہے، اور جس اخلاق و معاشرت کی اس تعلیم پر زور دیا ہے کہ جب کبھی کوئی شخص تمہیں سلام کرے، تو چاہیے کہ اس نے جو کچھ کہا ہو اس سے زیادہ بہتر طریقے پر

إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ أَوْ جَاءُوكُمْ حَصِرَتْ صُدُورُهُمْ أَن يُقَاتِلُوكُمْ أَوْ يُقَاتِلُوا قَوْمَهُمْ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقَاتَلُوكُمْ ۚ فَإِنِ اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَأَلْقَوْا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا ﴿٩٢﴾ سَتَجِدُونَ آخَرِينَ يُرِيدُونَ أَن يَأْمَنُوكُمْ وَيَأْمَنُوا قَوْمَهُمْ كُلَّ مَا رُدُّوا إِلَى الْفِتْنَةِ أُرْكِسُوا فِيهَا ۚ فَإِن لَّمْ يَعْتَزِلُوكُمْ وَيُلْقُوا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوا أَيْدِيَهُمْ فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ ۚ وَأُولَٰئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا مُّبِينًا ﴿٩٣﴾ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَن يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَأً ۚ وَمَن قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ ﴿٩٤﴾

پھر اگر یہ ہجرت کرنا قبول نہ کریں۔ تو (جو کوئی جنگ کی حالت میں دشمنوں کا ساتھ دیتا ہے، یقیناً اُن کا شمار بھی دشمنوں ہی میں ہوگا)۔ پس انھیں گرفتار کرو جہاں کہیں پاؤ قتل کرو، اور نہ تو کسی کو اپنا دوست بناؤ، نہ کسی کو اپنا مددگار۔

٩٢ مگر ہاں جو لوگ (دشمنوں سے الگ ہو کر) کسی ایسی قوم سے جا ملیں کہ تم میں اور انھیں عہد و پیمان ہو۔ یا ایسے لوگ ہوں کہ لڑائی سے دل برداشتہ ہو کر تمھارے پاس چلے آئیں۔ نہ تم سے لڑیں، نہ (تمھاری طرف سے) اپنی قوم کے ساتھ لڑیں (تو ایسے لوگ اس حکم میں داخل نہیں۔ انکے خلاف تمھارا ہاتھ نہ اُٹھے) اگر خدا چاہتا تو ان لوگوں کو بھی تم پر مسلط کر دیتا کہ تم سے لڑے بغیر نہ رہتے۔ پس اگر وہ تم سے کنارہ کش ہو گئے ہیں، اور جنگ نہیں کرتے۔ نیز صلح کا پیام بھیج رہے ہیں تو خدا نے تمھارے لئے کوئی راہ نہیں رکھی ہو کہ ایسے لوگوں کے خلاف جنگ کرو۔

٩٣ انکے علاوہ کچھ لوگ تمھیں ایسے ملینگے جو (لڑائی کے خواہشمند نہیں ہیں) تمھاری طرف سے بھی امن میں رہنا چاہتے ہیں اور اپنی قوم کی طرف سے بھی۔ لیکن جب کبھی فتنہ و فساد کی طرف لوٹائے جائیں تو اوندھے منہ اس میں گر پڑتے ہیں (اور اپنی جگہ قائم نہیں رہ سکتے) سو اگر ایسے لوگ کنارہ کش نہ رہیں۔ اور نہ تو تمھاری طرف پیامِ صلح بھیجیں، نہ لڑائی سے ہاتھ روکیں، تو انھیں گرفتار کرو، اور جہاں کہیں پاؤ قتل کرو۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ انکے برخلاف ہم نے تمھیں کھلی حجت (جنگ) دیدی ہے۔

٩٤ اور (دیکھو) کسی مسلمان کو سزاوار نہیں کہ کسی مسلمان کو قتل کر ڈالے۔ مگر یہ کہ غلطی سے (اور شبہ میں) اسکے ہاتھ سے کوئی قتل ہو جائے۔

اور جس کسی نے ایک مسلمان کو غلطی سے (اور شبہ میں) قتل کر دیا ہو تو چاہئے کہ ایک مسلمان غلام آزاد

اور یہ جو ان لوگوں کے قتل کا حکم دیا گیا، تو صرف اس لئے کہ انھوں نے مسلمانوں کے خلاف جنگ شروع کر دی ہے، مسلمانوں کے لئے بھی ضروری ہو گیا ہے کہ مدافعت کریں۔ ورنہ اگر جنگ کی حالت نہ ہو تو قتل نفس ایک سخت گناہ ہے۔ اور ایک مسلمان کے لئے کسی حال میں بھی جائز نہیں کہ کسی مسلمان کو یا معاہد کو دیدہ و دانستہ قتل کر ڈالے یہاں سے مقصود وہ تمام غیر مسلم ہیں جن سے مسلمانوں کی جنگ چھڑی ہو۔ م ر ح

مُؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ إِلَّا أَنْ يَصَّدَّقُوا ۚ فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ
رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ ۖ وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ فَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ
۹۵ مُؤْمِنَةٍ ۖ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِنَ اللَّهِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ وَمَنْ يَقْتُلْ
۹۶ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ
آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ

صلح ہو۔
اسکے بعد بتلایا ہے کہ اگر کوئی شخص غلطی سے اور بے خبری میں کسی مسلمان یا معاہد کو قتل کر دے، تو اس کو کیا سزا ہے۔
یاد رہے کہ قرآن نے دو حالتوں کے سوا اور کسی حال میں کسی بھی نفس کو جان سے مارنا جائز نہیں رکھا ہے۔ یا تو لڑائی کی حالت ہو یا قانون کی رو سے کسی مجرم کو سزا دی جائے۔ مثلاً قاتل کو قتل کے بدلے قتل کیا جائے۔

کرے اور مقتول کے وارثوں کو اس کا خون بہا دے، اگر مقتول کے وارث خون بہا معاف کر دیں تو کر سکتے ہیں۔

اور اگر مقتول اُس قوم میں سے ہو جو تمھاری دشمن ہے (یعنے تم سے لڑ رہی ہے) اگر مومن ہو، (اور کسی نے یہ سمجھ کر کہ یہ بھی دشمنوں میں سے ہے، اُسے قتل کر دیا ہو) تو چاہیے کہ ایک مسلمان غلام آزاد کیا جائے۔ (خون بہا کا دلانا ضروری نہ ہوگا۔ کیونکہ اسکے وارثوں اور ساتھیوں سے مسلمانوں کی جنگ ہے)

اور اگر مقتول اُن لوگوں میں سے ہو جن کے ساتھ تمھارا معاہدۂ صلح ہو (یعنے معاہد ہو) تو چاہیے کہ قاتل مقتول کے وارثوں کو خون بہا بھی دے، اور ایک مسلمان غلام بھی آزاد کرے۔

اور جو کوئی غلام نہ پائے (یعنے اس کا مقدور نہ رکھتا ہو کہ غلام کو مال کے بدلے حاصل کرے اور آزاد کرائے) تو اُسے چاہیے لگاتار دو مہینے روزہ رکھے۔ اس لئے کہ اللہ کی طرف سے یہ (اُسکے گناہ کی) توبہ ہے، اور اللہ سب کچھ جاننے والا، اور (اپنے تمام احکام میں) حکمت رکھنے والا ہے!

جو کوئی جان بوجھ کر کسی مسلمان کو قتل کر ڈالے، تو اسکی سزا جہنم ہے دائمی عذاب ہے اور اللہ کا غضب اور اسکی پھٹکار!

۹۵ اور جو مسلمان کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کر ڈالے، تو (یاد رکھو) اُسکی سزا جہنم ہے جہاں وہ ہمیشہ رہے گا، اور اُس پر اللہ کا غضب ہوا، اور اُسکی پھٹکار پڑی، اور اُسکے لئے خدا نے بہت بڑا عذاب طیار کر رکھا ہے!

۹۶ مسلمانو! جب ایسا ہو کہ تم اللہ کی راہ میں (جنگ کے لئے) باہر جاؤ، تو چاہیے کہ (جن لوگوں سے مقابلہ ہو، اُن کا حال) اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو (کہ وہ دشمنوں میں سے ہیں یا دوستوں میں سے ہیں) اور جو کوئی تمھیں سلام کرے (اور اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرے) تو یہ نہ کہو کہ تم مومن نہیں ہو (ہم تم سے لڑیں گے) کیا تم

۱۰۳ وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَوٰةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُم مَّعَكَ وَلْيَأْخُذُوٓا۟ أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوا۟ فَلْيَكُونُوا۟ مِن وَرَآئِكُمْ وَلْتَأْتِ طَآئِفَةٌ أُخْرَىٰ لَمْ يُصَلُّوا۟ فَلْيُصَلُّوا۟ مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا۟ حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ وَدَّ الَّذِينَ كَفَرُوا۟ لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُم مَّيْلَةً وَٰحِدَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِن كَانَ بِكُمْ أَذًى مِّن مَّطَرٍ أَوْ كُنتُم مَّرْضَىٰٓ أَن تَضَعُوٓا۟ أَسْلِحَتَكُمْ وَخُذُوا۟ حِذْرَكُمْ إِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْكَٰفِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ۝ ۱۰۴ فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلَوٰةَ فَاذْكُرُوا۟ اللَّهَ قِيَٰمًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ فَإِذَا اطْمَأْنَنتُمْ فَأَقِيمُوا۟ الصَّلَوٰةَ إِنَّ الصَّلَوٰةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَٰبًا مَّوْقُوتًا ۝

موقع پائینگے، تم پر حملہ آور ہو جائینگے)

۱۰۳ اور (اے پیغمبر!) جب تم مسلمانوں میں موجود ہو (اور جنگ ہو رہی ہو) اور تم انکے لئے نماز قائم کرو، تو چاہئے کہ (فوج کا) ایک گروہ (مقتدی بن کر) تمھارے ساتھ کھڑا ہو جائے اور اپنے ہتیار لئے رہے۔ پھر جب وہ سجدہ کر چکے، تو پیچھے ہٹ جائے، اور دوسرا گروہ جو نماز میں شریک نہ تھا، تمھارے ساتھ شریک ہو جائے۔ اور چاہئے کہ پوری طرح ہشیاری رکھے اور اپنے ہتیار لئے رہے۔

(یاد رکھو) جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے، اُن کی دلی تمنا ہے کہ تم اپنے ہتیار اور سامان جنگ سے ذرا بھی غفلت کرو تو ایکبارگی تم پر ٹوٹ پڑیں۔ (پس ضروری ہے کہ نماز کی حالت میں بھی اس طرف سے غافل نہ ہو)

اور اگر تمھیں بارش کی وجہ سے کچھ تکلیف ہو، یا تم بیمار ہو، تو پھر تم پر کوئی گناہ نہیں اگر ہتیار اتار کر رکھدو۔ لیکن تمھیں اپنے بچاؤ کی طرف سے غافل نہ ہونا چاہئے (یقین رکھو) اللہ نے منکرین حق کے لئے (نامرادی کا) رسوا کن عذاب طیار کر رکھا ہے (وہ تم پر فتحمند نہیں ہو سکتے)

۱۰۴ پھر جب تم نماز (خوف) پوری کر چکو، تو چاہئے کہ کھڑے، بیٹھے، لیٹے، ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے رہو (کہ اُس کی یاد صرف نماز کی حالت ہی پر موقوف نہیں۔ ہر حالت میں تمھارے اندر بسی ہوئی چاہئے)

پھر جب ایسا ہو کہ تم (دشمن کی طرف سے) مطمئن ہو جاؤ، تو (معمول کے مطابق) نماز قائم رکھو۔ بلاشبہ نماز مسلمانوں پر بہ قید وقت فرض کر دی گئی ہے۔

جبکہ قصر سے مقصود چار کی جگہ دو رکعت پڑھنا ہے۔ اگر نماز چار رکعت سے کم کی ہو، تو اس میں قصر نہیں۔

اگر جنگ کی حالت میں قصر نماز بھی باطمینان نہیں پڑھ سکتے، یا جنگ جاری ہو اور نماز کا وقت آگیا، تو پھر اس طریقے سے ادا کرو جس کی ترکیب بتلادی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز مسلمانوں کے لئے ایک ایسا عمل ہے جس سے کسی حال میں بھی غفلت جائز نہیں حتیٰ کہ عین جنگ کی حالت میں بھی۔

اگر حالت ایسی ہو کہ کسی طرح بھی نماز ادا نہ کی جاسکے تو پھر قضا کرلی چاہئے جیسا کہ پیغمبر اسلام صلعم نے غزوۂ خندق میں کیا تھا کیونکہ آخر میں فرمایا کہ نماز مسلمانوں کے لئے بقید وقت فرض کی گئی ہے۔

۱۰۵ وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ ۖ إِن تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ ۖ وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝

۱۰۶ إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ ۚ وَلَا تَكُن لِّلْخَائِنِينَ خَصِيمًا ۝ وَاسْتَغْفِرِ اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝

۱۰۷ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَانُونَ أَنفُسَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ خَوَّانًا أَثِيمًا ۝

مقاصد کی راہ میں تکلیفیں اور سختیاں مومن کو بھی پیش آتی ہیں اور کافر کو بھی لیکن مومن کے لئے اُن کا جھیلنا سہل ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے سامنے ایسی امیدیں رکھتا ہے جو کافر کو میسر نہیں۔ وہ یقین رکھتا ہے کہ جو کچھ جھیل رہا ہے حق کی راہ میں جھیل رہا ہے اور اس کے لئے دنیا میں بھی کامیابی ہے اور آخرت میں بھی۔ پھر افسوس اُس مومن پر جو مقاصد حق کی راہ میں اتنا بھی نہ کر سکے جتنا ایک کافر ظلم و فساد کی راہ میں کر رہا ہے!

اس کے بعد آیت (۱۰۶) سے سلسلۂ بیان پھر اُسی طرف لوٹ گیا ہے جہاں سے جنگ کا ذکر چھڑ گیا تھا۔ یعنی رسول کی اطاعت، اس کے فرائض منصب، قضایا کا انفصال، اور عدل و دیانت کا قیام۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلمان نے (جو بنی ابیرق سے تھا اور جس کا نام طعمہ یا بشیر تھا) چوری کی اور مال مسروقہ ایک یہودی کے یہاں گرو رکھ دیا تھا۔ یہودی نے اپنے آپ کو بے قصور بتلایا تھا۔ طعمہ کے کنبہ کے لوگ طعمہ کی حمایت کرتے تھے اور کہتے تھے، یہودی کا قرار و جرم ہے۔ اُس کی بات نہیں مانی جا سکتی۔ ان لوگوں کی حمایت کا باعث یہ تھا کہ طعمہ نے راتوں رات سازش کر کے ان سب کو اپنی حمایت پر آمادہ کر لیا تھا۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں اور آنحضرت صلعم نے یہودی کو بری کر دیا۔ (ترمذی، حاکم، ابن سعد، ابن جریر وغیرہم)

بہرحال ان آیات سے معلوم ہوا کہ

(۱) مسلمان قاضی کو چاہیے ہر حال میں حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرے۔ اس خیال سے کہ ایک فریق مسلمان اور دوسرا غیر مسلم ہے مسلمان کی طرفداری نہیں کرنی چاہیے (۱۰۶)

(۲) ہمیشہ خدا سے معافی مانگتا رہے، کیونکہ قضا کا معاملہ نہایت نازک ہے۔ ایسا نہ ہو کہ طبیعت کے میلان سے کوئی لغزش ہو جائے (۱۰۷)

(۳) قاضی کو کوئی ایسی بات نہیں کرنی چاہیے جس کو کسی فریق کی وکالت کی جگہ کہہ سکیں (۱۰۷)

(۴) مسلمانوں کو نہیں چاہیے کہ محض مذہب ہونے کی وجہ سے یا اپنے خاندان و قبیلہ میں سے ہونے کی وجہ سے کسی مجرم کی حمایت کریں اور سازش کر کے جتھا بندی کریں۔ دنیا کی عدالتیں دھوکہ کھا سکتی ہیں لیکن خدا [illegible]

۱۰۵ اور (دیکھو) دشمنوں کا پیچھا کرنے میں ہمت نہ ہارو اگر تمھیں (جنگ میں) دکھ پہنچتا ہے، تو جس طرح تم دکھی ہوتے ہو، وہ بھی (تمھارے ہاتھوں) دکھی ہوتے ہیں، اور (تمھیں اُن پر یہ فوقیت ہے کہ) اللہ سے (کامیابی و اجر کی) ایسی ایسی امیدیں رکھتے ہو، جو انھیں میسر نہیں (کیونکہ تم اللہ کی راہ میں حق و انصاف کے لئے لڑتے ہو۔ وہ اپنی نفسانی خواہشوں کے لئے ظلم و فساد کی راہ میں لڑتے ہیں) اور (یاد رکھو) اللہ (تمام حال) جاننے والا اور (اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے!

۱۰۶ (اے پیغمبر!) ہم نے تم پر الکتاب سچائی کے ساتھ نازل کر دی ہے تا کہ جیسا کچھ خدا نے تمہیں بتلا دیا ہے اس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو۔ اور خیانت کرنے والوں کی طرفداری میں نہ جھگڑو (یعنی ایسا نہ کرو کہ اُن کی وکالت میں فریق ثانی سے جھگڑو) اور اللہ سے مغفرت مانگو (کہ قضا کا معاملہ نہایت نازک ہے) بلاشبہ اللہ بخشنے والا اور رحمت رکھنے والا ہے!

۱۰۷ اور جو لوگ اپنے اندر خیانت رکھتے ہیں تم ان کی طرف سے نہ جھگڑو۔ خدا ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو خیانت اور معصیت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّتُونَ مَا لَا
يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا ۝ هٰأَنْتُمْ هٰؤُلَاءِ جَادَلْتُمْ
عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ أَمْ مَّنْ يَّكُونُ عَلَيْهِمْ
وَكِيلًا ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝ وَمَنْ يَّكْسِبْ
إِثْمًا فَإِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً أَوْ
إِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّإِثْمًا مُّبِينًا ۝

رہا ہے کہ کون مجرم ہے کون نہیں ہے؟ (۱۰۸)
(۱۰۹) جو برائی کرتا ہے، اس کی برائی اسی پر ہے۔ پس یہ خیال نہ کرو کہ کوئی شخص
[illegible] اس کا جرم ثابت ہو گیا تو تم پر بھی دھبہ
لگ جائے گا (۱۱۱)
(۱۱۲) خود قصور کرنا اور اپنے سے دوسرے کے سر تھوپ دینا ایک معصیت کے
بعد دوسری معصیت کا ارتکاب کرنا ہے۔ تم دنیا کی عدالت کو دھوکا دے
سکتے ہو لیکن خدا کی عدالت کو کیونکر دھوکا دے سکتے ہو؟ (۱۱۲)

۱۰۸ (اس طرح کے لوگ) انسانوں سے تو (اپنی خیانت) چھپاتے ہیں، لیکن خدا سے نہیں چھپاتے۔ حالانکہ جب وہ راتوں کو مجلس بٹھا کر ایسی ایسی باتوں کا مشورہ کرتے ہیں جو خدا کو پسند نہیں، تو اُس وقت وہ اُنکے ساتھ موجود ہوتا ہے، اور وہ جو کچھ کرتے ہیں اُس کے احاطۂ علم سے باہر نہیں!

۱۰۹ دیکھو[1]، تم لوگ وہ ہو کہ تم نے دنیا کی زندگانی میں تو ان (مجرموں) کی طرف سے جھگڑا کر لیا، لیکن (بتلاؤ) قیامت کے دن اُنکی طرف سے اللہ کے ساتھ کون جھگڑے گا؟ یا کون ہو جو (اُس دن) اُن کا وکیل بنے گا؟

۱۱۰ اور جو شخص کوئی برائی کی بات کر بیٹھتا ہے، یا اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کر لیتا ہے، پھر (اس سے توبہ کرتا اور) اللہ سے بخشش طلب کرتا ہے، تو (اس کے لئے بخشش کا دروازہ کھلا ہوا ہے) وہ اللہ کو بخشنے والا رحمت رکھنے والا پائے گا!

۱۱۱ اور جو کوئی (بدعملی کر کے) برائی کماتا ہے، تو وہ اپنی جان ہی کے لئے کماتا ہے۔ (اُس کا جو کچھ بھی وبال ہوگا، اُسی کو پیش آئے گا) اور اللہ (سب کچھ) جاننے والا اور (اپنے تمام احکام میں) حکمت رکھنے والا ہے۔

۱۱۲ اور جس کسی سے (نادانستہ) کوئی خطا سرزد ہو جائے، یا (دانستہ) کسی گناہ کا مرتکب ہو، اور پھر (اپنے بچاؤ کے لئے) کسی بے گناہ کے سر تھوپ دے، تو (یاد رکھو) اُسنے بہتان اور کھلے گناہ کا بوجھ (بھی) اپنی گردن پر لاد لیا۔

[1] اس آیت میں خطاب اُس گروہ سے ہے جو طعمہ کی حمایت میں جتھا بندی کر کے فریق ثانی سے جھگڑتے تھے، اور الزام دوسرے پر ہٹانا چاہتے تھے۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت [illegible] تھے۔

۱۱۳ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ
وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ
۱۱۴ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۝ لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ ۢ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَ
۱۱۵ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ ۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ
۱۱۶ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ

۱۱۳ اور (اے پیغمبر!) اگر تم پر اللہ کا فضل نہ ہوتا اور اس کی رحمت (کارفرما) نہ ہوتی، تو واقعہ یہ ہے کہ ان لوگوں میں سے ایک جماعت نے پورا ارادہ کرلیا تھا کہ (اصل مجرم کی حمایت میں جتھا بندی کرکے) تمھیں غلط راستے پر ڈال دیں (اور تم بے گناہ آدمی کو مجرم تصور کرلو) اور یہ لوگ غلط راستے پر نہیں ڈال رہے ہیں مگر خود اپنی ہی جانوں کو (کہ حق کی حمایت کرنے کی جگہ جھوٹے کی حمایت کررہے ہیں) اور (اپنی چالاکیوں سے) تمھیں کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ کیونکہ اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت نازل کردی ہے، اور جو باتیں معلوم نہ تھیں وہ تمھیں سکھلا دی ہیں، اور تم پر اس کا بہت ہی بڑا فضل ہوا!

۱۱۴ ان لوگوں کے پوشیدہ مشوروں میں سے اکثر مشورے بھلائی کے لئے نہیں ہوتے۔ ہاں جو کوئی خیرات کے لئے یا کسی نیک کام کے لئے حکم دے یا لوگوں کے درمیان صلح صفائی کرادینا چاہے (اور اس لئے پوشیدگی محفوظ رکھے تو البتہ یہ نیکی کی بات ہے) اور جو کوئی خدا کی خوشنودی کی طلب میں اس طرح کے کام کرتا ہے، تو ہم اسے اجر عظیم عطا فرمائینگے۔

۱۱۵ اور جس شخص پر الہدیٰ (یعنے ہدایت کی حقیقی راہ) واضح ہوجائے، اور اس پر بھی وہ اللہ کے رسول سے مخالفت کرے، اور مومنوں کی راہ چھوڑ کر دوسری راہ چلنے لگے، تو ہم اسے اسی طرف کو لے جائینگے جس (طرف) کو (جانا) اس نے پسند کرلیا ہے اور اسے دوزخ میں پہنچا دینگے، اور (جس کے پہنچنے کی جگہ دوزخ ہوئی تو) اسے پہنچنے کی کیا ہی بری جگہ ہوئی!

۱۱۶ اللہ یہ بات بخشنے والا نہیں کہ اس کے ساتھ کسی کو

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ مذکورہ صدر میں جب آنحضرت (صلعم) نے یہودی کو بری کردیا، اور طعمہ کے خلاف فیصلہ فرمایا، تو وہ مسلمانوں سے الگ ہوکر مشرکین مکہ سے جا ملا (ترمذی، حاکم، ابن سعد) جس شخص پر الہدیٰ یعنے دین حقیقی کی راہ واضح ہوجائے، اور پھر وہ دیدہ و دانستہ اس سے پھر جائے، تو اس نے خود اپنی پسند کو فلاح و سعادت کی راہ چھوڑ کر شقاوت کی راہ پسند کرلی، اور جیسی کچھ راہ اسنے پسند کی ضروری ہے کہ ویسا ہی نتیجہ بھی اسے پیش آئے۔
چنانچہ فرمایا: ہم اسے اسی طرف لے جائیں گے جس طرف کو جانا اسنے پسند کرلیا ہے۔ یعنے ہم نے انسان کی سعادت و شقاوت کے لئے ایسا ہی قانون ٹھیرا دیا ہے کہ جیسی راہ پسند کرتا ہے ویسا ہی نتیجہ اسے پیش آتا ہے، اور اسی نتیجہ پر وہ پہنچا دیا جاتا ہے۔ جس نے جنت کی راہ اختیار کی اسے جنت میں داخل کیا جائے گا، جس نے دوزخ پسند کی اس کے لئے دوزخ ہوئی!

۱۲۱ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا
أَبَدًا ۖ وَعْدَ اللَّهِ حَقًّا ۚ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا ۱۲۲ لَّيْسَ بِأَمَانِيِّكُمْ وَلَا أَمَانِيِّ أَهْلِ الْكِتَابِ ۗ مَن
يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهِ وَلَا يَجِدْ لَهُ مِن دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۱۲۳ وَمَن يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِن ذَكَرٍ أَوْ
أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا ۱۲۴ وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا مِّمَّنْ أَسْلَمَ
وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَاتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا

۱۲۱ اور جو لوگ ایمان لائے، اور نیک کام انجام دئے، تو ہم انھیں (راحت و سرور ابدی کے ایسے) باغوں میں داخل کرینگے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہونگی (اور اس لئے وہ کبھی خشک ہونے والے نہیں) وہ ہمیشہ انہی باغوں میں رہینگے (اُن کی راحت و سرور کے لئے کبھی زوال نہ ہوگا یہ) اللہ کا وعدہ حق ہے۔ اور اللہ سے بڑھ کر بات کہنے میں سچا اور کون ہوسکتا ہے؟

۱۲۲ (مسلمانو! نجات و سعادت) نہ تو تمھاری آرزوؤں پر (موقوف) ہے، نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر۔ (بلکہ ایمان و عمل پر موقوف ہے) جو کوئی برائی کریگا (خواہ وہ کوئی ہو) ضروری ہے کہ اُس کا بدلہ پائے، اور پھر اللہ کے سوا نہ تو اُسے کوئی دوست ملے (جس کی دوستی کام آئے) نہ کوئی مددگار ملے (جس کی مددگاری بچا سکے)

۱۲۳ اور جو کوئی اچھے کام کریگا، خواہ مرد ہو خواہ عورت، اور وہ (خدا پر) ایمان بھی رکھتا ہوگا، تو ایسے ہی لوگ ہیں جو جنت میں داخل ہونگے اور رائی برابر بھی اُنکے ساتھ (جزاء عمل میں) بے انصافی نہ ہوگی

۱۲۴ اور پھر (بتلاؤ) اُس آدمی سے بہتر دین رکھنے والا کون ہوسکتا ہے جس نے اللہ کے آگے سر اطاعت جھکا دیا، اور وہ نیک عمل بھی ہے، اور اس نے ابراہیم کے طریقہ کی پیروی کی جو (تمام انسانی گروہ بندیوں سے الگ ہوکر) صرف خدا ہی کے لئے ہو رہا تھا، (اور جس کا طریقہ یہودی اور مسیحی گروہ بندیوں کا نہیں تھا بلکہ صرف ایمان و عمل کا تھا؟) اور (یہ

پچھلی آیات میں انسانی گمراہی کی یہ حالت بتلائی گئی تھی کہ اصل حقیقت کی جگہ باطل رسموں اور جھوٹی امیدوں میں گم ہو جاتا ہے۔ یہاں بتلایا کہ اسی گمراہی میں یہودی اور عیسائی مبتلا ہو گئے۔ عمل و حقیقت کی جگہ صرف باطل آرزوئیں اور جھوٹی امیدیں ہی اُن کا سرمایۂ دین ہے۔ یہودی کہتے ہیں ہم خدا کی خاص امت ہیں۔ ہم پر آتش دوزخ حرام ہو۔ عیسائی کہتے ہیں ہم کفارۂ مسیح پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس لئے ہمارے لئے نجات ہی نجات ہے۔ قرآن مسلمانوں کو متنبہ کرتا ہے کہ کہیں تم بھی اسی گمراہی میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔ وہ کہتا ہے نہ تو تمھاری آرزوؤں سے کچھ ہونے والا ہے، نہ اہل کتاب کی۔ خدا کا قانون تو یہ ہے کہ جس کسی کا عمل برا ہوگا وہ اس کی سزا ضرور پائے گا۔ خواہ تم ہو، خواہ یہودی ہوں، خواہ عیسائی ہوں، خواہ کوئی ہو۔

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ مسلمانوں اور اہل کتاب میں بحث چھڑ گئی۔ یہودیوں نے کہا ہمارا دین سب سے بہتر ہے اور نجات ہمارے ہی لئے ہے۔ مسلمانوں نے کہا ہمارا دین سب سے بہتر ہے اور ہمیں نے پایا اور تم سب کی نجات انھیں پر موقوف ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (ابن جریر)

اس سے معلوم ہوا کہ محض چند طریقہ کی بڑائی کرنے اور ڈینگیں مارنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ اصل شے ایمان و عمل ہے۔

۱۲۷ وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۚ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۗ وَأُحْضِرَتِ الْأَنْفُسُ الشُّحَّ ۚ وَإِنْ تُحْسِنُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ۝ ۱۲۸ وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ ۖ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۚ وَإِنْ تُصْلِحُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ۝ ۱۲۹ وَإِنْ يَتَفَرَّقَا

لڑکیاں ہوں خواہ لڑکے ہوں) اور تمھاری سرپرستی میں ہوں یا نہ ہوں، ہر حال میں) حق و انصاف کے ساتھ قائم رہو، اور (یاد رکھو) تم بھلائی کی باتوں میں سے جو کچھ کرتے ہو، خدا اس کا علم رکھنے والا ہے (وہ تمھاری نیکی کبھی رائگاں جانے نہ دیگا)

۱۲۷ اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے سرکشی یا کنارہ کشی کا اندیشہ ہو، تو شوہر اور بیوی پر کچھ گناہ نہ ہوگا، اگر (مصالحت کی کوئی بات آپس میں ٹھہرا کر) مصالحت کرلیں۔ (نا اتفاقی سے) صلح (ہر حال میں) بہتر ہے۔ اور (یاد رکھو انسان کی طبیعت اس طرح کی واقع ہوئی ہو کر) مال کی حرص سبھی میں ہوتی ہو (عورت چاہتی ہو اُسے زیادہ سے زیادہ ملے۔ مرد چاہتا ہے، کم سے کم خرچ کرے۔ پس ایسا نہ کرو کہ مال کی وجہ سے آپس میں مصالحت نہ ہو) اور اگر تم (ایک دوسرے کے ساتھ) اچھا سلوک کرو، اور (سخت گیری سے) بچو، تو تم جو کچھ کرتے ہو، خدا اسکی خبر رکھنے والا ہو (وہ ضرور تمھیں اس کا اجر نیک عطا فرمائے گا)

۱۲۸ اور تم اپنی طرف سے کتنے ہی خواہشمند ہو، لیکن یہ بات تمھاری طاقت سے باہر ہے کہ (ایک سے زیادہ) عورتوں میں (کامل طور پر) عدل کر سکو (کیونکہ دل کا قدرتی میلان تمھارے بس کا نہیں۔ کسی کی طرف زیادہ مائل ہوگا، کسی کی طرف کم) پس ایسا نہ کرو کہ کسی ایک ہی کی طرف جھک پڑو، اور دوسری کو (اس طرح) چھوڑ بیٹھو گویا وہ "معلقہ" ہے (یعنے ایسی عورت ہو کہ نہ تو بیوہ اور مطلقہ ہے کہ اپنا دوسرا انتظام کرے، نہ شوہر اس کا حق ادا کرتا ہے کہ شوہر والی عورت کی طرح ہو۔ بیچ میں پڑی لٹک رہی ہو) اور دیکھو اگر تم (عورتوں کے معاملہ میں) درستگی پر رہو، اور بے انصافی سے بچو، تو اللہ بخشنے والا، رحمت رکھنے والا ہے (وہ تمھیں اس بات کے لئے جوابدہ نہیں ٹھہرائے گا جو تمھارے بس کی نہیں ہو)

۱۲۹ اور اگر (میاں بی بی میں اصلاح کی کوئی صورت بن نہ پڑے، اور) ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں تو

یکساں سلوک کرو، اور کسی ایک ہی کی طرف جھک نہ پڑو۔ مثلاً سب کو ایک طرح کا مکان دو، ایک طرح کا لباس پہناؤ، ایک ہی طرح کھانے پینے کا انتظام کرو، ایک ہی طرح پر ہر ایک سے رہو اور شب باش ہو۔ اگر تمھیں اندیشہ ہو کہ ان باتوں میں عدل نہ کر سکو گے، تو پھر ایک سے زیادہ بیوی نہ کرو۔

۱۳۰ يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ۝ وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ
وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِى
۱۳۱ السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ۝ وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ
۱۳۲-۱۳۳ وَكِيْلًا ۝ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ۝ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ
۱۳۴ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ

اللہ اپنے (فضل کی) کشائش سے دونوں کو بے نیاز کر دیگا (یعنے اُن میں سے ہر ایک کے لئے کوئی دوسرا استظام پیدا ہو جائے گا جو عجب نہیں پہلے سے بہتر ہو) اور اللہ بڑی وسعت والا، اور (اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے!

۱۳۰ اور (مسلمانو! یاد رکھو) آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کے لئے ہے (اُس کے سوا کوئی نہیں) ہم نے یقیناً اُن لوگوں کو جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے، اور (اسی طرح) خود تم کو بھی یہ حکم دیا کہ اللہ (کی نافرمانی کے نتائج) سے ڈرو (اور احکام حق کی پیروی کرو) اور اگر (اس کا حکم) نہ مانوگے، سو (اس سے اُس کی خدائی کا تو کچھ بھی نقصان نہ ہوگا۔ تم خود ہی نقصان اٹھاؤگے) آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کے لئے ہے اور وہ بے نیاز ہے، (ساری خوبیوں سے) ستودہ!

بیان احکام کے بعد پھر تذکیر و موعظت کے پہلو پر زور، دنیا کی اصلی شے احکام حق کی تعمیل اور استقامت و اخلاص ہے۔
تم سے پہلے کتنی قومیں ہیں جو عملی نافرمانی کی وجہ سے مٹ گئیں۔ اگر خدا چاہے، تو تمھیں بھی کامرانی و اقبال کے میدان سے ہٹا دے اور تمھاری جگہ دوسروں کو دیدے جو تمہاری سی نافرمانی و بدعملی سے بچیں، اور [illegible]

۱۳۱ اور (بے شک) اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور (جو اُس کی فرمانبرداری کرے، تو) کارسازی کے لئے اُس کا کارساز ہونا کفایت کرتا ہے!

۱۳۲ لوگو! اگر وہ چاہے تو تمھیں (اقبال وسعادت کے میدان سے) ہٹا دے، اور (تمھاری جگہ) دوسروں کو لے آئے۔ وہ بلاشبہ ایسا کرنے پر قادر ہے (کوئی نہیں جو اُس کے احکام و قوانین کا نفاذ روک سکے)

۱۳۳ جو کوئی دُنیا کا ثواب چاہتا ہے، تو (اُسے معلوم ہونا چاہئے کہ) اللہ کے پاس دنیا اور آخرت دونوں کا ثواب موجود ہے، (اور وہ دونوں کی بخشش رکھتا ہے) اور وہ (سب کچھ) سننے والا اور دیکھنے والا ہے!

۱۳۴ مسلمانو! ایسے ہو جاؤ کہ انصاف پر پُوری مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے والے اور اللہ کے لئے (سچی) گواہی

مسلمانوں کو چاہئے کہ قوامین بالقسط ہوں۔ یعنے عدل و انصاف پر اس مضبوطی سے قائم رہنے والے کہ کوئی بات بھی انھیں اس کی [illegible]

وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۣ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۞ ۱۳۵ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۞ ۱۳۶ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا

دینے والے ہو، اگرچہ تمھیں خود اپنے خلاف، یا اپنے ماں باپ اور قرابت داروں کے خلاف ہی دینی پڑے۔ اگر کوئی مالدار ہے، یا محتاج ہے، تو اللہ (تم سے) زیادہ اُن پر مہربانی رکھنے والا ہے (تمھیں ایسا نہیں کرنا چاہیے کہ مالدار کی دولت کی طمع میں یا محتاج کی محتاجی پر ترس کھا کر سچی بات کہنے سے جھجکو)

بگڑنے دینا چاہیے۔

اسے چاہیے کہ اللہ کے لیے گواہی دینے والا ہو۔ دنیا کی کوئی چیز انھیں سچ کہنے سے نہ روک سکے۔ اگر کسی معاملہ میں سچائی خود اُن کی ذات کے خلاف ہو، یا اُن کے ماں باپ اور عزیز و اقربا کے خلاف ہو، جب بھی انھیں سچی ہی بات کہنی چاہیے۔ وہ صرف سچائی ہی کے لیے دل و زبان رکھتے ہیں۔

سچی گواہی دینے میں نہ تو کسی کی دولت کا پاس کرو، نہ کسی کی محتاجی کا۔ اگر کسی معاملہ میں گواہی دے سکتے ہو تو اس سے پہلو تہی نہ کرو۔ اور جب گواہی دو تو صاف صاف بات کہو۔ گھما پھرا کر حقیقت مشتبہ نہ کرو۔

پس (دیکھو) ایسا نہ ہو کہ ہوائے نفس کی پیروی تمھیں انصاف سے باز رکھے۔ اور اگر تم (گواہی دیتے ہوئے) بات کو گھما پھرا کر کہو گے (یعنے صاف صاف کہنا نہ چاہو گے) یا گواہی دینے سے پہلو تہی کرو گے، تو یاد رکھو) تم جو کچھ کرتے ہو، اللہ اُس کی خبر رکھنے والا ہے!

مسلمانو! اللہ پر ایمان لاؤ، اللہ کے رسول پر ایمان لاؤ، اور اُس کتاب پر ایمان لاؤ جو اُس نے اپنے رسول پر نازل کی ہے۔ نیز اُن کتابوں پر جو اُس سے پہلے (دوسرے پیغمبروں پر) نازل کی تھیں۔ اور (دیکھو) جو کوئی اللہ سے انکار کرتا ہے، اور اُس کے فرشتوں، اُس کی کتابوں، اُس کے رسولوں اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتا، تو وہ بھٹک کے راہِ راست سے بہت دور جا پڑا۔

جن لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ ایمان لائے، پھر کفر میں پڑ گئے، پھر ایمان لائے، پھر کفر میں پڑ گئے،

ایمانی خصائل و اعمال پر زور دینے کے بعد حقیقت واضح کی کہ یہ خصائل و اعمال جبھی پیدا ہو سکتے ہیں کہ کامل اور سچی خدا پرستی دلوں میں راسخ ہو جائے۔ کامل اور سچی خدا پرستی یہ ہے کہ خدا پر ایمان لاؤ، اور خدا کی سچائی پر ایمان لاؤ۔ یہ سچائی پیغمبر اسلام پر بھی نازل ہوئی ہے اور پیغمبر اسلام سے پہلے تمام رسولوں پر بھی نازل ہو چکی ہے۔

اس کے بعد ایمان کی تفصیل بیان کی کہ خدا پر، خدا کے فرشتوں پر، خدا کی کتابوں پر، خدا کے رسولوں پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھنا کامل اور سچا ایمان ہے۔

اسکے بعد منافقوں کی حالت بیان کی ہے کہ اگرچہ ظاہر میں انھوں نے ایمان کی راہ اختیار کی تھی مگر فی الحقیقت ایمان سے محروم تھے۔ ایمان لائے، اور بار بار اُلٹے پاؤں پھر گئے۔ سو یہ ایمان، ایمان نہیں ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے نہ تو خدا کی مغفرت ہوگی، نہ ایسی راہ کا سراغ پا سکیں گے جو کامیابی کی راہ کھلتی ہو۔

ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيلًا ۝ بَشِّرِ الْمُنَافِقِينَ
بِأَنَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝ الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ
أَيَبْتَغُونَ عِندَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ۝ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا
سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ
غَيْرِهِ ۚ إِنَّكُمْ إِذًا مِّثْلُهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا

اور پھر برابر کفر میں بڑھتے ہی گئے، تو (فی الحقیقت ان کا ایمان لانا ایمان لانا نہ تھا) اللہ انھیں بخشنے
والا نہیں، اور نہ پھر ایسا ہونا ہے کہ انھیں (فلاح و کامیابی کی) کوئی راہ دکھائے۔

اے پیغمبر! تم منافقوں کو یہ خوش خبری سنا دو کہ بلاشبہ ان کے لئے عذاب دردناک ہے!

وہ منافق جو مسلمانوں کو چھوڑ کر منکرین حق کو اپنا رفیق و مددگار بناتے ہیں (اور مسلمانوں کی دوستی پر
مسلمانوں کے دشمنوں کی دوستی کو ترجیح دیتے ہیں) تو کیا وہ چاہتے ہیں ان کے پاس عزت ڈھونڈھیں؟
(اگر ایسا ہی ہے) تو (یاد رکھیں) عزت جتنی بھی ہے سب کی سب اللہ ہی کے لئے ہے (یعنی اسی کے
اختیار میں ہے، جسے چاہے دیدے۔ دشمنان حق کے ہاتھ میں نہیں ہے، اگرچہ وہ اس وقت عارضی طور
پر دنیوی عزت و شوکت رکھتے ہیں اور پیروان حق بے سروسامان و کمزور ہیں)

اور (دیکھو) اللہ اپنی کتاب میں تمہارے لئے
یہ حکم نازل کرچکا ہے کہ جب سنو خدا کی آیتوں کے
ساتھ کفر کیا جارہا ہے (یعنی انھیں سرکشی و شرارت
سے جھٹلایا جارہا ہے) اور ان کی ہنسی اڑائی جارہی
ہے، تو (تم) ان کی مجلس سے اٹھ جاؤ، اور جب تک
(وہ اس طرح کی باتیں چھوڑ کر کسی دوسری بات میں)
لگ نہ جائیں ان کے پاس نہ بیٹھو۔ اگر بیٹھے
(تو) تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے۔ (یاد رکھو) اللہ منافقوں
کو (جو ایسی باتوں میں شریک ہوتے ہیں) اور منکرین
حق کو (جو اس طرح کی باتیں کرتے ہیں) سب کو جہنم
میں اکٹھا کر دینے والا ہے!

آیت (۱۳۸) سے (۱۴۰) تک منافقوں کے اعمال و خصائل (بیان کئے)
گئے ہیں کہ اگرچہ بظاہر ایمان لے آئے ہیں مگر اس لئے مسلمانوں
کی کامیابی پر یقین نہیں رکھتے۔ وہ مسلمانوں کو چھوڑ کر ان کے دشمنوں
کو اپنا دوست بناتے ہیں کہ جب موقع ملے تو عزت و اقتدار
حاصل کریں۔

(۲) وہ بالکل تذبذب کی حالت میں واقعات کی رفتار دیکھتے رہتے ہیں۔ اگر
مسلمانوں کو فتح ہوئی تو فتح کے ثمرات میں حصہ دار بن جانے کو
کہتے ہیں ہم بھی تمہارے ساتھ تھے۔ اگر دشمنوں کا پلہ بھاری رہا تو
ان سے جا ملتے ہیں اور کہتے ہیں اگر لڑائی میں ہم ساتھ
ساتھ نہ رہتے اور انھیں بچا نہ لیتے تو مسلمان کب کا تمہارا خاتمہ کر چکے ہوتے؟

(۳) وہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو دل کی خوشی کے ساتھ نہیں، ناچار
کھڑے ہو جاتے ہیں۔ دکھاوے کے لئے اٹھتے بیٹھتے ہیں۔ پھر
جلد جلد ادا کرلیں گے اور نماز بیچ میں کرالگ ہو جاتے ہیں۔ خشوع و خضوع
اصلاً ان کی نماز میں نہیں ہوتا۔

غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿۱۵۲﴾ يَسْأَلُكَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَن تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتَابًا مِّنَ السَّمَاءِ ۚ فَقَدْ سَأَلُوا مُوسَىٰ أَكْبَرَ
مِن ذَٰلِكَ فَقَالُوا أَرِنَا اللَّهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْهُمُ الصَّاعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِن بَعْدِ
مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ فَعَفَوْنَا عَن ذَٰلِكَ ۚ وَآتَيْنَا مُوسَىٰ سُلْطَانًا مُّبِينًا ﴿۱۵۳﴾ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّورَ
بِمِيثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوا فِي السَّبْتِ وَأَخَذْنَا مِنْهُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا ﴿۱۵۴﴾
فَبِمَا نَقْضِهِم مِّيثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِم بِآيَاتِ اللَّهِ وَقَتْلِهِمُ الْأَنبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَقَوْلِهِمْ قُلُوبُنَا غُلْفٌ

بخشنے والا (اور) رحمت رکھنے والا ہے!

۱۵۳ (اے پیغمبر!) اہلِ کتاب (یعنی یہودی) تم سے درخواست کرتے ہیں کہ آسمان سے کوئی کتاب اُن پر نازل کرا دو (تاکہ انھیں تصدیق ہو جائے کہ تم خدا کے نبی ہو) تو (یہ فرمائش اُنھوں نے تم ہی سے نہیں کی ہے، یہ) لوگ اس سے بھی بڑی بات کا سوال موسیٰ سے کر چکے ہیں۔ جنھوں نے (یعنی ان کے بزرگوں اور ہم عصروں) نے صحرائے سینا کے میدان میں) کہا تھا "ہمیں خدا آشکارا طور پر دکھلا دو"! (یعنی ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں خدا تم سے کلام کر رہا ہے) تو اُن کی شرارت کی وجہ سے بجلی (کی ہولناکی) نے انھیں پکڑ لیا تھا اور (اس پر بھی وہ نافرمانی و شرارت سے باز نہیں آ گئے تھے) پھر باوجودیکہ (دینِ حق کی) روشن دلیلیں اُن پر واضح ہو چکی تھیں وہ (پرستش کے لئے) بچھڑے کو لے بیٹھے (اور بت پرستی میں مبتلا ہو گئے) مگر ہم نے اس سے بھی درگزر کی، اور موسیٰ کو (قیامِ حق و شریعت میں) ظاہر و واضح تسلط دے دیا۔[1]

۱۵۴ اور پھر (دیکھو! احکامِ حق پر) عہد لینے کے لئے ہم نے اُن کے سروں پر (کوہِ) طور بلند کر دیا تھا (اور اُنھوں نے اتباعِ حق کا قول و قرار کیا تھا) اس کے بعد ہم نے انھیں حکم دیا کہ شہر کے دروازے میں (خدا کے آگے) جھکے ہوئے داخل ہو (اور فتح و کامیابی کے بعد ظلم و شرارت نہ کرو) اور ہم نے حکم دیا کہ سبت کے دن (کا احترام کرو، اور) اس دن حکمِ شریعت سے تجاوز نہ کرو۔ نیز ہم نے اُن سے (اتباعِ احکام پر) پکا عہد میثاق لے لیا تھا۔ (مگر اُنھوں نے ان دونوں حکموں سے بھی نافرمانی کی)

۱۵۵ پس اُن کے عہد (اطاعت) توڑنے کی وجہ سے، اور اللہ کی آیتیں جھٹلانے کی وجہ سے، اور اس بات کی وجہ سے کہ خدا کے نبیوں کو ناحق قتل کرتے رہے، نیز (اس شقاوت کی وجہ سے کہ) اُنھوں نے کہا "ہمارے دلوں پر (تو) غلاف چڑھے ہوئے ہیں" (اُن میں قبولیتِ حق کی استعداد باقی نہیں

۱۔ سورۂ بقرہ میں ان واقعات کی تفصیل گزر چکی ہے۔ [illegible]
[illegible]
[illegible]

إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ ۖ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا ۝ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا ۱۵۹
عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَن سَبِيلِ اللَّهِ كَثِيرًا ۝ وَأَخْذِهِمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ ۱۶۰
وَأَكْلِهِمْ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۚ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝ لَّٰكِنِ الرَّاسِخُونَ ۱۶۱
فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُونَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ ۚ وَالْمُقِيمِينَ الصَّلَاةَ
وَالْمُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالْمُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أُولَٰئِكَ سَنُؤْتِيهِمْ أَجْرًا عَظِيمًا ۝ إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ ۱۶۲

اپنی موت سے پہلے (حقیقت حال پر مطلع ہو جانے کے بعد) اُس پر (یعنی مسیحؑ کی صداقت پر) ضرور ایمان لے آئے (کیونکہ مرنے کے وقت غفلت و شرارت کے تمام پردے پھٹ جاتے ہیں اور حقیقت سامنے آجاتی ہے) اور قیامت کے دن وہ (اللہ کے حضور) اُن پر شہادت دینے والا ہوگا۔

۱۶۰ الغرض یہودیوں کے اس ظلم کی وجہ سے ہم نے (کئی ایک) اچھی چیزیں اُن پر حرام کر دیں جو (پہلے) اُن کے لئے حلال تھیں۔ اور نیز اس وجہ سے کہ وہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے بہت روکنے لگے تھے (اور ہدایت کی راہ میں سراسر روک ہو گئے تھے)

۱۶۱ نیز اُن کی اس بات کے سبب کہ سود لینے لگے حالانکہ اس کو روک دیئے گئے تھے اور یہ بات کہ ناجائز طریقہ پر لوگوں کا مال کھانے لگے (حالانکہ انہیں ہر حال میں اور ہر انسان کے ساتھ راستی و دیانت برتنے کا حکم دیا گیا تھا) اور (یاد رکھو) اُن میں جو لوگ (اس طرح احکامِ حق کے) منکر ہو گئے، تو ہم نے اُن کے لئے (پاداشِ عمل میں) عذاب دردناک تیار کر رکھا ہے!

جب کسی جماعت میں راستبازی اور پرہیزگاری باقی نہیں رہتی تو سچائی اور جائز راحتوں کا بھی اس طرح مستحق نہیں رہتا جس طرح کہ پرہیزگاروں کا ذریعہ بن جاتی ہیں اور اس کی قوت عمل کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی جانب سے [illegible] علانیہ طور پر روک دیئے جائیں۔ چنانچہ یہودیوں کی بداعمالیوں کا یہی حال تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ کئی چیزیں جو ان کے لئے پہلے روا رکھی گئی تھیں [illegible] اسی معاملہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔
انکے بدعملی کی اس کڑی کی طرف اشارہ کیا گیا کہ سود لینے سے انہیں روکا گیا تھا لیکن وہ باز نہ آئے اور بیگانوں کا مال ناجائز طریقہ پر کھانے لگے۔

۱۶۲ لیکن (اے پیغمبر!) اُن میں سے جو لوگ (کتاب اللہ کے) علم میں ثابت قدم ہیں تو وہ اور مسلمان (ان گمراہیوں سے اپنی راہ الگ رکھتے ہیں۔ وہ) اُس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو تم پر نازل ہوئی ہے اور اُن تمام کتابوں پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو تم سے پہلے نازل ہو چکی ہیں۔ اور وہ جو نماز قائم رکھنے والے ہیں، زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں، اور اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔ تو یہی لوگ ہیں جنہیں ہم عنقریب اُن کا اجر عطا فرمائیں گے۔ ایسا اجر جو بہت ہی بڑا اجر ہوگا!

۱۶۳ (اے پیغمبر!) ہم نے تمہاری طرف اسی طرح وحی

وحی ربانی کی جگہ تمام پیغمبروں کا اعلان کرنا انسانی کے لئے [illegible]

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ قَدْ ضَلُّوا ضَلَالًا بَعِيدًا ۝ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَظَلَمُوا لَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيقًا ۝ إِلَّا طَرِيقَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ۝ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمُ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ مِن رَّبِّكُمْ فَآمِنُوا خَيْرًا لَّكُمْ ۚ وَإِن تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ ۚ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَىٰ مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ

۱۶۵ جو لوگ سچائی سے منکر ہوئے اور خدا کی راہ سے لوگوں کو روکا، تو بلاشبہ وہ راہ راست سے بھٹک گئے اور ایسے بھٹکے کہ دور دراز گوشوں میں گم ہو گئے۔

۱۶۶ جن لوگوں نے کفر کیا اور ظلم (میں بھی بے باک ہو گئے اور مرتے دم تک اسی حالت میں سرشار رہے) تو خدا انھیں کبھی بخشنے والا نہیں اور نہ انھیں (کامیابی و سعادت کی) کوئی راہ دکھائے گا۔

۱۶۷ بجز جہنم کی راہ کے جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے، اور اللہ کے لئے ایسا کرنا بالکل سہل ہے (کوئی نہیں جو اس کے قوانین کے نفاذ میں رکاوٹ ڈال سکے)

۱۶۸ اے افراد نسل انسانی! بلاشبہ الرسول (یعنی پیغمبر اسلام) تمھارے پروردگار کی طرف سے تمھارے پاس سچائی کے ساتھ آ گیا ہے (اور اس کی سچائی اب کسی کے جھٹلائے جھٹلائی نہیں جا سکتی) پس ایمان لاؤ کہ تمھارے لئے (اسی میں) بہتری ہے اور (دیکھو) اگر تم کفر کرو گے، تو آسمان و زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کے لئے ہے (وہ بے نیاز) تمھاری کسی بات کا محتاج نہیں۔ تمھاری شقاوت خود تمھارے ہی آگے آئے گی) اور یاد رکھو اللہ (سب کچھ) جاننے والا، اور (اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے۔ (پس ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ تمھاری حالت سے غافل ہو اور اچھائی کے لئے اچھا اور برائی کے لئے برا نتیجہ پیش نہ آئے)

۱۶۹ اے اہل کتاب! اپنے دین میں غلو نہ کرو (یعنی حقیقت و اعتدال سے گزر نہ جاؤ) اور اللہ کے بارے میں حق کے سوا اور کچھ نہ کہو۔ مریم کا بیٹا عیسیٰ مسیح اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اللہ کا رسول ہو اور اس کے کلمۂ (بشارت) کا ظہور ہو جو مریم پر القا کیا گیا تھا، نیز ایک روح ہو جو اس کی جانب سے بھیجی گئی۔

اہل کتاب کی ایک بہت بڑی گمراہی دین میں غلو تھی یعنی حقیقت و اعتدال سے تجاوز کر کے بہت دور تک چلے جانا۔ اگر کسی کی تعظیم پر آئے، تو اس قدر تعظیم کی کہ اسے خدا کے درجے تک پہنچا دیا۔ مخالفت پر آئے تو اس درجہ مخالفت کی کہ اس کی صداقت سے بھی انکار کر دیا۔

اگر زہد و عبادت کی راہ اختیار کی تو اتنی دور تک چلے گئے کہ رہبانیت تک پہنچ گئے۔ اگر دنیا کے پیچھے پڑے تو دین بھی چھوڑ دیا کہ [illegible]

فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۖ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ ۚ انْتَهُوا خَيْرًا لَكُمْ ۚ إِنَّمَا اللَّهُ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ سُبْحَانَهُ أَنْ يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ ۘ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ﴿۱۷۰﴾ لَنْ يَسْتَنْكِفَ الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ وَلَا الْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ ۚ وَمَنْ يَسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ إِلَيْهِ جَمِيعًا ﴿۱۷۱﴾ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدُهُمْ مِنْ فَضْلِهِ ۖ وَأَمَّا الَّذِينَ اسْتَنْكَفُوا وَاسْتَكْبَرُوا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَلَا يَجِدُونَ لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿۱۷۲﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُبِينًا ﴿۱۷۳﴾ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَاعْتَصَمُوا بِهِ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِي رَحْمَةٍ مِنْهُ وَفَضْلٍ وَيَهْدِيهِمْ إِلَيْهِ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ﴿۱۷۴﴾

یہود و نصاریٰ دونوں ایک ہی گمراہی کے شکار ہوئے۔ یہاں خطاب عیسائیوں سے ہے کہ انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی محبت و تعظیم میں اس قدر غلو کیا کہ انھیں خدا کا بیٹا بنا دیا۔ اور ایک خدا کی جگہ تین خداؤں کا عقیدہ پیدا کر لیا۔ یعنے باپ، بیٹا، اور روح القدس۔

پس چاہیے کہ اللہ پر اور اُسکے رسولوں پر ایمان لاؤ، اور یہ بات نہ کہو کہ خدا تین ہیں۔ دیکھو ایسی بات کہنے سے باز آ جاؤ کہ تمھارے لئے بہتری ہو۔ حقیقت اسکے سوا کچھ نہیں ہو کہ اللہ ہی اکیلا معبود ہو (اُس کے سوا کوئی نہیں) وہ اس سے پاک ہو کہ اُسکے لئے کوئی بیٹا ہو۔ آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے، سب اُسی کے لئے ہو (وہ بھلا اپنے کاموں کے لئے اس بات کا کیوں محتاج ہو کہ کسی کو بیٹا بنا کر دنیا میں بھیجے؟) کارسازی کے لئے خدا کا کارساز ہونا بس ہو۔

۱۷۰ مسیح کو ہرگز اس بات میں عار نہیں کہ وہ خدا کا بندہ سمجھا جائے، اور نہ خدا کے مقرب فرشتوں کو اس سے ننگ و عار ہو۔ ۱۷۱ اور جو کوئی خدا کی بندگی میں ننگ و عار سمجھے اور تکبر کرے، تو (وہ تکبر کر کے کہاں جا سکتا ہے؟) وہ وقت دور نہیں کہ خدا سب کو (قیامت کے دن) اپنے حضور جمع کرے گا۔

۱۷۲ پھر (اُس دن) ایسا ہوگا کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیک کام کئے ہیں، تو اُن کی نیکیوں کا پورا پورا بدلہ انھیں دے دے گا، اور اپنے فضل سے اس میں زیادتی بھی فرمائے گا۔ لیکن جن لوگوں نے (خدا کی) بندگی کو ننگ و عار سمجھا تھا اور تکبر کیا تھا، تو انھیں (پاداش جرم میں) ایسا عذاب دیگا جو دردناک عذاب ہوگا اور اُس دن انھیں خدا کے سوا نہ تو کوئی رفیق ملیگا، نہ مددگار! ۱۷۳

۱۷۴ اے افراد نسل انسانی! تمھارے پاس تمھارے پروردگار کی طرف سے برہان (یعنے دلیل و حجت) آ گئی، اور ہم نے تمھاری طرف واضح و آشکار روشنی بھیج دی۔ پس جو لوگ اللہ پر ایمان لائے، اور اُس کا سہارا مضبوط پکڑ لیا، تو وہ انھیں عنقریب اپنی رحمت کے سائے میں داخل کر دے گا، اور اُن پر اپنا فضل کرے گا، اور انھیں اپنے تک پہنچنے کی راہ دکھائے گا۔ ایسی راہ جو بالکل سیدھی راہ ہو!

دین حق، برہان ہے۔ یعنے سرتاسر دلیل و حجت۔ اور قرآن نور مبین ہے۔ یعنے واضح و آشکار روشنی۔ برہان کے ساتھ جہل نہیں رہ سکتا، اور روشنی کے ساتھ تاریکی و کوری باقی نہیں رہ سکتی۔

۱۷۵ يَسْتَفْتُونَكَ ۖ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ ۚ إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَا إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ ۚ وَإِنْ كَانُوا إِخْوَةً رِجَالًا وَنِسَاءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ ۗ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ أَنْ تَضِلُّوا ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ

۱۷۵ (اے پیغمبر!) لوگ تم سے کلالہ کے بارے میں (یعنی ایسے آدمی کی میراث کے بارے میں جس کے نہ تو باپ ہو، نہ اولاد) فتویٰ طلب کرتے ہیں۔ کہہ دو اللہ تمہیں کلالہ کے بارے میں (حسب ذیل) حکم دیتا ہے: اگر کوئی ایسا مرد مر جائے جس کے اولاد نہ ہو (اور نہ باپ دادا) اور اُس کے بہن ہو، تو جو کچھ مرنے والا چھوڑ مرا ہے، اُس کا آدھا بہن کا حصہ ہوگا۔ اور بہن مر جائے اور اُس کے اولاد نہ ہو، تو اُس (کے سارے مال) کا وارث وہ بھائی ہی ہوگا۔

پھر اگر دو بہنیں ہوں (یا دو سے زیادہ) تو انہیں ترکے میں سے دو تہائی ملے گا۔

اور اگر بھائی بہن (ملے جلے ہوں)، کچھ مرد، کچھ عورتیں، تو پھر (اسی قاعدے سے حصے تقسیم ہوں گے کہ) مرد کے لئے دو عورتوں کے برابر حصہ۔ اللہ تمہارے لئے اپنے احکام واضح کر دیتا ہے تاکہ گمراہ نہ ہو۔ اور اللہ تمام باتوں کا علم رکھنے والا ہے!

سورت کی ابتدا قرابت داروں کے حقوق و احکام سے ہوئی تھی، پھر وہ بیان ان میں بھی سلسلۂ بیان اور طرف کو پھر گیا تھا۔ اب سورت کا خاتمہ بھی اسی پر ہوا۔

کلالہ کی میراث کا حکم جو آیت (۱۲) میں گزر چکا ہے تین صورتوں میں سے صرف ایک صورت کے لئے تھا۔ یہاں بقیہ دو صورتیں بھی بیان کر دی ہیں۔ یعنی اگر کلالہ کے وارث عینی بھائی بہن ہوں، یا علاتی ہوں (باپ ایک، ماں مختلف) تو وراثت کی تقسیم بیان کردہ اصول پر کی جائے

وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا
بِالْأَزْلَامِ ذَٰلِكُمْ فِسْقٌ الْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِينِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ
الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا
فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِإِثْمٍ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ يَسْأَلُونَكَ
مَاذَا أُحِلَّ لَهُمْ قُلْ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ تُعَلِّمُونَهُنَّ

وہ جسے درندہ پھاڑ کھائے۔

مگر ہاں، وہ حرام نہیں جسے تم (اُس کے مرنے سے پہلے) ذبح کر لو [1]

وہ جانور جو کسی تھان پر (چڑھا کر) ذبح کیا جائے۔ (یعنے اُن مقامات میں ذبح کیا جائے جو بت پرستوں نے نذر و نیاز چڑھانے کے لئے ٹھہرا رکھے ہیں)

اور یہ بات بھی کہ (کسی جانور کا گوشت یا کوئی اور چیز بطور حصے کے) تیروں کے پانسوں سے آپس میں تقسیم کرو (جیسا کہ مشرکین عرب کیا کرتے تھے) یہ گناہ کی بات ہے۔

(مسلمانو!) جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی تھی، وہ آج تمہارے دین کی طرف سے مایوس ہو گئے ہیں (کہ تم راہ حق چھوڑ کر اُن کا طریقہ اختیار کرنے والے نہیں) پس اُن سے نہ ڈرو۔ مجھ سے ڈرو (اور میرے حکم کی تعمیل کرو۔ اگر تم مجھ سے ڈرتے رہے تو پھر کوئی نہیں جو تمہیں اپنی طاقت سے خوف زدہ کر سکے)

آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا، اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی، اور تمہارے لئے پسند کر لیا کہ دین اسلام ہو!

پس (دیکھو) جو کوئی بھوک سے بے بس ہو جائے۔ یہ بات نہ ہو کہ عمداً گناہ کرنا چاہے (اور کوئی حرام چیز کھالے) تو اللہ بخشنے والا رحمت رکھنے والا ہے!

(اے پیغمبر!) لوگ تم سے پوچھتے ہیں کیا کیا چیزیں اُن کے لئے حلال ہیں؟ تم کہو جتنی اچھی چیزیں ہیں سب تم پر حلال کر دی گئی ہیں۔ اور شکاری جانور جو تم نے شکار کے لئے سدھا رکھے ہوں اور شکار کو

جانوروں کے حلال و حرام ہونے کے احکام میں تکمیل دین کا ذکر کیا گیا کہ اسلام سے پہلے کھانے پینے میں نہایت افراط و تفریط ہو رہی تھی یہ ملت کی خصوصیت ہے کہ اعتدال کی راہ دکھائی اور تمام ضرورتیں دین کی پوری کر دیں۔ پھر فرمایا اب یہ دین کامل ہو گیا جو تمہارے لئے بہترین ہے۔ اگر کوئی آدمی مجبور ہو کر

[1] یعنے مردار، سور، اللہ کے سوا دوسروں کے نام پر ذبح کئے ہوئے جانور تو ہر حال میں حرام ہیں لیکن گلا گھٹ کر مرنے والے وغیرہ ایسی حالت میں جب کہ مرنے سے پہلے ذبح کر لئے جائیں تو حرام نہیں۔

جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا ۚ وَإِن كُنتُم مَّرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ
تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُم مِّنْهُ ۚ مَا يُرِيدُ اللَّهُ
لِيَجْعَلَ عَلَيْكُم مِّنْ حَرَجٍ وَلَٰكِن يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ
وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُم بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۖ وَاتَّقُوا
اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا

پاکی و شستگی کے لحاظ سے اعلیٰ جماعت بنا کر تم پر اپنی نعمت ہدایت پوری کرے۔

کی حاجت ہو، تو چاہیے (نہا کر) پاک صاف ہو جاؤ۔

اور اگر تم بیمار ہو (اور پانی کا استعمال مضر ہو) یا سفر میں ہو (اور پانی کی جستجو دشوار ہو) یا ایسا ہو کہ تم میں سے کوئی جائے ضرورت سے (ہو کر) آیا ہو، یا تم عورت کے پاس سے ہو[1] اور پانی میسر نہ آئے، تو اس حالت میں چاہیے کہ (وضو کی جگہ) پاک مٹی سے کام لو۔ اور (طریقہ اس کا یہ ہے کہ) اپنے منہ اور ہاتھوں پر اس کو مسح کر لو۔ اللہ نہیں چاہتا کہ تمہیں کسی طرح کی مشقت اور تنگی میں ڈالے، بلکہ چاہتا ہے (اس طرح کے اعمال کے ذریعہ) تمہیں پاک و صاف کر دے۔ نیز یہ کہ (تمہیں ایک شائستہ ترین جماعت بنا کر) تم پر اپنی نعمت (ہدایت) پوری کر دے، تاکہ تم شکرگزار ہو (یعنے نعمت الٰہی کے قدر شناس ہو)

١٠ اور (دیکھو) اللہ نے تم پر جو انعام کیا ہے اس کی یاد سے غافل نہ ہو، اور اس کا عہد و پیمان نہ بھولو جو وہ مضبوطی کے ساتھ تم سے ٹھہرا چکا ہے۔ جب تم نے (دعوت ایمان قبول کرتے ہوئے) کہا تھا کہ (خدایا) ہم نے تیرا فرمان سنا، اور ہم نے اُسے قبول کیا (تو خدا سے تم نے اطاعت حق کا عہد و پیمان باندھ لیا تھا) اور (دیکھو ہر حال میں) خدا (کی نافرمانی کے نتائج) سے ڈرتے رہو۔ بلاشبہ وہ جاننے والا ہے جو کچھ (تمہارے) سینوں میں پوشیدہ ہوتا ہو!

سورت کے آغاز میں فرمایا تھا: اپنے معاہدے پورے کرو، یعنے احکام حق کی اطاعت کا عہد پورا کرو۔ یہاں پھر مسلمانوں کو ان کا عہد یاد دلایا جا رہا ہے کہ دین کامل ظہور میں آ گیا، نعمت الٰہی پوری کر دی گئی، تمہارا فرض ہے کہ ذکر نعمت سے غافل نہ ہو، اور اطاعت حق میں استقامت کے ساتھ کوشاں ہو!

اس کے بعد فرمایا: دین کی تکمیل اور نعمت کا اتمام چاہتا ہے کہ تم دنیا میں سراسر عدل و صداقت کا پیکر بن جاؤ۔ تمہیں قوامین لِلّٰہ اور شہداء بالقسط ہونا چاہیے۔ یعنے مضبوطی کے ساتھ حق کے لئے کھڑے ہونے والے اور عدل و انصاف کے لئے شہادت دینے والے۔ ایسا ہو یا ناموافق، دوست ہو یا دشمن، جس کے ساتھ بھی کرو انصاف کے ساتھ کرو، اور جس کے حق میں کوئی بات کہو انصاف کی ہو!

١٢ مسلمانو! ایسے ہو جاؤ کہ خدا (کی سچائی) کے لئے مضبوطی سے قائم رہنے والے اور انصاف کے لئے گواہی دینے والے ہو، اور (دیکھو) ایسا کبھی نہ ہو کہ کسی گروہ

[1] یعنے زناشوئی کا معاملہ کیا ہو۔

يجرمنكم شنآن قوم على ألا تعدلوا اعدلوا هو أقرب للتقوى واتقوا الله إن الله
خبير بما تعملون ﴿٨﴾ وعد الله الذين آمنوا وعملوا الصالحات لهم مغفرة وأجر عظيم ﴿٩﴾
والذين كفروا وكذبوا بآياتنا أولئك أصحاب الجحيم ﴿١٠﴾ يا أيها الذين آمنوا اذكروا نعمت
الله عليكم إذ هم قوم أن يبسطوا إليكم أيديهم فكف أيديهم عنكم واتقوا الله وعلى الله
فليتوكل المؤمنون ﴿١١﴾ ولقد أخذ الله ميثاق بني إسرائيل وبعثنا منهم اثني عشر نقيبا
وقال الله إني معكم لئن أقمتم الصلاة وآتيتم الزكاة وآمنتم برسلي وعزرتموهم وأقرضتم
الله قرضا حسنا لأكفرن عنكم سيئاتكم ولأدخلنكم جنات تجري من تحتها

کی دشمنی تمہیں اس بات کے لئے ابھار دے کہ (اس کے ساتھ) انصاف نہ کرو۔ (ہر حال میں) انصاف کرو کہ یہی تقوے سے لگتی ہوئی بات ہے۔ اور اللہ (کی نافرمانی کے نتائج) سے ڈرو۔ تم جو کچھ کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر رکھنے والا ہے!

جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے، تو اللہ کا ان سے وعدہ ہے کہ ان کے لئے مغفرت ہوگی، اور بہت بڑا اجر ہوگا۔

لیکن جن لوگوں نے انکار کیا، اور ہماری آیتوں کو (سرکشی و شرارت سے) جھٹلایا، تو وہ دوزخی ہیں (انھوں نے مغفرت و اجر کی جگہ تباہی و عذاب کی راہ پسند کر لی)

مسلمانو! اپنے اوپر اللہ کا وہ احسان یاد کرو، کہ جب ایک گروہ نے پورا ارادہ کر لیا تھا کہ (جنگ و ہلاکت کا) تم پر ہاتھ بڑھائے، تو خدا نے (اپنے فضل و کرم سے) ایسا کیا کہ اُن کے ہاتھ تمہارے خلاف تیز نہ ہو سکے (اور تمہیں کسی طرح کا گزند نہ پہنچا) اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ اللہ ہی ہے جس پر مومنوں کو بھروسہ رکھنا چاہئے!

اور (دیکھو) یہ واقعہ ہے کہ اللہ نے بنی اسرائیل سے (بھی) عہد (اطاعت) لیا تھا، اور ان میں بارہ سردار مقرر کر دئے تھے۔ اللہ نے فرمایا تھا: دیکھو میں تمہارے ساتھ ہوں۔ (یعنی میری مدد تمہارے ساتھ ہے) اگر تم نے نماز قائم رکھی، زکوٰۃ ادا کرتے رہے، میرے تمام رسولوں پر (جو تمہاری ہدایت کے لئے آتے رہیں گے) ایمان لائے، اور ان کی مدد کی، اور اللہ کو قرض حسنہ دیتے رہے (یعنی نیکی کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے رہے) تو میں ضرور تم پر سے تمہاری برائیاں محو کر دوں گا، اور تمہیں ضرور (راحت و کامرانی کے) باغوں میں داخل کر دوں گا، ان کے نیچے نہریں بہ

یہاں سے سلسلہ بیان کا رخ اہل کتاب کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور آگے دور تک یہ سلسلہ عبرت بخش ہے۔ فرمایا: یہودیوں سے اللہ نے ایمان و عمل کا عہد لیا تھا، مسیحیوں سے بھی لیا تھا لیکن دونوں نے اطاعت کی جگہ مخالفت کی راہ اختیار کی۔ تم بھی اپنے عہد کو فراموش نہ کر بیٹھو۔

الْأَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ

ہوں گی (اور اس لئے اُنکی شادابی کبھی مُرجھانے والی نہ ہوگی) پھر تم میں سے جس کسی نے اس کے بعد بھی (انکارِ حق کی راہ اختیار کی، تو یقیناً اُس نے (کامیابی و سعادت کی) سیدھی راہ گم کر دی۔

پس اس وجہ سے کہ اُن لوگوں نے اپنا عہدِ اطاعت توڑ ڈالا، ہم نے اُن پر لعنت کی، اور اُنکے دلوں کو سخت کر دیا (کیونکہ قانونِ الٰہی یہی ہو کہ جو کوئی حق سے منحرف ہوتا ہے، وہ رحمت سے محروم ہو جاتا ہے، اور اُس کے دل کی اثر پذیری باقی نہیں رہتی) چنانچہ یہ لوگ (خدا کی کتاب میں) کلمات کو اُن کی اصلی جگہ سے پھیر دیتے ہیں (یعنے کلام میں تحریف کر دیتے ہیں) جس بات کی اُنھیں نصیحت کی گئی تھی، اُس سے کچھ بھی فائدہ اُٹھانا اُنکے حصے میں نہ آیا۔ اُسے بالکل فراموش کر بیٹھے۔ اور تم (اب بھی) ہمیشہ اُن کی کسی نہ کسی خیانت پر (جو وہ کتاب اللہ میں تحریف کرتے ہوئے کرتے رہتے ہیں) اطلاع پاتے رہتے ہو۔ مگر بہت تھوڑے ہیں جو ایسا نہیں کرتے۔ پس (اے پیغمبر!) تمھیں چاہئے کہ اُن کی (ان خیانتوں سے) درگزر کرو، اور ان کی طرف سے اپنی توجہ ہٹا لو۔ بلاشبہ اللہ اُنھی کو دوست رکھتا ہے جو نیک کردار ہوتے ہیں!

یہودیوں کے علماء کی یہ شقاوت کہ کتاب اللہ کی اطاعت کرنے کی جگہ کتاب اللہ کو اپنی خواہشوں اور دنیوں کے مطابق بنانا چاہتے تھے، وہ اس کی آیتوں میں تحریف کرتے۔ یعنے اگر کسی آیت کا مطلب اس طرح ٹھہراتے کہ بات کچھ سے کچھ ہو جاتی، یا کتاب اللہ کی آیتیں حذف کر دیتے یا اپنی طرف سے گھٹا بڑھا دیتے کہ اصلی مطلب ظاہر نہ ہو، اور جو بات بنانا چاہتے ہیں کسی نہ کسی طرح بن جائے۔

خود پیغمبر اسلام کے زمانے میں بھی مدینہ کے علماء یہود کی ایسی خیانتیں بار بار پکڑی گئی تھیں۔ از انجملہ اُن کی یہ خیانت تھی کہ پیغمبر اسلام کے ظہور کی پیشین گوئیاں چھپانا چاہتے تھے۔

اور جو لوگ اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں[1] (یعنے عیسائی) اُن سے بھی ہم نے (ایمان و عمل کا) عہد

عیسائیوں نے بھی ایمان و عمل کا عہد فراموش کر دیا اور سچائی کی راہ سے بھٹک گئے۔ وحدت سے فرقوں میں بٹ گئے ہیں، اور ہر فرقہ دوسرے فرقے کی دشمنی میں سرگرم رہتا ہے۔ یہ باہمی دشمنی یہاں تک

[1] ناصرہ میں حضرت مسیح پلے تھے، تو عیسائیوں کو Nazarene یعنے نصرانی کہتے تھے۔ [illegible] اور عیسائی اپنے آپ کو نصاریٰ کہا کرتے تھے، چنانچہ قرآن کریم بھی انھیں اسی نام سے یاد کرتا ہے۔

فَنَسُوا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوا بِهِ فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۚ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللَّهُ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ۝ ١٨ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِّمَّا كُنتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْفُو عَن كَثِيرٍ ۚ قَدْ جَاءَكُم مِّنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ ۝ يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝ ١٩ لَّقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا

لیا تھا۔ (لیکن) پھر ایسا ہوا کہ جس بات کی نصیحت کی گئی تھی اُس سے کچھ بھی فائدہ اُٹھانا اُن کے حصے میں نہ آیا۔ وہ اُسے بالکل فراموش کر بیٹھے (اور ایک دین پر متحد رہنے کی جگہ بہت سی ٹولیوں اور گروہ بندیوں میں بٹ گئے) پس ہم نے اُنکے (مختلف فرقوں کے) درمیان قیامت تک کے لئے دشمنی اور کینے کی آگ بھڑکا دی (یعنے جب وہ ہدایت سے برگشتہ ہو کر مختلف فرقوں میں بٹ گئے، تو ہمارے مقررہ قانون کے بموجب اُن میں باہمی بغض و عناد کی آگ بھڑک اُٹھی) اور وہ وقت دُور نہیں کہ جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں اللہ اُس کی حقیقت اُنھیں بتلا دے گا۔

بھڑکی جو کہ قیامت تک دُور ہونے والی نہیں۔

چنانچہ عیسائیوں میں صدیوں تک مذہبی فرقہ آرائی قائم رہی، اور جب فرقوں کی بن پڑی اُس نے دوسرے فرقے کو تباہ کن دشمنی میں لایا۔ اب سیاسی اور اقتصادی فرقہ آرائی ہے۔ اور باہمی بغض و عداوت میں یہ فرقہ آرائی پچھلی فرقہ آرائی سے بھی زیادہ ہولناک ہے۔

اس ذکر سے مقصود یہ تھا کہ مسلمانوں کو عبرت ہو، اور فرقہ آرائی کی گمراہی سے اپنی نگہداشت کریں لیکن افسوس کہ مسلمان بھی اسی گمراہی میں مبتلا ہو گئے!

١٨ اے اہلِ کتاب! یہ واقعہ ہو کہ ہمارا رسول تمھارے پاس آ چکا۔ کتاب الٰہی (یعنے تورات و انجیل) کی بہت سی باتیں جنھیں تم (ہوائے نفس سے) چھپاتے رہے ہو، وہ تم سے صاف صاف بیان کرتا ہے، اور بہت سی باتوں سے درگزر کر جاتا ہو (کہ اُنکے بیان کی ضرورت نہیں) اللہ کی طرف سے تمھارے پاس (حق کی) روشنی آ چکی، اور ایسی کتاب آ چکی جو (اپنی داتوں میں نہایت) روشن کتاب ہے۔ خدا اس کتاب کے ذریعہ اُن لوگوں پر جو (ہوائے نفس کی جگہ) خدا کی خوشنودیوں کے تابع ہوں سلامتی کی راہ کھول دیتا ہے، اور اپنے حکم سے (یعنے اپنے مقررہ قانون کی بموجب) اُنھیں تاریکیوں سے نکالتا، روشنی میں لاتا، اور (کامیابی و سعادت کی) سیدھی راہ پر لگا دیتا ہے!

قرآن اپنے پیروؤں کو جہل و گمراہی کی تاریکیوں سے نکالتا اور علم و بصیرت کی روشنی میں لاتا ہے۔ پس جو قرآن کا سچا پیرو ہے ضروری ہے کہ اُس کی راہ علم و بصیرت کی راہ ہو!

١٩ یقیناً، اُن لوگوں نے کفر کیا، جنھوں نے کہا، خدا

عیسائیوں کی یہ گمراہی کہ الوہیت مسیح کا باطل عقیدہ پیدا کر لیا۔

إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قُلْ فَمَن يَمْلِكُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَن يُهْلِكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ وَمَن فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ۗ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۞ ۱۷ وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ ۚ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُم بِذُنُوبِكُم ۖ بَلْ أَنتُم بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ۚ يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ ۚ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۖ وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ۞ ۱۸ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ

مریم کا بیٹا مسیح ہے۔ (اے پیغمبر!) تم ان لوگوں سے کہو "(کیسی بے عقلی کی بات ہے جو تم کہتے ہو؟) اگر خدا مسیح ابن مریم کو اور اُس کی ماں کو، اور (اتنا ہی نہیں بلکہ) روئے زمین پر جتنے انسان بستے ہیں سب کو، ہلاک کر دینا چاہے، تو کس کی طاقت ہے کہ اُس سے کوئی چیز لے لے؟ (اور اُسکے ملک میں دخل دے سکے؟) آسمان کی اور زمین کی، اور جو کچھ ان میں ہے، سب کی سلطانی اللہ ہی کے لئے ہے۔ وہ جو کچھ چاہتا ہے، پیدا کرتا ہے، اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے! ۲۰

اور (دیکھو) یہود اور نصاریٰ کہتے ہیں ہم خدا کے بیٹے اور اُسکے پیارے ہیں (ہم جو کچھ بھی کریں ہمارے لئے نجات ہی نجات ہے) تم کہدو، "اگر ایسا ہی ہے تو پھر خدا تمہاری بدعملیوں کی وجہ سے تمہیں (دنیا و آخرت میں) عذاب کیوں دیتا ہے؟ (جس کا خود تمہیں بھی اعتراف ہے اور تمہاری کتاب خدا کی سرزنشوں اور عذابوں کی سرگذشتوں سے بھری ہوئی ہے؟) بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اُسکے پیدا کئے ہوئے انسانوں میں سے تم بھی انسان ہو، اور (انسان کی بخشش و نجات کا سررشتہ اللہ کے ہاتھ ہے۔ اُس نے کسی خاص گروہ کو اپنا پیارا بنا کر نجات کا پروانہ نہیں دے دیا) وہ جسے چاہے بخشدے، جسے چاہے عذاب دے۔ آسمانوں کی، زمین کی، اور اُن سب کی جو اُنکے درمیان ہیں، ملکیت و سلطانی صرف اُسی کے لئے ہے، اور سب کو اُسی کی طرف رجوع ہونا ہے! ۲۱

یہودیوں اور عیسائیوں کی یہ گمراہی کہ کہتے ہیں ہم خدا کے بیٹے اور اُسکے پیارے ہیں۔ ہم جو کچھ بھی کریں، ہمارے لئے نجات ہی نجات ہے۔ (دیکھو بقرہ ۸۰، و آل عمران ۲۴)
حضرت مسیح (علیہ السلام) نے یہودی تعلیم کی سختی و قربانی کی جگہ رحمت و شفقت کا تصور پیدا کرنے کے لئے، خدا کو باپ کے لفظ سے تعبیر کیا تھا، اور اس بات پر زور دیا تھا کہ شریعت کے ظواہر و رسوم کچھ سود نہیں، اگر دل میں نیکی و محبت نہ ہو۔ عیسائیوں نے اس بات کو کچھ سے کچھ بنا لیا۔ وہ کہنے لگے نجات کے لئے صرف یہی کافی ہے کہ آدمی مسیح پر ایمان لے آئے، اور یہ تسلیم کرے کہ خدا اُسکا باپ ہے، وہ کبھی اپنے بیٹوں پر آسمان کی بادشاہت کا دروازہ بند نہیں کریگا۔
قرآن ان کے اسی زعم باطل کا جواب دیتا ہے، وہ کہتا ہے، خدا نے کسی خاص گروہ کو نجات کا پروانہ لکھکر نہیں دیدیا ہے۔ تمام انسانوں کی طرح تم بھی انسان ہو، اور سررشتۂ نجات و بخشش خدا کے ہاتھ ہے۔ وہ جسے چاہے گا بخشیگا، جسے چاہے گا عذاب دیگا۔

اے اہل کتاب! ایسی حالت میں کہ رسولوں کا ظہور مدتوں سے بند تھا، ہمارا رسول (یعنے پیغمبر اسلام) ۲۲

حَتّٰى يَخْرُجُوا مِنْهَا ۚ فَإِنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِنَّا دَاخِلُونَ ۝ قَالَ رَجُلَانِ مِنَ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَنْعَمَ اللّٰهُ ٢٦
عَلَيْهِمَا ادْخُلُوا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَإِذَا دَخَلْتُمُوهُ فَإِنَّكُمْ غَالِبُونَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوا
إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ قَالُوا يَا مُوسٰى إِنَّا لَنْ نَدْخُلَهَا أَبَدًا مَا دَامُوا فِيهَا ۖ فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ ٢٧
فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ ۝ قَالَ رَبِّ إِنِّي لَا أَمْلِكُ إِلَّا نَفْسِي وَأَخِي ۖ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ ٢٨
الْفَاسِقِينَ ۝ قَالَ فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ ۛ أَرْبَعِينَ سَنَةً ۛ يَتِيهُونَ فِي الْأَرْضِ ۚ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ۝ ٢٩
وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ ۘ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا ٣٠

وہاں موجود ہیں، ہم کبھی اس سرزمین میں قدم نہیں رکھیں گے۔ ہاں، اگر وہ لوگ وہاں سے نکل گئے، تو پھر ہم ضرور داخل ہو جائیں گے"

٢٦ (اس پر) دو آدمیوں[1] نے کہ اللہ سے ڈرنے والوں میں سے تھے اور خدا نے انھیں (ایمان و یقین کی) نعمت عطا فرمائی تھی، لوگوں سے کہا (اس قدر بے طاقت اور بزدل کیوں ہوتے ہو؟) "ہمت کر کے ان لوگوں پر جا پڑو اور (شہر کے) دروازہ میں داخل ہو جاؤ۔ اگر تم (ایک مرتبہ) داخل ہو گئے، تو پھر غلبہ تمھارے ہی لئے ہے، اور اگر تم ایمان رکھنے والے ہو، تو چاہیے کہ اللہ پر بھروسہ کرو!"

٢٧ وہ بولے "اے موسیٰ! جب تک وہ لوگ وہاں موجود ہیں، ہم کبھی اس میں داخل ہونے والے نہیں (اور اگر تم وہاں جانے پر ایسے ہی تل گئے ہو، تو) تم خود چلے جاؤ اور تمھارا خدا بھی تمھارے ساتھ چلا جائے۔ ہم یہاں بیٹھے رہیں گے۔ تم دونوں وہاں لڑتے رہنا!"

٢٨ (یہ حالت دیکھ کر) موسیٰ نے کہا "خدایا! میں اپنی جان کے سوا اور اپنے بھائی کے سوا اور کسی پر اختیار نہیں رکھتا۔ پس تو ہم میں اور ان نافرمان لوگوں میں (اپنے حکم سے) فیصلہ کر دے!"

٢٩ اللہ کا حکم ہوا، کہ (جب ان لوگوں کی محرومیوں کا یہ حال ہے، تو) اب چالیس برس تک وہ سرزمین ان پر حرام کر دی گئی (یعنے چالیس برس تک اس سے محروم کر دئے گئے) یہ اسی بیابان میں سرگرداں رہیں گے۔ سو اے موسیٰ! تم نافرمان لوگوں کی حالت پر غمگین نہ ہو (وہ اپنی بدعملیوں سے اسی محرومی کے مستحق ہیں!)

٣٠ اور (اے پیغمبر!) ان لوگوں کو آدم کے دو بیٹوں کا حال سچائی کے ساتھ سنا دو۔ جب ان دونوں نے (خدا کے حضور) قبولیت کے لئے قربانیاں چڑھائیں

بنی اسرائیل کی یہ شقاوت ... الگ ہو گئے تھے اور اس سلسلہ میں حضرت آدم کے دو بیٹوں کا واقعہ جن کا نام تورات میں قائن اور ہابیل بتلایا ہے۔ (پیدائش: ۴) اور عرب انھیں قابیل اور ...

[1] تورات میں ہے کہ یہ دو آدمی یوشع اور کالب تھے (گنتی: ۱۴)

فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ ۖ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ
۳۱ الْمُتَّقِينَ ۝ لَئِنْ بَسَطْتَ إِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِي مَا أَنَا بِبَاسِطٍ يَدِيَ إِلَيْكَ لِأَقْتُلَكَ
۳۲ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ ۝ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ تَبُوءَ بِإِثْمِي وَإِثْمِكَ فَتَكُونَ مِنْ أَصْحَابِ
۳۳ النَّارِ ۚ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ ۝ فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ أَخِيهِ فَقَتَلَهُ فَأَصْبَحَ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝
۳۴ فَبَعَثَ اللَّهُ غُرَابًا يَبْحَثُ فِي الْأَرْضِ لِيُرِيَهُ كَيْفَ يُوَارِي سَوْءَةَ أَخِيهِ ۚ قَالَ يَا وَيْلَتَا
أَعَجَزْتُ أَنْ أَكُونَ مِثْلَ هَٰذَا الْغُرَابِ فَأُوَارِيَ سَوْءَةَ أَخِي ۖ فَأَصْبَحَ مِنَ النَّادِمِينَ ۝

تو اُن میں سے ایک کی قبول ہوگئی۔ (یعنے ہابیل کی) دوسرے کی قبول نہیں ہوئی (یعنے قابیل کی۔ اِس پر قابیل نے حسد سے جل کر ہابیل سے) کہا "میں یقیناً تجھے قتل کر دونگا" (ہابیل نے) کہا "اللہ صرف متقی آدمیوں ہی کی قربانی قبول کرتا ہے (اگر اُس نے تیری قربانی قبول نہیں کی، تو اس میں میرا کیا قصور؟) اگر تو مجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ اٹھائے گا تو (اُٹھا) پر میں تجھے قتل کرنے کے لئے کبھی ہاتھ نہیں اٹھاؤنگا۔ میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو تمام دنیا کا پروردگار ہے! میں چاہتا ہوں کہ (زیادتی ہو تو تیری طرف سے ہو۔ میری طرف سے نہ ہو اور) تو میرا اور اپنا، دونوں کا گناہ سمیٹ لے اور پھر دوزخیوں میں سے ہو جائے کہ ظلم کرنے والوں کو یہی بدلہ ملنا ہے"

قابیل کہتے تھے۔

ہابیل نے جو متقی انسان تھا، کہا۔ "اگر تو میرے قتل کے لئے ہاتھ اٹھاتا ہے تو اٹھا، لیکن میرا ہاتھ تیرے قتل کے لئے اٹھنے والا نہیں، کیونکہ میں پروردگار عالم کی سرزنش سے ڈرتا ہوں!"

اس پر بھی قابیل نے اُسے قتل کر دیا۔

ہابیل کی صدا میں تمام نوع انسانی کی داستان [illegible] دنیا کی پہلی اپیل تھی، اور قابیل کے عمل میں تمام ظالم انسانوں کی سرکشی و شقاوت کا نمونہ تھا۔ اب انسان کے سامنے دو راہیں کھل گئیں۔ نیکی و راستی کبھی انسان کے خون سے ہاتھ نہیں رنگے گی۔ ظالم کا ہاتھ ہمیشہ رنگین
۳۱ رہے گا۔

قرآن کہتا ہے: اسی بنا پر خدا نے بنی اسرائیل کے لئے یہ حکم لکھ دیا تھا کہ کسی انسان کو ناحق قتل کرنا ایسا ہے، گویا تمام نوع انسانی کو قتل کر دینا۔ اور کسی انسان کو ہلاکت سے بچالینا ایسا ہے، گویا تمام انسانوں
۳۲ کو بچالیا۔ کیونکہ انسان کا ہر فرد دوسرے فرد سے وابستہ ہے، اور جو انسان ایک انسان کے لئے رحم نہیں کرتا، وہ تمام نوع انسانی کے لئے [illegible]۔ لیکن بنی اسرائیل نے اس حکم کی کچھ پروا نہ کی۔ [illegible] اور انھیں ظلم و خونریزی سے روکتے رہے، لیکن ان کا ہاتھ اپنے بھائیوں کے خون سے ہمیشہ رنگین رہا!!

۳۳ پھر ایسا ہوا کہ اُس کے نفس نے (یعنے قابیل کے نفس نے) اُسے اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر دیا۔ اُس نے (ہابیل) کو قتل کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ تباہ کاروں میں سے ہو گیا۔

۳۴ اسکے بعد خدا نے ایک کوا بھیجا اور وہ زمین کریدنے لگا تاکہ اُسے بتا دے کہ اپنے بھائی کی نعش کیونکر (زمین میں) چھپانی چاہئے۔ (کوے کو زمین کریدتا ہوا دیکھ کر) وہ بول اٹھا "افسوس مجھ پر! میں اس کوے کی طرح بھی نہ ہو سکا کہ اپنے بھائی کی نعش (زمین کھود کر) چھپا دیتا!" غرضکہ وہ (اپنی حالت پر) بہت ہی پشیمان ہوا!!

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا
قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَلَقَدْ جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ۡ ثُمَّ
اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ۝ اِنَّمَا جَزٰۗؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ
رَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُـقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ
خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ۭ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا
مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَ
جَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ

(۳۵) اسی بنا پر ہم نے بنی اسرائیل کے لئے یہ حکم لکھ دیا تھا کہ جس کسی نے سوا اس حالت کے کہ قصاص لینا ہو یا ملک میں لوٹ مار مچانے والوں کو سزا دینی ہو کسی جان کو قتل کر ڈالا، تو گویا اس نے تمام انسانوں کا خون کیا، اور جس کسی نے کسی کی زندگی بچائی، تو گویا اس نے تمام انسانوں کو زندگی دیدی" (۳۶) اور پھر انکے پاس (یکے بعد دیگرے) ہمارے رسول (سچائی کی) روشن دلیلوں کے ساتھ آتے رہے (اور ظلم و خونریزی سے روکتے رہے) لیکن اس پر بھی ان میں سے اکثر آدمی ایسے ہیں جو ملک میں زیادتیاں کرنے والے ہیں۔

(۳۷) بلاشبہ اُن لوگوں کی جو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور ملک میں خرابی پھیلانے کے لئے دوڑتے پھرتے ہیں (یعنی رہزن اور ڈاکو ہیں) ایسی سزا ہو کہ قتل کر دیئے جائیں، یا سولی پر چڑھائے جائیں، یا انکے ہاتھ پاؤں مخالف جہتوں سے کاٹ ڈالے جائیں، یا انھیں جلاوطن کر دیا جائے (یعنی جیسی کچھ سزا انکے جرم کی ہو، انھیں دی جائے) یہ انکے لئے دنیا میں رسوائی ہوئی، اور آخرت میں بھی انکے لئے عذاب عظیم ہے۔

جو لوگ باغی ہوں یا رہزن اور ڈاکو ہوں، انھیں سزا دینے کا حکم۔ اگر ان میں سے کوئی مجرم گرفتاری سے پہلے تائب ہو جائے تو اس سے تعرض نہ کرو۔

پچھلی آیات میں بنی اسرائیل کو قتل نفس سے روکنے کا ذکر کیا تھا اور شدید جانیں مستحق کر دی تھیں، قصاص کی اور لوٹ مار کرنے والوں کو سزا دینے کی۔ اب یہاں اسکی مزید تشریح کر دی۔

قرآن جہاں کہیں باغیوں کے انسداد کے لئے کسی سخت طرز عمل کا حکم دیتا ہے، مثلاً جنگ کا، قصاص کا، مجرموں کو سزا دینے کا، طلاق کا، تو اس کے بعد ہی خدا سے ڈرتے رہنے اور انصاف سے تجاوز نہ کرنے پر خصوصیت کے ساتھ زور دینے لگتا ہے تاکہ سختی میں کہیں لوگ ظلم و زیادتی نہ کر بیٹھیں۔ چنانچہ یہاں بھی سزا کے حکم کے بعد آیت (۳۹) میں تقویٰ و اتباع حق پر زور دیا۔

(۳۸) مگر ہاں، ان میں سے جو لوگ قبل اس کے کہ تم ان پر قابو پاؤ (یعنی گرفتار کرو) توبہ کر لیں تو پھر ان سے تعرض نہ کرو، اور جان لو کہ اللہ بخشنے والا رحمت رکھنے والا ہے۔

(۳۹) مسلمانو! (ہر حال میں) اللہ (کی نافرمانی کے نتائج) سے ڈرتے رہو، اور اس تک پہنچنے کا ذریعہ ڈھونڈو، اور اسکی راہ میں جدوجہد کرو، تاکہ تمھیں فلاح حاصل ہو۔

(۴۰) جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہو (وہ کبھی پاداش عمل سے بچنے والے نہیں) اگر انکے قبضہ میں وہ تمام (مال و متاع) آجائے جو روئے زمین میں موجود ہو، اور اتنا ہی اور بھی (کہیں سے پالیں) اور پھر سب کچھ روز

ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا
النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا
عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِیْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَاۤ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ
بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ؕ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝
وَقَفَّيْنَا عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۪ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ
فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ وَلْيَحْكُمْ

تمہارے سامنے معاملہ لاتے ہیں؟) یہ تورات اور اس کا حکم رکھتے پر بھی اس سے روگردانی کرتے ہیں! اور حقیقت یہ ہے کہ ان میں ایمان ہی نہیں ہے۔

بلاشبہ ہم نے تورات نازل کی۔ اس میں ہدایت اور روشنی ہے۔ خدا کے نبی جو (احکامِ الٰہی کے) فرمانبردار تھے اُسی کے مطابق یہودیوں کو حکم دیتے تھے۔ نیز ربّی اور احبار (یعنی یہودیوں کے علماء و مشائخ) بھی اسی پر (چلتے) تھے۔ کیونکہ وہ کتاب اللہ کے محافظ ٹھہرائے گئے تھے، اور اس (کے احکام و ہدایات) پر گواہ تھے۔

پس (اے گروہِ یہود! اتباعِ حق کی راہ میں) انسانوں سے نہ ڈرو۔ مجھ سے ڈرو (کہ تمہارا پروردگار ہوں) اور میری آیتوں کو (دنیوی فوائد کے) سستے داموں فروخت نہ کرو (یاد رکھو) جو کوئی خدا کی نازل کی ہوئی کتاب کے مطابق حکم نہ دے، تو ایسے ہی لوگ ہیں جو کافر ہیں (یعنی حق سے منکر ہوگئے ہیں)

اور ہم نے یہودیوں کے لئے تورات میں یہ حکم لکھ دیا تھا کہ "جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت، اور زخموں کے بدلے ویسے ہی زخم۔ پھر جو کوئی بدلہ لینا معاف کردے، تو یہ اسکے لئے (گناہوں کا) کفارہ ہوگا، اور جو کوئی خدا کی نازل کی ہوئی کتاب کے مطابق حکم نہ دیگا، تو ایسے ہی لوگ ہیں جو ظلم کرنے والے ہیں"

اور پھر (ان نبیوں کے پیچھے) اُنہی کے نقشِ قدم پر، ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو چلایا۔ تورات کی تصدیق کرتا ہوا جو اس کے سامنے موجود تھی۔ اور ہم نے اسے انجیل دی جس میں ہدایت اور روشنی ہے، اور تورات کی جو پہلے سے موجود تھی (سراسر) تصدیق ہے۔ نیز متقی انسانوں پر (سعادت کی) راہ کھولنے والی اور (اپنی تعلیم میں سراسر) پند و نصیحت!

اور (ہم نے انجیل میں بھی یہی حکم دیا تھا کہ) "انجیل والے اسی کے مطابق حکم دیں جو کچھ انجیل میں خدا نے

اسکے بعد فرمایا، ہم نے پہلے تورات نازل کی۔ پھر انجیل نازل کی، اور پھر اب قرآن نازل ہوا ہے۔ انجیل تورات کی مصدق تھی اور قرآن تمام پچھلی صداقتوں کا مصدق، اور ان پر نگہبان ہے۔ نگہبان ہونے سے مقصود یہ ہے کہ انکے مقاصد کی حفاظت کرنے والا ہے۔ اگر نازل نہ ہوتا تو تمام پچھلی صداقتیں تحریف و ضلالت کی تاریکیوں میں گم ہو گئی تھیں۔

آیت (۴۵) میں تورات کے جس حکم کا ذکر کیا ہے، وہ خروج ۲۱: ۲۳-۲۵ اور استثنا ۱۹: ۲۱ میں ہے۔

أَهْلُ الْإِنْجِيلِ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فِيهِ ۚ وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ
الْفَاسِقُونَ ﴿٤٧﴾ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِنًا
عَلَيْهِ ۖ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ ۖ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۚ لِكُلٍّ
جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَٰكِنْ لِيَبْلُوَكُمْ
فِي مَا آتَاكُمْ ۖ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۚ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿٤٨﴾

نازل کیا ہے، اور جو کوئی خدا کی نازل کی ہوئی کتاب کے مطابق حکم نہ دیگا، تو ایسے ہی لوگ ہیں جو فاسق ہیں۔ ٤٧

اور (اے پیغمبر! اسی طرح) ہم نے تمہاری طرف سچائی کے ساتھ کتاب بھیجی۔ ان کتابوں کی تصدیق کرنے والی جو پہلے سے موجود ہیں اور ان پر نگہبان۔ سو چاہیے کہ خدا کی نازل کی ہوئی کتاب کے مطابق ان لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو، اور جو سچائی تمہارے پاس آچکی ہے، اسے چھوڑ کر لوگوں کی خواہشوں اور رایوں کی پیروی نہ کرو۔ ٤٨

تم میں سے ہر ایک گروہ کے لئے ہم نے ایک شرعۃ اور منہاج ٹھہرا دی (یعنے مذہبی زندگی کا دستور العمل اور طور طریقہ ٹھہرا دیا) اگر خدا چاہتا تو تم سب کو ایک امت بنا دیتا (یعنے ایک ہی طرح کی استعداد اور حالت پیدا کرتا اور مختلف شریعتوں اور طور طریقوں کا اختلاف رونما ہی نہ ہوتا) لیکن (تم دیکھ رہے ہو کہ اس نے ایسا نہیں کیا، اور اس لئے نہیں کیا) تاکہ جو کچھ (تمہاری حالت اور ضرورت کے مطابق وقتاً فوقتاً) تمہیں دیا گیا ہے اس میں تمہیں آزمائے (اور تمہارے لئے طلب و ترقی کی راہیں پیدا ہوں) پس نیکی کی راہ میں ایک دوسرے سے آگے بڑھ نکلنے کی کوشش کرو (کہ تمام شریعتوں کا اصل مقصود یہی ہے) بالآخر تم سب کو اللہ کی طرف لوٹنا ہے۔ پھر وہ تمہیں بتلائے گا کہ جن باتوں میں باہم دگر اختلاف کرتے تھے، ان کی حقیقت کیا ہے۔

اگر تورات، انجیل، اور قرآن، ایک ہی صداقت کی دعوتیں ہیں، اور قرآن تمام پچھلی صداقتوں کا مصدق ہے، تو پھر شرائع و احکام میں اختلاف کیوں ہوا؟ یعنے ایسا کیوں ہوا کہ عبادت کے طور طریقے اور معاملات کے احکام سب کے ایک ہی طرح کے نہیں بتلائے گئے اور مختلف دعوتوں میں مختلف شریعتیں ظاہر ہوئیں؟

قرآن نے یہاں اسی سوال کا جواب دیا ہے۔ وہ کہتا ہے ایک چیز تو دین ہے اور ایک "شرعۃ" اور "منہاج" ہے۔ دین اصل ہے اور وہ ایک ہی ہے اور یکساں طور پر سب کو دیا گیا ہے۔ "شرعۃ" اور "منہاج" دستور العمل اور طور طریقے ہیں جو مذہبی زندگی بسر کرنے کے لئے ٹھہرا دیا جاتا ہے۔ دین ایک ہی ہے اور سب کو اسی کی تعلیم دی گئی لیکن "شرعۃ" اور "منہاج" میں اختلاف ہوا کیونکہ ہر عہد اور ہر ملک کے احوال و ظروف یکساں نہ تھے، اور شرعۃ اور منہاج بھی یکساں نہیں ہو سکتی تھی۔ پیروان مذاہب کی گمراہی یہ ہے کہ انھوں نے دین کی وحدت بھلا دی ہے اور محض شرعۃ و منہاج کے اختلاف پر گروہ بندیاں کر کے ایک دوسرے کو جھٹلا رہے ہیں۔

قرآن کہتا ہے۔ اگر خدا چاہتا تو تمام نوع انسانی کو ایک ہی امت بنا دیتا۔ مگر تم دیکھ رہے ہو کہ اس نے ایسا نہیں کیا۔ الگ الگ قومیں بنیں، الگ الگ احوال ہوئے، الگ الگ ضرورتیں ہوئیں۔ ضروری تھا کہ دینی زندگی کے طور طریقے بھی الگ الگ ہوں۔ لیکن یہ اختلاف اصل کا اختلاف نہ تھا جو دین ہے۔ فرع کا اختلاف تھا جو شرعۃ اور منہاج ہے۔

۵۴ وَأَنِ احْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَن يَفْتِنُوكَ عَن بَعْضِ مَا أَنزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ ۖ فَإِن تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ أَنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَن يُصِيبَهُم بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ ۗ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ لَفَاسِقُونَ ۝ ۵۵ أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ ۚ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ۝ ۵۶ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ ۘ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝ ۵۷ فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَىٰ أَن تُصِيبَنَا دَائِرَةٌ ۚ فَعَسَى اللَّهُ أَن يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِّنْ عِندِهِ فَيُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا أَسَرُّوا فِي أَنفُسِهِمْ نَادِمِينَ ۝

۵۴ اور (اے پیغمبر!) ہم نے تمھیں حکم دیا کہ جو کچھ خدا نے تم پر نازل کیا ہے، اُسی کے مطابق ان لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو، اور اُن کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو۔ نیز اُن کی طرف سے ہشیار رہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ جو کچھ خدا نے نازل کیا ہے، اُس کے کسی حکم (کی تعمیل و نفاذ) میں تمھیں ڈگمگا دیں (یعنے ایسی صورت حال پیدا کر دیں کہ کسی حکم کا نفاذ و عمل نہ ہو سکے) پھر اگر یہ لوگ روگردانی کریں (اور حکم الٰہی نہ مانیں) تو جان لو خدا کو یہی منظور ہے کہ اُن کے بعض گناہوں کی وجہ سے اُن پر مصیبت ڈالے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ انسانوں میں سے بہت سے انسان (احکام حق سے) نافرمان ہیں!

۵۵ پھر (جو لوگ احکام الٰہی کا فیصلہ پسند نہیں کرتے، تو وہ کیا چاہتے ہیں؟) کیا جاہلیت[1] کے عہد کا سا حکم چاہتے ہیں (جب علم و بصیرت سے لوگ محروم تھے اور اوہام و خرافات پر عمل کرتے تھے؟) اور اُن لوگوں کے لئے جو یقین رکھنے والے ہیں اللہ سے بہتر حکم دینے والا کون ہو سکتا ہے؟

۵۶ مسلمانو! یہودیوں اور عیسائیوں کو (جو تمھاری دشمنی میں سرگرم ہیں) اپنا رفیق و مددگار نہ بناؤ۔ وہ (تمھاری مخالفت میں) ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ اور (دیکھو) تم میں سے جو کوئی انھیں رفیق و مددگار بنائے گا، تو وہ انھی میں سے سمجھا جائے گا۔ اللہ اُس گروہ پر (کامیابی و سعادت کی) راہ نہیں کھولتا جو ظلم کرنے والا گروہ ہو۔

۵۷ پھر (اے پیغمبر!) تم دیکھو گے کہ جن کے دلوں میں (نفاق کا) روگ ہے، وہ ان لوگوں کی طرف دوڑے جا رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: ہم ڈرتے ہیں کہ (ان لوگوں سے الگ تھلگ رہنے کی وجہ سے) کسی مصیبت کے پھیر میں نہ آجائیں۔ تو (یقین کرو) وہ وقت دور نہیں جب اللہ (تمھیں) فتح دیدیگا، یا اُس کی طرف سے (کامیابی و غلبہ کی) کوئی اور بات ظاہر ہو جائے گی، اور اُس وقت یہ لوگ اس بات پر شرمندہ ہوں گے جو انھوں نے اپنے دلوں میں چھپا رکھی ہے۔

[1] اسلام کے ظہور سے پہلے عرب جس حالت میں رہ چکے تھے اُسے جاہلیت سے تعبیر کیا گیا، کیونکہ لوگ اوہام و خرافات میں مبتلا تھے اور علم و بصیرت کی کوئی روشنی موجود نہ تھی۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا أَهَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ ۙ إِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ۚ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَأَصْبَحُوا خَاسِرِينَ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ۚ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝ إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ ۝ وَمَن يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُوًا وَلَعِبًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ أَوْلِيَاءَ

۵۸ — ۵۹ — ۶۰ — ۶۱-۶۲

آیت (۵۱) میں فرمایا کہ یہود و نصاریٰ کو جو مشرکین مکہ کی طرح تمہاری دشمنی میں سرگرم ہیں، اپنا رفیق و مددگار نہ بناؤ۔ یہ جو منافق ہیں وہ مسلمانوں کو چھوڑ کر ان کی طرف دوڑ دوڑ کر جاتے ہیں۔ بہت قریب ہے کہ انھیں اس کی پاداش پہنچ جائے۔

آیت (۵۴) میں مسلمانوں کی یہ شان بتلائی کہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ نرم، مگر شریعت کے دشمنوں کے مقابلے میں سخت ہیں۔ اللہ کی راہ میں جانبازی (اپنے مال سے) اور کسی ملامت گر کی ملامت سے نہ ڈرنے والے، نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ اور خدا کی مددگاری پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ جو ایسے ہوں تو وہ حزب اللہ ہیں۔ یعنی اللہ کا گروہ ہیں۔ اور جو اللہ کا گروہ ہو تو وہ کبھی انسانوں کو مغلوب ہونے والا نہیں!

یہ گروہ جس کی خبر دی گئی تھی، مہاجرین و انصار کا گروہ تھا۔

۵۸ اور (اُس وقت) ایمان والے کہیں گے کیا یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ کی سخت سے سخت قسم کھایا کرتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں؟ (حالانکہ تھے دشمنوں کے ساتھ) تو (دیکھو) ان کے تمام اعمال (اس نفاق کی وجہ سے) اکارت گئے، اور بالآخر تباہ و نامراد ہو کر رہ گئے۔

۵۹ مسلمانو! تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا تو (وہ یہ نہ سمجھے کہ اُس کے پھر جانے سے دینِ حق کو کچھ نقصان پہنچے گا) قریب ہے کہ اللہ ایک ایسا گروہ (سچے مومنوں کا) پیدا کر دے جنھیں خدا دوست رکھتا ہوگا اور وہ خدا کو دوست رکھنے والے ہوں گے۔ مومنوں کے مقابلہ میں نہایت نرم اور جھکنے والے، لیکن دشمنوں کے مقابلہ میں نہایت سخت۔ اللہ کی راہ میں (جان و مال سے) جدوجہد کریں گے، اور کسی ملامت گر کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے، جس گروہ کو چاہے عطا فرمائے، اور وہ (اپنے فضل میں) بڑی ہی وسعت رکھنے والا، اور (سب کا حال) جاننے والا ہے!

۶۰ (مسلمانو!) تمہارا رفیق و مددگار تو بس اللہ ہے، اُس کا رسول ہے، اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے ہیں۔ جن لوگوں کا شیوہ یہ ہے کہ نماز قائم رکھتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اور (ہر حال میں) اللہ کے آگے جھکے ہوئے ہیں۔

۶۱ اور (یاد رکھو) جس کسی نے اللہ کو، اُس کے رسول کو، اور ایمان والوں کو اپنا رفیق و مددگار بنا رکھا تو (وہ اللہ کے گروہ میں سے ہے) اور بلاشبہ اللہ ہی کا گروہ غالب ہونے والا ہے!

یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب مسلمانوں کے مذہبی اعمال کے ساتھ تمسخر کرتے تھے

۶۲ مسلمانو! یہود و نصاریٰ اور کفار (مکہ) میں سے جن لوگوں نے تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنا رکھا ہے (یعنی) تحقیر و تذلیل کے لیے اس کی ہنسی اڑاتے رہتے ہیں، تم انھیں اپنا مددگار و رفیق نہ بناؤ، اور اللہ (کی نافرمانی)

٦٢ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ
٦٣ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ۝ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ
٦٥ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ
وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَاۗءِ
٦٦ السَّبِيْلِ ۝ وَاِذَا جَاۗءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ۝
٦٧ وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا
٦٨ يَعْمَلُوْنَ ۝ لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ

کے نتائج) سے ڈرو، اگر فی الحقیقت ایمان رکھنے والے ہو!

٦٣ اور جب تم نماز کے لیے پکارتے ہو (یعنی اذان دیتے ہو) تو یہ اسے تماشا بناتے اور اس کی ہنسی اڑاتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ ایک ایسا گروہ ہے جو عقل و دانش سے بے بہرہ ہے۔

٦٤ (اے پیغمبر! یہودیوں سے) کہو کہ اے اہل کتاب! اس کے سوا ہمارا کیا قصور ہے جس کا تم انتقام لینا چاہتے ہو کہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، اور اس (سچائی) پر ایمان رکھتے ہیں جو ہم پر نازل ہوئی ہے اور جو ہم سے پہلے نازل ہو چکی ہے؟ اور یہ کہ (کہتے ہیں) تم میں سے اکثر (احکام تورات سے) نافرمان ہیں؟

اہل کتاب سے خطاب کہ جب قرآن تمام پچھلی سچائیوں کی تصدیق کرتا ہے اور کسی نئی بات کی طرف نہیں بلاتا، تو پھر تم اس کی مخالفت میں کیوں سرگرم ہو گئے ہو؟ آخر یہاں قرآن کا قصور کیا ہے؟ کیا یہی قصور ہے کہ خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور قرآن کی طرح تمہاری کتابوں کو بھی کلام الٰہی سمجھتے ہیں؟ اور تم سے کہتے ہیں کہ اپنی کتابوں پر دیانت داری کے ساتھ عمل کرو۔ اس کے بعد یہودیوں کی ان شقاوتوں کی طرف اشارہ کیا ہے جن کا خود یہودیوں کو بھی اعتراف ہے، اور جو آگے بیان کی سلسلہ وار ہیں جن میں احکام الٰہی کی نافرمانی کی وجہ سے ایک گروہ کا ملعون ہونا، اور نبیوں کا ان پر لعنت کرنا، اور سبت والوں کا مسخ ہو جانا۔

٦٥ (اے پیغمبر! تم) کہو کیا میں تمہیں بتلاؤں اللہ کے حضور بہ اعتبار جزا کے کون زیادہ بدتر ہے؟ وہ لوگ جن پر خدا نے لعنت کی، اور اپنا غضب اتارا، اور ان میں سے کتنوں ہی کو بندر اور سور کر دیا، اور وہ جو شریر قوتوں کو پوجنے لگے۔ یہی لوگ ہیں جو سب سے بدتر درجے میں ہیں، اور سب سے زیادہ سیدھی راہ سے بھٹکے ہوئے!

٦٦ اور (دیکھو) جب یہ لوگ تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے، حالانکہ وہ کفر لیے ہوئے آئے تھے، اور کفر لیے ہوئے واپس گئے۔ اور وہ جو کچھ اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں، خدا اسے بہتر جاننے والا ہے!

٦٧ اور تم ان میں سے بہتوں کو دیکھو گے کہ گناہ، اور ظلم، اور مال حرام کھانے میں تیز گام ہیں۔ (افسوس ان کے ادعائے ایمان پر!) کیا ہی برے کام ہیں جو (شب و روز) کر رہے ہیں!

٦٨ ان کے علماء و مشائخ کو کیا ہو گیا ہے کہ انہیں جھوٹ بولنے اور مال حرام کھانے سے نہیں روکتے؟ (اور امر

لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ۝ وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا بَلْ ٦٩
يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ يُنفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُم مَّا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ طُغْيَانًا
وَكُفْرًا وَأَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ كُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا لِّلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللَّهُ وَ
يَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ۝ وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ آمَنُوا وَاتَّقَوْا ٧٠
لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأَدْخَلْنَاهُمْ جَنَّاتِ النَّعِيمِ ۝ وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَ وَ
مَا أُنزِلَ إِلَيْهِم مِّن رَّبِّهِمْ لَأَكَلُوا مِن فَوْقِهِمْ وَمِن تَحْتِ أَرْجُلِهِم

بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا نہیں کرتے؟ افسوس اُن پر! کیا ہی بُری کارگزاری ہے جو یہ کر رہے ہیں!

٦٩ اور یہودیوں نے کہا خدا کا ہاتھ (عطاء و بخشش سے) بندھ گیا ہے (کہ نہ تو تورات کے بعد کوئی دوسری کتاب بھیج سکتا ہے۔ نہ بنی اسرائیل کے بعد کسی دوسری قوم کو برکت دے سکتا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ) انہی کے ہاتھ بندھ گئے ہیں، اور جو کچھ انھوں نے کہا اس کی وجہ سے اُن پر لعنت پڑی ہے۔ خدا کے تو دونوں ہاتھ (بخشش و کرم میں) کشادہ ہیں۔ وہ جس طرح چاہتا ہے اپنا فضل و کرم خرچ کرتا ہے۔ اور (اسی لئے تم دیکھو گے کہ) خدا کی طرف سے جو کچھ تم پر نازل ہوا ہے، (بجائے اس کے کہ اُن کے لئے ہدایت و نصیحت کا موجب ہو) اُن میں سے بہتوں کی سرکشی اور کفر کو اور زیادہ بڑھا دیگا۔

یہودی کہتے تھے، تورات کے بعد کوئی کتاب نہیں آسکتی اور نہ بنی اسرائیل کے بعد کسی دوسری قوم کو برکت و سعادت مل سکتی ہے۔ خدا کے خزانے میں جو کچھ ہو لیکن اس کے ہاتھ بندھ گئے ہیں۔ وہ اب کسی دوسری قوم کو برکت و سعادت نہیں دے سکتا۔ یہاں اسی اعتقاد کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اور (اسی سرکشی و کفر کا نتیجہ ہے کہ) ہم نے اُن کے مختلف فرقوں کے درمیان عداوت اور کینہ ڈال دیا ہے (کہ) قیامت تک مٹنے والا نہیں۔ جب کبھی لڑائی کی آگ سلگاتے ہیں، اللہ اُسے بجھا دیتا ہے (یعنے اس کا فتنہ تمام ملک میں پھیلنے نہیں پاتا) یہ لوگ ملک میں خرابی پھیلانے کے لئے سعی کرتے ہیں اور اللہ خرابی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

عیسائیوں کی طرح یہودی بھی مختلف فرقوں میں بٹ گئے ہیں اور فرقہ بندی نے ہمیشہ کے لئے اُن میں باہمی بغض و عناد کے جذبات پیدا کر دیئے ہیں۔

٧٠ اور اگر اہل کتاب ایمان رکھتے اور پرہیزگار ہوتے، تو ہم ضرور اُن پر سے اُن کی خطائیں محو کر دیتے (یعنے خطاؤں کے اثرات محو کر دیتے) اور ضرور انھیں نعمت کی جنتوں میں داخل کر دیتے (مگر انھوں نے ایمان و عمل کی جگہ سرکشی و نافرمانی کی راہ اختیار کی، اس لئے خدا کی بخششوں سے محروم ہو گئے)!

اور اگر وہ تورات اور انجیل کو اور جو کچھ اُن کے پروردگار سے اُن پر نازل ہوا ہے، (راست بازی کے ساتھ) قائم رکھتے، تو ضرور ایسا ہوتا کہ اُن کے اوپر سے بھی (رزق کا سامان ہو) اور اُن کے قدموں کے

منهم امة مقتصدة وكثير منهم ساء ما يعملون ۝ يا ايها الرسول بلغ ما انزل اليك من ربك وان لم تفعل فما بلغت رسالته والله يعصمك من الناس ان الله لا يهدي القوم الكافرين ۝ (۶۷) قل يا اهل الكتاب لستم على شيء حتى تقيموا التوراة والانجيل وما انزل اليكم من ربكم وليزيدن كثيرا منهم ما انزل اليك من ربك طغيانا وكفرا فلا تأس على القوم الكافرين ۝ (۶۸) ان الذين آمنوا والذين هادوا والصابئون والنصارى من آمن بالله واليوم الآخر وعمل صالحا فلا خوف عليهم ولا هم يحزنون ۝ (۶۹)

نیچے سے بھی (کہ زمین ہے) انھیں برکت ملتی۔ (لیکن انھوں نے تورات و انجیل کی تعلیم ضائع کر دی) ان میں ایک گروہ ضرور میانہ رو ہے لیکن زیادہ تر ایسے ہی ہیں کہ جو کچھ کرتے ہیں بُرائی ہی بُرائی ہے۔

(۶۷) اے پیغمبر! تمھارے پروردگار کی طرف سے تم پر جو کچھ نازل ہوا ہے، اُسے (خدا کے بندوں تک) پہنچا دو (اور دشمنوں کی مخالفت کی کچھ پروا نہ کرو) اگر تم نے ایسا نہ کیا، تو (پھر) خدا کا پیغام تم نے پہنچایا (یعنے ادائے فرض رسالت میں کوتاہی کی) اور اللہ تمھیں انسانوں (کے شر) سے محفوظ رکھے گا۔ وہ اُس گروہ پر (کامیابی کی) راہ نہیں کھولتا جس نے کفر کی راہ اختیار کی ہو!

(۶۸) (اے پیغمبر!) ان لوگوں سے کہہ دو کہ اے اہل کتاب! تمھارے پاس ٹکنے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے جب تک کہ تم تورات اور انجیل کو اور جو کچھ تمھارے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے، قائم نہ کرو اور (اے پیغمبر! تم دیکھو گے کہ) جو کچھ تمھارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل ہوا ہے (بجائے اسکے کہ اُن کے لئے تنبہ اور نصیحت کا موجب ہو) اور زیادہ ان کی سرکشی اور انکار بڑھا دیگا۔ تو تم اُس گروہ کی حالت پر افسوس نہ کرو جو حق سے منکر ہے۔

اہل کتاب سے خطاب کہ تم دین کے بارے میں جو کچھ بحث و کلام کرتے ہو وہ بھی قابل سماعت ہو سکتا ہے جبکہ تورات و انجیل کی تعلیم پر قائم رہو اور اس کے احکام کی تعمیل کرو۔ لیکن اگر ایسا نہیں ہے تو پھر بتلاؤ تمھارے پاس کونسی جگہ باقی رہ گئی ہے جس پر کھڑے ہو سکتے ہو، اور دلیل و حجت کے ساتھ کلام کر سکتے ہو؟

نیز اس اصل کا بھی اعلان کر دیا کہ قرآن کا مطالبہ اہل کتاب سے یہ نہیں ہے کہ تورات و انجیل کی صداقتوں سے بے پروا ہو جائیں بلکہ تمام تر زور [illegible] ہے کہ ان سچائیوں کے ساتھ قائم ہوں کیونکہ وہ کہتا ہے، تمام مذاہب کی حقیقی تعلیم ایک ہی ہے اور وہ خدا پرستی و نیک عملی کی دعوت ہے۔ قرآن اسی پر تمام نوع انسانی کو جمع کر دینا چاہتا ہے۔

چنانچہ آیت (۶۹) میں فرمایا کہ نجات و سعادت کا دار و مدار تمھاری بنائی ہوئی گروہ بندیوں پر نہیں ہے بلکہ ایمان و عمل کا قانون ہے اور [illegible] ہر سچے پیغمبر نے دی۔ اور خود آپ سے بھی اسی کا عہد لیا گیا تھا۔ تشریح اس کی سورۂ بقرہ (۶۲) میں گزر چکی ہے۔

(۶۹) جو لوگ (قرآن پر) ایمان لائے ہیں، وہ ہوں یا وہ لوگ ہوں جو یہودی اور صابی اور نصاریٰ ہیں، کوئی ہو، لیکن (اصل دین یہ ہے کہ) جو کوئی بھی اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھیگا، اور اچھے کام کریگا، تو اس کے لئے نہ تو کسی طرح کا اندیشہ ہے، نہ کسی طرح کی غمگینی!

لَقَدْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَأَرْسَلْنَا إِلَيْهِمْ رُسُلًا ۖ كُلَّمَا جَاءَهُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنْفُسُهُمْ فَرِيقًا كَذَّبُوا وَفَرِيقًا يَقْتُلُونَ ﴿٧٠﴾ وَحَسِبُوا أَلَّا تَكُونَ فِتْنَةٌ فَعَمُوا وَصَمُّوا ثُمَّ تَابَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوا وَصَمُّوا كَثِيرٌ مِنْهُمْ ۚ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿٧١﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۖ وَقَالَ الْمَسِيحُ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۖ إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ ۖ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ﴿٧٢﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۚ وَإِنْ لَمْ يَنْتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٧٣﴾ أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ وَيَسْتَغْفِرُونَهُ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٧٤﴾ مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ ۖ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ

۷۰ یہ واقعہ ہے کہ ہم نے (ایمان اور عمل کا عہدِ اطاعت) بنی اسرائیل سے لیا، اور (اُس پر قائم رکھنے کے لئے یکے بعد دیگرے) رسول بھیجے، مگر جب کبھی کوئی رسول اُن کے پاس ایسا حکم لیکر آیا جو اُن کی نفسانی خواہش

۷۱ کے خلاف تھا، تو اُنھوں نے اُن میں سے بعض کو تو جھٹلایا اور بعضوں کو قتل کرتے رہے۔ وہ سمجھے کہ کوئی آزمائش نہیں ہوگی اس لئے (جوشِ ضلالت میں) اندھے بہرے ہو گئے۔ پھر ایسا ہوا کہ خدا اپنی رحمت سے اُن پر لوٹ آیا (یعنے ان کی توبہ قبول کر لی) لیکن پھر ان میں سے بہتیرے (از سرِ نو) اندھے بہرے ہو گئے اور (اب) جیسے کچھ اُنکے عمل ہیں خدا اُنھیں دیکھ رہا ہے!

۷۲ یقیناً وہ (حق سے) منکر ہوئے جنھوں نے کہا "خدا تو یہی مسیح ابن مریم ہے" اور (خود مسیح کی تعلیم تو یہ تھی کہ اُس نے) کہا تھا "اے بنی اسرائیل! خدا کی بندگی کرو جو میرا اور تمھارا (یعنے ہم سب کا) پروردگار ہے! بلاشبہ جس کسی نے خدا کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک ٹھہرایا، تو اُس پر اللہ نے جنت حرام کر دی۔ اُس کا ٹھکانا آتشِ دوزخ ہے اور ظلم کرنے والوں کے لئے کوئی نہیں جو مددگار ہوگا"

عیسائیوں کو بھی اسی اصل دین کی تعلیم دی گئی تھی یعنے ایمان و عمل کے قانون کی لیکن وہ بھی اس سے منحرف ہو گئے اور الوہیت مسیح اور تثلیث کا اعتقادِ باطل پیدا کر لیا۔

۷۳ یقیناً وہ لوگ (حق سے) منکر ہوئے جنھوں نے کہا "خدا تین میں کا ایک ہے" (یعنے باپ، بیٹا اور روح القدس) حالانکہ کوئی معبود نہیں ہے، مگر وہی معبودِ یگانہ! اور (دیکھو) جو کچھ یہ کہتے ہیں اگر اس سے باز نہ آئے، تو ان میں سے جن لوگوں نے انکارِ حق کیا ہے، انھیں عذاب دردناک پیش آ کے رہے گا۔

۷۴ انھیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کی طرف رجوع نہیں ہوتے، اور اس سے بخشش طلب نہیں کرتے، حالانکہ وہ بخشنے والا رحمت رکھنے والا ہے؟

۷۵ مریم کا بیٹا مسیح اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اللہ کا ایک رسول ہے۔ اس سے پہلے بھی کتنے رسول (اپنے اپنے وقتوں) میں ہو چکے۔ اور اُس کی ماں (بھی اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ) صدیقہ تھی (یعنے بڑی ہی راست باز انسان تھی) یہ دونوں (تمام انسانوں کی طرح) کھاتے پیتے تھے (یعنے غذا کی احتیاج رکھتے تھے، اور یہ ظاہر ہے کہ جسے زندہ

۸۰ انظر کیف نبین لہم الآیات ثم انظر انی یؤفکون ۝ قل اتعبدون من دون اللہ ما لا یملک
۸۱ لکم ضرا ولا نفعا ۚ واللہ ہو السمیع العلیم ۝ قل یا اہل الکتاب لا تغلوا فی دینکم غیر
الحق ولا تتبعوا اہواء قوم قد ضلوا من قبل واضلوا کثیرا وضلوا عن سواء السبیل ۝
۸۲ لعن الذین کفروا من بنی اسرائیل علی لسان داود وعیسی ابن مریم ۚ ذلک بما عصوا
۸۳ وکانوا یعتدون ۝ کانوا لا یتناہون عن منکر فعلوہ ۚ لبئس ما کانوا یفعلون ۝ تری کثیرا
منہم یتولون الذین کفروا ۚ لبئس ما قدمت لہم انفسہم ان سخط اللہ علیہم وفی العذاب
۸۴ ہم خالدون ۝ ولو کانوا یؤمنون باللہ والنبی وما انزل الیہ ما اتخذوہم اولیاء ولکن

رہنے کے لئے غذا کی احتیاج ہو، اُنہیں اُلوہیت اور بشریت کی بات کیونکر ہو سکتی ہے؟) دیکھو کس طرح ہم ان لوگوں کے لئے دلیلیں واضح کر دیتے ہیں اور پھر دیکھو کس طرح یہ لوگ پھرے بھٹکے جا رہے ہیں؟ اتنی موٹی سی بات بھی سمجھ نہیں سکتے؟

۸۰ (اے پیغمبر! ان لوگوں سے) کہو، کیا تم خدا کو چھوڑ کر ایسی ہستیوں کی بندگی کرتے ہو، جن کے اختیار میں نہ تو تمہارا نقصان ہے، نہ نفع، اور اللہ تو سننے والا علم رکھنے والا ہے!

۸۱ کہو، اے اہل کتاب! اپنے دین میں سچائی اور حقیقت کے خلاف غلو نہ کرو (یعنی حد سے نہ گزر جاؤ) اور اُس گروہ کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو، جو تم سے پہلے گمراہ ہو چکا ہے، اور بہتوں کو گمراہ کر چکا ہے، اور (حق کی) سیدھی راہ اُس پر گم ہو گئی ہے۔

۸۲ (چنانچہ دیکھو) بنی اسرائیل میں سے جو لوگ (حق سے) منکر ہوئے تھے، وہ (پہلے) داؤد اور (پھر) مریم کے بیٹے عیسیٰ کی زبانی لعنت کئے گئے۔ اور یہ اس لئے ہوا کہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے گزر گئے تھے۔

وہ برائیوں میں (ایک مرتبہ) پڑ جاتے تو پھر اُس سے باز نہیں آتے۔ البتہ بڑی ہی برائی تھی جو وہ کیا کرتے تھے۔

یہاں یہودیوں کی اُس حالت کی طرف اشارہ کیا کہ برائیوں میں پڑ کر پھر اُس سے باز آجانے کا احساس اُن میں باقی نہیں رہا تھا۔ اور معلوم ہوا کہ جب کبھی کسی گروہ کی ایسی حالت ہو جائے کہ برائیوں میں پڑ کر پھر اُن سے باز رہنے کا احساس و ولولہ پیدا نہ ہو، اور یہی حالت پختہ ہو جائے، تو یہ اس بات کا نتیجہ ہو کر گمراہی و شقاوت کی انتہائی حالت پیدا ہو گی۔

۸۳ (اے پیغمبر!) تم دیکھو گے کہ ان میں بہت سے لوگ ہیں جو کفر کرنے والوں سے (یعنی مشرکین عرب سے) مدد و رفاقت کا رشتہ رکھتے ہیں۔ کیا ہی بری تیاری ہے جو ان کے نفسوں نے اُن کے لئے مہیا کر دی کہ ان پر خدا کا غضب ہوا اور عذاب میں ہمیشہ رہنے والے ہیں!

۸۴ اور (دیکھو) اگر یہ لوگ اللہ پر اور اللہ کے نبی پر اور جو کتاب اُس پر نازل ہوئی ہے، اُس پر (یعنی قرآن پر) ایمان رکھنے والے ہوتے تو کبھی (پیروان توحید کے خلاف) مشرکوں کو مددگار و رفیق نہ بناتے۔ لیکن ان میں

كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ ۸۵
اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّ
مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى ۸۶
اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ
الشّٰهِدِيْنَ ۝ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَاۗءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ ۸۷
الصّٰلِحِيْنَ ۝ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ ۸۸

زیادہ تر ایسے ہی ہیں جو فاسق ہیں۔

۸۵ (اے پیغمبر!) تم ایمان والوں کی عداوت میں سب سے زیادہ سخت یہودیوں کو پاؤ گے نیز (عرب کے) مشرکوں کو۔ اور ایمان والوں کی دوستی میں سب سے زیادہ قریب اُن لوگوں کو پاؤ گے جو کہتے ہیں ہم نصاریٰ ہیں۔ اس لئے کہ ان میں قسیس اور رُہبان ہیں (یعنی عالم اور تارکِ دنیا فقیر ہیں جو زہد و عبادت میں مشغول رہتے ہیں) اور اس لئے کہ ان میں گھمنڈ اور خود پرستی نہیں ہے۔

۸۶ اور جب یہ (عیسائی) وہ کلام سنتے ہیں جو اللہ کے رسول پر نازل ہوا ہے، تو تم دیکھتے ہو کہ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہنے لگتی ہیں کیونکہ انہوں نے (اس کلام کی) سچائی پہچان لی ہے۔ وہ (بے اختیار) بول اٹھتے ہیں "خدایا! ہم (اس کلام پر) ایمان لائے، پس ہمیں بھی انہی میں سے لکھ لے جو (تیری سچائی کی) گواہی دینے والے ہیں!

۸۷ اور (وہ کہتے ہیں) ہمیں کیا ہو گیا ہے کہ ہم اللہ پر اور اس کلام پر جو سچائی کے ساتھ ہمارے پاس آیا ہے ایمان نہ لائیں؟ اور اللہ سے اس کی توقع نہ رکھیں کہ وہ ہمیں نیک کردار انسانوں کے زمرے میں داخل کر دے؟"

۸۸ تو دیکھو، خدا نے اُن کے اس کہنے کے صلے میں انہیں (نعمت و سرور ابدی کی) جنتیں عطا فرمائیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں (اور اس لئے ان کی بہار کے لئے کبھی خزاں نہیں) وہ ہمیشہ انہی جنتوں میں رہیں گے اور ایسا ہی بدلہ ہے جو نیک کرداروں کے لئے ٹھہرا دیا گیا ہے!

پیغمبر اسلام سے خطاب کر کے اہل ایمان کی عداوت میں سب سے زیادہ آگے بڑھے ہوئے یہودیوں اور عرب کے مشرکوں کو بتایا گیا، اور دوستی میں سب سے زیادہ قریب عیسائی ثابت ہوں گے کیونکہ ان میں قسیس اور راہب ہیں جو زہد و عبادت میں مشغول رہتے ہیں اور اس لئے کہ ان میں انجیل کی تعلیم سے فروتنی اور عاجزی پیدا ہو گئی ہے۔

چنانچہ اسلام کے ابتدائی عہد میں کہ دعوت حق کی غربت و بے چارگی کا زمانہ تھا، نجاشی (حبش کا عیسائی فرمانروا) پیغمبر کے پیرووں پر ایمان لے آیا تھا۔ جو جماعت ہجرت کر کے حبش چلی گئی تھی، نجاشی نے ان سے خواہش کی کہ اپنے پیغمبر کا کلام سنائیں۔ انہوں نے سورۂ مریم کی تلاوت کی۔ نجاشی کی آنکھوں سے بے اختیار سیل اشک رواں ہو گیا۔ وہ بول اٹھا "یہ کلام تو وہی روح بول رہی ہے جو مسیح علیہ السلام میں گویا ہوئی تھی!"

نجاشی کے علاوہ خود عرب میں بھی عیسائیوں کی بڑی تعداد ایمان لے آئی۔ لیکن یہودیوں کے بغض و حسد میں کمی نہ ہوئی۔ وہ برابر مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے رہے، یہاں تک کہ حضرت عمر کے زمانے میں خیبر سے جلا وطن کئے گئے۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝ وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنتُم بِهِ مُؤْمِنُونَ ۝ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ الْأَيْمَانَ ۖ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ ۖ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ۚ ذَٰلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ ۚ وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝

لیکن جن لوگوں نے انکار کیا اور ہماری آیتوں کو (جحود و عناد سے) جھٹلایا تو وہ دوزخی ہیں (ان کے لئے نعیم ابدی کی بخشائشوں میں کوئی حصہ نہ ہوگا)

۸۹ مسلمانو! خدا نے جو اچھی چیزیں تم پر حلال کر دی ہیں انہیں اپنے اوپر حرام نہ کرو، اور (روک ٹوک میں) حد سے نہ گزرو۔ اللہ حد سے گزر جانے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

۹۰ اور جو کچھ خدا نے تمہیں رزق دیا ہے اس میں سے اچھی اور حلال چیزیں (بلا تامل) کھاؤ۔ اور اللہ (کی نافرمانی کے نتائج) سے ڈرتے رہو جس پر تمہارا ایمان ہے!

۹۱ تمہاری قسموں میں سے جو قسمیں لغو (اور بے معنی) ہوں ان پر خدا تم سے مواخذہ نہیں کرے گا۔ ان پر کرے گا جنہیں تم نے (سمجھ بوجھ کر) ٹھہرایا ہو۔ تو اگر کوئی قسم توڑ دی جائے تو اس کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے، درمیانی درجہ کا کھانا جیسا تم اپنے بیوی بچوں کو کھلایا کرتے ہو، یا (دس مسکینوں کو کھانے کی جگہ) کپڑا پہنا دینا، یا ایک غلام آزاد کر دینا۔ اور اگر (یہ سب کچھ) میسر نہ آئے تو پھر تین دن تک (پے در پے) روزہ رکھنا چاہیے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جبکہ (سمجھ بوجھ کر) قسم کھا بیٹھو۔ اور چاہیے کہ اپنی قسموں کی نگہداشت کرو (کہ کھا کر توڑ دی نہ جائیں)۔ اللہ اسی طرح اپنی آیتیں تم پر واضح کر دیتا ہے تاکہ شکر گزار ہو۔

۹۲ مسلمانو! یہ جو شراب، جوا، معبودان باطل کے نشان اور پانسے (یعنی شیطانی کاموں کی گندگی ہیں) تو ان سے اجتناب کرو تاکہ تمہیں فلاح حاصل ہو۔

سلسلۂ بیان اب پھر اوامر و نواہی کی طرف پھرتا ہے۔ یہ دور ... کی ایک بہت بڑی گمراہی یہ ہے کہ انہوں نے ترک دنیا کو تقرب الٰہی کا ذریعہ سمجھ لیا ہے، چنانچہ عیسائیوں نے رہبانیت کا طریقہ نکالا اور یہاں تک بڑھ گئے کہ دنیا کی تمام جائز لذتیں اور راحتیں اپنے اوپر حرام کرلیں۔ چونکہ پچھلی آیات میں عیسائی راہبوں کی نرم دلی و فروتنی کی تعریف کی گئی تھی، اس لئے ضروری تھا کہ ان کی اس گمراہی کی طرف بھی اشارہ کر دیا جاتا۔ چنانچہ فرمایا کہ:

(۱) جو اچھی چیزیں خدا نے حلال کر دی ہیں، یعنی زندگی کی جائز لذتیں، انہیں اپنے اوپر حرام نہ کرو۔ ایسا کرنا کوئی خوبی کی بات نہیں ہے بلکہ راہ عمل میں حد سے گزر جانا ہے۔

(۲) لوگ اس طرح کی قسمیں کھا لیتے تھے کہ فلاں حلال چیز نہیں کھائیں گے اور فلاں راحت و لذت ہم پر حرام ہوگی۔ فرمایا لغو قسموں کا اعتبار نہیں۔ سمجھ بوجھ کر کھائی ہو، تو توڑنے پر کفارہ دو۔

(۳) شراب، جوا، معبودان باطل کے نشان، سب حرام ہیں۔

۹۶ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝

۹۷ اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝

۹۸ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ؕ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ اِعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

معلوم ہو جائے، کون خدا سے غائبانہ ڈرتا ہے (اور جنگلوں اور میدانوں کی تنہائی میں جہاں کسی انسان کی نگاہ دیکھنے والی نہیں، اپنا ہاتھ روکے رکھتا ہے) اور کون ہے جو اس کے احکام سے بے پرواہ ہے! پھر (دیکھو) اس حکم کے بعد (بھی) جو کوئی حد سے تجاوز کر جائے، تو اس کے لئے عذاب دردناک ہے۔

۹۶ مسلمانو! جب تم احرام کی حالت میں ہو، تو شکار کے جانور ہلاک نہ کرو۔ اور جو کوئی تم میں سے جان بوجھ کر مار ڈالے، تو چاہئے کہ اس کا بدلہ دے (اور وہ یہ ہو کہ) جیسے جانور کو مارا ہے، اس کے مانند مویشی میں سے ایک جانور کعبہ پہنچا کر قربان کیا جائے جسے تم میں سے دو منصف ٹھہرا دیں۔ یا کفارہ دے (اور وہ یہ ہو کہ) مسکینوں کو (اس کی قیمت کے لحاظ سے) کھانا کھلائے، یا پھر مسکینوں کی گنتی کے برابر روزے رکھے۔ تاکہ اپنے کئے کی جزا (کا مزہ) چکھ لے۔ اس سے پہلے جو ہو چکا، خدا نے اس سے درگزر کیا، لیکن جو کوئی پھر کرے گا، تو خدا اس سے (نافرمانی کا) بدلہ لے گا، اور اللہ (اپنے کاموں میں) غالب اور (ہر عمل کے لئے اس کی) جزا و سزا رکھنے والا ہے!

۹۷ تمہارے لئے سمندر اور دریا کا شکار، اور کھانے کی چیزیں (جو بے شکار ہاتھ آ جائیں، مثلاً مچھلی جو پانی سے الگ ہو کر مر گئی ہو) احرام کی حالت میں بھی حلال ہے۔ تاکہ ان سے خود تمہیں بھی فائدہ پہنچے اور اہل قافلہ بھی فائدہ اٹھائیں۔ لیکن خشکی کا شکار، جب تک احرام کی حالت میں ہو، تم پر حرام ہے۔ پس اللہ (کی نافرمانی کے نتائج) سے ڈرو کہ اسی کی طرف تم سب جمع کر کے لے جائے جاؤ گے!

۹۸ اللہ نے کعبہ کو کہ حرمت کا گھر ہے، لوگوں کے لئے (امن و جمعیت کے) قیام کا ذریعہ ٹھہرایا ہے۔ نیز حرمت کے مہینوں کو، اور (حج کی) قربانی کو، اور (قربانی کے) ان جانوروں کو جن کی گردنوں میں (علامت کے لئے) پٹے ڈال دیتے ہیں (پس کعبہ کی، اور کعبہ کے ان تمام رسوم و آداب کی حرمت قائم رکھو) یہ اس لئے کیا گیا، تاکہ تم جان لو، آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے، اللہ سب کا حال جانتا ہے، اور وہ ہر بات کا علم رکھنے والا ہے!

جان لو کہ اللہ (پاداش عمل میں) سخت سزا دینے والا ہے، اور ساتھ ہی بخشنے والا، رحمت والا ہے!

۹۹-۱۰۰

مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلٰغُ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ ۝ قُل لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓأُولِي الْأَلْبٰبِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝

۱۰۱

يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَسْـَٔلُوا عَنْ أَشْيَآءَ إِن تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَإِن تَسْـَٔلُوا عَنْهَا حِينَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ۗ وَاللّٰهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ ۝ قَدْ سَأَلَهَا قَوْمٌ مِّن قَبْلِكُمْ ثُمَّ أَصْبَحُوا بِهَا كٰفِرِينَ ۝

۹۹ خدا کے پیغمبر کے ذمے اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ پیغام پہنچا دے۔ (عمل کرنا یا نہ کرنا، تمہارا کام ہے) اور خدا کے علم سے پوشیدہ نہیں، جو کچھ تم کھلے طور پر کرتے ہو، اور جو کچھ چھپا کر کرتے ہو!

۱۰۰ (اے پیغمبر!) ان لوگوں سے کہہ دو۔ پاکیزہ اور گندی چیز برابر نہیں ہو سکتی، اگرچہ تمہیں گندی چیز کا بہت بڑھ جانا اچھا لگے۔ پس اے ارباب دانش! اللہ (کی نافرمانی) کے نتائج سے ڈرو، تاکہ (نقصان و تباہی کی جگہ) فلاح پاؤ!

۱۰۱ مسلمانو! (اپنی طرف سے کاوشیں کر کے) ان چیزوں کی نسبت سوالات نہ کرو، کہ اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں بری لگیں۔ اگر ان چیزوں کی نسبت سوال کرو گے جبکہ قرآن نازل ہو رہا ہے، تو (ظاہر ہو کر) تم پر ظاہر کر دی جائیں گی (لیکن اس کا نتیجہ خود تمہارے لیے اچھا نہ ہوگا) اور اب تو خدا نے یہ بات معاف کر دی (لیکن آئندہ احتیاط کرو) اور اللہ بخشنے والا اور (انسانوں کی خطاؤں کے لیے) بہت ہی بردبار ہے!

(دیکھو) یہ واقعہ ہو چکا ہے کہ تم سے پہلے ایک گروہ نے (یعنی بنی اسرائیل نے) ایسی ہی باتیں (کرید کرید کر) پوچھی تھیں، پھر نتیجہ یہ نکلا کہ وہ احکام الٰہی کے منکر ہو گئے!

(۱) خدا نے جن چیزوں سے روک دیا ہے، وہ گندی ہیں اور جن چیزوں کی اجازت دی ہے، وہ اچھی اور مفید چیزیں ہیں۔ گندی چیزیں کتنی ہی زیادہ ہوں اور اچھی چیزیں کتنی ہی کم ہوں مگر تم کو گندی چیزوں کی رغبت نہ کرنی چاہیے، کیونکہ دانشمند آدمی اشیا کی کثرت و قلت نہیں دیکھتا، ان کے نفع اور نقصان پر نظر رکھتا ہے۔

(۲) کثرت سوال اور تعمق فی الدین کی ممانعت (دیکھو بقرہ ۱۰۸) قرآن یہ نہیں چاہتا کہ انسان معیشت کے لیے سختیاں اور پیچیدگیاں پیدا کرے اور [illegible] سے عمل کرے [illegible] جو کچھ ضروری تھا، بتلا دیا گیا، جو کچھ چھوڑ دیا ہے وہ معاف ہے۔ اب تم اپنی طرف سے کاوشیں کر کے [illegible] سوالات مت کرو۔ اگر کرو گے تو دین کی سہل [illegible] تنگی و سختی پیدا ہو جائے گی اور وہی حال ہوگا جو بنی اسرائیل کا ہوا۔ پہلے کاوشیں کر کے پابندیاں بڑھا لیں، پھر جب دائرہ عمل تنگ ہو گیا تو سرے سے عمل کرنا ہی چھوڑ دیا۔

(۳) مشرکین عرب بتوں کے نام پر جانور چھوڑ دیتے اور انہیں مقدس سمجھتے۔ اسی طرح طرح طرح کے توہم پرستانہ عقائد ان سے وابستہ ہو گئے تھے۔ چنانچہ یہاں ان جانوروں کا ذکر کیا ہے۔

بحیرہ: اس اونٹنی کو کہتے تھے جس کے کان علامت کے طور پر چیر دیے گئے ہوں، اور بتوں کی نذر میں چھوڑ دی گئی ہو۔ یہ وہ اونٹنی ہوتی جس [illegible] بچے پیدا ہو چکے۔

سائبہ: اس اونٹنی کو کہتے تھے جسے دیوتاؤں کے نام پر چھوڑ دیا ہو۔ نہ کوئی اس پر سوار ہو سکتا تھا، نہ اس کے بال کاٹ سکتا تھا، نہ اس کا دودھ اپنے کام میں لا سکتا تھا۔

وصیلہ: اس بکری کو کہتے تھے جس کے پیٹ سے [illegible] اوپر تلے [illegible] ہوتے تھے۔ اسے متبرک سمجھتے اور چھوڑ دیتے۔

حام: اس اونٹ کو کہتے تھے جس کی نسل سے [illegible] بچے پیدا ہو چکے۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ

بحیرہ اور سائبہ اور وصیلہ اور حام میں کوئی چیز بھی خدا نے نہیں ٹھہرائی ہے لیکن جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے وہ اللہ پر جھوٹ افترا کرتے ہیں (کہ کہتے ہیں ان جانوروں کا احترام کرنا اور انہیں چھوڑ رکھنا ضروری ہے) اور ان میں زیادہ تر ایسے ہی لوگ ہیں جو عقل و بینش سے محروم ہیں۔

اور جب ان سے کہا جاتا ہے (عقل و بصیرت کی) اس بات کی طرف آؤ جو اللہ نے نازل کی ہے نیز اس کے رسول کی طرف رجوع ہو تو کہتے ہیں ہمارے لئے تو وہی طریقہ بس کرتا ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو چلتے دیکھا ہے (ان سے پوچھو کہ) اگر ان کے باپ دادا کچھ جانتے بوجھتے نہ ہوں اور راہ راست پر بھی نہ ہوں (تو کیا پھر بھی وہ انہی کی اندھی تقلید کرتے رہیں گے؟)

مسلمانو! اپنی فکر رکھو، تم پر فقط تمہاری جانوں کی ذمہ داری ہے (تم دوسروں کے اعمال کے لئے جواب دہ نہیں ہو سکتے اور نہ دوسرے تمہارے اعمال کے لئے ذمہ دار ہیں) اگر تم راہ راست پر قائم ہو تو کسی کا گمراہ ہونا تمہیں کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ (اور بالآخر) تم سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے (اس دن) وہ بتا دے گا کہ تمہارے اعمال کیسے کچھ رہے ہیں!

مسلمانو! جب تم میں کسی کے سامنے موت آ کھڑی ہو (اور وہ وصیت کرنی چاہے) تو وصیت کے وقت گواہی کے لئے تم میں سے دو معتبر آدمی گواہ ہونے چاہئیں۔ اور اگر ایسا ہو کہ تم سفر میں ہو اور موت کی مصیبت پیش آ جائے (اور مسلمان گواہ نہ مل سکیں) تو مسلمانوں کی جگہ غیر مسلم بھی ہو سکتے ہیں۔

ہیں۔ آپ سے آپ چھوڑ دیتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اسے ذبح کرنا یا کام میں لانا جائز نہیں۔

فرمایا یہ سب خرافات اور توہم پرستی ہے۔ خدا نے ان باتوں میں کوئی بات بھی نہیں ٹھہرائی۔

(۱) اگر لوگ گمراہ ہو جائیں تو ان کی گمراہی تمہارے لئے دلیل حجت نہیں ہو سکتی کہ تم بھی سب کے ساتھ گمراہ ہو جاؤ۔ تم پر تو صرف تمہارا عمل ہے۔ [illegible] تم مانو خود اپنے نفس کی فکر کرو۔ دوسروں کے لئے تم ذمہ دار نہیں۔ اگر ساری دنیا گمراہ ہو جائے جب بھی تمہیں حق پر قائم رہنا چاہئے!

(۲) وصیت اور اس کی گواہی کا حکم، اصل یہ ہے کہ دو معتبر آدمی گواہ ہونے چاہئیں۔ اگر سفر میں موت پیش آ جائے اور مسلمان نہ ملیں تو غیر مسلم بھی گواہ ہو سکتے ہیں۔ [illegible]

(۳) [illegible]

إِنْ أَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَأَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةُ الْمَوْتِ تَحْبِسُونَهُمَا مِنْ بَعْدِ الصَّلَوٰةِ فَيُقْسِمَانِ بِاللّٰهِ إِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِي بِهِ ثَمَنًا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ إِنَّا إِذًا لَمِنَ الْآثِمِينَ ۝ فَإِنْ عُثِرَ عَلَىٰ أَنَّهُمَا اسْتَحَقَّا إِثْمًا فَآخَرَانِ يَقُومَانِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِينَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْأَوْلَيَانِ فَيُقْسِمَانِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَا أَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَا إِنَّا إِذًا لَمِنَ الظَّالِمِينَ ۝ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِالشَّهَادَةِ عَلَىٰ وَجْهِهَا أَوْ يَخَافُوا أَنْ تُرَدَّ أَيْمَانٌ بَعْدَ أَيْمَانِهِمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوا وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۝ يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُولُ مَاذَا أُجِبْتُمْ قَالُوا لَا عِلْمَ لَنَا إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ۝ إِذْ قَالَ اللّٰهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ

پھر اگر تمھیں اُن (گواہوں) کی سچائی میں کسی طرح کا شک و شبہ پڑ جائے، تو انھیں نماز کے بعد (مسجد میں) روک لو۔ وہ اللہ کی قسم کھا کر کہیں "ہم نے اپنی قسم کسی معاوضہ کے لیے فروخت نہیں کی ہے۔ ہمارا قریب عزیز ہی کیوں نہ ہو (لیکن ہم ایسا کرنے والے نہیں)، ہم اللہ کے لیے سچی گواہی کبھی نہیں چھپائیں گے۔ اگر ایسا کریں تو ہم گناہ گاروں میں سے ہوں"

پھر اگر معلوم ہو جائے کہ وہ دونوں گواہ گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں (یعنے اُن کی گواہی سچی نہ تھی) تو اُن کی جگہ دوسرے دو گواہ اُن لوگوں میں سے کھڑے ہو جائیں جن کا حق (پچھلے) گواہوں میں سے ہر ایک نے دبانا چاہا تھا، اور یہ گواہ ان میں سے ہوں جو (فریق مظلوم سے) قریب کا تعلق رکھنے والے ہوں۔ پھر یہ دونوں خدا کی قسم کھا کر کہیں "ہماری گواہی پچھلے گواہوں کی گواہی سے زیادہ درست ہے" اور ہم نے گواہی دینے میں کسی طرح کی زیادتی نہیں کی۔ اگر کی ہو تو ہم ظالموں میں سے ہوں"

اس طرح کی قسم سے زیادہ امید کی جا سکتی ہے کہ گواہ ٹھیک ٹھیک گواہی دیں گے یا (کم از کم) ان کو انھیں اندیشہ رہے گا کہ کہیں ہماری قسمیں فریق ثانی کی قسموں کے بعد رد نہ کر دی جائیں۔ (بہر حال) اللہ (کی نافرمانی کے نتائج) سے ڈرو، اور اُس کا حکم سنو، اور (یاد رکھو کہ) اللہ ظلم کرنے والوں پر (فلاح و سعادت کی) راہ نہیں کھولتا!

وہ دن، کہ اللہ تمام رسولوں کو جمع کریگا، اور پھر پوچھے گا "تمھیں (تمھاری امتوں کی طرف سے دعوت) حق کا کیا جواب ملا؟" (یعنے انھوں نے کہاں تک اس پر عمل کیا) وہ کہیں گے "ہمیں کچھ علم نہیں۔ یہ تو تیری ہی ہستی ہے جو غیب کی باتیں جاننے والی ہے!"

اُس دن اللہ کہے گا "اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! اپنے

پچھلی آیت اس بات پر ختم ہوئی تھی کہ اللہ کی نافرمانی کے نتائج سے ڈرو اور اُس کا حکم سنو، نیز یہ کہ اُس کا قانون ہے جو ظلم کرنے والوں پر فلاح و سعادت کی راہ نہیں کھولتا۔ اب فرمایا، کہ قیامت کے دن تمام رسولوں سے پوچھا جائے گا کہ جو احکام حق تم نے دیے تھے تمھیں ان کا کیا جواب ملا؟ یعنے جن قوموں کو تم نے تبلیغ کی تھی انھوں نے کہاں تک اُن پر عمل کیا؟ پھر حضرت مسیح علیہ السلام کی دعوت کا ذکر کیا ہے اور تذکیر و موعظت کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔

اذْكُرْ نِعْمَتِي عَلَيْكَ وَعَلَىٰ وَالِدَتِكَ إِذْ أَيَّدتُّكَ بِرُوحِ الْقُدُسِ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۖ وَإِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَ ۖ وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِإِذْنِي فَتَنفُخُ فِيهَا فَتَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِي ۖ وَتُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ بِإِذْنِي ۖ وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِي ۖ وَإِذْ كَفَفْتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَنكَ إِذْ جِئْتَهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ۝ وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى الْحَوَارِيِّينَ أَنْ آمِنُوا بِي وَبِرَسُولِي قَالُوا آمَنَّا وَاشْهَدْ بِأَنَّنَا مُسْلِمُونَ ۝ ۱۱۱
إِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ أَن يُنَزِّلَ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِّنَ السَّمَاءِ ۖ ۱۱۲

تم پر اور تمھاری ماں پر جو انعام کئے ہیں انھیں یاد کرو!

۱۱۰ جب ایسا ہوا تھا کہ میں نے روح القدس[1] سے تمھیں قوت دی تھی۔ تم لوگوں سے کلام کرتے تھے چھوٹی عمر میں بھی کہ جھولے میں جھولتے تھے، اور بڑی عمر میں بھی (کہ مجمعوں میں منادی کرتے تھے)

اور جب ایسا ہوا تھا کہ میں نے تمھیں کتاب و حکمت اور تورات و انجیل سکھا دی تھی۔

اور جب ایسا ہوا تھا کہ تم میرے حکم سے مٹی لیتے اور پرند کے شکل جیسی چیز بناتے، پھر اس میں پھونک دیتے، اور وہ میرے حکم سے ایک پرند ہو جاتا۔

اور جب ایسا ہوا تھا کہ تم میرے حکم سے اندھے اور برص کے بیمار کو چنگا کر دیتے۔

اور جب ایسا ہوا تھا کہ تم میرے حکم سے مُردوں کو موت (کی حالت) سے باہر لے آتے۔

اور جب ایسا ہوا تھا کہ میں نے بنی اسرائیل کا شر جو وہ تمھارے خلاف کر رہے تھے، روک دیا تھا۔ یہ وہ وقت تھا کہ تم (سچائی کی) روشن دلیلیں ان کے سامنے لے گئے تھے، اور ان میں سے جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی تھی، وہ بول اٹھے تھے "یہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ آشکارا جادوگری ہے"

۱۱۱ اور جب ایسا ہوا تھا کہ میں نے حواریوں پر (یعنے اُس جماعت پر جو حضرت مسیح پر ایمان لائی تھی) الہام کیا تھا کہ مجھ پر اور میرے رسول (مسیح) پر ایمان لاؤ، اور انھوں نے کہا تھا "ہم ایمان لائے، اور خدایا! تو گواہ رہیو کہ ہم مسلم (یعنے فرماں بردار) ہیں"

۱۱۲ (اور دیکھو) جب ایسا ہوا تھا کہ حواریوں نے کہا تھا "اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! کیا تمھارا پروردگار ایسا کر سکتا ہے کہ آسمان سے ہم پر ایک خوان اُتار دے؟ (یعنے ہماری غذا کے لئے آسمان سے غیبی سامان کر دے)

حضرت مسیح (علیہ السلام) کا حواریوں کی درخواست پر دعا کرنا ۱۱۲ و ۱۱۳ کہ کھانے کا غیبی سامان ہو جانا۔
اس معاملہ کی نسبت انجیل یوحنا باب میں اشارہ موجود ہے کہ جب مسیح کے حواری تھے[illegible] تھا۔
آیت ۱۱۶ سے ۱۱۸ تک اللہ کا حضرت مسیح سے وہ خطاب [illegible]

[1] یعنے خدا کے مقدس فرشتے سے، یا اُس پاک روحانیت سے جو تمھارے اندر پیدا کر دی گئی تھی۔

قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَىِٕنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ
صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآىِٕدَةً مِّنَ
السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ قَالَ اللّٰهُ
اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝
وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۗ قَالَ
سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ ۗ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ۗ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ
وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ۗ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ

عیسیٰ نے کہا، خدا سے ڈرو (اور ایسی فرمائشیں نہ کرو) اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

١١٣ انھوں نے کہا (مقصود اس سے قدرتِ الٰہی کا امتحان نہیں ہے، بلکہ) ہم چاہتے ہیں (وہیں غذا میسر آجائے تو) اس میں سے کھائیں اور ہمارے دل آرام پائیں اور ہم جان لیں کہ تو نے ہمیں سچ بتلایا تھا، اور اس پر ہم گواہ ہو جائیں۔

١١٤ اس پر عیسیٰ ابن مریم نے دعا کی: ”اے اللہ! اے ہمارے پروردگار! ہم پر آسمان سے ایک خوان بھیج دے کہ وہ ہمارے لئے اور ہمارے اگلوں اور پچھلوں، سب کے لئے عید قرار پائے، اور تیری طرف سے (فضل و کرم کی) ایک نشانی ہو۔ ہمیں روزی دے۔ تو سب سے بہتر روزی دینے والا ہے!“

١١٥ اللہ نے فرمایا: ”میں تمھارے لئے خوان بھیجوں گا، لیکن جو شخص اس کے بعد بھی (راہِ حق سے) انکار کرے گا تو میں اسے (پاداشِ عمل میں) عذاب دوں گا۔ ایسا عذاب کہ تمام دنیا میں کسی آدمی کو بھی ویسا عذاب نہیں دیا جائے گا!“

١١٦ اور (پھر جب ایسا ہوگا کہ) اللہ کہے گا: ”اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! کیا تو نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ خدا کو چھوڑ کر مجھے اور میری ماں کو خدا بنا لو؟“ عیسیٰ جواب میں عرض کرے گا: ”تیرے لئے تقدیس ہو! بھلا مجھ سے یہ کیسے ہو سکتی ہے کہ ایسی بات کہوں جس کے کہنے کا مجھے حق نہیں؟ اگر میں نے یہ کہا ہوگا تو ضرور تجھے معلوم ہوگیا ہوگا۔ تو میرے دل کی بات جانتا ہے لیکن مجھے تیرے ضمیر کا علم نہیں۔ تو ہی ہے کہ غیب کی ساری باتیں جاننے والا ہے۔

١١٧ میں نے تو ان سے کچھ نہیں کہا مگر صرف وہی جس کے کہنے کا تو نے حکم دیا تھا۔ یعنی اللہ کی بندگی کرو۔

ثبت فرمایا تھا کہ قیامت کے دن تمام رسولوں سے سوال کرے گا۔ پھر پچھلی آخری آیت میں حواریوں کے ایمان لانے کا ذکر کیا تھا، اس پر اثنائے بیان میں اس معاملہ کی طرف بھی اشارہ کر دیا جو حواریوں میں اور حضرت مسیح میں نزولِ مائدہ کی نسبت پیش آیا تھا۔ پھر آیت (۱۱۶) سے مقصود مخاطبہ کا مضمون شروع ہو گیا۔ اصل یہ ہے کہ اللہ نے پہلے اپنی وہ نعمتیں یاد دلائیں جو حضرت مسیح کو عطا فرمائی تھیں۔ پھر فرمایا: باوجود تعلیمِ حق کی ان تمام روشنیوں کے تیرے نام لیوا گمراہیوں میں پڑ گئے اور تجھے اور تیری ماں کو خدا بنا لیا۔ کیونکہ عیسائیوں کی اصلاح سے پہلے حضرت مریم کی بھی پرستش کی جاتی تھی اور کیتھولک کلیسا اب تک کر رہا ہے۔ اس پر حضرت مسیح عرض کریں گے میں اس سے بری ہوں۔

مقصود یہ ہے کہ تمام داعیانِ حق نے خدا پرستی و توحید کی تعلیم دی تھی لیکن ان کے پیروؤں نے انھی کی پرستش شروع کر دی۔ اس گمراہی کے پیرو جن کی پرستش کر رہے ہیں، ان کا دامن اس سے پاک ہے۔

رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ ۖ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنتَ أَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝ إِن تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۖ وَإِن تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ ۱۱۸ قَالَ اللَّهُ هَٰذَا يَوْمُ يَنفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ ۚ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ ۱۱۹ لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا فِيهِنَّ ۚ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ ۱۲۰

میرا اور تمہارا سب کا پروردگار ہی ہو۔ جب تک میں اُن میں رہا اُن کا نگرانِ حال تھا۔ جب تو نے میرا وقت پورا کر دیا، تو پھر تو ہی اُن کا نگہبان تھا اور تو ہر چیز کو دیکھنے والا اور اس کی نگہبانی کرنے والا ہے۔ اگر تو ان لوگوں کو عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں۔ تجھے اختیار ہے۔ اور اگر انھیں بخش دے تو تو سب پر غالب اور اپنے تمام کاموں میں حکمت رکھنے والا ہے! ۱۱۸

اللہ فرمائے گا کہ آج وہ دن ہے کہ سچے انسانوں کو اُن کی سچائی کام آئے گی۔ ان کے لیے جنتیں ہیں جن کے تلے نہریں بہہ رہی ہیں (اور اس لئے ان کی شادابی کبھی متغیر ہونے والی نہیں) وہ ہمیشہ اُن میں بسنے والے ہیں۔ اللہ اُن سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ یہ ہے (انسان کے لیے سب سے) بڑی کامیابی (جو وہ جزائے عمل میں حاصل کر سکتا ہے)! ۱۱۹

آسمانوں کی اور زمین کی اور ان دونوں میں جو کچھ ہے سب کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے، اور اس کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں! ۱۲۰

كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ فَسَوْفَ يَأْتِيهِمْ أَنبَاءُ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ۝ أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا مِن قَبْلِهِم مِّن قَرْنٍ مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّن لَّكُمْ وَأَرْسَلْنَا السَّمَاءَ عَلَيْهِم مِّدْرَارًا وَجَعَلْنَا الْأَنْهَارَ تَجْرِي مِن تَحْتِهِمْ فَأَهْلَكْنَاهُم بِذُنُوبِهِمْ وَأَنشَأْنَا مِن بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ ۝ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِي قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوهُ بِأَيْدِيهِمْ لَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ۝ وَقَالُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ وَلَوْ أَنزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْأَمْرُ ثُمَّ لَا يُنظَرُونَ ۝ وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنَاهُ رَجُلًا وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِم مَّا يَلْبِسُونَ ۝ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ

کی یہ ہنسی اڑا رہے ہیں عنقریب اُس کی حقیقت انھیں معلوم ہوجائے گی!

کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ ان سے پہلے قوموں کے کتنے ہی دَور وہ چکے ہیں جنھیں ہم نے ہلاک کر دیا؟ یہ وہ قومیں تھیں جنھیں ہم نے اس طرح (طاقت و تصرف کے ساتھ) ملکوں میں جما دیا کہ اس طرح تمھیں نہیں جمایا۔ ہم نے اُن پر آسمانی بارش اس طرح بھیج دی تھی کہ پے در پے برستی تھی، اور اُن کی آبادیوں کے نیچے نہریں رواں کر دی تھیں (کہ ہمیشہ جاری رہتی تھیں) لیکن پھر ہم نے (اپنے مقررہ قانون کے بموجب) اُن کے گناہوں کی وجہ سے انھیں ہلاک کر دیا، اور اُنکے بعد دوسری قوموں کے دَور پیدا کر دیے۔

اور (اے پیغمبر!) اگر ہم تم پر ایک کتاب کاغذ پر لکھی لکھائی اتار دیتے، اور یہ لوگ اُسے ہاتھوں سے چھو کر دیکھ لیتے کہ سچ مچ کو کتاب ہے، پھر بھی جن لوگوں نے انکار کی راہ اختیار کر لی ہے، وہ کبھی نہ مانتے۔ وہ کہتے یہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ آشکارا جادوگری ہے!

جن لوگوں میں سچائی کی طلب ہو انکے لئے تو سچائی کی ساری باتیں دلیلیں اور نشانیاں ہیں لیکن جن کے دل سچائی سے پھر گئے ہیں انکے لئے کوئی نشانی کبھی سود مند نہیں۔ ایسے لوگ سچائی کو مسترد کرنے کے لئے [illegible] (دیکھو بقرہ ۱۱۸)

دنیا میں ایسا کبھی نہیں ہوا کہ فرشتے آکر انسانوں کے سامنے پیغمبر [illegible] یہاں اگر فرشتے بھی آئینگے تو انسان ہی بن کر۔

اور انھوں نے کہا اگر یہ شخص اپنے دعوے میں سچا ہے تو کیوں اس پر فرشتہ نہیں اترا (کہ ہم بھی آنکھوں سے دیکھ لیتے؟) اگر ہم فرشتہ نازل کرتے تو ساری باتوں کا فیصلہ ہی ہوجاتا۔ پھر انکے لئے مہلت ہی نہ رہتی (کہ [illegible] پاداش)

اور اگر ہم کسی فرشتہ کو پیغمبر کرتے، تو اُسے بھی انسان ہی بناتے (کیونکہ یہ قانون الٰہی کے خلاف ہے کہ فرشتے اپنی ملکوتی حقیقت میں انسانوں کے سامنے آئیں) اور جیسے کچھ شبہات یہ اب کر رہے ہیں ویسے ہی شبہوں میں اُس وقت بھی انھیں ڈال دیتے (اپنے یہ کہتے، یہ تو دیکھنے میں ہمارے ہی طرح کا آدمی ہے)

اور (اے پیغمبر!) یہ واقعہ ہے کہ تم سے پہلے بھی رسولوں کی ہنسی اڑائی گئی (جیسی کہ آج تمھارے ساتھ تمسخر

إِنَّمَا هُوَ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ وَإِنَّنِي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ۘ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمُ ۘ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۞ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ ۗ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ۞ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا أَيْنَ شُرَكَاؤُكُمُ الَّذِينَ كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ۞ ثُمَّ لَمْ تَكُن فِتْنَتُهُمْ إِلَّا أَن قَالُوا وَاللَّهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ ۞ انظُرْ كَيْفَ كَذَبُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ ۚ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۞ وَمِنْهُم مَّن يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ ۖ وَجَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَن

۲۰ ۲۱ ۲۲ ۲۳-۲۴ ۲۵ ع

ہے کہ صرف وہی معبود یگانہ ہے۔ اُس کے ساتھ کوئی نہیں، اور جو کچھ تم شریک ٹھہراتے ہو، میں اُس سے بیزار ہوں!
(پس اب ایک گواہی تمھاری ہوئی۔ ایک میری۔ اور فیصلہ خدا کے ہاتھ ہے)

۲۰ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے (یعنے یہود اور نصاریٰ؛ وہ حقیقت حال سے بے خبر نہیں ہیں) وہ اُس کی سچائی (یعنے پیغمبر اسلام کی سچائی) اسی طرح پہچان گئے ہیں جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں (کہ کسی طرح کا بھی اس میں شک شبہ نہیں ہوتا۔ لیکن) جن لوگوں نے (اپنے ہاتھوں) اپنے کو تباہ کرلیا ہے، وہ کبھی یقین کرنے والے نہیں۔

۲۱ اور (دیکھو) اُس سے بڑھ کر ظلم کرنے والا کون ہو جسنے اللہ پر جھوٹ بول کر افترا کیا ہو، یا اُس کی آیتیں کو جھٹلایا ہو؟ (اور) بلاشبہ جو ظلم کرنے والے ہیں، وہ کبھی فلاح نہیں پائینگے۔

۲۲ اور (دیکھو) وہ دن، (جو آنے والا ہے) جب ہم ان سب کو اٹھا کر ایک جگہ جمع کرینگے! پھر جن لوگوں نے خدا کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا ہے، اُن سے کہیں گے "بتلاؤ، تمھارے (ٹھہرائے ہوئے) شریک کہاں ہیں جن کی نسبت تم زعم باطل رکھتے تھے؟"

۲۳ تو اُس وقت وہ اس کے سوا کوئی شرارت نہیں کرسکینگے کہ (از راہ مکر) کہیں: "خدا کی قسم جو ہمارا پروردگار ہے! ہم شرک کرنے والے نہ تھے"۔

۲۴ دیکھو، کس طرح یہ اپنے اوپر جھوٹ بولنے لگے، اور جو کچھ افترا پردازیاں کیا کرتے تھے، وہ سب انکی کھوئی گئیں!

۲۵ اور (دیکھو) ان میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو (بظاہر) (کلام حق) سننے کے لئے تمھاری طرف کان لگاتے ہیں اور (واقعہ یہ ہے کہ) ہم نے اُنکے دلوں پر پردے ڈال دئیے ہیں کہ اُن تک بات کی سمجھ پہنچتی نہیں، اور اُنکے کانوں میں گرانی ہے (سُن نہیں سکتے) (یعنے اُنکے جمود اور ہٹ دھرمی

دنیا میں کچھ بات نئی نہیں ہوسکتی۔ سچائی سے زیادہ دنیا کی پرانی بات نہیں۔ لیکن جو لوگ سچائی سے پھرے ہوئے ہیں، انھیں جب سچائی کی باتیں سنائی جاتی ہیں تو کہتے ہیں: یہ تو وہی پرانی کہانیاں ہیں جو ہمیشہ سے کہی گئیں۔ عرب میں یہودیوں اور عیسائیوں کی جماعتیں موجود تھیں، وہ تورات کے قصص ایام سنایا کرتے تھے۔ جب قرآن نازل ہوا اور اس میں بھی پچھلی قوموں اور امتوں کی سرگذشتیں آتی تھیں تو منکرین حق کہنے

لَكٰذِبُوْنَ ۝ وَقَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ۝ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰي رَبِّهِمْ ۭ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ۭ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ اللّٰهِ ۭ حَتّٰى اِذَا جَاۗءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰي مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰي ظُهُوْرِهِمْ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَزِرُوْنَ ۝ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ

۲۹-۳۰ ، ۳۱ ، ۳۲ ، ۳۳ — رکوع

نہیں کہ یہ (اظہارِ ندامت میں) جھوٹے ہیں!

۲۹ اور انھوں نے کہا۔ زندگی اس کے سوا کچھ نہیں جو کہ یہی دنیا کی زندگی ہو اور ہمیں (مرکر) پھر اٹھنا نہیں۔

۳۰ اور (اے انسان!) تو تعجب کرے، اگر انھیں اُس حالت میں دیکھے جب یہ (قیامت کے دن) اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے۔ اُس وقت خدا ان سے پوچھیگا "(تم مرنے کے بعد جی اٹھنے سے انکار کرتے تھے۔ اب کہ مرنے کے بعد پھر جی اٹھے ہو، بتلاؤ) کیا یہ حقیقت نہیں ہے؟" یہ کہیں گے "ہاں ہمیں اپنے پروردگار کی قسم!" اس پر خدا فرمائے گا "تم جو (دنیا میں اس زندگی سے) انکار کرتے رہے ہو، تو اب اس کی پاداش میں عذاب کا مزہ چکھ لو!"

۳۱ یقیناً وہ لوگ نقصان و تباہی میں پڑے جنھوں نے (مرنے کے بعد) خدا کی ملاقات ہونے کو جھٹلایا۔ یہاں تک کہ جب (آنے والی) گھڑی اچانک ان پر آجائے گی (یعنی موت کی گھڑی) تو اس وقت کہیں گے "افسوس ہم پر! جو کچھ ہم سے اس بارے میں تقصیر ہوئی!" وہ اس وقت اپنے گناہوں کا بوجھ پیٹھوں پر اٹھائے ہوں گے۔ سو دیکھو، کیا ہی بُرا بوجھ ہے جو یہ (اپنی پیٹھوں پر) لادتے ہیں!

۳۲ اور دنیا کی زندگانی تو کچھ نہیں ہے مگر (ایک طرح کا) کھیل اور تماشہ، اور جو متقی ہیں تو یقیناً اُن کے لیے آخرت ہی کا گھر بہتر ہے۔ (افسوس تم پر!) کیا تم (اتنی بات بھی) نہیں سمجھتے؟

۳۳ (اے پیغمبر!) ہم جانتے ہیں کہ یہ لوگ (انکار و تعصب کی) جیسی کچھ باتیں کہتے ہیں، وہ بلاشبہ تمھارے لیے آزردگی کا موجب ہوتی ہیں۔ کیونکہ وہ تمھیں نہیں جھٹلاتے (کیونکہ تمھیں جھوٹا کہنے کی جرأت نہیں کرسکتے کیونکہ تمھاری ذات کو کوئی سبب معلوم ہوا) لیکن یہ ظالم دیدہ و دانستہ اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے ہیں!

پیغمبر اسلام سے خطاب ہو رہا ہے کہ معاندین کی حق فراموشیوں پر ملول و آزردہ نہ ہو۔ تم داعیِ حق ہو، اور تمھیں مومنوں کی مستعدی اور منکروں کی محرومی، دونوں دیکھنی پڑیں گی، اور تمھیں دونوں باتوں کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ تم چونکہ صداقت چاہتے ہو کہ سب راہ راست پر دیکھ لو لیکن تمھیں [illegible] چاہیے کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ اگر خدا چاہتا تو سب کو دینِ حق پر جمع کر دیتا۔ لیکن اس کی مشیت کا فیصلہ یہی ہوا کہ یہاں ہر انسان اپنی حالت، اپنی سمجھ، اور اپنی راہ [illegible] لوگوں کے انکار و جحود پر ملول نہ ہو، اپنے کام میں لگے رہو۔

طٰٓئِرٍ يَّطِيۡرُ بِجَنَاحَيۡهِ اِلَّاۤ اُمَمٌ اَمۡثَالُـكُمۡ‌ ؕ مَا فَرَّطۡنَا فِى الۡـكِتٰبِ مِنۡ شَىۡءٍ‌ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمۡ يُحۡشَرُوۡنَ ۝ وَالَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكۡمٌ فِى الظُّلُمٰتِ‌ؕ مَنۡ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضۡلِلۡهُ ؕ وَمَنۡ يَّشَاۡ يَجۡعَلۡهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ۝ قُلۡ اَرَءَيۡتَكُمۡ اِنۡ اَتٰٮكُمۡ عَذَابُ اللّٰهِ اَوۡ اَتَتۡكُمُ السَّاعَةُ اَغَيۡرَ اللّٰهِ تَدۡعُوۡنَ‌ ۚ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ۝ بَلۡ اِيَّاهُ تَدۡعُوۡنَ فَيَكۡشِفُ مَا تَدۡعُوۡنَ اِلَيۡهِ اِنۡ شَآءَ وَتَنۡسَوۡنَ مَا تُشۡرِكُوۡنَ ۝ وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنۡ قَبۡلِكَ

۳۹ ۴۰ ۴۱ ۴۲ ع ۴ ۱۰

ہوا کے پرندوں کو دیکھو جو فضائے بسیط میں ہر طرف اُڑ رہے ہیں کہ کس طرح ہم نے تمھاری ہی طرح اُن کی بھی اُمتیں بنادی ہیں۔ ہر امت اپنی پیدائش، اپنی معیشت، اور اپنی ضروریات زندگی کے لئے سر و سامان رکھتی ہے۔ یہ لوگ علم و بصیرت رکھنے والے ہیں؟ انھیں صحیفۂ فطرت کی نشانیوں کے بعد اور کسی نشانی کی احتیاج نہیں ہو سکتی۔

لیکن جن لوگوں نے خدا کی دی ہوئی عقل و بصیرت ضائع کردی اور گونگے اور بہرے ہو کر تاریکیوں میں گم ہو گئے تو انکے لئے کوئی نشانی بھی سود مند نہیں۔ کیونکہ جو آدمی گونگا اور بہرا ہو اور تاریکی میں کھو گیا، تو اسے کیونکر راہ مل سکتی ہے؟ تم اسے راہ دکھلانے کے لئے پکارو، تو سنے گا نہیں۔ خود پکارنا چاہے تو پکار سکتا نہیں۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی اسے جبراً اٹھا کر روشنی میں لے آئے، تو ہدایت ایسی چیز نہیں جو جبراً کسی کے حلق میں ٹھونس دی جائے۔

آیت (۴۰) میں فرمایا کہ جب بدعملیوں کے استیلاء سے کسی گروہ کے دل سخت پڑ جاتے ہیں، اور برائیاں راسخ ہو جاتی ہیں تو کوئی بات بھی اسے تنبیہ و اصلاح پر آمادہ نہیں کر سکتی۔

پَروں سے اُڑنے والا کوئی پرندہ ایسا نہیں جو تمھاری ہی طرح اُمتیں نہ ہوں (یعنے تمھاری طرح، ان میں سے ہر گروہ اپنی اپنی معیشت اور اپنا اپنا سر و سامان کار رکھتا ہو) ہم نے نوشتہ میں کوئی بات بھی فروگذاشت نہیں کی (یعنے کائنات خلقت کی ہر مخلوق کے لئے جو کچھ ہونا چاہیے تھا، وہ سب کچھ اس کے لئے لکھ دیا۔ کسی مخلوق کے لئے بھی فروگذاشت نہیں ہوئی) پھر سب (بالآخر) اپنے پروردگار کے حضور جمع کئے جائینگے (کہ تمام مخلوقات کا آخری مرجع وہی ہے)

۳۹ اور (دیکھو) جن لوگوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں تو (اُن کا حال ایسا ہو گیا ہو گویا) بہرے گونگے تاریکیوں میں گم ہوں! (سو) جس کسی پر خدا چاہے، راہ (کامیابی) گم کردے، اور جسے چاہے، (کامیابی و فلاح کی) سیدھی راہ پر لگا دے (اُس نے اس بارے میں جو قانون ٹھیرا دیا ہے، تم اسے بدل نہیں سکتے)

۴۰ (اے پیغمبر! ان لوگوں سے) کہو، کیا تم نے اس بات پر غور کیا ہے کہ اگر خدا کا عذاب تم پر آجائے، یا (موت کی) آنے والی گھڑی سامنے آکھڑی ہو، تو اُس وقت بھی تم خدا کے سوا دوسروں کو پکارو گے؟ (جواب دو) اگر تم سچے ہو!

۴۱ نہیں، اُسی کو پکارو گے۔ اور جس (مصیبت) کے لئے پکارو گے، اگر وہ چاہے گا، تو دور کر دے گا، اور اُس وقت بھول جاؤ گے، جو کچھ تم شرک کرتے تھے!

۴۲ اور (اے پیغمبر!) یہ واقعہ ہے کہ جو اُمتیں تم سے پہلے گزر چکی ہیں، ہم نے اُن کی طرف (اپنے رسول) بھیجے

بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ۝ وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

کرتے اور اس کی رضامندی چاہتے ہیں اپنے پاس سے مت نکالو۔ انکے اعمال کی جوابدہی تمہارے ذمے نہیں ہے اور تمہاری جوابدہی انکے ذمے ہے کہ (اس لئے) انہیں نکال دو (ایسا نہ کرو) اگر کروگے تو ظلم کرنے والوں میں ہو جاؤ گے۔

اور (دیکھو) اسی طرح ہم نے (دنیا میں) اختلاف حالات سے بعض انسانوں کو بعض انسانوں کے ساتھ آزمایا ہو کر (جاہ و دولت کا گھمنڈ رکھنے والے غریبوں کو دیکھ کر) کہنے لگیں کیا یہی لوگ ہیں جنہیں خدا نے اپنے انعام کے لئے ہم میں سے چھانٹ لیا ہے؟ (یعنی غریب بے نوا مومن کو دیکھ کر از راہ تحقیر کہیں کیا یہی ہیں جنہیں ایمان کی دولت ملی ہے؟) بھلا شکر کرنے والوں کا کیا خدا (تم سے) بہتر جاننے والا نہیں کہ کون (اس کی نعمت کی) قدر کرنے والے ہیں؟

اور اے پیغمبر! جب وہ لوگ تمہارے پاس آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھنے والے ہیں تو تم شفقت و محبت سے ان کا استقبال کرو اور انکو کہو تم پر سلام ہو۔ تمہارے پروردگار نے اپنے اوپر رحمت لازم ٹھہرا لی ہے تم میں سے جو کوئی از راہ نادانی کوئی برائی کر بیٹھے اور پھر توبہ کرلے اور اپنی حالت سنوار لے تو (خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہو) وہ بخشنے والا رحمت رکھنے والا ہے۔

آیت (۵۰) اور آیت (۵۴) کے مضمون [illegible] بیان کئے گئے ہیں۔

آیت (۵۲) میں [illegible] کی شناخت کا [illegible] [illegible] کی ایمان [illegible] [illegible] [illegible] طاقتور اور کثیر التعداد ہوں۔

ابتدائے اسلام میں [illegible] اور [illegible] محبت کرنے والا [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] نہیں کی [illegible] نہیں گئے۔

انکے بعد [illegible] [illegible] [illegible] اور انہیں اس کی مغفرت کی بشارت سے آگے بڑھ کر [illegible]

وَكَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ وَلِتَسْتَبِينَ سَبِيلُ الْمُجْرِمِينَ ۝ قُلْ إِنِّي نُهِيتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ ۚ قُل لَّا أَتَّبِعُ أَهْوَاءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ إِذًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُهْتَدِينَ ۝ قُلْ إِنِّي عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي وَكَذَّبْتُم بِهِ ۚ مَا عِندِي مَا تَسْتَعْجِلُونَ بِهِ ۚ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۖ يَقُصُّ الْحَقَّ ۖ وَهُوَ خَيْرُ الْفَاصِلِينَ ۝ قُل لَّوْ أَنَّ عِندِي مَا تَسْتَعْجِلُونَ بِهِ لَقُضِيَ الْأَمْرُ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۗ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالظَّالِمِينَ ۝ وَعِندَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ

۵۵ اور دیکھو! ہم اسی طرح تفصیل کے ساتھ اپنی آیتیں بیان کرتے ہیں اور اس لیے بیان کرتے ہیں تاکہ مجرموں کی راہ ظاہر ہو جائے (اور راست بازوں کی راہ ان کی راہ سے مشتبہ نہ ہو)

۵۶ (اے پیغمبر! منکرین حق سے) کہو: مجھے اس بات سے روک دیا گیا ہے کہ میں ان کی بندگی کروں جنہیں تم خدا کے سوا پکارتے ہو۔ (نیز) کہو: میں کبھی تمہاری نفسانی خواہشوں پر چلنے والا نہیں۔ اگر میں ایسا کروں تو میں گمراہ ہو چکا! اور ان میں نہ رہا جو راہ پانے والے ہیں!

۵۷ تم کہو: بلاشبہ میں اپنے پروردگار کی طرف سے روشنی اور حجت پر ہوں (لیکن) اس نے حقیقت یقین کی راہ مجھے دکھا دی ہے، اور تم نے اسے جھٹلایا ہے (پس اب فیصلہ اللہ کے ہاتھ ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ کیوں اس کا فیصلہ فوراً ظاہر نہیں ہو جاتا؟ تو) تم جس (فیصلہ) کے لیے جلدی مچا رہے ہو وہ کچھ میرے اختیار میں نہیں ہے۔ حکم تو بس اللہ ہی کے لیے ہے۔ وہ حق کی باتیں بیان کرتا ہے، اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے!

۵۸ (اے پیغمبر! تم) کہو جس بات کے لیے تم جلدی مچا رہے ہو (یعنی انکار و شرارت کا نتیجہ کہ اگر خدا کی طرف سے فیصلہ ہونے والا ہے تو کیوں نہیں ہو چکتا؟ تو) اگر وہ میرے اختیار میں ہوتا، تو مجھ میں اور تم میں کب کا فیصلہ ہو گیا ہوتا (لیکن وہ تو اللہ کے ہاتھ ہے اور اس نے ہر بات کی طرح اس کے لیے بھی خاص وقت ٹھہرا دیا ہے) اور وہ ظلم کرنے والوں کی حالت اچھی طرح جاننے والا ہے (وہ ان سے غافل نہیں)!

۵۹ اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں (یعنی غیب کے ذخیروں کا مالک ہے)! اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

آیت ۵۷ میں فرمایا: میں اپنے پروردگار کی طرف سے روشنی و حجت پر ہوں، تم منکر ہو [illegible] یعنی جس بات کی دعوت دیتا ہوں [illegible] دعوت کی راہ علم و یقین اور بصیرت کی راہ ہے، اور جو منکرین حق ہیں ان کے پاس ظن و گمان کے سوا کچھ نہیں۔

یعنی جو کچھ بیان کرتا ہوں وہ کسی شک و گمان کی وجہ سے نہیں، یقین و بصیرت کی بنا پر ہے۔ [illegible] منکرین حق کا حال یہ ہے کہ شک و گمان میں پڑے ہوئے ہیں، ان کے پاس سمجھنے کے لیے کوئی بصیرت نہیں۔ زیادہ سے زیادہ جو بات وہ کہہ سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ [illegible] ہم نہیں جانتے [illegible] ہم حقیقت کی نسبت آگے نہیں بڑھ سکتے [illegible] شک و گمان کی جگہ [illegible] اعلان کرتا ہے [illegible] حقیقت ہوں [illegible] شک و گمان کی [illegible] کی طرف جانا چاہیے [illegible]

يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۚ وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝ ۶۸ وَمَا
عَلَى الَّذِينَ يَتَّقُونَ مِنْ حِسَابِهِم مِّن شَيْءٍ وَلَٰكِن ذِكْرَىٰ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۝ ۶۹ وَذَرِ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَعِبًا وَلَهْوًا وَ
غَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا ۚ وَذَكِّرْ بِهِ أَن تُبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ لَيْسَ لَهَا مِن دُونِ اللَّهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ وَإِن
تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۗ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أُبْسِلُوا بِمَا كَسَبُوا ۖ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيمٍ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا
كَانُوا يَكْفُرُونَ ۝ ۷۰ قُلْ أَنَدْعُو مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلَىٰ أَعْقَابِنَا بَعْدَ إِذْ هَدَانَا اللَّهُ

بحث و گفتگو کرنے لگیں۔ اور اگر ایسا ہو کہ شیطان تمہیں (یہ بات) بھلا دے (یعنے تم سہو و نسیان میں پڑ کر ان سے بحث و نزاع کرنے لگو) تو چاہئے کہ یاد آ جانے کے بعد ایسے گروہ (کی مجلسوں) میں نہ بیٹھو جو ظلم کرنے والے ہیں۔

۶۸ اور جو لوگ پرہیزگاری کی راہ چلنے والے ہیں تو ان پر ایسے لوگوں کے اعمال کی کوئی ذمہ داری نہیں (کہ ان کی فکر میں پڑیں، جو کچھ انکے ذمے ہے، وہ یہ ہے کہ) نصیحت پکڑیں تاکہ (برائیوں سے) بچیں۔

۶۹ اور (اے پیغمبر!) جن لوگوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشہ بنا لیا ہو، اور دنیا کی زندگی نے انہیں دھوکے میں ڈال رکھا ہو، تو ایسے لوگوں کو انکے حال پر چھوڑ دو، اور کلام الٰہی کے ذریعے پند و وعظ کرتے رہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی انسان اپنی بدعملی کی وجہ سے ہلاکت میں چھوڑ دیا جائے۔ (کیونکہ اگر چھوڑ دیا گیا، تو اللہ کے سوا کوئی نہیں جو اس کا مددگار ہوگا، یا اس کی شفاعت کر کے اسے بچائے گا۔ اگر وہ (بدعملیوں کے بدلے میں) جس قدر بدلے بھی ہو سکتے ہیں، دیدے تو بھی اس سے نہ لیا جائے (کہ بدعملی کے نتیجے سے کوئی فدیہ اور معاوضہ نہیں بچا سکتا) یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی بدعملیوں کی وجہ سے ہلاکت میں چھوڑ دیئے گئے۔ انکے لئے کھولتا پانی پینے کو ہوگا۔ اور انکارِ حق کی جزا میں عذاب دردناک!

۷۰ (اے پیغمبر!) ان لوگوں سے پوچھو "کیا تم چاہتے ہو کہ ہم خدا کو چھوڑ کر انہیں پکاریں، جو (ہمارے ہی طرح بے بس اور عاجز مخلوق ہیں!) نہ تو ہمیں فائدہ پہنچا سکتے ہیں، نہ نقصان؟ اور باوجودیکہ خدا ہمیں (خدا پرستی کی) سیدھی راہ دکھا چکا ہے، لیکن ہم (گمراہی کی طرف) الٹے پاؤں پھر جائیں؟ اور ہماری مثال اس آدمی کی سی ہو جائے جسے شیطان نے بیابان میں گمراہ کر دیا ہو۔ وہ حیران و پریشان پھر رہا ہے۔ اس کے

مومن دینی دعوت کی ہدایت اور علم و یقین کی روشنی اپنے سامنے رکھتا ہے، اس لئے فلاح و سعادت کی شاہراہ سے کبھی نہیں بھٹک سکتا۔ لیکن منکرِ حق کے سامنے کوئی روشنی نہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص بیابان میں کھو گیا ہو اور حیران و سرگرداں پھر رہا ہو۔ کبھی ایک طرف کو دوڑتا ہے، کبھی دوسری طرف کو۔ کوئی معین اور یقینی راہ اس کے سامنے نہیں۔

ایمان اور کفر کی حقیقت سمجھنے کے لئے اس مثال پر غور کرو جس قدر غور کرتے جاؤ گے حقیقت کی وضاحت بڑھتی جائے گی۔

آیت (۷۳) میں تخلیق بالحق کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یعنے کارخانۂ خلقت کی تمام باتیں یقین دلاتی ہیں کہ یہ کارخانہ علم و حکمت

فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۚ وَحَاجَّهٗ قَوْمُهٗ ۚ قَالَ اَتُحَاجُّوْنِّيْ
فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ۚ وَلَا اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖ اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ رَبِّيْ شَيْئًا ۚ وَسِعَ رَبِّيْ
كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۚ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝ وَكَيْفَ اَخَافُ مَا اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ
بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ۚ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَلَمْ يَلْبِسُوْا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝ وَتِلْكَ حُجَّتُنَا اٰتَيْنٰهَا اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ۚ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ

بنائی ہوئی نہیں بلکہ آسمان و زمین کی بنانے والی ہو۔ (اور جسکے حکم و قانون پر تمام آسمانی اور ارضی مخلوقات چل رہی ہیں) اور میں اُن میں سے نہیں جو اس کے ساتھ شریک ٹھرانے والے ہیں!"

اور (پھر) ابراہیم سے اُس کی قوم نے رد و کد کی ابراہیم نے کہا "کیا تم مجھ سے اللہ کے بارے میں رد و کد کرتے ہو؟ حالانکہ اُس نے مجھے راہ حق دکھا دی ہو (اور میں حق کی معرفت کے بعد جہل و گمراہی اختیار کرنے والا نہیں۔ باقی رہی یہ بات کہ تم مجھے اپنے معبودانِ باطل کا ڈر دکھاتے ہو۔ تو یاد رکھو جنھیں تم نے خدا کا شریک ٹھرا لیا ہے، میں ان سے نہیں ڈرتا۔ میں جانتا ہوں کہ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ مگر یہ کہ میرا پروردگار ہی مجھے نقصان پہنچانا چاہے۔ میرا پروردگار اپنے علم سے تمام چیزوں کا احاطہ کئے ہوئے ہو۔ (اگر مجھے نقصان پہنچا ہو، تو اس کے حکم و علم ہی سے پہنچیگا) پھر کیا تم (حقیقت کی اتنی وضاحت پر بھی) نصیحت نہیں پکڑتے؟"

"اور (دیکھو) میں اُن ہستیوں سے کیونکر ڈر سکتا ہوں جنھیں تم نے خدا کا شریک ٹھرا لیا ہو؟ جبکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ خدا کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھرا دو جن کے لئے اس نے کوئی سند و دلیل تم پر نہیں اُتاری؟ بتلاؤ، ہم دونوں فریقوں میں سے کس کی راہ امن کی راہ ہوئی اگر علم و بصیرت رکھتے ہو؟"

جن لوگوں نے خدا کو مانا، اور اپنے ماننے کو ظلم سے (یعنے شرک سے) آلودہ نہیں کیا، تو انھی کے لئے امن ہی اور وہی ٹھیک راستے پر ہیں!"

اور (دیکھو) یہ ہماری حجت ہو جو ہم نے ابراہیم کو اُس کی قوم پر دی تھی۔ ہم جس کے مرتبے بلند کرنا چاہتے

جس ہوں کہ انھیں نہ ماننے کے لئے کوئی دلیل اور روشنی موجود نہیں۔ ایک تم ہو کہ ان سب کی پرستاری کرتے ہو جن کی پرستاری کے لئے کوئی دلیل اور روشنی موجود نہیں۔ بتلاؤ، دونوں فریقوں میں کس کی راہ امن کی راہ ہوئی؟

حقیقت یہ ہے کہ پرستش اسی کی کرنی چاہیے جس کی پرستش کے لئے علم و بصیرت کی شہادت موجود ہو، اور جس کی علم و حقیقت ہو نہ کہ وہم و تقلید۔ وہ حجت یا دلیل جو اللہ نے حضرت ابراہیم کے قلب پر کھول دی تھی یہی بنیادی صداقت ہے جس پر راہ خدا پرستی کی تمام اساس قائم ہیں۔

مَّن نَّشَآءُ ۗ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿٨٣﴾ وَوَهَبْنَا لَهُۥٓ إِسْحَٰقَ وَيَعْقُوبَ ۚ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوحًا هَدَيْنَا مِن قَبْلُ ۖ وَمِن
ذُرِّيَّتِهِۦ دَاوُۥدَ وَسُلَيْمَٰنَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَىٰ وَهَٰرُونَ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِى ٱلْمُحْسِنِينَ ﴿٨٤﴾ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَىٰ
وَعِيسَىٰ وَإِلْيَاسَ ۖ كُلٌّ مِّنَ ٱلصَّٰلِحِينَ ﴿٨٥﴾ وَإِسْمَٰعِيلَ وَٱلْيَسَعَ وَيُونُسَ وَلُوطًا ۚ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿٨٦﴾ وَ
مِنْ ءَابَآئِهِمْ وَذُرِّيَّٰتِهِمْ وَإِخْوَٰنِهِمْ ۖ وَٱجْتَبَيْنَٰهُمْ وَهَدَيْنَٰهُمْ إِلَىٰ صِرَٰطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٨٧﴾ ذَٰلِكَ هُدَى ٱللَّهِ يَهْدِى بِهِۦ
مَن يَشَآءُ مِنْ عِبَادِهِۦ ۚ وَلَوْ أَشْرَكُوا۟ لَحَبِطَ عَنْهُم مَّا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ﴿٨٨﴾ أُو۟لَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ ءَاتَيْنَٰهُمُ ٱلْكِتَٰبَ وَٱلْحُكْمَ وَ
ٱلنُّبُوَّةَ ۚ فَإِن يَكْفُرْ بِهَا هَٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوا۟ بِهَا بِكَٰفِرِينَ ﴿٨٩﴾ أُو۟لَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ هَدَى ٱللَّهُ ۖ فَبِهُدَىٰهُمُ

ہیں (اسے علم و دلیل کا عرفان دے کر) بلند کر دیتے ہیں اور یقیناً تمھارا پروردگار حکمت والا، علم رکھنے والا ہے!

(۸۴) اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق اور (اسحاق کا بیٹا) یعقوب دیا۔ ہم نے ان سب کو راہ راست دکھائی اور ابراہیم سے پہلے نوح کو دکھا چکے ہیں۔

اور ابراہیم کی نسل میں سے داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ، ہارون کو بھی (یہی) راہ دکھائی۔ اسی طرح نیک کرداروں کو (ان کی نیک کرداری کا) بدلہ دیتے ہیں۔

(۸۵-۸۶) اور زکریا، یحییٰ، عیسیٰ، اور الیاس کو، کہ یہ سب صالح انسانوں میں سے تھے۔ اور نیز اسمٰعیل، الیسع، یونس اور لوط کو، کہ ان سب کو ہم نے دنیا والوں پر برتری دی تھی۔

(۸۷) اور ان کے آباؤ اجداد، اور ان کی نسل، اور ان کے بھائی بندوں میں سے بھی کتنوں ہی کو ہم نے اسی راہ چلایا۔ ان سب کو ہم نے برگزیدہ کیا تھا، اور (فلاح و سعادت کی) سیدھی راہ ان پر کھول دی تھی!

(۸۸) یہ اللہ کی ہدایت ہے۔ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اس کی روشنی دکھا دے۔ اور اگر یہ لوگ (توحید کی راہ چھوڑ کر) شرک کرتے، تو (یقین کرو، کبھی فلاح و سعادت کی راہ نہ پاتے، اور) ان کا سارا کیا دھرا اکارت جاتا!

حضرت ابراہیم (علیہ السلام) اور ان کی نسل کی یہ تمام شخصیتیں جن کا ذکر کیا گیا، دین حق پر کہ توحید کی راہ ہے، کاربند تھے، اور خدا نے انھیں کتاب و نبوت کی برگزیدگی کے لئے چن لیا۔ پس اے پیغمبر! تم بھی انھی کے نقش قدم پر چلو۔ عنقریب خدا ایک گروہ پیدا کرے گا جو اس راہ کی پیروی و حفاظت اپنے ذمے لے لیگا اور انکار کرنے کی جگہ سچائی کا شناسا ہوگا۔ چنانچہ مہاجرین و انصار کا گروہ پیدا ہو گیا جس نے اس راہ کی حفاظت اپنے ذمے لے لی۔

(۸۹) (اے پیغمبر!) یہ وہ لوگ ہیں جنھیں ہم نے کتاب، اور حکومت اور نبوت (کی نعمت) عطا فرمائی۔ پھر اگر یہ (مشرکین عرب) اس نعمت سے انکار کرتے ہیں تو انکار کریں۔ ان کے انکار سے کچھ بگڑنے والا نہیں۔ ہم نے اس کی (پیروی و حفاظت) ایک ایسے گروہ کے حوالے کر دی ہے جو (ان لوگوں کی طرح) سچائی سے انکار کرنے والا نہیں (بلکہ اس کا شناسا اور قدر شناس ہے)

(۹۰) (اے پیغمبر!) یہ وہ لوگ ہیں جنھیں خدا نے راہ حق دکھا دی۔ پس انھی کی راہ کی تم بھی پیروی کرو۔ تم کہہ دو

اقْتَدِهْ ۗ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۗ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ؏ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ
اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ۗ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّ
هُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ۗ
قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ۝ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ
بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى

۹۱

۹۲

"میں اس (رہنمائی) پر تم سے کوئی بدلہ نہیں مانگتا۔ یہ اس کے سوا کچھ نہیں ہو کہ تمام دنیا کے لیے پند و نصیحت ہو (اور جب پند و نصیحت ہو، تو تم مجھے کتنی ہی تکلیف و اذیت دو، میں اداءِ فرض سے باز آنے والا نہیں۔ میں تمھیں پند و نصیحت کرتا ہی رہوں گا)

۹۱ اور دیکھو! جب ان لوگوں نے کہا "خدا نے کسی انسان پر کوئی چیز نہیں اتاری ہے" (یعنے وحی و تنزیل سے انکار کیا) تو خدائی کا جو اندازہ کرنا چاہیے، وہ انھوں نے نہیں کیا۔ (اے پیغمبر!) تم کہو (اگر ایسا ہی ہو تو) کس نے وہ کتاب اتاری جسے موسیٰ لایا تھا؟ (وہ کتاب) جو لوگوں کے لیے روشنی اور ہدایت ہے، اور جسے تم اوراق کا مجموعہ بنا کر لوگوں کو دکھاتے ہو؟ اور (اس کے مطالب و احکام میں سے) بہت کچھ پوشیدہ رکھتے ہو؟ نیز (جس کے ذریعے) تمھیں وہ باتیں سکھلائی گئیں جو پہلے نہ تو تم جانتے تھے، نہ تمھارے باپ دادا جانتے تھے؟

(اے پیغمبر!) تم کہو "اللہ نے!" اور پھر انھیں ان کی کاوشوں (اور کج بحثیوں) میں چھوڑ دو کہ (اس بات کا کوئی معقول جواب نہ پا کر اپنی بیہودہ سرائیوں میں) کھیلتے رہیں۔

یہاں ان لوگوں کا رد کیا ہے جو وحی و کتاب کے نزول پر تعجب کرتے تھے، اور کہتے تھے، خدا کی طرف سے کوئی کتاب کسی انسان پر نازل نہیں ہو سکتی۔ یہ محض عوی ہی دعویٰ ہے۔

منکرین تنزیل زیادہ تر قریش کے لوگ تھے۔ سوائے ان کے علماء اہل کتاب کا تھا۔ یہ لوگ اگرچہ وحی و تنزیل کے منکر نہ تھے لیکن تعصب و عناد کی وجہ سے نزول قرآن پر اظہار تعجب کرتے، اور کہتے خدا کا کلام بھی اس طرح نازل نہیں ہو سکتا۔ چونکہ عرب میں یہی لوگ پڑھے لکھے اور باخبر سمجھے جاتے تھے اس لیے مشرک بھی ان کی باتوں سے حجت پکڑتے تھے۔ دوسرا گروہ منکرین کی حجت کا تھا۔

پس یہاں پہلے علماء اہل کتاب کو الزامی جواب دیا ہے۔ اگر خدا اپنا کلام نازل نہیں کرتا، تو حضرت موسیٰ پر کس نے تورات نازل کی تھی جسے اوراق و صحائف میں لکھتے رہتے ہو، اور جس کی بعض باتوں کو تو ظاہر کرتے ہو لیکن اس کے احکام بڑا حصہ سے چھپاتے ہو؟

پھر فرمایا یہ کلام حق جو نازل ہوا ہے، بلاشبہ جن لوگوں نے [illegible] سے روگرداں ہو [illegible] نیکی کی دعوت دیتا ہو، اور اپنی دعوت سے ایک ایسی جماعت پیدا کر دی ہو جو عبادت الٰہی میں ثابت قدم ہو۔ کیا ممکن ہو کہ جو انسان ایک ایسے مبارک کلام کا حامل ہو، وہ افترا پردازی کرنے والا ہو جس کو [illegible] کا حامل نہیں ہو سکتا؟

اس کے بعد آیت (۹۳) سے (۹۴) تک منکرین تنزیل کو [illegible]

۹۲ اور (دیکھو) یہ کتاب (قرآن) ہے جسے ہم نے (تورات کی طرح) نازل کیا۔ برکت والی، اور جو کتابیں اس سے پہلے (نازل ہو چکی ہیں) اُس کی تصدیق کرنے والی، اور اس لیے نازل کی، تاکہ تم ام القریٰ (یعنے شہر مکہ

وَمَنْ حَوْلَهَا ۚ وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ يُؤْمِنُونَ بِهِ ۖ وَهُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ﴿۹۲﴾ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ قَالَ أُوحِيَ إِلَيَّ وَلَمْ يُوحَ إِلَيْهِ شَيْءٌ وَمَن قَالَ سَأُنزِلُ مِثْلَ مَا أَنزَلَ اللَّهُ ۗ وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُو أَيْدِيهِمْ أَخْرِجُوا أَنفُسَكُمُ ۖ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنتُمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنتُمْ عَنْ آيَاتِهِ تَسْتَكْبِرُونَ ﴿۹۳﴾ وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فُرَادَىٰ كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَتَرَكْتُم مَّا خَوَّلْنَاكُمْ وَرَاءَ ظُهُورِكُمْ ۖ وَمَا نَرَىٰ مَعَكُمْ شُفَعَاءَكُمُ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ أَنَّهُمْ فِيكُمْ شُرَكَاءُ ۚ لَقَد تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنكُم مَّا كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿۹۴﴾ إِنَّ اللَّهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَىٰ ۖ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ

ع ۱۲

کے باشندوں کو، اور اُن کو جو اس کے چاروں طرف ہیں (گمراہیوں کے نتائج سے) ڈراؤ۔ سو جو لوگ آخرت کا یقین رکھتے ہیں وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں، اور (ایمان لانے کے بعد ایسے ہو گئے ہیں کہ) اپنی نمازوں کی نگہداشت سے غافل نہیں ہوتے!

(۹۳) اور اس سے بڑھ کر ظلم کرنے والا کون ہو جو خدا پر جھوٹ بول کر افترا کرے؟ یا کہے مجھ پر وحی کی گئی ہے، اور حقیقت میں اس پر کوئی وحی نہیں آئی؟ اور نیز اس سے جو (خدا کی وحی کا مقابلہ کرے، اور) کہے میں بھی ایسی ہی بات اُتار دکھاؤں گا جیسی خدا نے اُتاری ہے؟ اور (اے پیغمبر!) تم تعجب کرو اگر ظالموں کو اُس حالت میں دیکھو جب جانکنی کی بے ہوشیوں میں (بے دم) پڑے ہوں گے، اور فرشتے (ان کی جان نکالنے کے لئے) ہاتھ بڑھائے ہوں گے کہ "اپنی جانیں (اپنے جسم سے) خارج کرو۔ آج کا دن وہ دن ہے کہ جو کچھ تم خدا پر تہمتیں باندھتے تھے اور اس کی آیتوں کی تصدیق سے گھمنڈ کرتے تھے، اُس کی پاداش میں تمھیں رسوائی کا عذاب دیا جائے!"

(۹۴) اور پھر خدا فرمائے گا "دیکھو، بالآخر تم ہمارے حضور تن تنہا آ گئے جس طرح تمھیں پہلی مرتبہ تن تنہا پیدا کیا تھا، اور جو کچھ (ساز و سامان) تمھیں (دنیا میں) دیا تھا، وہ سب اپنے پیچھے چھوڑ گئے۔ آج ہم تمھارے ساتھ اُن ہستیوں کو نہیں دیکھتے جنھیں تم نے وسیلۂ شفاعت سمجھا تھا، اور جن کی نسبت تمھارا زعم تھا کہ تمھارے کاموں میں وہ خدا کے شریک ہیں۔ تمھارے (اعتماد باطل کے) سارے رشتے ٹوٹ گئے، اور جو کچھ تم زعم رکھتے تھے، سب تم سے کھوئے گئے!"

(۹۵) (دیکھو) یہ اللہ ہی کی کارفرمائی ہے کہ وہ (بیج کے) دانے اور گٹھلی کو (جو زمین میں ڈال دی جاتی ہے یا خود بخود گر جاتی ہے) شق کر دیتا ہے (اور ایک خشک دانے سے زندہ اور پھلنے پھولنے والا درخت پیدا ہو جاتا ہے) وہ زندے کو مُردے سے نکالتا ہے، اور (وہی) مُردے کو زندے

منکرینِ وحی و تنزیل کا تحقیقی جواب۔
اُن کا یہ اعتقاد نقل کرنے کے بعد آیت (۹۱) میں فرمایا تھا، خدا کی خالقیت کا جیسا اندازہ کرنا چاہیے تھا، انھوں نے نہیں کیا۔ یعنی اگر صفات و افعالِ الٰہی کی انھیں معرفت ہوتی تو کبھی ایسا اعتقاد نہ رکھتے۔ گویا یہ جواب تھا۔ اب یہاں اس کی تشریح کر دی ہے:
جس پروردگارِ عالم کی ربوبیت و رحمت کا یہ حال ہے کہ اس نے

مِنَ الْحَيِّ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ ۖ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ ۝ فَالِقُ الْإِصْبَاحِ وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ (۹۶)
حُسْبَانًا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ۝ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَاتِ (۹۷)
الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۗ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝ وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ (۹۸)
وَمُسْتَوْدَعٌ ۗ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَفْقَهُونَ ۝ وَهُوَ الَّذِي أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ (۹۹)
نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا

سے نکالنے والا ہے۔ وہی (پروردگارِ حکیم) خدا ہے۔ پھر (افسوس تمھاری سمجھ پر!) تم کدھر کو بہکے چلے جا رہے ہو؟

(۹۶) پردۂ شب چاک کر کے صبح نمودار کرنے والا (اور رات کی تاریکی کو دن کی روشنی میں بدل دینے والا) اسی نے رات کو (تمھارے لئے) راحت و سکون کا سامان بنا دیا اور سورج اور چاند کے طلوع و غروب کا ایسا انتظام کر دیا کہ حساب کا معیار بن گئے (ممکن نہیں ایک پل کے لئے بھی کمی بیشی ہو جائے) یہ اس کا ٹھہرایا ہوا اندازہ ہے جو سب پر غالب اور علم رکھنے والا ہے!

(۹۷) اور وہی ہے جس نے تمھارے لئے ستارے بنائے کہ بیابانوں اور سمندروں کی تاریکیوں میں ان کی علامتوں سے راہ پالو۔ بلاشبہ ہم نے ان لوگوں کے لئے جو جاننے والے ہیں اپنی (ربوبیت و رحمت کی) نشانیاں تفصیل کے ساتھ بیان کر دی ہیں!

تمھاری زندگی و معیشت کے لئے ہر طرح کا سر و سامان مہیا کر دیا؟ اور کارخانۂ خلقت کی کوئی چیز نہیں جو فیضان و افادہ سے خالی ہو۔ کیونکر ممکن تھا کہ تمھارے جسم کی ہدایت و پرورش کے لئے تو سب کچھ کر دیتا، مگر تمھاری روح کی ہدایت و پرورش کے لئے کچھ بھی نہ کرتا؟

روح کی ہدایت و پرورش کا یہی سر و سامان ہے جو وحی و تنزیل کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔ اگر تم کہتے ہو کہ ایسا ہونا ضروری نہیں تو یقیناً تم نے خدا کی صفتوں اور کاموں کو جاننے اور سمجھنے کی کوشش نہیں کی، اور اسے اس منزلت سے گرا دینا چاہا جس کی تمام ہستی شہادت دے رہی ہے!

وہ جو زمین کی موت کو زندگی سے بدل دیتا ہے کیا انسانی روح کی موت کو زندگی سے نہیں بدل دے گا؟ وہ جو ستاروں کی روشنی سے بیابانوں اور سمندروں میں تمھاری رہنمائی کرتا ہے کیا انسانی روح کی رہنمائی کے لئے کوئی روشنی [illegible] ہو؟ تم اس بات پر تو کبھی تعجب نہیں کرتے کہ [illegible] آسمان سے باران رحمت برس رہی ہے۔ پھر تم کیوں تعجب کرتے ہو کہ انسان کی روحانی پرورش کے لئے سامان حیات مہیا ہو؟ اور روحانی زندگی [illegible] افسوس کہ تم نے ایسا سمجھ کر خدا کی رحمت و ربوبیت کی بڑی ہی ناقدری کی!

(۹۸) اور (پھر دیکھو) وہی ہے جس نے تمھیں ایک ہی جان سے نشو و نما دی۔ پھر تمھارے لئے قرار پانے کی جگہ ہے (یعنے شکم مادر) اور سپردگی کا مقام ہے (یعنے مرنے کی جگہ)۔ بلاشبہ جو لوگ بات کی سمجھ بوجھ رکھنے والے ہیں ان کے لئے ہم نے اپنی نشانیاں تفصیل کے ساتھ بیان کر دی ہیں!

(۹۹) اور (دیکھو) وہی ہے جو آسمان سے (یعنے بلندی سے) پانی برساتا ہے۔ پھر اس سے ہر طرح کی روئیدگی پیدا کر دیتا ہے۔ پھر روئیدگی سے ہری ہری ٹہنیاں نکل آتی ہیں اور ٹہنیوں سے دانے نمودار ہو جاتے ہیں۔

وَمِنَ النَّخْلِ مِن طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَجَنَّاتٍ مِّنْ أَعْنَابٍ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۗ انظُرُوا إِلَىٰ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَيَنْعِهِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكُمْ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۞ وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ ۖ وَخَرَقُوا لَهُ بَنِينَ وَبَنَاتٍ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يَصِفُونَ ۞ بَدِيعُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ وَلَدٌ وَلَمْ تَكُن لَّهُ صَاحِبَةٌ ۖ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۖ وَهُوَ

ایک دانے سے دوسرا دانہ ملا ہوا۔ اور (اسی طرح) کھجور کے درخت سے (بھی پھل پیدا ہو جاتے ہیں) جسکی شاخوں میں گچھے جھکے پڑتے ہیں۔ اور (اسی طرح) انگور، زیتون، اور انار کے باغ پیدا کئے۔ صورت شکل میں ایک دوسرے کے مانند، اور ایک دوسرے سے الگ الگ۔ انکے پھلوں کو دیکھو جب درختوں میں پھل لگتا ہو (کہ کیسے عجیب غریب طریقہ سے ٹہنیوں اور جڑوں میں سے نکلتے ہیں؛ اور پھر ایک مقررہ انتظام کے ساتھ درجہ بدرجہ بڑھتے اور پختگی سے قریب ہوتے جاتے ہیں؟) اور پھر انکے پکنے کو دیکھو (کہ پکنے کے بعد اپنے جرم، اپنی رنگت اپنی خوشبو، اور اپنے مزہ میں کیسی عجیب نوعیت پیدا کر لیتے ہیں؟) بلاشبہ جو لوگ یقین رکھتے ہیں ان کے لئے ان باتوں میں (ربوبیت الٰہی کی) بڑی ہی نشانیاں ہیں!

۱۰۰ اور (دیکھو) ان لوگوں نے خدا کے ساتھ جنوں کو (طاقت و تصرف میں) شریک ٹھہرا لیا ہے، حالانکہ (مانتے ہیں کہ تمام مخلوقات کی طرح) انھیں بھی خدا ہی نے پیدا کیا ہے۔ اور انھوں نے بغیر اسکے کہ علم کی روشنی اپنے سامنے رکھتے ہوں، خدا کے لئے بیٹے اور بیٹیاں بھی تراش لی ہیں۔ خدا کی تقدیس ہو! اس کی ذات تو ان تمام باتوں سے پاک اور بلند ہے جو یہ اسکی نسبت بیان کرتے ہیں!

۱۰۱ وہ آسمانوں کا اور زمین کا موجد ہے (یعنی بغیر کسی سابق مثال کے محض اپنے علم و قدرت سے بنانے والا ہے) یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی اس کا بیٹا ہو جبکہ کوئی اس کی بیوی نہیں؟ اور اسی نے تمام چیزیں پیدا کی ہیں اور

گزشتہ آیات میں ایک طرف تو منکرین وحی و تنزیل کو جواب دیا ہے دوسری طرف کارخانۂ ہستی کے "نظام ربوبیت" سے خدا کی واحد ہستی پر استدلال کیا ہے، اور یہی قرآن کا عام اسلوب بیان ہے۔ "نظام ربوبیت" سے مقصود یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں تمام کائنات خلقت جاری پرورش و کارسازی میں سرگرم ہے، اور اس کی تمام باتیں کچھ اس طرح کی واقع ہوئی ہیں کہ معلوم ہوتا ہے، کسی نے بڑی ہی حکمت اور دقیقہ سنجی کے ساتھ ہماری ہر طرح کی احتیاجات پرورش کا اندازہ کیا ہے اور اسکے مطابق ایک پورا کارخانہ جاری کر دیا ہے۔

قرآن کہتا ہے اگر ایک پروردگار ہستی موجود نہیں تو پھر وہ کون ہے جسنے ربوبیت کا یہ پورا انتظام قائم کر رکھا ہے؟

وہ توحید [illegible]

قرآن کا یہ استدلال برہان ربوبیت سے استدلال ہے۔

آیت ۱۰۰ میں [illegible]

بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيلٌ ۝ ۱۰۲
لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ۝ قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ ۱۰۳-۱۰۴
أَبْصَرَ فَلِنَفْسِهِ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۚ وَمَآ أَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيظٍ ۝ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْآيٰتِ وَلِيَقُولُوا دَرَسْتَ ۱۰۵
وَلِنُبَيِّنَهُ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُونَ ۝ اِتَّبِعْ مَآ أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ وَأَعْرِضْ عَنِ ۱۰۶
الْمُشْرِكِينَ ۝ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ أَشْرَكُوا ۱۰۷

کے تصرفات کر سکتے ہیں

ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے!

۱۰۲ یہی خدا تمہارا پروردگار ہے۔ کوئی معبود نہیں ہے مگر وہی۔ تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا۔ سو دیکھو! اُسی کی بندگی کرو۔ ہر چیز اُسی کے حوالے ہے۔ (یعنے جب خالقیت اُسی کی خالقیت ہے، اور پروردگاری اُسی کی پروردگاری تو پھر اُس کے سوا کون ہے جو تمہاری بندگی و نیاز کا مستحق ہو سکتا ہے؟)

۱۰۳ اُسے نگاہیں نہیں پا سکتیں لیکن وہ تمام نگاہوں کو پا رہا ہے۔ اور وہ بڑا ہی باریک بیں اور آگاہ ہے!

۱۰۴ (دیکھو) تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس علم و دلیل کی روشنیاں آ چکی ہیں (اور جہل و گمراہی کا اب کوئی عذر باقی نہیں رہا) پس اب جو کوئی دیکھے اور سمجھے، تو (اس کا فائدہ) خود اُسی کے لیے ہے، اور جو کوئی (اپنی آنکھ سے کام نہ لے اور) اندھا ہو جائے، تو اُس کا وبال اُسی کے سر آئے گا، اور (اے پیغمبر! تم کہہ دو) میں تم پر کچھ پاسبان نہیں ہوں (کہ جبراً تمہاری آنکھیں کھول دوں)

۱۰۵ اور (دیکھو) اسی طرح ہم گوناگوں طریقوں سے آیتیں بیان کرتے ہیں (تاکہ حجت تمام ہو جائے) اور تاکہ وہ بول اٹھیں تم نے (بیان حق میں کوئی کمی نہیں کی، سب کچھ) پڑھ سنایا۔ نیز اس لیے کہ جو لوگ جاننے والے ہیں اُن کے لیے (دلائل حق) واضح کر دیں۔

۱۰۶ (اے پیغمبر!) تمہارے پروردگار کی طرف سے جو کچھ تم پر وحی کی گئی ہے، تم اس کی پیروی کرو کہ کوئی معبود نہیں ہے مگر صرف اُسی کی ذات، اور مشرکوں کو اُن کے حال پر چھوڑ دو!

۱۰۷ اور اگر اللہ چاہتا، تو (اس کی قدرت رکھتا تھا کہ) انسان کو اس طرح کا بنا دیتا کہ سب ایک ہی راہ چلنے والے ہوتے، اور یہ لوگ شرک نہ کرتے (لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ اُس کی مشیت کا یہی فیصلہ ہوا کہ ہر انسان اپنی اپنی سمجھ اور اپنی اپنی راہ رکھے۔ پس تم جو کچھ کر سکتے ہو

یہاں اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے کہ دنیا میں اختلاف فکر و عمل ناگزیر ہے، اور تم تمام انسانوں کو ایک ہی فکر والے کبھی نہیں بنا سکتے۔ پس جس بات کو تم حق سمجھتے ہو، اُس کی دعوت دو، لیکن اس کی کوشش نہ کرو کہ سب لوگ تمہاری بات ضرور ہی مان لیں۔ جن کی سمجھ میں آئے گی وہ مانیں گے جن کی سمجھ میں نہیں آئے گی نہیں مانیں گے۔ تم لوگوں پر پاسبان بنا کے نہیں بھیجے گئے ہو کہ ہر ایک کے عمل کی پاسبانی کرو۔۔۔ تم میں سے کوئی بھی اپنی

وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُونَ ۝ وَكَذَٰلِكَ
جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينَ الْإِنسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا ۚ وَلَوْ شَاءَ
رَبُّكَ مَا فَعَلُوهُ ۖ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ ۝ وَلِتَصْغَىٰ إِلَيْهِ أَفْئِدَةُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوا
مَا هُم مُّقْتَرِفُونَ ۝ أَفَغَيْرَ اللَّهِ أَبْتَغِي حَكَمًا وَهُوَ الَّذِي أَنزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا ۚ وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ
يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنَزَّلٌ مِّن رَّبِّكَ بِالْحَقِّ ۖ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ۝ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا ۚ لَّا مُبَدِّلَ

جتنی چیزیں بھی (دنیا میں) ہیں سب اُن کے سامنے لاکھڑی کرتے جب بھی یہ ایسا کرنے والے نہ تھے کہ ایمان لے آئیں۔ ہاں، اگر اللہ کی مشیت ہو تو اُس کی قدرت سے کوئی بات باہر نہیں۔ مگر اس نے ہر بات کے لئے ایک قاعدہ مقرر کر رکھا ہے۔ لیکن ان میں اکثر ایسے ہی ہیں جو (یہ حقیقت) نہیں جانتے۔

اور (اے پیغمبر!) اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لئے (جب اس کی دعوت کا ظہور ہوا تو) انسانوں اور جنوں میں سے شیطانوں کو دشمن ٹھہرا دیا، جو ایک دوسرے کو خوشنما باتیں سکھاتے، تاکہ لوگوں کو فریب دیں۔ اور اگر تمہارا پروردگار چاہتا، تو (یقیناً) ایسا کر سکتا تھا کہ وہ دشمنی نہ کرتے۔ مگر اس کی حکمت کا فیصلہ یہی ہوا کہ یہاں روشنی کے ساتھ تاریکی اور حق کے ساتھ باطل بھی اپنی نمود رکھے، پس (ان کی مخالفت سے دل گرفتہ نہ ہو اور) انہیں ان کی افترا پردازیوں پر چھوڑ دو۔

اور (خدا کے نبیوں کے یہ دشمن اس طرح کی باتیں اس لئے سکھاتے ہیں) تاکہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے، ان کے دل (پُر فریب باتیں سُن کر) اُن کی طرف جھک پڑیں اور ان کی باتیں پسند کریں، اور جیسی بدکرداریاں وہ خود کرتے رہتے ہیں ویسی ہی وہ بھی کرنے لگیں۔

(اے پیغمبر! ان لوگوں سے پوچھو کیا تم یہ چاہتے ہو کہ) میں اپنے اور تمہارے درمیان فیصلہ کے لئے خدا کے سوا کوئی دوسرا منصف ڈھونڈوں؟ حالانکہ وہی ہے جس نے تم پر کتاب نازل کر دی جو تفصیل کے ساتھ (سب کچھ) بیان کرنے والی ہے۔

اور (دیکھو) جن لوگوں کو (تم سے پہلے) ہم نے کتاب دی ہے (یعنی یہود و نصاریٰ) وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ قرآن تمہارے پروردگار کی طرف سے سچائی کے ساتھ نازل ہوا ہے۔ پس اُن لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جو (فیصلۂ الٰہی کے بارے میں) شک کرنے والے ہیں!

اور (یاد رکھو) تمہارے پروردگار کی بات سچائی اور انصاف کے ساتھ (پوری ہو کر رہے گی۔ یوں سمجھو کہ) پوری ہو گئی۔ اُس کی باتوں کا (یعنی اُس کے قوانین کا) کوئی بدلنے والا نہیں۔ وہ (سب کچھ) سننے

الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ۝ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ وَيَوْمَ
يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا
اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ۚ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ
اللّٰهُ ۚ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًاۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ
وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ قَالُوْا

کردی ہیں۔

۱۲۷ ان لوگوں کے لئے (جو خدا کی سیدھی راہ پر گامزن ہیں) ان کے پروردگار کے نزدیک سلامتی و عافیت کا گھر ہے اور جیسے کچھ ان کے (نیک) عمل رہے ہیں ان کی وجہ سے وہ اُن کا مددگار و رفیق ہے۔

۱۲۸ اور (دیکھو) اُس دن کیا ہوگا جب خدا ان سب کو (اپنے حضور) جمع کرے گا (اور فرمائیگا) "اے گروہ جن! (یعنے شیاطین!) تم نے تو انسانوں میں سے بڑی تعداد (اپنی وسوسہ اندازیوں سے) اپنے ساتھ لے لی" اور انسانوں میں سے جو لوگ اُن کے رفیق اور مددگار رہیا وہ (اعتراف حقیقت پر مجبور ہو کر) کہیں گے "اے پروردگار! (دنیا میں) ہم ایک دوسرے سے (گمراہی و شقاوت کے کاموں میں) فائدہ اٹھاتے رہے (یعنے گمراہ انسانوں نے شیطانوں کا ہاتھ بٹایا، اور شیطانوں نے انسانوں کا) اور (بالآخر) مقررہ میعاد کی اُس منزل تک پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لئے ٹھہرا دی تھی (اب ہماری قسمتوں کا فیصلہ تیرے ہاتھ ہے) خدا فرمائے گا "تمہارا ٹھکانا آتش دوزخ ہے۔ اسی میں ہمیشہ رہو گے۔ بجز اُن کے جنھیں ہم نجات دینا چاہیں" (اے پیغمبر!) بلاشبہ تمہارا پروردگار (اپنے کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے، اور سب کچھ جاننے والا ہے!

۱۲۹ اور (دیکھو) اس طرح ہم بعض ظالموں کو بعض ظالموں پر مسلط کر دیتے ہیں۔ ان کی اس کمائی کی وجہ سے جو وہ (اپنی بدعملیوں سے) حاصل کرتے رہتے ہیں۔

۱۳۰ (نیز ہم اُس دن ان سے پوچھیں گے کہ) "اے گروہ جن و انس! (تم جو اپنی گمراہیوں اور بدعملیوں کا آج اعتراف کر رہے ہو، تو) کیا تمہارے پاس ہمارے پیغمبر جو تم ہی میں سے تھے نہیں آئے تھے؟ انھوں نے ہماری آیتیں تمہیں نہیں سنائی تھیں؟ اور اس دن سے جو تمہیں پیش آیا ہے نہیں ڈرایا تھا؟" وہ عرض کریں گے "خدایا! ہم اپنے

انسانوں کی کوئی آبادی ایسی نہیں ہے جہاں خدا کے پیغمبر پیدا نہ ہوئے ہوں اور انھوں نے راہ حق دکھا دی ہو۔ خدا کا یہ قانون نہیں کہ وہ کسی قوم و ملک کو ہدایت وحی سے محروم رکھے اور پھر اُس سے مواخذہ کرے۔

ہر فرد اور ہر گروہ کے لئے اس کے اعمال کے مطابق مختلف درجے ہیں اگر اچھے اعمال ہیں تو اچھائی کے اور بُرے اعمال ہیں تو برائی کے درجے ہیں اور انھیں کے مطابق نتائج و عواقب پیش آتے ہیں۔

١٣٩ وَقَالُوا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ
١٤٠ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ۭ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ
١٤١ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓي اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ۭ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ۭ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝ قَدْ خَسِرَ
١٤٢ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَي اللّٰهِ ۭ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝ وَهُوَ
الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ

ع ٣

نام پر جو کچھ افترا پردازیاں کر رہے ہیں، اس کا نتیجہ خود ان کے آگے آئیگا۔ وہ مکافات کیسے سے ٹلنے والے نہیں)

١٣٩ اور کہتے ہیں "یہ کھیت اور چارپائے ممنوع ہیں۔ انھیں اُس آدمی کے سوا کوئی نہیں کھا سکتا جسے ہم اپنے خیال کے مطابق کھلانا چاہیں" (یعنے جن بتوں کی نیاز کر دیں صرف اُسی کے مجاور کھا سکتے ہیں، دوسروں کے لئے کھانا جائز نہیں) اور (اسی طرح) کچھ جانور ہیں کہ (اُن کے خیال میں) اُن کی پیٹھ (پر سوار ہونا یا سامان لادنا) حرام ہے۔ اور کچھ جانور ایسے ہیں کہ (ذبح کرتے ہوئے) اُن پر خدا کا نام نہیں لیتے، کیونکہ خدا پر افترا کرکے اُنھوں نے یہ طریقہ نکال لیا ہے (سو جیسی کچھ یہ افترا پردازیاں کرتے رہتے ہیں) قریب ہے کہ خدا انھیں اُس کی سزا دے گا!

١٤٠ اور کہتے ہیں ان چارپایوں کے پیٹ میں سے جو زندہ بچہ نکلے وہ صرف ہمارے مردوں کے لئے حلال ہے۔ ہماری عورتوں کے لئے حلال نہیں۔ اور اگر مردہ ہو تو پھر اس کے کھانے میں مرد و عورت سب شریک ہیں! (کیسی جہالت کی بات ہے جو یہ کہتے ہیں) قریب ہے کہ خدا انھیں ان کی ان (بے اصل) تقسیموں کی سزا دیگا (جو اپنے جی سے اُنھوں نے گڑھ لی ہیں) بلاشبہ وہ حکمت والا اور جاننے والا ہے (اس لئے ایسے لغو اور بے معنی احکام اُس کے ٹھرائے ہوئے احکام نہیں ہو سکتے)

١٤١ یقیناً وہ تباہ و برباد ہوئے جنھوں نے جہالت سے اپنی اولاد (اپنے ہاتھوں) مار ڈالی اور (اسی طرح) جو کچھ خدا نے اُن کے لئے رزق پیدا کیا ہے، اُسے خدا پر افترا پردازی کرکے حرام ٹھرایا۔ بلاشبہ وہ گمراہ ہوئے اور بلاشبہ وہ سیدھی راہ پر چلنے والے نہ تھے!

سع

١٤٢ اور (دیکھو) وہ خدا ہی ہے جس نے (طرح طرح کے درختوں کے) باغ پیدا کر دیئے۔ ٹٹیوں پر چڑھائے ہوئے (جیسے انگور کی بیلیں) اور بغیر ٹٹیوں کے (جیسے عام طور پر تمام درخت ہوتے ہیں) اور کھجور کے درخت اور کھیتیاں جن کے پھل مختلف قسموں کے ہوتے ہیں، نیز زیتون اور انار کے درخت۔ صورت شکل میں ایک دوسرے سے ملتے ہوئے اور (مزہ میں) ایک دوسرے سے مختلف ہو (خدا کی اس پیداوار کے) پھل شوق سے کھاؤ جب اس میں

كُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ ۖ وَلَا تُسْرِفُوا ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ۝ (۱۴۱) وَ
مِنَ الْأَنْعَامِ حَمُولَةً وَفَرْشًا ۚ كُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ
مُبِينٌ ۝ (۱۴۲) ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ ۖ مِنَ الضَّأْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ۗ قُلْ آلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ أَمِ الْأُنْثَيَيْنِ أَمَّا اشْتَمَلَتْ
عَلَيْهِ أَرْحَامُ الْأُنْثَيَيْنِ ۖ نَبِّئُونِي بِعِلْمٍ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ (۱۴۳) وَمِنَ الْإِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ۗ قُلْ آلذَّكَرَيْنِ
حَرَّمَ أَمِ الْأُنْثَيَيْنِ أَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ أَرْحَامُ الْأُنْثَيَيْنِ ۖ أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ وَصَّاكُمُ اللَّهُ بِهَٰذَا ۚ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ
افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا لِيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝ (۱۴۴) قُلْ لَا أَجِدُ

پھل لگ جائیں، اور جبکہ جس دن فصل کاٹو تو اس کا حق (یعنی زکوٰۃ) بھی دیا کرو، اور اسراف نہ کرو۔ خدا انھیں دوست نہیں رکھتا جو اسراف کرنے والے ہیں۔

(۱۴۲) اور (دیکھو) اسی خدا نے (تمھارے لئے) چار پایوں میں سے کچھ تو بوجھ اٹھانے والے پیدا کر دیئے ہیں (جیسے اونٹ گھوڑا) اور کچھ زمین سے لگے ہوئے (یعنی بلند قامت نہیں ہیں کہ سواری اور لادنے کے کام آئیں جیسے بھیڑ بکری) سو جو کچھ خدا نے تمھارے رزق کے لئے پیدا کر دیا ہے، اسے (بلا تامل) کھاؤ، اور شیطان کے قدم بہ قدم نہ چلو۔ وہ بلاشبہ تمھارا آشکارا دشمن ہے۔

(۱۴۳) چار پایوں میں (جن کا گوشت کھایا جاتا ہے) آٹھ قسمیں پیدا کیں۔ بھیڑ میں سے دو قسم (یعنی نر اور مادہ) اور بکری کی دو قسمیں (نر اور مادہ) اے پیغمبر! ان لوگوں سے پوچھو (تم نے اپنے وہم و خیال سے جو حلت و حرمت کے قاعدے بنا رکھے ہیں، تو بتلاؤ) خدا نے ان میں سے کس جانور کو حرام کر دیا ہے؟ دونوں قسموں کے نر کو، یا مادہ کو، یا پھر اس بچے کو جسے دونوں قسموں کی مادہ اپنے شکم میں لئے ہوئے ہے؟ اگر تم سچے ہو، تو مجھے علم کے ساتھ اس کا جواب دو (یعنی اس کی کوئی اصل اور سند پیش کرو)

(۱۴۴) اور (دیکھو اسی طرح) اونٹ میں سے دو قسمیں ہیں اور گائے میں سے دو قسمیں (یعنی نر و مادہ) تم ان سے پوچھو کیا ان میں سے نر کو حرام کر دیا ہے، یا مادہ کو، یا اس کو جو ان دونوں کی مادہ اپنے شکم میں لئے ہوتی ہے؟ پھر تم (جو بغیر کسی علم و اساس کے خدا کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام کر دیتے ہو، تو) کیا تم اس وقت خدا کے پاس حاضر تھے جب اس نے تمھیں اس بارے میں حکم دیا تھا؟ پھر بتلاؤ، اس آدمی سے زیادہ ظلم کرنے والا کون ہے جو لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے خدا پر افترا پردازی کرے اور اس کے پاس (اس بارے میں) کوئی علم نہ ہو؟ بلاشبہ خدا ان لوگوں پر (سعادت و فلاح کی) راہ نہیں کھولتا جو ظلم کرنے والے ہیں!

(۱۴۵) (اے پیغمبر!) تم کہہ دو۔ جو وحی مجھ پر بھیجی گئی ہے اس میں کوئی چیز حرام نہیں پاتا کہ کھانے والے پر اس کا

جانوروں کی حلت و حرمت کے بارے میں اعلان کہ جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے، ان میں سے صرف چار چیزیں حرام ہیں جو بیان

فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَن يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَّسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ

۱۴۶ وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ ۖ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا أَوِ الْحَوَايَا أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۚ ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُم بِبَغْيِهِمْ ۖ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ

۱۴۷ فَإِن كَذَّبُوكَ فَقُل رَّبُّكُمْ ذُو رَحْمَةٍ وَاسِعَةٍ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُهُ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ

۱۴۸ سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِن شَيْءٍ ۚ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ

کھانا حرام ہو، الّا یہ کہ مردار ہو، یا بہتا ہوا خون ہو یا سؤر کا گوشت ہو، کہ یہ چیزیں بلاشبہ گندگی ہیں، یا پھر جو چیز موجب معصیت ہو کہ غیر خدا کا نام اس پر پکارا گیا ہو تو بلاشبہ وہ بھی حرام ہوا، پھر اگر کوئی آدمی (حلال چیز نہ ملنے کی وجہ سے) مجبور ہو جائے اور مقصود نافرمانی نہ ہو، نہ حدِ ضرورت سے گزر جانا (اور وہ جان بچانے کے لئے ان حرام چیزوں میں سے کچھ کھالے) تو بلاشبہ تمہارا پروردگار بخشنے والا رحمت والا ہے!

کردی گئیں۔ انکے سوا سب اوہام و خرافات ہیں۔

بلاشبہ یہودیوں کو ناخن والے جانوروں اور گائے بکری کی چربی کے استعمال سے روک دیا گیا تھا۔ مگر اس لئے نہیں کہ یہ چیزیں حرام ہیں، بلکہ اس لئے کہ یہودیوں کی بے قیدانہ ہوا پرستیوں کی تربیت کے لئے ضروری تھا کہ عارضی طور پر بعض مباحات روک دی جائیں۔ (دیکھو النساء: ۱۵۸)

۱۴۶ اور یہودیوں پر ہم نے تمام ناخن والے جانور حرام کر دیئے تھے، اور گائے اور بکری میں سے انکی چربی بھی حرام کردی تھی۔ مگر وہ چربی جو ان کی پیٹھ پر لگی ہو یا انتڑیوں میں ہو، یا ہڈی کے ساتھ ملی ہوئی ہو۔ یہ ہم نے انھیں ان کی سرکشی کی سزا دی تھی (یہ بات نہ تھی کہ یہ چیزیں فی نفسہ حرام ہوں) اور بلاشبہ ہم (بیان کرنے میں) سچے ہیں!

۱۴۷ پھر اگر (اے پیغمبر!) یہ لوگ تمھیں جھٹلائیں، تو ان سے کہدو۔ تمھارا پروردگار بڑی ہی وسیع رحمت رکھنے والا ہے (اس لئے اس نے مہلتوں پر مہلتیں دے رکھی ہیں۔ لیکن ساتھ ہی جزا و سزا کا قانون بھی رکھتا ہے) اور مجرموں پر سے اس کا عذاب کبھی ٹلنے والا نہیں!

۱۴۸ جن لوگوں نے شرک کا شیوہ اختیار کیا ہے، وہ کہیں گے "اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادا شرک نہ کرتے، اور نہ کسی چیز کو (اپنے خیال کے مطابق) حرام ٹھہراتے۔" سو (دیکھو) اسی طرح ان لوگوں نے بھی سچائی کو جھٹلایا تھا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ یہاں تک کہ (بالآخر) ہمارے عذاب کا مزہ چکھنا پڑا

مشرکین عرب کہتے تھے۔ اگر ہمارا اور ہمارے باپ دادوں کا طریقہ گمراہی کا طریقہ ہے، تو کیوں خدا نے ہمیں گمراہ ہونے دیا؟ کیوں اس نے ایسا نہ کیا کہ ہم گمراہ نہ ہوتے؟ جب سب کچھ اسی کی مشیت سے ہوتا ہے تو جو کچھ ہم کر رہے ہیں یہ بھی اسی کی مشیت سے ہے۔

قرآن انکے اس خیال کو جہل و کوری کا خیال قرار دیتا ہے اور کہتا ہے، اس بارے میں انکے سامنے کوئی روشنی نہیں۔

بلاشبہ اگر خدا چاہتا تو سب کو ایک ہی راہ پر چلا دیتا، اس کی قدرت سے یہ بات باہر نہیں۔ لیکن اس کی مشیت کا فیصلہ یہی ہوا کہ انسان

مِن قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذَاقُوا بَأْسَنَا ۗ قُلْ هَلْ عِندَكُم مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا ۖ إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ ۝ قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۖ فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ ۝ قُلْ هَلُمَّ شُهَدَاءَكُمُ الَّذِينَ يَشْهَدُونَ أَنَّ اللَّهَ حَرَّمَ هَٰذَا ۖ فَإِن شَهِدُوا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَهُم بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ ۝ قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ ۖ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا ۖ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۖ وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُم مِّنْ إِمْلَاقٍ ۖ نَّحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ ۖ

ع　۱۵۰-۱۵۱　۱۵۲

(اے پیغمبر!) تم کہو: کیا تمھارے پاس (اس بارے میں) کوئی علم و یقین ہے جسے ہمارے سامنے پیش کر سکتے ہو؟ (اگر ہے تو پیش کرو!) اصل یہ ہے کہ تم پیروی نہیں کرتے مگر محض وہم و گمان کی، اور تم (اپنی باتوں میں) اسکے سوا کچھ نہیں ہو کہ بے سمجھے بوجھے باتیں بناتے ہو!

عقل و ارادہ و قدرت کے اور جہالت کے سبب اور ہر عمل کے نتیجے ٹھہرائے ہیں یہاں روشنی کے ساتھ تاریکی، حق کے ساتھ باطل، اور ہدایت کے ساتھ گمراہی کی راہیں بھی کھلی ہیں۔ اب جو کوئی چاہے ہدایت کی راہ اختیار کرے، جس کا جی چاہے گمراہی کی۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن کے نزدیک یہ سمجھنا کہ اگر خدا چاہتا تو ہم برائی نہ کرتے، جہل و کفر کی بات ہے۔ ایمان و بصیرت کی بات نہیں ہو۔

۱۵۰ (اے پیغمبر!) تم کہہ دو: اللہ ہی کے لئے کامل اور پکی دلیل ہو (جو اس نے سمجھ بوجھ رکھنے والوں پر واضح کر دی ہے) پس اگر وہ چاہتا تو تم سب کو راہ دکھا دیتا (کیونکہ اس کی قدرت سے کوئی بات باہر نہیں مگر یہ واقعہ ہے کہ اس نے ایسا نہیں چاہا، اور اس کی حکمت کا فیصلہ یہی ہوا)

۱۵۱ (اے پیغمبر!) ان سے کہو: (اگر تم اپنے گھڑے ہوئے قاعدوں سے ان جانوروں کو حرام ٹھہراتے ہو تو) اپنے شاہدوں کو (یعنی حکم دینے والوں کو) بلاؤ جو اس بات کی شہادت دیں کہ خدا نے (سچ مچ کو) یہ چیز حرام کر دی ہے۔ پھر اگر (بالفرض) انکے (جھوٹے شاہد) اس کی شہادت دے بھی دیں جب بھی تم انکے ساتھ ہو کر اس کا اعتراف نہ کرو (کیونکہ حقیقت کے صریح خلاف ہے) تم ان لوگوں کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو جنھوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں اور جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے، اور دوسری ہستیوں کو اپنے پروردگار کے برابر ٹھہراتے ہیں۔

۱۵۲ (اے پیغمبر!) ان سے کہو: آؤ، میں تمھیں (کلام الٰہی میں) پڑھ کر سناؤں جو کچھ تمھارے پروردگار نے تم پر حرام کر دیا ہے: خدا کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو۔ ہم ہی تمھیں رزق دیتے

جن چیزوں کو تم نے اپنے اوہام و خرافات سے حرام سمجھ رکھا ہے فی الحقیقت وہ حرام نہیں ہیں۔ حرام تو وہ اعمال و اشیاء ہیں جو حق و راستی کے خلاف ہیں اور جن سے خدا کے تمام پیغمبروں نے متفقہ طور پر نوع انسانی کو روکا ہے۔
اس کے بعد ان برائیوں کا ذکر کیا ہے جو انسانی شقاوت کی بنیادی برائیاں ہیں، اور ان محاسن کی دعوت دی ہے جو [illegible] باری

وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ
لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝ وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ
بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم
بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝ وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ
ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ ثُمَّ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ تَمَامًا عَلَى الَّذِي أَحْسَنَ وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَ
هُدًى وَرَحْمَةً لَّعَلَّهُم بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ۝ وَهَٰذَا كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ فَاتَّبِعُوهُ وَاتَّقُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝ أَن

کی بنیادی سچائیاں ہیں

ہیں اور انھیں بھی دینگے۔ اور بے حیائی کی باتوں کے قریب بھی نہ جاؤ۔ کھلے طور پر ہوں یا پوشیدہ ہوں۔ اور کسی جان کو قتل نہ کرو جسے خدا نے حرام ٹھرا دیا ہے، مگر یہ کہ کسی حق کی بنا پر قتل کرنا پڑے (جیسے قصاص میں) یہ ہیں وہ باتیں جن کی خدا نے تمھیں نصیحت کی ہے تاکہ تم عقل و بینش سے کام لو

۱۵۲ اور (اسی طرح) یتیموں کے مال کے نزدیک نہ جاؤ (یعنے اس میں تصرف کرنے کا ارادہ بھی نہ کرو) الّا یہ کہ اچھے طریقہ پر ہو (یعنے اُنکے فائدہ اور نگہداشت کے لئے نگہبانی کرنی چاہو) تو یہ بھی اُس وقت تک کہ یتیم اپنی عمر کو پہنچ جائیں۔ اور انصاف و دیانت کے ساتھ ماپ تول پورا کرو۔ ہم کسی جان پر اُس کی مقدور سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے (پس جہاں تک تمھارے بس میں ہے، انصاف و دیانت کی کوشش کرو) اور جب کبھی بات کہو، تو انصاف کی کہو، اگرچہ معاملہ اپنے قرابت دار ہی کا کیوں نہ ہو؛ اور اللہ کے ساتھ جو عہد و پیمان کیا ہے، اُسے پورا کرو۔ یہ باتیں ہیں جن کا خدا نے تمھیں حکم دیا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو۔

۱۵۳ اور اُس نے بتلایا کہ (خدا پرستی اور نیک عملی کی) یہی راہ میری (ٹھرائی ہوئی) سیدھی راہ ہے۔ سو اسی پر چلو اور (دوسری) راہوں پر نہ چلو کہ خدا کی راہ سے بھٹکا کر تمھیں تتر بتر کر دیں۔ یہ بات ہے جس کا خدا نے تمھیں حکم دیا ہے تاکہ تم پرہیزگار ہو جاؤ۔

سچائی اور حقیقت کی سیدھی راہ ایک ہی ہو سکتی ہے، ایک سے زیادہ راہیں سچائی کی راہ نہیں ہو سکتیں۔ پس ایک ہی راہ پر چلو، بہت سی راہوں میں متفرق نہ ہو جاؤ

۱۵۵ پھر دیکھو، ہم نے موسیٰ کو کتاب دی کہ جو کوئی نیک عمل ہو، اُس پر اپنی نعمت پوری کر دیں اور ہر بات کی تفصیل کر دیں، اور لوگوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہو تاکہ اپنے پروردگار کی ملاقات پر ایمان لائیں۔

۱۵۶ اور (اسی طرح) یہ کتاب ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے۔ برکت والی (یعنے اپنے پیروؤں پر برکت کی راہ کھولنے والی) پس چاہئے کہ اس کی پیروی کرو، اور پرہیزگاری کا شیوہ اختیار کرو۔ عجب نہیں کہ تم پر رحم کیا جائے (اور برکت و سعادت کی راہ تم پر کھل جائے!)

۱۵۷ (اے باشندگانِ عرب) ہم نے یہ کتاب اس لئے نازل کی کہ تم یہ نہ کہو کہ خدا نے تو صرف دو جماعتوں پر

تَقُولُوٓا إِنَّمَآ أُنزِلَ ٱلْكِتَٰبُ عَلَىٰ طَآئِفَتَيْنِ مِن قَبْلِنَا وَإِن كُنَّا عَن دِرَاسَتِهِمْ لَغَٰفِلِينَ ۝ أَوْ تَقُولُوا لَوْ أَنَّآ أُنزِلَ عَلَيْنَا ٱلْكِتَٰبُ لَكُنَّآ أَهْدَىٰ مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُم بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن كَذَّبَ بِـَٔايَٰتِ ٱللَّهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ۗ سَنَجْزِى ٱلَّذِينَ يَصْدِفُونَ عَنْ ءَايَٰتِنَا سُوٓءَ ٱلْعَذَابِ بِمَا كَانُوا يَصْدِفُونَ ۝ هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّآ أَن تَأْتِيَهُمُ ٱلْمَلَٰٓئِكَةُ أَوْ يَأْتِىَ رَبُّكَ أَوْ يَأْتِىَ بَعْضُ ءَايَٰتِ رَبِّكَ ۗ يَوْمَ يَأْتِى بَعْضُ ءَايَٰتِ رَبِّكَ لَا يَنفَعُ نَفْسًا إِيمَٰنُهَا لَمْ تَكُنْ ءَامَنَتْ مِن قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِىٓ إِيمَٰنِهَا خَيْرًا ۗ قُلِ ٱنتَظِرُوٓا إِنَّا مُنتَظِرُونَ ۝ إِنَّ ٱلَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا

(یعنے یہودیوں اور عیسائیوں) ہی پر کتاب نازل کی، جو ہم سے پہلے تھے، اور ہمیں اُنکے پڑھنے پڑھانے کی خبر نہ تھی۔

یا کہو، اگر ہم پر بھی کتاب نازل ہوتی، تو ہم اُن جماعتوں سے (جن پر کتاب نازل ہوئی) زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے۔ سو دیکھو، تمھارے پاس بھی تمھارے پروردگار کیطرف سے ایک دلیل، اور ہدایت، اور رحمت آ گئی۔ پھر بتلاؤ، اس سے بڑھ کر ظالم انسان کون ہے جو اللہ کی نشانیاں جھٹلائے، اور اُن سے اعراض کرے؟ (یاد رکھو) جو لوگ ہماری نشانیوں سے اعراض کرتے ہیں ہم انھیں اُس کی پاداش میں عنقریب بدترین عذاب دینگے (یعنے نامرادی وہلاکت کا رسوا کن عذاب جو بالآخر مشرکین مکہ کو پیش آیا)

پھر یہ لوگ (جو سچائی کی نشانیاں دیکھنے پر بھی سرکشی سے باز نہیں آتے تو) کس بات کے انتظار میں ہیں؟ اس بات کے انتظار میں ہیں کہ (آسمان سے) فرشتے اُنکے پاس آ جائیں یا خود تمھارا پروردگار اُن کے سامنے آ کھڑا ہو؟ یا پھر تمھارے پروردگار کی بعض نشانیاں نمودار ہو جائیں؟ (یعنے قیامت کے آثار نمودار ہو جائیں؟) تو (اگر یہ لوگ اسی بات کی راہ تک رہے ہیں، تو انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ) جس دن تمھارے پروردگار کی بعض نشانیاں نمودار ہوں گی، اُس دن کسی انسان کو جو پہلے سے ایمان نہ لا چکا ہو یا اپنے ایمان (کی حالت میں) اُس نے نیکی نہ کمائی ہو، ایمان لانا سود مند نہ ہوگا۔ (اے پیغمبر!) تم کہدو۔ (اگر تمھیں انتظار ہی کرنا ہے تو) انتظار کرتے رہو۔ ہم بھی (فیصلۂ حق و باطل کا) انتظار کرتے ہیں!

(اے پیغمبر!) جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا، اور الگ الگ گروہ بن گئے، تمھیں ان سے کچھ سروکار نہیں (تمھاری راہ دینِ حقیقی کی راہ ہے نہ کہ لوگوں کی بنائی ہوئی گروہ بندیوں کی راہ) ان کا معاملہ

پیروانِ مذاہب کی سب سے بڑی گمراہی یہ ہے کہ انھوں نے دین میں تفرقہ ڈال کر الگ الگ گروہ بندیاں کرلیں اور باہم [illegible] جتھے بنا لئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ نجات و سعادت کا دارومدار ایمان و عمل پر نہ رہا، گروہ بندیوں پر ہو گیا۔ یہ بھی فرمایا جن لوگوں کا شیوہ [illegible] رہا ہے تمھیں اُن سے کچھ سروکار نہیں۔ قرآن کی جس بات کی

قُلْ أَغَيْرَ اللَّهِ أَبْغِي رَبًّا وَهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ۚ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۚ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُم مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿۱۶۴﴾ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ ۗ إِنَّ رَبَّكَ سَرِيعُ الْعِقَابِ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۶۵﴾

---

۱۶۵ اور وہی ہے جس نے تمہیں (ایک دوسرے کا) زمین میں جانشین بنایا، اور تم میں سے بعض کو بعض پر (بہ اعتبار اعمال کے) مرتبے دیئے تاکہ جو کچھ (اختیار و تصرف) تمہیں دیا ہے، اُس میں تمہیں آزمائے (اور طلبِ سعی کا موقع دے۔ اے پیغمبر!) بلاشبہ تمہارا پروردگار (بدعملیوں کی) جلد سزا دینے والا ہے، اور بلاشبہ وہ بخشنے والا، رحمت والا ہے!